اِنّ من الشعر لحکمۃ و اِنّ من البیان لسحراً

حصّہ اوّل

کلیاتِ اکبر الٰہ آبادی

معروف بہ

لسان العصر

کلامِ بلاغت نظام عالیجناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب مرحوم

پنجاب پبلشرز

اردو بازار کراچی

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کہو۔ کریگا حفاظت مری خدا میرا — رہوں جو حق پہ مخالف کرینگے کیا میرا
خدا کے در سے اگر میں نہیں ہوں بیگانہ — تو ذرہ ذرۂ عالم ہے آشنا میرا
مری حقیقتِ ہستی یہ مشتِ خاک نہیں — بجا ہے مجھ سے جو پوچھے کوئی پتا میرا
اُنھیں ہے عقل جو محتاجِ غیر ہے ہر دم — مجھے ہے عشق کہ جو خود ہے مدعا میرا

غرور اُنھیں ہے تو مجھ کو بھی ناز ہے اکبر
سوا خدا کے سب اُن کا ہے اور خدا میرا

دل مرا جس سے بہلتا کوئی ایسا نہ ملا — بُت کے بندے ملے اللہ کا بندا نہ ملا
بزمِ یاراں سے پھری بادِ بہاری مایوس — ایک سر بھی اُسے آمادۂ سودا نہ ملا
گل کے خواہاں تو نظر آئے بہت عطر فروش — طالبِ زمزمۂ بلبلِ شیدا نہ ملا
واہ کیا راہ دکھائی ہے ہمیں مرشد نے — کر دیا کعبے کو گم اور کلیسا نہ ملا
رنگ چہرے کا تو کالج نے بھی رکھا قائم — رنگ باطن میں مگر باپ سے بیٹا نہ ملا
سید اُٹھے جو گزٹ لیکے تو لاکھوں لائے — شیخ قرآن دکھاتے پھرے پیسا نہ ملا

ہوشیاروں میں تو اک اک سے سوا ہیں اکبر
مجھ کو دیوانوں میں لیکن کوئی تجھ سا نہ ملا

عنایت تخلیے میں بزم میں نا آشنا ہونا
غضب ہیں یہ ادائیں دم ہی بھر میں کیا سے کیا ہونا

بتوں کے پہلے بندے تھے مسوں کے اب ہوئے خادم
ہمیں ہر عہد میں مشکل رہا ہے با خدا ہونا

مرا محتاج ہونا تو مری حالت سے ظاہر ہے
مگر ہاں دیکھنا ہے آپ کا حاجت روا ہونا

جو وقت ہے وہ یہ ہے دل نہیں ہی میری کہنے میں
مجھے تسلیم ہے ارشاد واعظ کا بجا ہونا

خدا بنتا تھا منصور اسلیے مشکل یہ پیش آئی
نہ کھنچتا دار پر ثابت اگر کرتا خدا ہونا

بچاتا ہی ہزاروں کفر سے اے واعظ ناداں
بلائے دامِ گیسوئے بتاں میں مبتلا ہونا

مجھے جوشِ طبیعت سے ہوا شوقِ گناہ آخر
عجب کیا ناز سکھلائے اگر ان کو خفا ہونا

صفات حق تعالیٰ فہم منکر میں نہیں آتے
وہ کہتا ہے کہ گویا کچھ نہ ہونا ہی خدا ہونا

خدا اُنسے ملائے تو نہایت ہی خوش آئیگا
نیا عہد وفا بندھنا گذشتہ کا گلا ہونا

طریق مغربی کی کیا یہی روشن ضمیری ہے
خدا کو بھول جانا اور محوِ ما سوا ہونا

دلیل خود میں سے پوچھتی ہے کہ تم مسلم مگر خدا کیا
دل اسکے عاشق سے کہہ رہا ہے کہ اُسکے ہوتے یہ پاس کیا

نہ کچھ تکلف نہ کچھ بناوٹ جو بات تھی دل میں صاف کہہ دی
اگر وہ مانیں تو مہربانی اگر نہ مانیں تو پھر گلا کیا

کبھی لرزتا ہوں کفر سے میں کبھی ہوں قربان بھولے پن پر
خدا کی دیتا ہوں واسطے جب تو پوچھتا ہے وہ بت خدا کیا

جو تمہارے لبِ جاں بخش کا شیدا ہوگا
اُٹھ بھی جائیگا جہاں سے تو مسیحا ہوگا

وہ تو موسیٰ ہوا جو طالب دیدار ہوا
پھر وہ کیا ہوگا کہ جسنے تمہیں دیکھا ہوگا

قیس کا ذکر مری شانِ جنوں کے آگے
اگلے وقتوں کا کوئی بادیہ پیما ہوگا

آرزو ہے مجھے اک شخص سے ملنے کی بہت
نام کیا لوں کوئی اللہ کا بندا ہوگا

لعل لب کا ترے بوسہ تو میں لیتا ہوں مگر
ڈر یہ ہے خون جگر ہجر میں پینا ہوگا

غنچۂ دل کو نسیمِ عشق نے وا کر دیا
میں مریض ہوش تھا مستی نے اچھا کر دیا

شان محبوبیِ صانع کا نشاں رکھا ہے یہ
ورنہ کیا تھا جسنے دل میں درد پیدا کر دیا

دہن سے اتنا الگ حسن فنا سے یوں قریب
اس قدر دلچسپ پھر کیوں رنگ دنیا کر دیا

موت سے غفلت جوانی میں تو لذت دے گئی
ہاں مگر پیری میں اس نے مجھ کو رسوا کردیا

کیا مری اک دل کو خوش کرنے پہ وہ قادر نہیں
ایک کن سے دو جہاں کو جس نے پیدا کردیا

بے تمھارے دیکھے اب دم بھر بھی چین آتا نہیں
سچ بتاؤ جانِ جاں تم نے مجھے کیا کردیا

سب کے سب باہر ہوئے۔ وہم و خرد ہوش و تمیز
خانۂ دل میں تم آؤ ہم نے پردا کردیا

ہو طلب کامل تو بس نعمت اسی کا نام ہے
بھوک نے نانِ جویں کو مَن و سلویٰ کردیا

یوسفِ معنی کے جلووں کو دکھا کر عشق نے
میری بیداری کو بھی خوابِ زلیخا کردیا

ق

شاہدِ بزمِ ازل نے اک نگاہ ناز سے
عشق کو اس انجمن میں مسند آرا کردیا

شورِ شیریں کا مزا رکھا سرِ فرہاد میں
قیس کو دیوانۂ اندازِ لیلیٰ کردیا

گردنِ پروانہ میں ڈالی کمندِ شوقِ شمع
رنگِ گل کو دیدۂ بلبلؔ کا پھندا کردیا

ذوقِ نظارہ سے جانوں کو ملایا خاک میں
گردشِ چشمِ بتاں سے حشر برپا کردیا

جس نے یہ سب کچھ کیا اکبرؔ میں تم سے کیا کہوں
اُس نے مجھ کو کیا کیا دل کو مرے کیا کردیا

بے غرض ہو کر مزے سے زندگی کٹنے لگی
ترکِ خواہش نے ہمارا بوجھ ہلکا کردیا

رنگ اُڑانا اہلِ یورپ کا تو ہے اکبرؔ محال
مفت اپنے آپ کو تم نے تماشا کردیا

نعت

دُرفشانی نے تری قطروں کو دریا کردیا
دل کو روشن کردیا آنکھوں کو بینا کردیا

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مُردوں کو مسیحا کردیا

ارسطو سے نہ پوچھ اے ہمنشیں خاصیت الفت
مجھے معلوم ہے سن لے اثر ہوتا ہے مزا اچھا

نقاب انکے رُخِ رنگیں سے اُٹھا عینِ محفل میں
کھلایا گل یہ تو نے واہ اے بادِ صبا اچھا

ہٹایا زلف کو انکے رخِ رنگیں سے گلشن میں
کھلایا گل یہ تو نے واہ اے بادِ صبا اچھا

دلا کر جھوٹی امیدیں دلوں کو خون کرتے ہو
یہ ملنے ہی سے اکثر رنج بھی ہو جاتے ہیں پیدا

نہ یہ طرز ادا اچھی نہ یہ شوق جفا اچھا
جو سچ پوچھو تو ملنے سے نہ ملنے کا گلا اچھا

ابھی بیمار ہیں سب کر رہے ہیں قول و عہد اکبر
اسی کوچے میں پھر پہونچینگے ہونے دو ذرا اچھا

تصوف کے بیاں کو ہوش نے روح آشنا پایا
جوانی چھن گئی حسرت رہی باقی ستانے کو

معانی کچھ نہ سمجھا پر قیامت کا مزا پایا
عروسِ دھر ہمنے دل لگا کر تجھ سے کیا پایا

ہے کام ترا ساقی اک جام پلا دینا
مستوں کو حقیقت کا اک جلوہ دکھا دینا

یا وہ کو بھلا دینا یا میں کو مٹا دینا
موجِ مے وحدت کو آئینہ بنا دینا

ہجر میں خونِ جگر آخر کو پینا ہی پڑا
قلبِ انساں پر کبھی پڑجاتی ہے اک نیک بات
وضع ان کی دیکھ کر لازم ہوئی قطع امید
تجربے کے بعد نسخے سے کٹا آخر گلاب
دل بھی کانپا ہونٹھ بھی تھرائے شرمایا بھی خوب

موت بھی آئی نہیں مجبور جینا ہی پڑا
جب پڑا لیکن تمھارے دل میں کینا ہی پڑا
کل ستم کی چل رہی تھی منہ کو سینا ہی پڑا
لخلخے میں تیرے عارض کا پسینا ہی پڑا
شیخ کو لیکن تری مجلس میں پینا ہی پڑا

الفتِ احمد پئے تکمیل ایماں تھی ضرور
راہ حق جوئی میں لے اکبر مدینا ہی پڑا

اردو میں وزن قاآنی کا نمونہ

تصور اُس کا جب بندھا تو پھر نظر میں کیا رہا
زبان خلق پر بس اک فسانۂ فنا رہا
نئے بنائے رزمیش چرخ نے سدا مگر

نہ بحثِ این واں رہی نہ شورِ ماسوا رہا
نہ ہم رہے نہ دل رہا نہ دل کا مدعا رہا
فنا کی دھن پہ مستقل جہانِ بے قرار رہا

پردہ لوڑا آپ نے اُس بُت کو آیا کر دیا
کر گئے تھے حضرت سید عقیدوں کو درست

خود پری تھی اب اُسے پریوں کا سایا کر دیا
چرخ نے رسموں کا بھی آخر صفایا کر دیا

کم ہوئی آخر بصارت روشنی میں لیمپ کی

بڑھ گئی ہو کچھ بصیرت تو جلایا کر دیا

ہم کو زیر آسماں ہو کر گذرنا ہی پڑا
موت کے عشووں کے آگے ناز منطق کچھ نہ تھا
جانتی تھی قوت اپنی مدت عمر عروج

منزل ہستی میں سب کو ٹھہرنا ہی پڑا
دل کو مذہب کے قدم پر سر کو دھرنا ہی پڑا
بحر میں لیکن حبابوں کو ابھرنا ہی پڑا

خوانِ فلک پہ جو ملے شکر کے ساتھ کر قبول
ساغر مے ہے سامنے شیخ سے کہہ رہے ہیں وہ
اے دل باتمیز د ہوش حزم کا کام یاں نہیں

غم کی شکایتیں ہیں کیا آیا ہی پیش کھا بھی جا
دیکھتا کیا ہے ہر طرف مرد خدا اچڑھا بھی جا
لطف فریب حسن اٹھا تو دیں اُٹھی آ بھی جا

بنائے کار جہاں کو خراب ہی دیکھا
ہم انقلاب کے شائق نہیں زمانے میں

ہمیشہ ہمنے یہاں انقلاب ہی دیکھا
کہ انقلاب کو بھی انقلاب ہی دیکھا

وفا میں ثابت قدم نکلنا فدائے عشق حبیب ہونا
ادھر دہی طبع کی نزاکت ادھر زمانہ کی آنکھ بدلی
عطا ہوئی ہو اگر بصیرت تو ہے یہ حالت مقام حیرت
رسول اکرم کی ہسٹری کو پڑھو تو اول سے تا بآخر
جو دل پہ گذری کروں گذارش بغیر سنجیدگی و سازش
رہ طلب میں ہے بس تقدم شکستہ دل اور چشم پُرنم
نظر کر انکی طرف ادب سے تو پھیر دیں تیرے دل کو سب سے

یہ کامیابی ہے عاشقی کی یہی تو ہے خوش نصیب ہونا
بڑی مصیبت شریف کو ہے امیر ہو کر غریب ہونا
خدا سے اتنا بعید رہنا خودی سے اتنا قریب ہونا
وہ آپ ثابت کریگی اپنا عظیم ہونا عجیب ہونا
فقیہ ہونکی ہے نہ خواہش نہ چاہتا ہوں ادیب ہونا
نہیں مؤثر کچھ اس میں ہمدم امیر ہونا غریب ہونا
عجب نہیں عاشقان رب سے ظہور کار عجیب ہونا

جو مل گیا وہ کھانا داتا کا نام جپنا
رونا تو ہے اسی کا کوئی نہیں کسی کا
اے برہمن ہمارا تیرا ہے ایک عالم
یہ دھوم دھام کیسی شوق نمود کیسا
بے عشق کے جوانی کتنی نہیں مناسب

اس کے سوا بتاؤں کیا تم سے کام اپنا
دنیا ہے اور مطلب مطلب ہے اور اپنا
ہم خواب دیکھتے ہیں تو دیکھتا ہے سپنا
بجلی کو دل کی صورت آتا نہیں تڑپنا
کیونکر کہوں کہ اچھا ہے جیٹھ کا نہ تپنا

نفس کے تابع ہوئے ایمان رخصت ہوگیا
وہ زمانے میں گئے مہمان رخصت ہوگیا

مے انھوں نے پی اب انکے پاس کیونکر دل لگے
جانور اک رہ گیا انسان رخصت ہوگیا

فرق ظاہر ہوگیا جب سے قلم اور تیغ کا
دل میں انشا کا جو تھا ارمان رخصت ہوگیا

کہدیا تھا میں نے کٹجائیں جو ناقص شعر ہوں
یہ نتیجہ تھا کہ کُل دیوان رخصت ہوگیا

عقل کو کچھ نہ ملا علم میں حیرت کے سوا
دلکو بھایا نہ کوئی رنگ محبت کے سوا

آئیگی تجھ کو نظر صانعِ عالم کی جھلک
سامنے کچھ نہ رکھ آئینہ فطرت کے سوا

تیرے الفاظ کی کر رکھے ہیں پیدا دفتر
ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

جلوہ نظر آیا نہیں اے یار تمھارا
تڑپا ہی کیا طالبِ دیدار تمھارا

بڑھنے تو ذرا دو اثرِ جذبۂ دل کو
قائم نہیں رہنے کا یہ انکار تمھارا

دم بھر کیلئے آکے اُسے شکل دکھا جاؤ
مہمان دمِ چند ہے بیمار تمھارا

ہر دم نظرِ شوق کیا کرتا ہوں تم پر
ہر وقت میں رہتا ہوں گنہگار تمھارا

صدمے شبِ فرقت کے اُٹھائے نہیں جاتے
اب موت کا طالب ہے طلبگار تمھارا

عازم ہو تم اے حضرتِ دل کوئے بتاں کے
اللہ رہے یار و مددگار تمھارا

کس ناز سے کہتا ہے شبِ وصل وہ ظالم
برہم نہ کرے گیسوؤں کو پیار تمھارا

اکبر کی تمناؤں سے کہتا ہے یہ گردوں
اس دور سے اُٹھنے کا نہیں بار تمھارا

بتکدے میں مطمئن رہنا مرا دشوار تھا
بت تو اچھے تھے برہمن درپئے آزار تھا

اکبرِ مرحوم کہتا بیخود و سرشار تھا
ہوش ساری عمر اُس کی زندگی پر بار تھا

نزع میں آئی تجلّی روئے جاناں کی نظر
زہر سمجھے تھے جسے وہ شربتِ دیدار تھا

دل ہی دل میں ہوئے مستِ مئے منصور ہم
شرع میں رخنے کا خطرہ تھا نہ خوفِ دار تھا

خانۂ تن کی خرابی کا میں کرتا رنج کیا
گوہرِ جاں پر فقط اک گرد کا انبار تھا

رنگِ گلزار جہاں کا قدرداں مجھسا تھا کون
جو گلِ رنگیں تھا میرے ہی گلے کا ہار تھا

فسون بت سے بچا بند باب دیر رہا
خدا نے فضل کیا طفل دل بخیر رہا

تعجب آتا ہے اُن کے مذاق پر مجھ کو
چمن خزاں میں بھی جن کا محل سیر رہا

فسانے رہ گئے اکبر کی بت پرستی کے
نہ بت رہے نہ برہمن رہے نہ دیر رہا

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے در سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

جو خردمند ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں یہ بات
خیر خواہی وہ نہیں ہے جو ہو ڈر سے پیدا

رنج دنیا سے بہت مضطرب الحال تھا یہ
دل میں تسکیں ہوئی مذہب کے اثر سے پیدا

یہ بت پنہاں نہیں ہوتے خدا ظاہر نہیں ہوتا
غنیمت وہ زمانہ ہے کہ میں کافر نہیں ہوتا

ترا ناوک بھی اے صیاد کیا ہی روح پرور ہے
کہ تیرا صید بسمل رہتا ہے آخر نہیں ہوتا

علوم دنیوی کے بحر میں غوطے لگانے سے
زباں گو صاف ہو جاتی ہے دل طاہر نہیں ہوتا

تری چشم فسونگر کا اشارہ ہے یہ نرگس سے
فقط نظّارہ کرنے سے کوئی ساحر نہیں ہوتا

نہ خلق اُسکی خبر لیتی نہ عقل اُسکی مدد کرتی
خدا جب تک کسی کا حافظ و ناصر نہیں ہوتا

حضورِ قلب اگر حاصل نہیں تجھ کو تعجّب کیا
خدا جب دل سے غائب ہو تو دل حاضر نہیں ہوتا

یہ حق گوئی ہے اکبر کی کہ ہے جس کا اثر اتنا
فسوں کیسا مسلماں آدمی ساحر نہیں ہوتا

یہ سُست ہے تو پھر کیا وہ تیز ہے تو پھر کیا
نیٹو جو ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا

رہنا کسی سے دب کر ہے امن کو ضروری
پھر کوئی فرقہ ہیبت انگیز ہے تو پھر کیا

رنج و خوشی کی سب میں تقسیم ہے مناسب
بابو جو ہے تو پھر کیا چنگیز ہے تو پھر کیا

ہر رنگ میں ہیں پاتے بندے خدا کے روزی
ہے پینٹر تو پھر کیا رنگریز ہے تو پھر کیا

جیسی جسے ضرورت ویسی ہی اس کی چیزیں
یاں تخت ہے تو پھر کیا داں میز ہے تو پھر کیا

حق سے اگر ہے غافل ہرگز نہیں ہے عاقل
مفقود ہیں اب اسکے سننے سمجھنے والے
کیسی ہی سلطنت ہو سب خوش نہ رہ سکیں گے
منزل وہی ہے جسکو نبیوں نے ہے بتایا
گھر کا چراغ دیکھو یعنی کہ دل سنبھالو
اسلام وحق کے حامی ہرگز نہیں ہیں ہم تم
دونوں ہی مر رہے ہیں دونوں کا حشر ہوگا

ہنری جو ہے تو پھر کیا پرویز ہے تو پھر کیا
میرا سخن نصیحت آمیز ہے تو پھر کیا
گر ترک ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا
اسٹیم ہے تو پھر کیا مہمیز ہے تو پھر کیا
کوئی انار دم بھر گلریز ہے تو پھر کیا
حرص و غرور حسرت انگیز ہے تو پھر کیا
نیٹو جو ہے تو پھر کیا انگریز ہے تو پھر کیا

وہ حجاب اُن کا آج تک نہ گیا
نہ گیا ان کے دل سے شک نہ گیا
اک جھلک اُن کی دیکھ لی تھی کبھی
وہ اثر دل سے آج تک نہ گیا
کیا ٹھہرتا ہمارے آگے غیر
دیکھئے آخرش کھسک نہ گیا

میخانۂ رفارم کی چکنی زمین پر
واعظ کا خاندان بھی آخر پھسل گیا
کیسی نماز ہاں ہیں ناچو جناب شیخ
تم کو خبر نہیں کہ زمانہ بدل گیا
یہ پاس اور وہ پاس نہ موجد نہ اہل زر
اخبار میں جو چھپ گئے ارماں نکل گیا

فطرت میں سلسلہ ہے کمال و زوال کا
گھٹنا ہے بدر کا تو ہے بڑھنا ہلال کا
پرتو جو اس میں ہے ترے حسن و جمال کا
عالم ہے شیفتہ مرے رنگ خیال کا
نظارہ کر رہا ہوں بُتِ بےمثال کا
شان خدا ہے ساتھ شباب و جمال کا
ہم اپنے فقر میں بھی ہیں اک آن بان سے
کملی ہماری رنگ دکھاتی ہے شال کا
اس مس پہ کون ہے کہ سوا ہو فریفتہ
گاہک میں ہی ہوں منیمیں لندن کے مال کا
رکھنا پڑا ہے اس بُت کافر سے میل جول
موقع نہیں ہے بحث حرام وحلال کا
الفت میں فرض ہے بت کافر کا اتباع
موقع نہیں ہے بحث حرام وحلال کا
دو فلک میں چاند کی قسمت بھی خوب ہے
ہے بس عروج خاتمہ اس کے زوال کا

اک عکسِ ناتمام یہ عالم کو وجد ہے
کیا پوچھنا ہے آپ کے حسن و جمال کا

ماضی تو ختم ہو چکا مستقبل آئے گا
ممکن نہیں بیان کروں حال حال کا

بلبل کی شاخِ گل پہ نہ باقی رہے نظر
نشوونما جو دیکھ لے اس نونہال کا

طریقِ عشق میں مجھ کو کوئی کامل نہیں ملتا
گئے فرہاد و مجنوں اب کسی سے دل نہیں ملتا

بھری ہے انجمن لیکن کسی سے دل نہیں ملتا
ہمیں میں آ گیا کچھ نقص یا کامل نہیں ملتا

پرانی روشنی میں اور نئی میں فرق اتنا ہے
اُسے کشتی نہیں ملتی اِسے ساحل نہیں ملتا

پہونچنا داد کو مظلوم کا مشکل ہی ہوتا ہے
کبھی قاضی نہیں ملتے کبھی قاتل نہیں ملتا

حریفوں پر خزانے ہیں کھلے یاں ہجرِ گیسو ہے
وہاں پہ بل ہے اور یاں سانپ کا بھی بل نہیں ملتا

یہ حسن و عشق ہی کا کام ہے شبہ کریں کس پر
مزاج ان کا نہیں ملتا ہمارا دل نہیں ملتا

چھپا ہے سینہ و رخِ دلستاں ہاتھوں سے کروٹ میں
مجھے سوتے میں بھی وہ حسن سے غافل نہیں ملتا

حواس و ہوش گم ہیں بحرِ عرفانِ الٰہی میں
یہی دریا ہے جس میں موج کو ساحل نہیں ملتا

کتابِ دل مجھے کافی ہے اکبر درسِ حکمت کو
میں اسپنسر سے مستغنی ہوں مجھ سے مل نہیں ملتا

ہستیٔ حق کے معانی جو مرا دل سمجھا
اپنی ہستی کو اک اندیشۂ باطل سمجھا

وہ شناور ہوں جو ہر موج کو ساحل سمجھا
وہ مسافر ہوں جو ہر گام کو منزل سمجھا

حضرتِ دل کو چڑھا آیا میں تجنانے میں
اُن کے انداز سے ان کو اسی قابل سمجھا

ہوئی دنیا میں مرے جوشِ جنوں کی تکریم
تیرے دیوانے کو عاقل نے بھی کامل سمجھا

کافری سہل نہ تھی عشقِ بتاں کھیل نہ تھا
نجد میں تو اسی سے اُسے مشکل سمجھا

ان نگاہوں کے اشاروں سے طبیعت تڑپی
ان اشاروں کے معانی کو مرا دل سمجھا

ضعف سے میں جو گھٹا اور بڑھا اس کا ستم
یاں زباں ہل نہ سکی وہ متحمل سمجھا

اُترا دریا میں پئے غسل جو وہ غیرتِ گل
شورِ امواج کو میں شورِ عنادل سمجھا

کفر و اسلام کی تفریق نہیں فطرت میں — یہ وہ نکتہ ہے جسے میں کبھی نہ مشکل سمجھا
شیخ نے چشم حقارت سے جو دیکھا مجھ کو — بخدا میں اُسے اللہ سے غافل سمجھا
حسن نے ناز کیے عشق کی تکمیل ہوئی — نہ نظر آپ کی سمجھی نہ مراد دل سمجھا
آپ دیکھیں مجھے اور میں نہ کروں یاد خدا — موت سے آپ نے ایسا مجھے غافل سمجھا
وہ بھی نافہم ہے جو خضر کا طالب نہ ہوا — وہ بھی نادان ہے جو خضر کو منزل سمجھا

نہ کیا یار نے اکبر کے جنوں کو تسلیم
مل گئی آنکھ تو کچھ سوچ کے عاقل سمجھا

مہربانی ہے عیادت کو جو آتے ہیں مگر — کس طرح ان سے ہمارا حال دیکھا جائیگا
دفتر دنیا اُلٹ جائے گا بالکل یک قلم — ذرہ ذرہ سب کا اصلی حال دیکھا جائیگا
آفتیش اعمال نامہ کی نہ ہو گی کچھ سند — حشر میں تو نامۂ اعمال دیکھا جائیگا
بچ رہے طاعون سے تو اہل غفلت بول اُٹھے — اب تو مہلت ہی پھر اگلے سال دیکھا جائیگا
نہ کرو صاحب نسب نامے وہ وقت آیا ہے اب — بے اثر ہو گی شرافت مال دیکھا جائیگا

رکھ قدم ثابت نہ چھوڑ اکبر صراط مستقیم
خیر چل جانے دے انکی چال دیکھا جائیگا

سینے کا زخم آہ کی سختی سے چھل گیا — اچھا ہوا مزا تو محبت کا مل گیا
ایسے ستم کئے کہ مرا قلب ہل گیا — اور اس طرح کہ سینہ کا ہر داغ چھل گیا
تیرا پتہ چمن کو صبا سے جو مل گیا — بلبل کو وجد آ گیا غنچہ بھی کھل گیا
تعلیم مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے — سب مل گیا اُسے جسے اللہ مل گیا
ہوتا ہے انبساط غذائے لطیف سے — غنچے کو دیکھئے کہ ہوا کھا کے کھل گیا
کتنے نگاہ ناز سے دیکھا ہے اس طرف — فریاد کر رہا ہے جگر ہائے دل گیا
خوش قسمتی پہ اپنی بجا ہے کروں جو ناز — اپنے ہی دل میں مجھ کو مرا رب بھی مل گیا

کھلتا نہیں کہ شیخ سے اکبر نے کیا کہا
آیا تھا جوشِ دل سے مگر مضمحل گیا

وہ شعلہ شوق کا سینے میں مشتعل نہ رہا
تری نظر نہ رہی وہ مراد وہ دل نہ رہا

ملا جو خانۂ تن خاک میں تو ملنے دو
یہ رنج کیا ہے کہ زندان آب و گل نہ رہا

چودھویں منزل میں وہ ماہِ خوش اقبال آگیا
صبر و تقوی پر جو بھاری ہو وہی سال آگیا

اُلفتِ گیسو نے آخر دی مرے دلکو شکست
ہائے کیا انمول شیشہ تھا مگر بال آگیا

عالمِ فطرت پہ ہے میری نظر بھی اے حکیم
فرق یہ ہے تجھ کو عقل آئی مجھے حال آگیا

دعوی علم و خرد میں جوش تھا اکبر کو رات
ہوگیا ساکت مگر جب ذکرِ اقبال آگیا

وہ مطرب اور وہ ساز وہ گانا بدل گیا
نیندیں بدل گئیں وہ فسانہ بدل گیا

رنگِ رُخِ بہار کی زینت ہوئی نئی
گلشن میں بلبلوں کا ترانہ بدل گیا

فطرت کے ہر اثر میں ہوا ایک انقلاب
پانی فلک پہ کھیت میں دانا بدل گیا

حدِ شہرِ عافیت کی نئی طرز پر بندھی
وہ چوکیاں بدل گئیں تھانا بدل گیا

اس گوہر نایاب سے واقف نہیں دنیا
آسان نہیں دل کا مرے دام لگانا

خوب آتا ہی صاحب کو خود اک بات کا کرنا
اور بات پڑے جب تو مرا نام لگانا

زلف نے پر تو دیں نام کو رہنے نہ دیا
آخر اس لام نے اسلام کو رہنے نہ دیا

دو مرادیں جو ملیں چار تمنائیں کیں
ہم نے خود قلب میں آرام کو رہنے نہ دیا

موت کو بھول گیا دیکھ کے جینے کی بہار
دل نے پیشِ نظر انجام کو رہنے نہ دیا

نورِ عرفاں عقل کے پردے میں پنہاں ہوگیا
ہوش میں آنا حجابِ روئے جاناں ہوگیا

بتکدے میں شور ہے اکبر مسلماں ہوگیا
بیوفاؤں سے کوئی کہدے کہ ہاں ہاں ہوگیا

انتشارِ اہلِ معنی فیض سے خالی نہیں
بوئے خوش پھیلی اگر غنچہ پریشاں ہوگیا

باعثِ تسکین نہ تھا باغِ جہاں کا کوئی رنگ
جس روش پر میں چلا آخر پریشاں ہوگیا

خوابِ راحت بن گیا خوفِ خدا بعدِ فنا
حشر میں حسنِ عمل گلزارِ رضواں ہوگیا

ان کی صورت دیکھ کر آنے لگی یادِ خدا
نورِ رُخ ان کا چراغِ راہِ عرفاں ہوگیا

دونوں کو تشبیہ دی تھی عارضِ محبوب سے
آئینہ حیرت میں آیا گل پریشاں ہوگیا

تیغ کھینچی اس نے ممنونِ توجہ ہم ہوئے
حسن وہ افسوں ہے جس سے ظلم احساں ہوگیا

ترکِ دنیا سے ہوئی جمعیتِ خاطر نصیب
حال میرا گو کہ ظاہر میں پریشاں ہوگیا

طاقتِ فریاد بھی مجھ میں نہ باقی رہ گئی
ظلم کرنا آپ کو مجھ پر اب آساں ہوگیا

خوانِ الوانِ فلک پر کیا مسرت ہو مجھے
گور کا لقمہ ہوا جو اس کا مہماں ہوگیا

فرقتِ جاناں میں کیسی خوشدلی اے ہمنشیں
انبساطِ طبع نذرِ رنجِ ہجراں ہوگیا

صورتِ ظاہر میں دل اک قطرۂ خوں تھا فقط
آگیا جب جوش میں معنی کا طوفاں ہوگیا

جس سی کہتے ہیں وہ کہتا ہے کہ یہ سب وہم ہے
اب ہمارا حال بھی خوابِ پریشاں ہوگیا

بس یہی دولت مجھے دی تو نے اے عمرِ دراز
سینہ اک گنجینۂ داغِ عزیزاں ہوگیا

اور عالم میں ہوں میں اک فاتحہ خوانِ بعدِ مرگ
مین نہ تھا وہ جسم جو مٹی میں پنہاں ہوگیا

بڑھ گئی سوزش جو تجھ بن گل کھلے گلزار میں
زخمِ دل کے حق میں ہر غنچہ نمکداں ہوگیا

کر دیا اہلِ بصیرت فیضِ ساقی نے مجھے
ساغرِ مے آفتابِ اوجِ عرفاں ہوگیا

اک نظر کا ہی تعلق اس جہاں سے ہوش کو
سب کا سب اک جنبشِ مژگاں میں پنہاں ہوگیا

دیکھنا شرطِ دیں ہوتا تو ہوتا بت پرست
کچھ نہ دیکھا اس کی برکت سے مسلماں ہوگیا

دردنے جا اس میں کی اک سوزِ پنہاں ہوگیا
الحمدللہ اب مرا دل بھی مسلماں ہوگیا

جلوۂ حسنِ بتاں آشوبِ دوراں ہوگیا
اللہ اللہ آفتِ دینِ مسلماں ہوگیا

اشک خوں آلود آنکھیں میں نمایاں ہوگیا
دیکھئے دل بھی شریکِ چشمِ گریاں ہوگیا

رنگ خوں اصاف آنکھوں میں نمایاں ہوگیا
دیکھئے دل بھی شریکِ چشمِ گریاں ہوگیا

اُسنے پوچھا ہوگیا آسودہ بوسہ دے کے تو
میں نے ناحق کہدیا جلدی میں جی ہاں ہوگیا

سر بھی کھا جائیگا ظالم جان بھی کھا جائیگا
سخت مشکل ہے کہ ناصح میرا مہماں ہوگیا

انقلابِ دہر دیکھو بن گیا آقا غلام
قصر کا مالک جو تھا اب اسکا درباں ہوگیا

دیکھنے سے شوق پیدا شوق سے پیدا طلب
آفتِ دل آنکھ تھی دل آفتِ جاں ہوگیا

قبلِ مستی ان عوارض سے بری تھا دل مرا
اس سفر میں مبتلائے دین و ایماں ہوگیا

عظمتِ خالق نہ سمجھا قدرِ دل اس نے نہ کی
جو پئے لذت مطیعِ نفس شیطاں ہوگیا

پوچھتے کیا ہو اصولِ مذہبِ رندانِ عشق
یار کا ارشاد ان کا دین و ایماں ہوگیا

میری قسمت تھی کہ ہر پتا بنا بانگِ جرس
بخت دشمن تھا کہ خوابِ چشمِ درباں ہوگیا

اس توقع پر کہ تیرے پیرہن میں صرف ہو
ماہِ نو بھی چرخ پر شکلِ گریباں ہوگیا

اس لبِ شیریں کے بوسوں نے کیا شیریں سخن
لی زباں انکی جو منہ میں ہے زباندان ہوگیا

کی ترقی چشمِ بد دور ایسی اپنے رنگ میں
اکبر اب مسندنشینِ بزمِ رنداں ہوگیا

کر گئی کام نگاہِ مس پرفن کیسا
تج چلے دیر و حرم شیخ و برہمن کیسا

اسکو چکر ہی رہا اور یہ خدا تک پہنچا
دلِ پر سوز جو ہاتھ آئے تو انجن کیسا

اصل سے ہو کے جدا نشو و نما کی امید
مجھ کو حیرت ہے کہ بوڑھوں میں یہ بچپن کیسا

خدا کی ہے بتوں کو پوجوں نہیں تھا مطلق گماں ایسا
مگر تمھیں دیکھ کر تو واللہ آچلا مجھ کو دھیان ایسا

وہ چھت پہ بے پردہ سو رہے ہیں فلک قمر سے یہ پوچھتا ہے
بتا تو تیری نظر سے گذرا ہے کوئی خوش رو جوان ایسا

بھلا ہی دیتی ہو جسکو دنیا مٹا ہی دیتا ہو جس کو گردوں
عبث ہے انسان چاہتا ہے جو نام ایسا نشان ایسا

بھرا ہوا دل جو ذوق سے ہو خدا کی یاد میں شوق سے ہو
وہاں کے جلووں کا پوچھنا کیا مکیں ایسا مکان ایسا

دل و جگر کو فراقِ بت میں حوالۂ چشمِ تر کروں گا
کبھی کسی نے کیا نہ ہوگا کنارۂ گنگ دان ایسا

دنیا کے مباحث یہ مری فکر میں ہیں کیا
اتنا تو کوئی پہلے بتائے مجھے میں کیا

تو کہئے اگر وقعت عاشق نہیں دل میں
یہ کون سی سیکھی ہے زباں آپ نے تین کیا

زلفِ پیچاں کا تصوّر مجھے کرنا ہی نہ تھا
ہو گئی مفت طبیعت میں اک الجھن پیدا

شرم کی جا ہے نہ ہو دل میں جو داغوں کی بہار
سینۂ خاک بھی کرلیتا ہے گلشن پیدا

میری ہر بات کا رُخ ہے طرفِ عارضِ یار
میرے ہر شعر سے ہیں معنیٔ روشن پیدا

دیدہ و دل سے کھٹکتے رہو ہر دم اکبر
دوستوں ہی میں سے ہو جاتے ہیں دشمن پیدا

کوئی ہے دہر میں خونِ جگر کہیں پیتا
کوئی زمانے میں ہے شیر و انگبیں پیتا

میں انکی بزم سے اُٹھ آیا قبل دورِ شراب
محلِ شرم تھا کہنا کہ میں نہیں پیتا

سرورِ روح ہے حاصل ولائے حیدر سے
میں جامِ کوثر و تسنیم یوں نہیں پیتا

نہ ملتی پشّے کو دنیا میں قوتِ پرواز
اگر یہ خون کسی کا براہ کیں پیتا

ہر ایک قطرے کے بدلے میں دیتا اک دانہ
تری طرح کوئی پانی جو اے زمیں پیتا

جھجکتے کیوں ہو جو ہوتا ہے اعتراض اکبر
جواب کیوں نہیں دیتے بہت نہیں پیتا

شکایت جوشِ الفت سے ہوئی تھی اک حسیں پیدا
تعجب ہے اگر اس سے ہوئی چیں جبیں پیدا

فریبِ عقل ظاہر میں ہے یہ سب ورنہ اے اکبر
ہمیں فانی ہمیں باقی ہمیں پنہاں ہمیں پیدا

مری تقدیر کا اس بُت پہ کچھ قابو نہیں چلتا
جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا

کمر باندھی بھی یاروں نے جو راہِ حق رسی میں
وہ بولے تو نہیں چلتا وہ بولے تو نہیں چلتا

کہا پیرِ طریقت نے اکڑ کر اپنی ٹمٹم پر
یہی منزل ہے ہمیں شیخ کا ٹٹو نہیں چلتا

لطیف الطبع ساقی چاہیئے فیاض طینت کا
چمن سے بے ہوا کے کاروانِ بو نہیں چلتا

ستم دورِ گردوں کے سہہ جاؤں گا
جو گذرے گی دل پر وہ کہہ جاؤں گا

دعا ہے کہ مر کر بھی رہ جاؤں کچھ
دگر نہ یونہیں مرکے رہ جاؤں گا

ہمیشہ آپ کے آگے میں دست بستہ رہا
مگر دل آپ کے قابو میں تھا شکستہ رہا

ذرا تو بختہ شریفوں کو باغ دہر میں دیکھ
انھیں کا حال ہر اک سے زیادہ خستہ رہا

جناب شیخ سے جاکر ذرا للہ کہدینا
کہ گمراہی تھی مجھ سے رند کو گمراہ کہدینا

بہت مشکل ہے بچنا بادۂ گلگوں سے خلوت میں
بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہدینا

مرے خط میں سلام اغیار کو قاصد یہ کیا معنے
نہایت رنج ہے اس کا مجھے واللہ کہدینا

تمھارے مرحبا سے شعر کی ہو جائیگی عزت
نہ نکلے واہ دل سے تو زباں سے واہ کہدینا

اگرچہ تسکین طبع ملت ہے حب قومی میں آہ کرنا
مفید تر ہے مگر دلوں کو رجوع سوئے الٰہ کرنا

دغائے وعدہ سے چشم پوشی ہمیشہ شام و پگاہ کرنا
حضور نے کیا ثواب سمجھا ہے منتظر کو تباہ کرنا

یہ کس سے سیکھا ہے تیری آنکھوں نے ذہن و دل کی نگاہ کرنا
بنائے دیں کو خراب کرنا دلوں کو اتنا تباہ کرنا

کہیں گے تعمیل ذات پر ہو نشان دو دیا بتاؤ
بتوں سے آگے ہے سخت مشکل خدا کو اپنا گواہ کرنا

نئی ادا یہ نہیں فلک کی سدا سے اسکا یہی ہے شیوہ
کسی کو حد سے سوا بڑھانا کسی کو بالکل تباہ کرنا

کہا جو میں نے نہ توڑ دلکو تجھے مناسب ہے دلنوازی
تو ہنس کے بولا کہ سہل ہوگا دل شکستہ میں راہ کرنا

جہان صورت کا ذرہ ذرہ جمال معنی کا آئنہ ہے
مگر انھیں کو جو دیکھتے ہیں جو جانتے ہیں نگاہ کرنا

کہے کوئی شیخ سے یہ جاکر کہ دیکھئے آکے بزم سید
یہ وثق اور یہ جہل پہ جہل ہو تو کیا بُرا ہے گناہ کرنا

وہ دور چرخ آرہا ہے اکبر کہ اہل تقویٰ ہیں زار و مضطر
بزرگ بھی طفل دلکو اپنے سکھا رہے ہیں گناہ کرنا

مجھ کو نہ کبھی اُس بت دل خواہ نے چاہا
اب میں بھی نہ چاہونگا جو اللہ نے چاہا

ساتھ ان کا نہ چھوڑا کسی حالت میں بھی اُسنے
شعروں کو مرے خوب ہی ان واہ نے چاہا

خوشی سے باخبر ٹٹنے پہ راضی ہو نہیں سکتا
خیال دین و عزت امر ماضی ہو نہیں سکتا

عمل بیجا اگر ہو روکنا واجب ہے اکبر کو
امیدوں پر مگر کچھ حکم قاضی ہو نہیں سکتا

جس روشنی میں لوٹ ہی کی آپ کو سوجھے
تہذیب کی ہیں اس کو تجلّی نہ کہوں گا

لاکھوں کو مٹا کر جو ہزاروں کو ابھارے
اس کو تو میں دنیا کی ترقّی نہ کہوں گا

ہے غضب جلوہ دیرفانی کا
پوچھنا کیا ہے اس کے بانی کا

دیدہ ہے محو دیرفانی کا
دل ہے مشتاق اس کے بانی کا

جان دیدی غمِ حسیناں میں
حق ادا کردیا جوانی کا

خوب جی بھر کے ہوئے بدنام
حق ادا کردیا جوانی کا

کرتے ہیں مجھ سے غیر کا شکوہ
شکر ہے ان کی مہربانی کا

دل میں سوزش ہے آنکھ میں آنسو
عشق ہے کھیل آگ پانی کا

غور کرکیا ہے زندگی کی بنا
سوچ کیا حق ہو اس کے بانی کا

نہ ملا خاک میں عمل اپنے
شوق رکھ فیضِ آسمانی کا

ہوش بھی بار ہے طبیعت پر
کیا کہوں حال ناتوانی کا

قتل سے پہلے ہی کلورا فارم
شکر ہے ان کی مہربانی کا

شیخ درگور و قوم در کالج
رنگ ہے دورِ آسمانی کا

انجن آیا نکل گیا زن سے
سن لیا نام آگ پانی کا

ق

بات اتنی اور اس پہ یہ طومار
غل ہے یورپ پہ جانفشانی کا

علم پورا ہمیں سکھائیں اگر
تب کریں شکر مہربانی کا

یوں مری طبع سے ہوتے ہیں معانی پیدا
جیسے ساون کی گھٹاؤں سے ہو پانی پیدا

کیا غضب ہے نگہِ مست مسِ بادہ فروش
شیخ فانی میں ہوا رنگ جوانی پیدا

یہ جوانی ہو کہ پاتا ہے جنوں جس سے ظہور
یہ نہ سمجھو کہ جنوں سے ہے جوانی پیدا

بیخودی میں تو یہ جھگڑے نہیں رہتے اے ہوش
تونے کر رکھا ہے اک عالمِ فانی پیدا

کوئی موقع نکل آئے کہ بس آنکھیں ملجائیں
راہیں پھر آپ ہی کرلے گی جوانی پیدا

ہر تعلق مرا سرمایہ ہے اک ناول کا
جنگ ہی حرم محبت ہے خلاف تہذیب

میری ہر رات سے ہے ایک کہانی پیدا
ہو چکا ولولۂ عہد جوانی پیدا

کھو گئی ہند کی فردوس نشانی اکبر
کاش ہو جائے کوئی ملٹن[۱] ثانی پیدا

جو ناصح مرے آگے بکنے لگا
محبت کا تم سے اثر کیا کہوں
بدن چھو گیا آگ سی لگ اٹھی
رقیبوں نے پہلو دبایا تو چپ
جو محفل میں اکبر نے کھولی زباں

میں کیا کرتا منہ اسکا تکنے لگا
نظر مل گئی دل دھڑکنے لگا
نظر مل گئی دل دھڑکنے لگا
میں بیٹھا تو ظالم سرکنے لگا
گلستاں میں بلبل چہکنے لگا

نظام عالم بتا رہا ہے کہ ہے اک اسکا بنانیوالا
نسیم مستانہ چل رہی ہے چمن میں پھر رت بدل رہی ہے

ظہور آدم دکھا رہا ہے کہ دلمیں ہے کوئی آنیوالا
صدائے دل سے نکل رہی ہے وہی ہے یہ گل کھلانیوالا

خودی گم کر چکا ہوں اب خوشی و غم سے کیا مطلب
قناعت جسکو ہے وہ رزق ما یحتاج پر خوش ہے
جسے مرنا نہ ہو وہ حشر تک کی فکر میں اُلجھے
مری فطرت میں مستی ہے حقیقت بیں ہے دل میرا
خود اپنی زلف میں اُلجھے ہوئے ہیں حضرت واعظ
نئی تعلیم کو کیا واسطہ ہے آدمیت سے

تعلق ہوش سے چھوڑا تو پھر عالم سے کیا مطلب
سمجھ جسکو ہے اسکو بحث بیش و کم سے کیا مطلب
بدلتی ہے اگر دنیا تو بدلے ہم سے کیا مطلب
مجھے ساقی کی کیا حاجت ہے جام جم سے کیا مطلب
بھلا ان کو بتوں کی گیسوئے پر خم سے کیا مطلب
جناب ڈارون کو حضرت آدم سے کیا مطلب

صدائے سرمدی سے مست رہتا ہوں سدا اکبر
مجھے نغموں کی کیا پروا مجھے سرگم سے کیا مطلب

خدا کے منکر نہی ہیں غافل کہاں کے پیر اور امام صاحب

اُنھیں سے در پر جھکی ہے خلقت سلام حضرت سلام صاحب

۱؎ MILTON - ایک مشہور انگریزی شاعر ۱۲

کہاں کی پوجا نماز کیسی کہاں کی گنگا کہاں کا زمزم
ڈٹا ہی ہوٹل کی در پہ ہر اک ہمیں بھی دو ایک جام صاحب

ہزار سمجھاتی ہیں وہ سب کو کہ سب نہیں نامدار ہوتے
کرو خموشی نہ سختی سی جاکے تم گھر کا کام صاحب

مگر نہیں مانتا ہے کوئی ہر اک کی یہ التجا ہے ان سے
مجھے بھی تم چھاپ دو کہیں پر مرا بھی ہو جائے نام صاحب

مری تمہاری نہیں نبھے گی سدھارتا ہوں نہیں اب آنے
سلام صاحب سلام صاحب سلام صاحب سلام صاحب

اے جانِ جہاں حور نہ اچھی نہ پری خوب
ہے میری نگاہوں میں تری جلوہ گری خوب

تشبیہ میں دو نگا اسے رفتارِ صنم سے
واللہ تری چال ہے اے کبکِ دری خوب

یوں ترچھی نگاہوں سے مجھے قتل بھی کرنا
پھر صاف مکرنا کہ میں ہوں اس سے بری خوب

کھلتا ہے مرا غنچۂ دل آہِ سحر سے
عاشق کیلئے ہے یہ نسیمِ سحری خوب

منہ کھول کے سویا ہے وہ گل صحنِ چمن میں
لطف آج اٹھائے گی نسیمِ سحری خوب

سچ یہ ہے کہ واعظ مجھے بھاتا ہے نہ اکبر
وہ خبط ہی اچھا نہ یہ شوریدہ سری خوب

کہتے ہیں فطرت جسے یہ ہے نقابِ روئے دوست
ہے اسی پردے میں پنہاں آفتابِ روئے دوست

پردۂ فطرت خرد افروز و حکمت خیز ہے
ہے جنوں انگیز لیکن آب و تابِ روئے دوست

دیکھ لی جس نے جھلک اُسکی وہ پہونچا دار پر
زینتِ منبر ہوا جو حجابِ روئے دوست

ذوقِ معنی ہو تو اے اکبر نظر آگے بڑھا
عالمِ نیچر تو ہے لوحِ کتابِ روئے دوست

ماہِ نو بھی نہیں چمکا ترے ابرو کی طرح
نکہتِ گل بھی نہ نکلی تری خوشبو کی طرح

کون سی تیغ ہے تیغِ خمِ ابرو کی طرح
کہ اشاروں ہی میں چل جاتی ہے جادو کی طرح

وہ ادا کی کہ قضا آگئی خودداری کی
وہ نظر کی کہ اثر کر گئی جادو کی طرح

گل ہیں وہ شوخیِ رنگِ رخِ محبوب کہاں
سرو میں لوچ کہاں اس قدِ دلجو کی طرح

مجھ کو دم بھر بھی زمانے میں نہیں چین نصیب
مضطرب شیشۂ ساعت میں ہوں بالو کی طرح

حسن میں کب ہے قمر کو ترے مانند ثبات
کبھی عارض کی طرح ہے کبھی ابرو کی طرح

نہ یہ جنبش ہے نہ یہ نوک پلک ہے اسمیں
قطع میں گو ہے ہلال آپ کے ابرو کی طرح

کم بضاعت کو جو اک ذرہ بھی ہوتا ہے فروغ
خود نمائی کو وہ اُڑ چلتا ہے جگنو کی طرح

دل کا میلان یقینی ہے سخن میں جو ہو وزن
طبع سنجیدۂ سامع ہے ترازو کی طرح

کیا کہوں شوقِ شہادت کو میں تجھ سے قاتل
روز افزوں ہے تری قوتِ بازو کی طرح

خالی از لطف نہیں آنکھ چرانا اُن کا
فرحت افزائے نظر ہے رمِ آہو کی طرح

گلشن عشق میں ہے اشک اگر جوئے رواں
خوشنما آہ بھی ہے سروِ لب جو کی طرح

ہر زمیں میں ترا مضمون ہے مطلوب اے دوست
کہیں ہو ہو کی طرح ہے کہیں کو کو کی طرح

نیچی نظروں سے مرے دل کو وہ کرتی ہیں شہید
ظلم پوشیدہ کیا کرتے ہیں جادو کی طرح

فرحت انگیز تو ہے ولولہ انگیز نہیں
نکہتِ گل بھی نہیں ہے تری خوشبو کی طرح

رنگِ گل سے بھی سوا شوخ ہے تو رنگ میں یار
مگر افسوس کہ آوارہ بھی ہے بو کی طرح

ہمسر اس طرۂ مشکیں کی نہیں کوئی بلا
کوئی فتنہ نہیں اس نرگس جادو کی طرح

ٹکڑے میرے دلِ روشن کے جو دیکھے تو کہا
کیا گلے میرے یہ پڑ جائیں گے جگنو کی طرح

جامِ مے غیر کو دو میں نہ کروں گا شکوہ
رنج کی بات ہے پی جاؤں گا آنسو کی طرح

سر جھکا فکر میں بیٹھ اپنی حقیقت کھل جائے
حق نما کون ہے آئینۂ زانو کی طرح

رشک آتا ہے جو تکیے پہ وہ سر رکھتے ہیں
صاحب حس نہ کہیں ہو مرے زانو کی طرح

نام کر جاتے ہیں دنیا میں جو خوش قسمت ہیں
کوئی مجنوں کی طرح کوئی ارسطو کی طرح

واعظا تیری زباں پر ہے مذمت مے کی
یہ سخن تیرا گلو گیر ہو اچھو کی طرح

ہو اشاروں کا اگر اہل نظر کے تابع
خلق آنکھوں پہ جگہ دے تجھے ابرو کی طرح

گلشن دہر میں اکبر کا کلام رنگیں
کھل گیا گل کی طرح پھیل گیا بو کی طرح

اظہار مدعا میں کروں گا اسی طرح
چاہونگا تخلیہ نہ زیادہ بٹھاؤں گا

وہ پیش آئیں اچھی طرح یا بری طرح
تشریف لائیے بھی تو حضرت کسی طرح

دل ہو وفا پسند نظر ہو حیا پسند
توڑو نہ تیرے جھومنے لگتی ہے شاخ گل

جس حسن میں یہ وصف ہو وہ ہے خدا پسند
بیحد ہے نیرا ناچ مجھے اے صبا پسند

پھرتی ہے ارض آفتاب کے گرد
نہیں ٹلتا ہزار اسے ٹالو
شعلہ رویوں میں گھوہیں سوختہ دل
کون مستی مری سبنھالے گا

بندہ چکر میں ہے جناب کے گرد
عشق رہتا ہی ہے شباب کے گرد
آنچ لگتی رہے کباب کے گرد
میں تو جاتا نہیں شراب کے گرد

وقتِ بہار گل ولم از ہوش دور بود
میگفت وش قصۂ شوقت زبان دل
یک جلوہ کرد و صورتِ پروانہ سوختم
خوش بود آں زماں خودی از خود خبر نداشت
یکساعتِ حضوریِ اداییں چنیں گذشت
بیدل شو بگفتہ بسنگر کہ او ز جہل

موجِ نسیم دشمنِ شمع شعور بود
ہر حرف او حکایتِ موسیٰ و طور بود
آرے ہمیں علاج دل نا صبور بود
ہوشم بخواب بود و دلم در حضور بود
من عجز بودم او ہمہ ناز و غرور بود
وہمش بگفت انچہ بچشم تو نور بود

اکبر بہ پیش پیر مغاں کرد اعتراف
غوغائے من بہ خلق ہمہ مکر و زور بود

گذشتند آں قدر یاراں زحدِ سیدائے اکبر
کہ آں مرحوم اکنوں در شمارِ شیخ می آید

فسردگی ہوئی پیدا اس انتشار کے بعد
کہا جو میں نے کہ دل چاہتا ہے پیار کروں
بہت ہی بگڑے وہ کل مجھ سے پہلے بوسے پہ
گیا شباب تو اب آئینہ میں کیا دیکھوں

ہزار حیف کہ فالج گرا بخار کے بعد
تو مسکرا کے وہ کہنے لگے کہ پیار کے بعد
خموش ہو گئے آخر کو تین چار کے بعد
وہ لطف ہی نہ رہا باغ میں بہار کے بعد

نہ بھول اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا اے اکبر
خدا سکون بھی دیگا اس اضطرار کے بعد

مذاق درد ہے دل کو مرے ہی آہ پسند
عجب نہیں اسے کرے تری نگاہ پسند

خدا کا شکر دیا اُسنے مجھ کو بوسۂ لب
کسے نصیب ہے حلوائے بادشاہ پسند

محل طعن نہیں ہی ہماری مے خواری
ہنر کے حکم میں ہی عیب بادشاہ پسند

یہ بیاصولی لغزش بری ہی سالک کو
خدا کے واسطے تم کر لو ایک راہ پسند

نہ حلق سر کا ہی سودا مجھے نہ تیرتھ کا
بتوں سے گو کہ میں کرتا ہوں رسم و راہ پسند

خدا پرست بنائے گا کیا وہ لٹریچر
کرے جو طبع کو بے قید اور گناہ پسند

گناہ سخت بتوں سے ہے مدعا طلبی
غضب یہ ہی کہ مجھے ہے یہی گناہ پسند

ق

فلاسفی کو ہے مرغوب طبع الا اللہ
طریق سینٹفک کو ہے لا الٰہ پسند

رہا رسول کا درجہ سو وہ تو ہے قانون
کرے حریف اُسے ناپسند خواہ پسند

اب اسکے آگے ہی جو کچھ گروہ بندی ہے
ہر اک کو اپنی ہی نسبت ہی واہ واہ پسند

ملحداں را ہمہ اوصاف شناہا خواند
مومناں را بجزا شند بہ دشنامے چند

غیرت دیں بکفر و شد بہ یک غمزۂ کفر
چشم پوشند ز ملت پئے خودکامے چند

روح خود را چو سپردی بہ غلامی حریف
چہ کنی ناز بہ نامے دبہ خدا اسمے چند

پختہ وضعے کہ خدا عقل و تمیزش داد است
قدمے ہم نہ نہد در رہ ایں خامے چند

ورد ایں نغمۂ حافظ کن و خوش باش اکبر
ہاں تو از بادۂ شیراز بزن جامے چند

اے گدایان خرابات خدا یار شماست
چشم انعام مدارید ز انعامے چند

دلائے چل ہمیں سوئے محمدؐ
دکھا دے جنتِ کوئے محمدؐ

شب عاشق ہیں گیسوئے محمدؐ
خدا کا نور ہے روئے محمدؐ

چمن قرآں ہی ہر لفظ اسکا ہی گل
نہاں ہر گل میں ہی بوئے محمدؐ

مشامِ جاں معطر ہو رہا ہے
زہے سودائے گیسوئے محمدؐ

محمدؐ پھول ہیں واعظ صبا ہیں
کہ پھیلاتے پھریں بوئے محمدؐ

یہ مژدہ اہل عالم کو سنادو
بھری رحمت سے ہے خوئے محمدؐ

خدا کے گھر سے ہے الحاق اسکو
یہ دیکھو رفعت کوئے محمدؐ

درود اس پر ملائک بھیجتے ہیں
توجہ جس کی ہو سوئے محمدؐ

ہوئی زائل جہاں سے ظلمتِ کفر
پڑا جب پرتو روئے محمدؐ

ہوئے دل دوز تیرِ الفتِ حق
کھنچی جب قوس ابروئے محمدؐ

منور نورِ وحدت سے ہوا دل
نثار پرتوِ روئے محمدؐ

خدا کا پیار ہے اس دل پہ اکبر
کشش جس دل کی ہے سوئے محمدؐ

آتا ہے وجد مجھ کو ہر دین کی ادا پر
مسجد میں ناچتا ہوں ناقوس کی صدا پر

اے برہمن کہونگا ہر بجر کو میں مائی
موقوف کچھ نہیں ہے گنگا و نربدا پر

پڑجائے آتے جاتے شاید نگاہِ سلطاں
جو راہ سے الگ ہے افسوس اُس گدا پر

مجھے ہمنشیں ملا کیا انھیں حالِ دل سنا کر
وہ کہہ آئے ساری باتیں مرے دشمنوں سے جا کر

مری زندگی ہو کیونکر جو تو بیخبر ہو مجھ سے
نہ ہو شوق اگر وفا کا تو میں خوش ہوں تو جفا کر

مرا یار مہ جبیں ہے خوش ادا ہے نازنیں ہے
مگر اس کا کم یقیں ہے کہ جیوں گا اسکو پا کر

کرو شوق سے محبت مگر ایک بات سن لو
کسی اور کام کے پھر نہ رہو گے دل لگا کر

نظر آیا چاند پھیکا تو جھپک گئے ستارے
شب ماہ بھی نہ چمکی جو تو نکلا جگمگا کر

موقوف کچھ نہیں ہے فقط مے پرست پر
زاہد کو بھی ہے وجد تری چشم مست پر

عزت ملی ہے شرکت کونسل کی شیخ کو
غازہ مَلا گیا ہے رُخِ فاقہ مست پر

رندانِ پختہ کار کو موسم کی قید کیا
موقوف میکشی نہیں ماہ اگست پر

بلبل کی شاخِ گل کی نمو پر نگاہ ہو
پھیکا ہے رنگِ مے ترے عارض کے سامنے
منظورِ مدحِ حسن ہے ہو یا نہ ہو کمر
بندِ نقاب باندھتے ہیں مجھ کو دیکھ کر
چل پھرتے ان کی آنکھوں کی مجھ کو لبھا لیا
اس یادِ وفا کو حشر کا دن ہوگا روزِ وصل
ہے نشۂ غرور میں زاہد خراب تر
اکثر مرے عزیز نئی روشنی میں ہیں
بجلی کو ہاتھ آ گیا تیری ہنسی کا طرز
گو حافظے کو یاد نہ ہو قصۂ ازل
کرسی نہیں ہے عرش تو پھر کیا یہ فخر و ناز

میری نظر ہے تاک ہی کے دار و بست پر
مستی ہے خود نثار ترے حسنِ مست پر
موقوف شاعری نہیں اس نیست ہست پر
اہلِ نظر کا صاد ہے اس بند و بست پر
کیونکر نہ پیار آئے غزالوں کی جست پر
قائم رہا جو دہر میں عہدِ الست پر
پھر کیا میں اعتراض کروں مے پرست پر
رحمت خدا کی چاہیے ہوگا اب مے پرست پر
غنچوں کو رشک کیوں نہ ہو اس تیر دست پر
ہم تو جمے ہوئے ہیں قرارِ الست پر
کیوں معترض ہو فرش زمیں کی نشست پر

نظر ان کی رہی کالج میں بس علمی فوائد پر
بس اصلِ کارِ دیں تو صرف تسبیح و قناعت ہے

گرا کیں چپکے چپکے بجلیاں دینی عقائد پر
عوام الناس باہم جنگ کرتے ہیں زوائد پر

بہت ہی کم پائے اپنے عارف کلامِ باری کو ہم میں آکر
اثر یہ تھا عیسوی النفس کا کہ زندہ ہوتا تھا جسمِ بیجاں
جو منبعِ پوشیدہ دین میں تھا عیاں ہوا وہ ترے عمل سے

سہ سے بگڑا ہی سچ جو پوچھو عرب کا مذہب عجم میں آکر
بیاں کو ہم مرتبے میں لیکن بتا تر سا کے حرم میں آکر
زبانِ واعظ میں تھی جو طاقت چھپی وہ میری قلم میں آکر

جو شوق مستی ہو دل کے اندر تو آپ سنئے کلامِ اکبر
اگر ہو ذوقِ شراب و ساغر تو پیجئے بزمِ جم میں آکر

جس نے ابھارا خلق کو طاعت کردگار پر
شاہ و وزیر کے تو نام دب گئے ہسٹری کے ساتھ

نقش اسی کا رہ گیا صفحۂ روزگار پر
سکۂ نامِ انبیا اب بھی ہے ہر دیار پر

معنوی تو لیں گے تجھیں شیطاں سے بہتر
ہادی نہ ملے گا کوئی قرآں سے بہتر

ذی علم مصنف ہو رہے حامیِ ملت
انسان اگر معرفتِ حق سے ہو غافل
مخلوق الٰہی میں عمل پر جو نظر کر
ہر حال میں ہے دل کے لئے حافظ و ناصر
یہ ہے کہ جھکاتا ہے مخالف کی بھی گردن
سن لے جو توجہ سے بزرگوں کی نصیحت

ارمان نہیں کوئی اس ارمان سے بہتر
کیا شک کہ بہائم ہیں اس انسان سے بہتر
انسان سے بدتر ہے نہ انسان سے بہتر
دولت کوئی ممکن نہیں ایمان سے بہتر
سن لو کہ کوئی شے نہیں احسان سے بہتر
پھر کان جواہر نہیں اس کان سے بہتر

خدا نے عقل کی نعمت عطا کی مہرباں ہو کر
کھلیں وہ شرمگیں آنکھیں شبِ وصلت زباں ہو کر
کمال اس دامِ گیسو میں پھنسایا کچھ نقص تھا دل میں
عطا کر قسمتِ تصنیفِ سعدی یا رب اس گل کو
ترا قد دیکھ کر اے گل میں تجھ کو سرو سمجھا تھا
مجھی سے سب یہ کہتے ہیں کہ نیچی رکھ نظر اپنی
جھکایا ہے جبیں کو آستانِ یار پر میں نے
کمال ان کی عنایت ہے نہایت مہربانی ہے
اگر اللہ دیتا قوتِ گفتار شمعوں کو
ہوائے نفس سے ہو کر الگ الفت میں مر جانا
مجالِ گفتگو کس کو ہے انکے حسن کے آگے
قریب ختم تھی مجلس کہ آ نکلے ادھر وہ بھی
یہ ارشاد آپ کا بالکل بجا ہے حضرتِ واعظ
نگاہیں ملگئیں تھیں میری انکی رات محفل میں
بہت مشکل ہوا ہے ختم کرنا مجھ کو نامے کا

ادائے شکر کر دیوانۂ حسنِ بتاں ہو کر
محبت کی نظر نے دی اجازت مجھ کو ہاں ہو کر
پھنسا آخر یہ کیوں کر طائرِ عرش آشیاں ہو کر
پھلے پھولے زمانے میں گلستان و بوستاں ہو کر
مگر تو سرو سے بھی بڑھ گیا آخر رواں ہو کر
کوئی ان سے نہیں کہتا نہ نکلو یوں عیاں ہو کر
سعادت ہے اگر رہ جائے سنگِ آستاں ہو کر
کہیں آئیں محلے میں انھیں جانا یہاں ہو کر
تو دادِ ہمتِ پروانہ دیتیں یک زباں ہو کر
وہ حالت ہے کہ رہ جاتی ہے زندہ داستاں ہو کر
زبانیں بند کر دیں ان تبوں نے بے زباں ہو کر
غرض واعظ کی محنت رہ گئی سب رائگاں ہو کر
مگر میں کیا کہوں کچھ بن نہیں پڑتی جواں ہو کر
یہ دینا ہے بس اتنی بات پھیلی داستاں ہو کر
وفورِ شوق سے رکتا نہیں خامہ رواں ہو کر

پھری قسمت ہوا کی آپ کی زلفوں کے صدقے میں
پریشاں ہو کے اٹھی تھی چلی عنبر فشاں ہو کر

بنو گے خسروِ اقلیمِ دل شیریں زباں ہو کر
جہانگیری کرے گی یہ ادا نورِ جہاں ہو کر

دلوں کا قرب حاصل کیجئے راحت رساں ہو کر
نفس نے سینہ میں جا پائی ہے آرامِ جاں ہو کر

غریبوں سے لپٹ جاتی ہے دنیا فکرِ ناں ہو کر
امیروں کے مقابل ہوتی ہے حسنِ بتاں ہو کر

پئے ضبطِ محبت عقل مذہب میں ہوئی داخل
بنی وجہِ عناد آخر نصیبِ دشمناں ہو کر

مجالِ گفتگو کس کو فنا کا جب پیام آیا
ہوئی خاموش آخر شمع بھی آتش زباں ہو کر

کسی نے خوب فرمایا اک اسلامی کمیٹی میں،
نمازی ہیں ندارد رہ گئی خالی اذاں ہو کر

کرم تھا دوستوں پر علم ایامِ گذشتہ میں
ستم ہے اس زمانے میں نصیبِ دشمناں ہو کر

جو دانشمند ہیں وہ یوں دعا دیتے ہیں لڑکوں کو
نہ ہو مکار پیری میں نہ ہو عاشق جواں ہو کر

جوانی کی دعا لڑکوں کو ناحق لوگ دیتے ہیں
یہی لڑکے مٹاتے ہیں جوانی کو جواں ہو کر

پھنسایا جھوٹی باتوں سے مجھے دنیا نے غفلت میں
سُلایا مجھ کو اس مکار نے افسانہ خواں ہو کر

تمھیں اوج و تعلّے کا مزا مجھ کو تواضع کا
یہاں تو خاکساری ہے رہو تم آسماں ہو کر

بدی طینت کی چھپ سکتی نہیں شیریں زبانی سے
دل اچھا ہو تو بن جاتی ہے شاید بد زباں ہو کر

زمیں کی طرح جسنے عاجزی و خاکساری کی
خدا کی رحمتوں نے اسکو ڈھانکا آسماں ہو کر

ضعیفی زد پر آئی ہوئے بیدست و پا اکبر
کیا بچوں سے بدتر ہم کو پیری نے جواں ہو کر

روش ہو راست آزادانہ ساتھ اسکے تواضع بھی
چلو تم مثلِ تیر اکبر جھکو لیکن کماں ہو کر

خیالِ عزتِ مجنوں نہ چھوڑا دامنِ مجنوں
نہیں ہے ہوش اسکو خود تو اڑجا دھجیاں ہو کر

نگیں بے بہا تھا دل ضرورت تھی حفاظت کی
ترا نقشِ تصور اس میں بیٹھا پاسباں ہو کر

مری زردیِ رخ کا ذکر ہے لبہائے جاناں پر
مزا دیکھو کہ حلوے میں پڑا ہوں زعفراں ہو کر

بلندیِ مراتب سے تلوّن ہو گیا پیدا
بدلتے ہیں ہزاروں رنگ اب وہ آسماں ہو کر

اسی سے آشکارا ہے بلندی تیرے ایواں کی — پڑا ہے آسماں بھی تیرے کر در پہ آستاں ہو کر

میں بچپایا تلاشِ پیر کی دے کر صلاح ان کو — ہوئے وہ اور بھی ظالم مریدِ آسماں ہو کر

ق

بہار آئی کھلے گل زیبِ صحنِ بوستاں ہو کر — عنادل نے مچائی دھوم سرگرمِ فغاں ہو کر

بچھا فرشِ زمرد اہتمامِ سبزۂ تر میں — چلی مستانہ وش بادِ صبا عنبر فشاں ہو کر

عروجِ نشۂ نشو و نما سے ڈالیاں جھومیں — ترانے گائے مرغانِ چمن نے شادماں ہو کر

بلائیں شاخِ گل کی لیں نسیمِ صبح گاہی نے — ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگیں بتاں ہو کر

جوانانِ چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا — کسی نے یاسمن ہو کر کسی نے ارغواں ہو کر

کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحنِ گلستاں میں — صدائے نغمۂ بلبل اٹھی بانگِ اذاں ہو کر

ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو — ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتی زباں ہو کر

زبانِ برگِ گل نے کی دعا رنگیں عبارت میں — خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہو کر

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے کی — کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتوں میں نہاں ہو کر

بہار آئی ہے اک آئینۂ معنی نشاں ہو کر — چمن میں بوئے گل پھیلی ہے تیری داستاں ہو کر

خموشی میں جمالِ شاہدِ معنی نظر آیا — عبث الجھے رہے لفظوں میں ہم محوِ بیاں ہو کر

قیامت کیا ہے خلقت کو نہ صبر آنا جدائی پر — یہ فطرت خود بنے گی صورِ سرگرمِ فغاں ہو کر

جو راہِ معرفت میں کاروانِ دل قدم رکھے — تو ساری کائنات اڑ جائے گردِ کارواں ہو کر

کیا اچھا جنھوں نے دار پر منصور کو کھینچا — کہ خود منصور کو مشکل تھا جینا راز داں ہو کر

تری فرقت میں ساری عمر جو تکلیف اٹھاتے ہیں — اجل یہ جان انھیں کو آتی ہے آرامِ جاں ہو کر

اشارہ زاہدانِ خشک سے ہے دخترِ رز کا — ولی بنئے مریدِ حضرتِ پیرِ مغاں ہو کر

عجب کیا ہے جو دونوں ان میں بیہوشی کی دنیا میں — چلے جب ہو کے رخصت آئے حسد میہماں ہو کر

الگ رکھتی ہے فطرت ہوش کو ایسے مواقع پر — کہ تا افشا نہ کر دے رازِ ہستی راز داں ہو کر

نمایاں ہیں ترے دامن کی سلبیں کہکشاں ہوکر
ہوا زردِ الفت گرد میں زار و ناتواں ہوکر
مری نسبت یہ فرماتے ہیں واعظ بدگماں ہوکر
بہارِ عمر جب آخر ہوئی واپس نہیں آتی
زبانیں دیکھتی ہیں آفتِ تقریر کو چپ ہیں
اُبھارا اسقدر اس عہد میں روشن خیالوں نے
بنی آدم میں اتنے مہر طلعت ہو گئے پیدا
دکھا کر ابرو و مژگاں نظر انکی یہ کہتی ہے
بٹھا رکھا ہے اس نامہرباں نے منتظر کر کے
لطیف الطبع تیز و تند و رنگیں و نشاط افزا

اس اطلس کی زمیں لے ماہ چمکی آسماں ہوکر
مے باغِ جوانی میں بہار آئی تو خزاں ہوکر
قیامت ڈھائیگا جنت میں بوڑھا جواں ہوکر
درخت اچھے کہ پھلتے ہیں نئی سر سی جواں ہوکر
نگاہیں داستانیں کہہ رہی ہیں بی زباں ہوکر
کہ چل نکلی زمیں قائم مقامِ آسماں ہوکر
کہ چل نکلی زمیں قائم مقامِ آسماں ہوکر
کسی سے کیوں جھکیں ہم صاحبِ تیغ و سناں ہوکر
خدا سے ہی مجھے امید اٹھائے مہرباں ہوکر
تمھیں سی ہو گئی ہے دخترِ رز بھی جواں ہوکر

کیا افسردہ نافہموں نے مجھ کو ہمنشیں ہوکر
ہجومِ یاس نے مطلق جگہ باقی نہیں رکھی

طبیعت رک گئی افسوس معنی آفریں ہوکر
تمنا پھر گئی آخر درِ دل سے حزیں ہوکر

ہر لحظہ دیکھتا ہوں زمانے کی شان اور
دل اُس بُتِ فرنگ سے ملنے کی شکل کیا
کیونکر زباں ملانے کی حسرت بیاں کروں

گویا زمین اور ہے اور آسمان اور
میرا طریق اور ہے اسکی ہے شان اور
اسکی زبان اور ہے میری زبان اور

اب شغلِ زندگی کے ہیں قانون ہی کچھ اور
وہ جادوئے سخن ہے نہ وہ رنگِ انجمن

کیسی غزل یہاں تو ہے مضمون ہی کچھ اور
تہذیبِ مغربی کے ہیں افسون ہی کچھ اور

میلِ نظر ہے زلفِ مس کجکلاہ پر
اچھا ہوا مقابلۂ برقِ حسن و عشق

سونا چڑھا رہا ہوں میں تارِ نگاہ پر
اُن کو ہنسی جو آگئی عاشق کی آہ پر

یا شہیدِ جلوۂ ساقی ہو یا میخانہ چھوڑ
دین نبھنے کا نہیں ان صورتوں کے سامنے

ہوش کی پروا نہ کر یا شیشہ و پیمانہ چھوڑ
یا پہن زنار اکبر یا درِ بتخانہ چھوڑ

جب مانتے ہو تم کہ خدا بھی ہے کوئی چیز
پھر کیوں نہیں کہتے کہ دعا بھی ہے کوئی چیز

واعظ نے کہا خوفِ خدا بھی ہے کوئی چیز
اُس بت نے کہا میری ادا بھی ہے کوئی چیز

کہتا ہے معالج کہ دوا کا بس اثر دیکھ
فریادِ زباں ہے کہ مزا بھی ہے کوئی چیز

پنہاں ہیں خموشی و تصوّر میں کمالات
لیکن اثرِ لفظ و صدا بھی ہے کوئی چیز

کھلتے ہوئے عقدے نظر آتے ہیں ہزاروں
معلوم ہوا عقدہ کشا بھی ہے کوئی چیز

بیساختہ آتی ہے مصیبت میں یہ لب پر
فطرت ہی کی جانب سے دعا بھی ہے کوئی چیز

معنی کو ضرورت نہیں الفاظ کی اکبر
سب جانتے ہیں حسنِ صدا بھی ہے کوئی چیز

کم سن ہوا بھی تجربہ دنیا کا نہیں ہے
تم خود ہی سمجھ لوگے خدا بھی ہے کوئی چیز

تدبیر سدا راست جو آتی نہیں اکبر
انسان کی طاقت کے سوا بھی ہے کوئی چیز

ہم مصلحتِ وقت کے منکر نہیں اکبر
لیکن یہ سمجھ لو کہ وفا بھی ہے کوئی چیز

ق

میں نے کہا کیوں لاش پہ آقا کی ہے مرتا
ہوٹل کی طرف جا کہ غذا بھی ہے کوئی چیز

کتے نے کہا ہو یہ جہالت کہ تعصب
لیکن مرے نزدیک وفا بھی ہے کوئی چیز

طبع کرتی ہے ترے عشق کی تائید ہنوز
ان جفاؤں پہ بھی ٹوٹی نہیں اُمید ہنوز

قصۂ شوق کو چھیڑا ہے ازل سے دل نے
خلتے پر مگر آئی نہیں تمہید ہنوز

نہ خوشی ہوتی ہے دل کو نہ طبیعت کو ابھار
پھر بھی سالانہ کئے جاتے ہیں ہم عید ہنوز

اور کچھ اس کے سوا کر نہیں سکتے ناصح
بس چلی جاتی ہے تعلیم کی تاکید ہنوز

کسقدر حار تھے سید کے وہ اجزائے خام
علما دے رہے ہیں قوم کو تبرید ہنوز

دل تو مدت سے ہے خاکِ رہِ دیر اے اکبر
ہاں زباں پر ہے مگر کفر کی تردید ہنوز

غمِ جاناں سے میں کرنے کا نہیں جان عزیز
ہے سوا جان سے بھی مجھ کو یہ مہمان عزیز

نگاہ اُس بتِ بے دیں کی ہے شراب فروش
عجب نہیں مجھے مستی کرے شباب فروش

کہا جو اُس نے کہ اب میں بھروں گا بے پردہ
منہ اُس کا دیکھ کے بس رہ گئے نقاب فروش

اہل مذہب میں زیادہ تر ہے بس لفظی نزاع
ایک ہی مالک جہاں کا ہے تو پھر کیسی نزاع

ایک ... پر یونکا قائل ایک کو انکار ہے
سب تراعوں میں جو ہے تو بس یہی اچھی نزاع

علم اگر ہوتا زیادہ اور ہوتی حرص کم
صلح رہتی بیشتر لوگوں میں کم ہوتی نزاع

شیخ مائل ہوئے ہیں ساغر و مینا کی طرف
برکتیں نشہ کی لائیں گی کلیسا کی طرف

میں پھنسانے لگا کیوں دام بلا میں دل کو
خود کھنچا جاتا ہے اِن زلف چلیپا کی طرف

دوستوں نے انھیں حضرت کو خضر سمجھا ہے
انکی چالیں تو لئے جاتی ہیں اعدا کی طرف

جوش گریہ ہے یہ کیوں موسم پیری میں مجھے
لوگ جاڑوں میں تو کم جاتے ہیں دریا کی طرف

گنتی میں زیادہ نہیں ہے قول مرا ایک
بے خوف میں کہتا ہوں اسے یعنی خدا ایک

تثلیث کے قائل نے بھی خالق کو کہا ایک
تھی تین پہ سوئی مری ہیبت سے بجا ایک

... ہو مسلمان ہیں اللہ کے طالب
دس پانچ نہیں مجھ کو دکھا دو تو بھلا ایک

اللہ کی جانب متوجہ رہیں احباب
صف ہو گی شکستہ جو کہیں رُخ نہ رہا ایک

یارب رہے جمعیتِ مسلم یونہیں قائم
رخ ایک رسول ایک کتاب ایک خدا ایک

پہونچی نگاہِ عقل رسا دور دور تک
لیکن نہ جا سکی کبھی اوجِ حضور تک

جا رہا ... الست سے ایسی تھی بیخودی
ہستی کا اپنی حس نہ ہوا نفخ صور تک

کھینچی ہے تم پر اس سفاک کی تیغ ستم اب تک
یہ کیا سچ ہے کہ ان زخموں پہ بھی زندہ ہیں ہم اب تک

ملت کو جو دیکھو تو نہیں حامیٔ دیں ایک
قوت کو جو پوچھو کہیں وہ دل بھی نہیں ایک

دل تم نے لیا دین لیا مال نہ چھوڑا
باقی ہے مرے پاس فقط جان حزیں ایک

ہر ایک کو دو تم نے کیا تیغ ستم سے
اب رہ گئے ہو عرصۂ ہستی میں تمہیں ایک

کیا جانئے سید تھے حق آگاہ کہاں تک
سمجھے نہ کہ سیدھی ہے مری راہ کہاں تک

منطق بھی تو اک چیز ہے اے قبلہ و کعبہ
دے سکتی ہے کام آپ کی واللہ کہاں تک

افلاک تو اس عہد میں ثابت ہوئے معدوم
اب کیا کہوں جاتی ہے مری آہ کہاں تک

کچھ صنعت و حرفت پہ بھی لازم ہے توجہ
آخر یہ گورنمنٹ سے تنخواہ کہاں تک

مرنا بھی ضروری ہے خدا بھی ہے کوئی چیز
اے حرص کے بندو ہوسِ جاہ کہاں تک

تحسین کے لایق ترا ہر شعر ہے اکبر
احباب کریں بزم میں اب واہ کہاں تک

مل گیا شرع سے شراب کا رنگ
خوب بدلا غرض جناب کا رنگ

چل دیئے شیخ صبح سے پہلے
اُڑ چلا تھا ذرا خضاب کا رنگ

پائی ہے تم نے چاند سی صورت
آسمانی رہے نقاب کا رنگ

صبح کو آپ ہیں گلاب کا پھول
دوپہر کو ہے آفتاب کا رنگ

لاکھ جانیں نثار ہیں اس پر
دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ

ٹکٹکی بندھ گئی ہے بوڑھوں کی
دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ

جوش آتا ہے ہوش جاتا ہے
دیدنی ہے ترے شباب کا رنگ

رندِ عالی مقام ہے اکبر
بو ہے تقویٰ کی اور شراب کا رنگ

عزیزانِ وطن سوچیں سولسر وس سے کیا حاصل
یگانوں میں رہو بیگانہ ہو کر اس سے کیا حاصل

نہ سحرِ چشمِ جاناں ہے نہ لطفِ غمزۂ ساقی
تو پھر صحنِ چمن میں دیدۂ نرگس سے کیا حاصل

نہ ہو ادراک خالق کا نہ اُبھرے شوق طاعت کا
تو ایسے ذہن سے اکبر اور ایسے حس سے کیا حاصل

گو چکا چوند کا عالم ہے نئی روشنی میں
ہے مگر پیشِ نظر عرش کا تارا اسلام

رغبتِ کفر سے اللہ بچائے سب کو
نور افگن رہے ہر سینہ میں پیارا اسلام

اُنکی خواہش مری نسبت ہو جو کچھ وہ جانیں
میں تو کرتا ہوں دعا لائیں انصارا اسلام

اُنکے مضبوط جہازوں کی مددگار ہے آگ
میری ٹوٹی ہوئی کشتی کا سہارا اسلام

خوفِ حق الغتِ احمد کو نہ چھوڑ اے اکبر
منحصر ہے انھیں دو لفظوں پہ سارا اسلام

قرار نہیں ذرا بھی مجھے یہ کیسی حیا کہو تو صنم
اٹھو بھی بس اب کرو نہ غضب گذر گئی شب خدا کی قسم

فراق کی شب ہو گی سحر اجل ہے کہو کہ آئے ادھر
عذاب میں تھے ان نجات ملی کہاں تلک اب سہیں ستم

خوشی بھی ہوئی الم بھی ہوا مزے بھی ملے ستم بھی سہے
نکل چکی دل کی ساری ہوس نظر میں ہے اب سوادِ عدم

ہوئے ہیں مستِ مئے عاشقی کے جام سے ہم
خوشا نصیب چھٹے عاقلی کے دام سے ہم

نہیں کوئی شبِ تارِ فراق میں دل سوز
خموش شمع ہے خود جل رہے ہیں شام سے ہم

زمانہ جس کو مٹائے بھلائے خلق جسے
عبث ہے خوش ہوں جو ایسے نشان و نام سے ہم

خوشی بہت ہے جہاں میں ہمارے گھر نہ سہی
ملول کیوں ہیں دنیا کے انتظام سے ہم

خوشامدی کو مبارک ہو رات دن چکر
یہاں تو رکھتے ہیں بس کام اپنے کام سے ہم

اخیر عمر میں آیا ہمیں خیالِ مآل
بہت دنوں میں ہوئے واقف اپنے کام سے ہم

گناہ کیا جو کہیں ہم بھی السلام علیک
کہ لطف اُٹھاتے ہیں اب بت کی رام رام سے ہم

ہمیں ہے یاد وہ عہدِ الست اے غافل
بہل سکیں گے نہ دنیا کی دھوم دھام سے ہم

چلا ہے فلسفہ لیکر ہمیں سوئے ظلمات
بہت ہی تنگ ہیں اس اسپِ بے لگام سے ہم

خیالِ یار میں اُلجھا ہوا ہے تارِ نفس
کبھی نہ ہوں گے رہا عاشقی کے دام سے ہم

جئیں گے عشق سے آخر بچی نہ جان اپنی
تمام ہو گئے اس ماہِ ناتمام سے ہم

اگر وہ کہتے ہیں ہاں تو ہم کہیں گے یہی
ضرور کیا ہے کریں بحث جاکے آتھم سے ہم

ملا نہ امن شبستانِ دہر میں دم بھر
چراغِ صبح رہے اس جہاں میں شام سے ہم

اب اور چاہیئے نیٹو کے واسطے کیا بات
یہی بہت ہے مشرف ہوئے سلام سے ہم

نگاہِ پیرِ مغاں کہتی ہے مریدوں سے
رہِ سلوک میں واقف ہیں ہر مقام سے ہم

فلک کے دور میں ہارے ہیں بازیِ اقبال
اگرچہ شاہ تھے بدتر ہیں اب غلام سے ہم

ہماری کوہ نوردی نہیں ہے بے معنی
کہ اُنس رکھتے ہیں اک کبکِ خوش خرام سے ہم

ہمیں خراب کرے گا خیال ابروے یار
مفر نہ پائیں گے اس تیغِ بے نیام سے ہم

سُنا ہے حلتِ بادہ کا ہو گیا فتوےٰ
خدا نے فضل کیا بچ گئے حرام سے ہم

لئے ہیں ہاتھ میں نامہ کھڑا ہے چپ قاصد
پتا ہے گھر کا نہ واقف ہیں انکے نام سے ہم

اشارہ کرتی ہے ساقی کی چشمِ مست اکبر
کہ دو جہاں کو بھلاتے ہیں ایک جام سے ہم

چھڑی اُٹھائی خموشی سے چلدیئے اکبر
سفر میں رکھتے نہیں کام ٹیم ٹام سے ہم

دلِ مایوس میں وہ شورشیں برپا نہیں ہوتیں
امیدیں اسقدر ٹوٹیں کہ اب پیدا نہیں ہوتیں

مری بیتابیاں بھی جزو ہیں اک میری ہستی کی
یہ ظاہر ہے کہ موجیں خارج از دریا نہیں ہوتیں

وہی پریاں ہیں اب بھی راجہ اندر کے اکھاڑے میں
مگر شہزادۂ گلفام پر شیدا نہیں ہوتیں

یہاں کی عورتوں کو علم کی پروا نہیں بیشک
مگر یہ شوہروں سے اپنے بے پروا نہیں ہوتیں

تعلق دل کا کیا باقی میں رکھوں بزمِ دنیا سے
وہ دلکش صورتیں اب انجمن آرا نہیں ہوتیں

ہوا ہوں اس قدر افسردہ رنگِ باغِ ہستی سے
ہوائیں فصلِ گل کی بھی نشاط افزا نہیں ہوتیں

قضا کے سامنے بیکار ہوتے ہیں حواس اکبر
کھلی ہوتی ہیں گو آنکھیں مگر بینا نہیں ہوتیں

سانس لیتے ہوئے بھی ڈرتا ہوں
یہ نہ سمجھیں کہ آہ کرتا ہوں

اُن کا گھر چھوڑ کر کہاں جاؤں
دل ہی کیساتھ میں ٹھہرتا ہوں

ہوں اسیرِ طلسم بحرِ فنا
نقش بر آب ہی میں بھرتا ہوں

بحرِ ہستی میں ہوں مثالِ حباب
مٹ ہی جاتا ہوں جب ابھرتا ہوں

۳۳

اتنی آزادی بھی غنیمت ہے — سانس لیتا ہوں بات کرتا ہوں

شیخ صاحب خدا سے ڈرتے ہوں — میں تو انگریز ہی سے ڈرتا ہوں

لن ترانی نہیں ہے مانعِ عشق — میں ترے نام ہی پہ مرتا ہوں

آپ کیا پوچھتے ہیں میرا مزاج — شکر اللہ کا ہے مرتا ہوں

یہ بڑا عیب مجھ میں ہے اکبر
دل میں جو آئے کہہ گزرتا ہوں

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں — ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

معرفت خالق کی عالم میں بہت دشوار ہے — شہرِ تن میں جبکہ خود اپنا پتا ملتا نہیں

غافلوں کے لطف کو کافی ہے دنیاوی خوشی — عاقلوں کو بے غمِ عقبیٰ مزا ملتا نہیں

کشتیِ دل کی الٰہی بحرِ ہستی میں ہو خیر — ناخدا ملتے ہیں لیکن باخدا ملتا نہیں

غافلوں کو کیا سناؤں داستانِ عشقِ یار — سننے والے ملتے ہیں درد آشنا ملتا نہیں

زندگانی کا مزا ملتا تھا جن کی بزم میں — ان کی قبروں کا بھی اب مجھکو پتا ملتا نہیں

صرف ظاہر ہو گیا سرمایۂ زیب و صفا — کیا تعجب ہے جو باطن باصفا ملتا نہیں

پختہ طبعوں پر حوادث کا نہیں ہوتا اثر — کوہساروں میں نشانِ نقشِ پا ملتا نہیں

شیخ صاحب برہمن سے لاکھ برتیں دوستی — بے بھجن گائے تو مندر سے ٹکا ملتا نہیں

جس پہ دل آیا ہے وہ شیریں ادا ملتا نہیں — زندگی ہے تلخ جینے کا مزا ملتا نہیں

لوگ کہتے ہیں کہ بدنامی سے بچنا چاہیئے — کہہ دو بے اسکے جوانی کا مزا ملتا نہیں

اہلِ ظاہر جسقدر چاہیں کریں بحث و جدال — میں یہ سمجھا ہوں خودی میں تو خدا ملتا نہیں

چل بسے وہ دن کہ یاروں سے بھری تھی انجمن — ہائے افسوس آج صورت آشنا ملتا نہیں

منزلِ عشق و توکل منزلِ اعزاز ہے — شاہ سب بستے ہیں یاں کوئی گدا ملتا نہیں

بارِ تکلیفوں کا مجھ پر بارِ احساں سے ہے سہل — شکر کی جا ہے اگر حاجت روا ملتا نہیں

چاندنی راتیں بہار اپنی دکھاتی ہیں تو کیا
بے ترے مجھ کو تو لطف اے مہ لقا ملتا نہیں

یعنیِ دل کا کرے اظہار اکبر کس طرح
لفظ موزوں بہرِ کشفِ مدعا ملتا نہیں

کس قدر بے فیض اِن بوزروں جولائے دہر ہے
بوئے گل کو دامنِ بادِ صبا ملتا نہیں

فیض باطن سے مدّعی عشق کا ہو جا مرید
اہل ظاہر کے گر ملائے تو خدا ملتا نہیں

ڈھونڈتے ہیں لوگ اس دنیا میں اطمینانِ دل
کچھ بھی لیکن داغ حسرت کے سوا ملتا نہیں

تیشِ وقعت کے گم ہونیکا ہے اکبر کو غم
آتشِ عزت کا اُس کو کچھ مزا ملتا نہیں

دل کی ہمدردی سے کچھ تسکین ہوتی تھی مگر
اب تو اس مظلوم کا بھی کچھ پتا ملتا نہیں

بیکسی میری نہ پوچھ اے جادۂ راہِ طلب
کارواں کیسا کہ کوئی نقشِ پا ملتا نہیں

اُس کو اربابِ طریقت میں کروں میں کیا شمار
آپ کی زلفوں سے جس کا سلسلہ ملتا نہیں

جب کہا میں نے مرا دل مجھ کو واپس دیجئے
ناز و شوخی سے وہ بولے کھو گیا ملتا نہیں

جب کہیں ملتا ہے کرتا ہے نہ ملنے کا گلہ
اور جو ملتے جاتا ہوں مردِ خدا ملتا نہیں

یوں کھولی آؤں اُنسے لیکن اکبر سچ یہ ہے
دل نہیں ملتا تو ملنے کا مزا ملتا نہیں

پھر اور کون ہوگا جو آئے ہمارے کام
ہوگے شریک حال ہمارے نہ جب تمھیں

دنیا کے انتظام پہ اکبر نہ ہو ملول
انصاف یہ نہیں ہے کہ پاجاؤ سب تمھیں

یہ فقط نہیں ہی کافی کہ مرا مزاج پوچھیں
مرے درد دل کو سمجھیں مری احتیاج پوچھیں

تھا زیادہ کل موافق مجھے پوچھتا تھا ہر اک
ہیں تو انکو دوست سمجھوں کہ جو مجھکو آج پوچھیں

جنھیں تیری لو لگی ہی وہ جہاں سے بیخبر ہیں
نہ وہ مال و جاہ ڈھونڈیں نہ وہ تخت و تاج پوچھیں

جو مرض ہی ہمکو لاحق وہی شرطِ زندگی ہے
جو نہ چاہیں اپنا جینا تو کوئی علاج پوچھیں

تو خود اُن کو لکھ عریضہ نہ کر انتظار اکبرؔ
اُنھیں کیا غرض ہے ایسی کہ ترا مزاج پوچھیں

موسم گل میں صبا کو جو ہوئی ناچ کی دھن
لحن بلبل سے بھی پیدا ہوئی کھماچ کی دھن

یہ کلاک اچھے سروں میں تو بجا کرتی ہے
مفت پیدا ہوئی ہے آپ کو کیوں ناچ کی دھن

نغمہ سنجی سے بھی آتی تھی خواتین کو شرم
ساز مغرب سے مگر ہو گئی اب ناچ کی دھن

کبھی دل کی ترنگ کا رنگ یہ ہے کہ میں سارے جہاں کو پیار کروں
کبھی طبع میں یہ سماتی ہے یہ کہ خود اپنی خودی سے بھی عار کروں

مجھے پیاری اگرچہ ہے جان حزیں مگر اس سے سوا یہ عزیز نہیں
وہ گھڑی بھی تو آئے کہ پاؤں انھیں اور انھیں پہ میں اسکو نثار کروں

کبھی غنچہ ہے یہ کبھی شعلہ ہے یہ کبھی آئینہ ہے کبھی قطرۂ خوں
یہ ہے صفحۂ دہر پہ دل کا جو رنگ اسے کون سے مد میں شمار کروں

فتنہ نہیں فساد نہیں شور و شر نہیں
یاں تن نہیں زمین نہیں اور زر نہیں

مانا کہ ہر طرح سے میں بے اختیار ہوں
پر یہ بتاؤ تم کو خدا کا بھی ڈر نہیں

دل زیست سے بیزار ہے معلوم نہیں کیوں
سینے پہ نفس بار ہے معلوم نہیں کیوں

اقرار وفا یار نے ہر اک سے کیا ہے
مجھ سے ہی بس انکار ہے معلوم نہیں کیوں

ہنگامۂ محشر کا تو مقصود ہے معلوم
دہلی میں یہ دربار ہے معلوم نہیں کیوں

جس سے دل رنجور کو پہونچی ہے اذیت
پھر اُسکا طلب گار ہے معلوم نہیں کیوں

اے گل ترا نظارہ دل آویز ہے لیکن
پہلو میں ترے خار ہے معلوم نہیں کیوں

افلاس میں مستی تو مجھے خوش نہیں آتی
ساقی کو یہ اصرار ہے معلوم نہیں کیوں

انداز تو عشاق کے پائے نہیں جاتے
اکبرؔ جگر افگار ہے معلوم نہیں کیوں

جینے پہ تو جان اہل جہاں دیتے ہیں اکبرؔ
پھر یہ تجھے دشوار ہے معلوم نہیں کیوں

بھولے پن سے پوچھتے ہیں تیری خاطر کیا کریں
اس محل پر راز دل ہم اُن پہ ظاہر کیا کریں

ہیں کلکٹر نزع میں عملے کھڑے ہیں دم بخود
جب خدا ہی ہو گیا حاضر تو ناظر کیا کریں

اُنکی آنکھوں کی خطا کیا خود ہیں ہم الفت میں مست
آپ ہم ایمان چھوڑیں تو یہ کافر کیا کریں
منتیں کیں ہاتھ جوڑے سر قدم پر رکھ دیا
پھر بھی ہے تیوری چڑھی ہم پر آپ آخر کیا کریں

بحثیں فضول تھیں یہ کھلا حال دیر میں
افسوس عمر کٹ گئی لفظوں کے پھیر میں
ہے ملک دھر تو قحط زدہ اُس طرف یہ وعظ
کشتے وہ کھا کہ پیٹ بھرے پان سیر میں
ہیں غش میں شیخ دیکھ کے حسنِ مس فرنگ
بچ بھی گئے تو ہوش اُنھیں آئیگا دیر میں
چھوٹا اگر میں گردشِ تسبیح سے تو کیا
اب پڑ گیا ہوں آپکی باتوں کے پھیر میں

صبا نے دفترِ گل کے بہت ورق اُلٹے
مگر وہ بوئے معانیِ روئے یار کہاں
میں خاک میں بھی اگر مل گیا تو کیا امید
وہ آستانہ کہاں اور مرا غبار کہاں
خیال ایسا نہ فرمائیے مری نسبت
بھلا حضور کہاں اور یہ خاکسار کہاں

ہجر کی رات یوں ہو نہیں حسرتِ قدِ یار میں
جیسے لحد میں ہو کوئی حشر کے انتظار میں
دل ہے ملول فرقتِ قامت و بوئے یار میں
بھاڑ میں جائیں سرو و گل آگ لگے بہار میں
سوز نہاں ہے فرقتِ شمعِ جمالِ یار میں
آگ سی ہے لگی ہوئی رشتۂ جانِ زار میں
کیا میں خوشی سے ہوں بسا کوچۂ زلفِ یار میں
کوئی بلا میں کیوں پھنسے دل ہو جو اختیار میں
ہونے دے انقلابِ چرخ کو وہ الم کو لے اٹھا
وزن مگر سبک نہ ہو دیدۂ اعتبار میں
پایا ہوائے دھر کو دشمنِ انبساطِ دل
کھلتے ہیں کب گلِ مراد گلشنِ روزگار میں
کر دیا ایسا زار و خشک منزلِ عشق نے مجھے
خار چبھے گا مجھ میں کیا میں ہی چھپا ہوں خار میں
آئی نسیم باغ میں میرے یہاں نہ آئے تم
لالہ و گل بہت کھلے دل نہ کھلا بہار میں
مستیٔ عشق کا مزا عہدِ شباب ہی میں ہے
بادہ کشی کا لطف اگر ہے تو فقط بہار میں
مہرِ کرم نے آپکے ذرہ نوازیاں یہ کیں
بات تو ورنہ کچھ نہ تھی بندۂ خاکسار میں
تم تو بھلا کے وعدے کو شام ہی پڑ کے سو رہے
جاگا کیا میں صبح تک حسرت و انتظار میں
سینے سے تیرے متصل شاید اسے قرار ہو
گوندھے مرے دلکو بھی اپنے گلے کی ہار میں

رنگِ جہاں کیسا تھا کاش میری بھی ہو یونہیں بسر
جیسے گل و نسیم کی نبھ گئی چاہ پیار میں

وقعتِ رشیاِ شیخ کو دیکھ کے یہ ہوا یقین
خرمنِ خس بھی شرط ہے گلشنِ اعتبار میں

کھلنے پہ آئی ہے کلی بلبلوں کو ہے بیکلی
حسن تو ہے ابھار پر عشق ہے انتظار میں

ذکرِ مراہے کو بکو پھیلی ہے بات چار سو
آتی ہے بوئے جنوں کی جو بیٹھا ہوں کوئے یار میں

سینے میں کیوں خلش ہے یہ جانیں کیوں طپش ہے یہ
عقل کی سرزنش ہے یہ دل کو رکھ اختیار میں

الفتِ زلف قہر ہے حق میں ہمارے زہر ہے
بحرِ بلا کی لہر ہے روح ہے انتشار میں

بھونرے ہیں مست بوئے گل تتریاں ہیں سوئے گل
سب کو ہے جستجوئے گل موسمِ خوشگوار میں

سنبلِ تر یہ خوب ہے جلوۂ شبنمِ لطیف
زلفِ پری کے تار ہیں گوہرِ آبدار میں

دورِ شرابِ لالہ فام کیوں نہ ہو لالہ زار میں
کچھ تو مزا ہو زیست کا کچھ تو کھلیں بہار میں

بادِ صبا کا ناچ ہو نغمہ سرا ہوں بلبلیں
شاخوں کی گود میں ہوں گل وہ ہوں مرے کنار میں

ہو اثرِ سروری کیف میں ہو ہر ایک شے
دل میں ہیں زمزموں کی لے بول بجیں ستار میں

آنکھ کی ناتوانیاں حسن کی لن ترانیاں
پھر بھی ہیں جانفشانیاں کوچۂ انتظار میں

عشق میں نفع ہے ضرر اشک گریں تو ہے گہر
یاں تو ہیں پارۂ جگر لعل کے اعتبار میں

عشق ہو کسطرح نہاں لب پہ ہے غم کی داستاں
کہنے میں اب نہیں زباں دل نہیں اختیار میں

بے بہرہ ہیں تو رس وہ آنکھیں جو تیرے لئے غمناک نہیں
سرمۂ بصر افروز نہیں جسمیں ترے در کی خاک نہیں

بیگانۂ سرِ درسے ہے وہ دل جو تیرے لئے غمناک نہیں
سرمۂ بصر افروز نہیں جسمیں ترے در کی خاک نہیں

احسن رخ پہ نظر کا شوق جو ہو آنکھوں کو تو اپنی اشک سے دھو
بے اسکے طہارت دل کی نہیں بے اسکے نگاہیں پاک نہیں

رشتہ تو تو ہے الفت کا قائم ہی ہے دلمیں مدت سے
زنار پہننی باقی ہے اسمیں بھی مجھے کچھ باک نہیں

ہے مستی عشق نصیب مجھے مشغول میں رہتا ہوں دلسے
حاجت نہیں مے کی میرے لئے انگور کی مجھکو تاک نہیں

صورت کی ہے انمیں جلوہ گری معنی سے ہے بالکل بیخبری
ہیں کام تو انکے صاف بہت نیت کے گریہ پاک نہیں

پلمیں یہ نگاہیں لاکھطرح خود اپنی مشاہد ہو نہ سکیں
کیا اصل و حقیقت ہے میری ادراک کو یہ ادراک نہیں

ان مدعیوں کا طرزِ عمل اکبر یہ شہادت دیتا ہے
پڑھنے کو کتابیں پڑھ لی ہیں سمجھے یہ مگر کچھ خاک نہیں

پیش کر دینا شکایت کا تو کچھ مشکل نہیں
لیکن اُن کو رنج ہوگا مجھ کو کچھ حاصل نہیں

عاشقوں کی زیست پر کیونکر نہ رشک آئے مجھے
زندگی کے بھی مزے پھر موت سے غافل نہیں

کیا طریقِ طالبِ دنیا کی جانب رخ کروں
دل کو ہو جس میں سکوں ایسی کوئی منزل نہیں

قوم میں گو علم چھوٹکے بھی ہوائے زندگی
جان کیا پیدا ہو جب وہ شخص بھی یکدل نہیں

مشرقی تو سرِ دشمن کو کچل دیتے ہیں
مغربی اُس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں

ناز کیا اس پہ جو بدلا ہے زمانے نے تمہیں
مرد وہ ہیں جو زمانے کو بدل دیتے ہیں

حضرتِ ہوش ہیں گو دل کے وفادار رفیق
آپ کی یاد جو آتی ہے تو چل دیتے ہیں

تخت کے قابض وہی دیہیم انکے ہاتھ میں
مالک اُن کا رزق کی تقسیم اُن کے ہاتھ میں

برق کی صورت پہونچتا ہے طبائع پر اثر
آگیا تارِ امید و بیم اُن کے ہاتھ میں

ہم کو سلیپر جُوں وہ دھوپ میں مصروف کار
مست ہے اپنی نظر اور سیم اُن کے ہاتھ میں

صبر باقی ہے نہ ہم میں باہمی اعزاز ہے
سب کی ہے تذلیل اور تعظیم اُن کے ہاتھ میں

شیخ کی جانب کوئی جاتا نہیں کہتے ہیں سب
ہے فقط اب کوثر و تسنیم اُن کے ہاتھ میں

مغربی رنگ و روش پر کیوں نہ آئیں اب قلوب
قوم اُن کے ہاتھ میں تعلیم اُن کے ہاتھ میں

خوب ترسے ہیں انکے دل میں اخلاقی اصول
گو نہیں ہے دینِ ابراہیم اُن کے ہاتھ میں

جج بنا کر اچھے اچھوں کا لبھا لیتے ہیں دل
ہیں نہایت خوشنما دو جیم اُن کے ہاتھ میں

مغرب ایسا ہی رہا اور ہے اگر مشرق یہی
ایک دن دیکھیں گے ہفت اقلیم ان کے ہاتھ میں

دلیلیں فلسفہ کو نورِ باطن کر نہیں سکتیں
کواکب کی شعاعیں رات کو دن کر نہیں سکتیں

ضروری چیز ہے اک تجربہ بھی زندگانی میں
تجھے یہ ڈگریاں بوڑھوں کا ہمسن کر نہیں سکتیں

طلب کر دین سے اے محوِ نیچر جوشِ بامعنی
صدائیں مرغ کی کارِ مؤذن کر نہیں سکتیں

جہاں کی زینتیں راحت رساں ہیں چشمِ غافل میں
مگر حق جو کے مضطر دل کو ساکن کر نہیں سکتیں

کچھ نہ پوچھا اے ہمنشیں میرا نشیمن تھا کہاں
سامنے وہ تھے تو کہتا حالتِ دل کس طرح
دل جدائی میں ہماری جان کا خواہاں ہوا
کرلیا ہم نے ازل میں شوق سے عہدِ الست
دہر میں خارِ تعلق سے الجھتا کس طرح

اب تو یہ کہنا بھی مشکل ہے وہ گلشن تھا کہاں
ہوش میں اسوقت میں اے مشفقِ من تھا کہاں
آجتک سینے میں پوشیدہ یہ دشمن تھا کہاں
پیشِ چشم اسوقت یہ دیر برہمن تھا کہاں
کرچکا تھا میں جنوں کو نذر دامن تھا کہاں

سچ ہے کسی کی شان یہ اے نازنیں نہیں
میں نے دفورِ شوق میں شاید سنا نہ ہو
ان تیوروں کا میں تو ہوں کشتہ شبِ وصال
دستِ جنوں سے قطع ہوا پیرہن مرا
کیا زورِ طبع ہو کہ نہیں کوئی معترض
میں تم سے کیا بتاؤں کہ اسوقت ہوں کہاں
میری نگاہ شوق کا اللہ رے اثر
جب سے گناہ چھوڑ دئے سب کھسک گئے
ہے جس کو شوق اپنی خودی کی نمود کا
طالب خدا کی راہ میں سر رکھے مثلِ ماہ

تو ہر جگہ ہے جلوہ گر اور پھر کہیں نہیں
یا شاید آپ ہی نے نہ کی ہو نہیں نہیں
دل میں ہزار شوق زباں پر نہیں نہیں
دامن نہیں ہے جیب نہیں آستیں نہیں
کیا نکتہ سنجیاں ہوں کوئی نکتہ چیں نہیں
جب تم ہو پیشِ چشم تو پھر میں کہیں نہیں
معشوق بھولجاتے ہیں اپنی نہیں نہیں
اب کوئی میرا دوست نہیں ہمنشیں نہیں
سچ پوچھئے تو اس کو خدا پر یقیں نہیں
نورِ جبیں کہاں ہو جو داغِ جبیں نہیں

اکبر ہمارے عہد کا اللہ رے انقلاب
گویا وہ آسماں نہیں وہ زمیں نہیں

یہ تماشے ہیں یہیں زیرِ زمیں تو کچھ نہیں
وہ یہ کہتے ہیں کہ دنیا ہی ہے سب کچھ حضور
کارِ دنیا شوق سے کرتے رہو اے دوستو
اُن کا گھر اور ان کی باتیں دیکھ کر کہنا پڑا

زندگی جب تک ہے سب کچھ ہے نہیں تو کچھ نہیں
میں یہ کہتا ہوں کہ ای حضرت یہیں تو کچھ نہیں
لیکن اس کے ساتھ بگڑا کار دیں تو کچھ نہیں
قصرِ عالی شان ہے لیکن مکیں تو کچھ نہیں

ہوائے نفس کا طوفاں ہے بحرِ زندگانی میں
خدا محفوظ رکھے کشتیٔ دل کو جوانی میں

نہیں جمتا کسی کا نقش اس دنیائے فانی میں
حباب آسا مٹا ابھرا جو بحرِ زندگانی میں

حباب آسا ہی تھا جو ابھرا زندگانی میں
عبث ہے خودنمائی کی ہوا اس بحرِ فانی میں

سکونِ قلب کی دولت کہاں دنیائے فانی میں
بس اک غفلت سی آ جاتی ہے اور وہ بھی جوانی میں

تری پاکیزہ صورت کر رہی ہے حسنِ ظن پیدا
مگر آنکھوں کی مستی ڈالتی ہے بدگمانی میں

اجل کی نیند آ جاتی ہے آخر سننے والے کو
قیامت کا اثر پاتا ہوں دنیا کی کہانی میں

نسیمِ صبحگاہی نکہتِ گل سے ہے بے پروا
مگر گیسو ترے مصروف ہیں عنبر فشانی میں

حباب اپنی خودی سے بس یہی کہتا ہوا گذرا
تماشا تھا ہوا نے اک گرہ دیدی تھی پانی میں

نہ پوچھ اے ہمنشیں وہ قصۂ عیش و طرب ہم سے
کسے اب یاد ہے اک خواب دیکھا تھا جوانی میں

کمر کا کیا ہوں عاشق کھل گئی زلفِ درازاں کی
کمر خود پڑ گئی ہے اک بلائے آسمانی میں

اسی صورت میں دلکش خوبیٔ الفاظ ہوتی ہے
کہ حسنِ یار کا پیدا کرے جلوہ معانی میں

زبانِ حال سے پروانۂ بسمل یہ کہتا ہے
حضوری ہو اگر حاصل مزا ہے نیم جانی میں

فلک نے مضمحل کر کے ہمیں خس کر دیا آخر
بہے جاتے ہیں بے مقصود بحرِ زندگانی میں

ادائے شکر کر کے احتراز اولٰے ہے اے اکبر
ہزاروں آفتیں شامل ہیں ان کی مہربانی میں

پریشاں ہوش کو کرتے ہیں ٹکڑے دل کے کرتے ہیں
مگر عاقل بھی ہیں کرتے نہیں جو کچھ ملکے کرتے ہیں

حریفوں سے لگاوٹ کرتے ہیں آپس میں لڑتے ہیں
یونہیں بربادیاں آتی ہیں یونہیں گھر بگڑتے ہیں

خوشامد کرتے ہیں غیروں کی اور آپس میں لڑتے ہیں
یونہیں بربادیاں آتی ہیں یونہیں گھر بگڑتے ہیں

بزرگوں سے عداوت دوستی بادہ فروشوں سے
اور اسپر مدعی تہذیب کے بنکر اکڑتے ہیں

الجھنا زلفِ مغرب میں مبارک ہو رہِ دنیا
مگر دینی مقاصد میں ہزاروں پیچ پڑتے ہیں

تعجب نخوتِ اہلِ زمیں پر مجھ کو آتا ہے
یہ اسپر کیوں اکڑتے ہیں کہ جسمِ مُردہ کے گڑتے ہیں

ہمارا جوش میں آنا دکھا ہی دیگا رنگ اپنا
ابھی اس میکدے میں ہم پڑے گوشے میں رہتے ہیں

تحیّر آپ کی غزلوں پر آتا ہے مجھے اکبر
بتوں پر آپ مرتے ہیں کہ شیطانوں سے ڈرتے ہیں

ضرورت جب نہیں پھر طبع کا کیوں رُخ بدلتی ہیں
چمن ہوتے ہوئے بیفائدہ کانٹوں پہ چلتے ہیں

عوض قرآں کی اب ہے ڈاروِن کا ذکر یاروں میں
جہاں تھے حضرتِ آدم وہاں بندر اچھلتے ہیں

ہمارا داغِ دل کرتا ہے روشن بزمِ معنی کو
تو کیا شکوہ اگر ہم مغربی غمزوں سے جلتے ہیں

واعظا ہمیں یہ وعظ کا دفتر سنائے کیوں
ہم پوچھتے ہیں عالمِ ہستی میں آئے کیوں

موسیقی و شراب و جوانی و حسن و ناز
بچتا ہے کون اور خدا بھی بچائے کیوں

حاصل انھیں کیا ایک سے جو افسانۂ حسرت کہتے ہیں
عاقل تو وہی ہیں ای اکبر جو سہتے ہیں اور چپ رہتے ہیں

ہے شاق جدائی اُنکی اب ذرات پریشاں رہتے ہیں
ہم آپکو بیحد چاہتے ہیں ولیکن فقط سچ کہتے ہیں

ہے پاسِ شریعت بھی ہمکو ہیں عشق کی لہریں بھی دل میں
پابند ہیں ساحل سے ہم جیسے دریا کی طرح سے بہتے ہیں

اکبر کی برائی اچھائی تو پوچھ محلے والوں سے
نظم انکی سنی ہے البتہ ہاں شعر تو اچھے کہتے ہیں

وزن اب اُن کا معیّن نہیں ہو سکتا کچھ
برف کی طرح مسلمان گھلے جاتے ہیں

داغ اب انکی نظر میں ہیں شرافت کے نشاں
نئی تہذیب کی موجوں سے دھلے جاتے ہیں

علم نے رسم نے مذہب نے جو کی تھی بندش
ٹوٹی جاتی ہے وہ سب بند کھلے جاتے ہیں

شیخ کو وجد میں لائی ہیں پیانوں کی گتیں
پیچ دستارِ فضیلت کے کھلے جاتے ہیں

تمھیں جو دیکھ لے پھر کیا وہ محوِ حورِ جنّت ہو
قیامت گو کہ برحق ہے مگر تم بھی قیامت ہو

مئے گلگوں کی جانب دل بہت کھنچتا ہے ای اکبر
مگر مشکل یہی ہے شیخ جی سن لیں تو آفت ہو

جس کو سارا قصۂ عہدِ جوانی یاد ہو
کیا عجب ہے عہدِ پیری میں جو وہ ناشاد ہو

شوخ ایسا ہے کہ اس بت کو اگر کافر کہو
ہنس کے کہتا ہے کہ پیارا لفظ ہی یہ پھر کہو

جو کہو چھا جائے اُن آنکھوں پہ مستی کی طرح
فتنۂ دوراں کہو ساقی کہو ساحر کہو

قیمتِ دل سن کے کہتے ہو کہ سودا ہے تجھے
خیر سودا ہی سہی تم بھی تو کچھ آخر کہو

عوشدبیِ عشق میں دستور یہی ہے کہ نہ ہو
ہاں اور اُن کو بھی تو منظور یہی ہے کہ نہ ہو

مرضِ عشق بھی کیا چیز ہے جس سے صحت
آرزوئے دلِ رنجور یہی ہے کہ نہ ہو

جلایا دل کو تڑپایا جگر کو
خدا رکھے سلامت اُس نظر کو

دلِ سوزاں کی گرمی بڑھتی ہے اور
خدا کے واسطے پہلو سے سر کو

جوانی مار ہی رکھتی ہے اکبر
سنبھالو دل کو یارو کو نظر کو

ابرو چاہو اگر انگریز سے ڈرتے رہو
ناک رکھتے ہو تو تیغِ تیز سے ڈرتے رہو

ہو مصیبت تو نہیں کچھ خوفِ سیلِ اشک سے
عیش ہو تو نفسِ طوفاں خیز سے ڈرتے رہو

دیدِ نرگس سی چمن میں لطف اٹھاؤ بے خطر
لیکن اس چشمِ جنوں انگیز سے ڈرتے رہو

تا بہ سینہ گردنیں جھکنے لگیں تسلیم کو
دردِ دل اٹھا خیالِ یار کی تعظیم کو

گردنِ محرابِ مسجد خم ہوئی تسلیم کو
اٹھی آوازِ اذاں اسلام کی تعظیم کو

طفلِ دل نے مکتبِ ادراک میں کھا جو باؤ
عشق پیدا کر دیا اللہ نے تعلیم کو

فہم و ادراک میں ہو عقل میں ہو جان میں ہو
حق تو یہ ہے کہ تمہیں جلوہ گر انسان میں ہو

ہاتھ ہو کام میں اور دل ترے ارمان میں ہو
ہے یہی طرزِ عمل خوب جو امکان میں ہو

میں تو سو جان سے مرتا ہوں مری جاں تم پر
تم مری جان بچاؤ اگر امکان میں ہو

چاند پیارا ہے تو کیا اُس سے سوا پیارا ہے
صحن میں بیٹھوں میں کیوں جائے جو دالان میں ہو

پیاری صورت پہ تو انسان کو آتا ہی ہے پیار
دل کو روکیں کوئی صاحب اگر امکان میں ہو

حسن جس چیز میں ہو دیکھ کے خوش کر دل کو
بند کرے مگر آنکھیں اگر انسان میں ہو

جھوٹ سے نفرتِ کلی ہو طبع سے پرہیز
ہو نہ کچھ اور پر اتنا تو مسلمان میں ہو

دل جہاں ہوگا وہاں عشق بھی ہوگا پیدا
خواہ افریقہ میں ہو خواہ پرستان میں ہو

ہے غلامی ہی جو قسمت میں تو ہو لطف کیساتھ
کہدو ہندی سے کہ آباد پرستان میں ہو

آپ کی آنکھ میں کس نے یہ بھرا ہے جادو
اسکا ایما ہے کہ لغزش مرے ایمان میں ہو

کاہلی اور توکل میں بڑا فرق ہے یار
اٹھو کوشش کرو بیٹھے ہوئے کس دھیان میں ہو

ٹھیک ہو دل کی جو نسبت تو اثر دیں نالے
سُر میں آواز ہو اکبر تو مزا تان میں ہو

ممکن نہیں کہ عشق ہو اور دل حزیں نہ ہو
میرا ہی حال دیکھ لے جس کو یقیں نہ ہو

گرم نظّارہ ہر اک سمت سرِ راہ نہ ہو
رہزنِ عقل کوئی صورتِ دل خواہ نہ ہو

شارحِ معنیِ حُسنِ بتِ دل خواہ نہ ہو
فہمیں قاصر نہوں خلقت کہیں گمراہ نہ ہو

یار کے دل میں اثر ہو یہ ہے مقصودِ کلام
اسکی پروا نہیں محفل میں اگر واہ نہ ہو

یہ چمک اسکی ہے اے جان تمھارے دم سے
تم جو پہلو میں نہ ہو لطفِ شبِ ماہ نہ ہو

قلقلِ شیشہ کو سنئے تو ذرا حضرتِ شیخ
دیکھئے تو کہیں اس قل میں ہو اللہ نہ ہو

جانتا ہوں میں شبِ وصل کی کوتاہی کو
یہ دعا ہے کہ مری عمر سے کوتاہ نہ ہو

یہ ادائیں یہ لگاوٹ یہ بلا کی چتون
میں تو کیا ضبط فرشتوں سے بھی واللہ نہ ہو

اک زمانہ ہے مرے قصۂ غم سے واقف
اس کا باعث جو ہے شاید وہی آگاہ نہ ہو

بے رخی اس بُتِ کمسن کی نہیں باعثِ یاس
نظرِ شوق سے شاید ابھی آگاہ نہ ہو

کیوں گلابی کے عوض پہنا ہے جوڑا کاہی
طعنہ زن گل پہ مری جان کہیں کاہ نہ ہو

شیخ کہتا ہے برائی بُتِ خوش رو کی کرو
دل دھڑکتا ہے کہ ناخوش کہیں اللہ نہ ہو

چشمِ کافر کا اشارہ ہے کہ ایماں کیسا
چہرہ ہنستا ہے کہ دیکھو کوئی گمراہ نہ ہو

اک نگہ جسم کی نظرِ یار نے کی ہے آخر
دل سے نکلے تو کہاں تک اثرِ آہ نہ ہو

اپنے ہاتھوں سے جو دو تخلیہ میں جامِ شراب
اور سوا اسکے وہ اک شخص ہیں معقول پسند

جوششِ گریۂ پیہم کا ہے باعث رخِ یار
ہو نمود اور حسینوں کی چلے جائیں جو آپ

میں سمجھتا ہوں کہ حوریں جو نہوں جنت میں
دوست کا دوست نہو جو۔ وہ مرادشمن ہے

سالکِ راہِ محبت کو خرد سے کیا کام
خرچ کیسا ہیں فقط جمع کے شایق احباب

گل پہ بلبل بھی فدا بادِ صبا بھی صدقے
نرگسِ مست تری قاتلِ عالم نکلی

پھر جو آئی ہے شبِ ہجر تو آجائے اجل
منتوں کی اُدھر افراط اِدھر کھٹکوں کی

زلفِ ابجد کی کہیں تنگی نہ کردے ہندی
مردِ آزاد ہوں مجھ سے یہ تکلف کیسا

دسترس حیلہ پہ حاصل تجھے ہو خواہ نہ ہو
ذوقِ آرام بجا شوقِ تعلّے بیجا

دل کبھے عشقِ حقیقی نہیں ہوتی حرکت
خیرخواہ آج زمانے میں کہاں ملتے ہیں

محوِ تمکیں ہے تنفر ہو سبک وضعی سے
شرک ہے اپنی خودی کا اگر آتا ہے خیال

یا قدم منزلِ یوسف میں نہ رکھے طالب

ق
شیخ صاحب کو ذرا عذر بھی واللہ نہ ہو
غالباً جاڑوں میں یوں بھی نہیں اکراہ نہ ہو

جزر و مد ہو نہ سمندر میں اگر ماہ نہ ہو
رونق الحجائے کواکب میں اگر ماہ نہ ہو

تو عزازیل بھی انسان کا بدخواہ نہ ہو
نہ ملے مجھ سے وہ۔ اسکا جو بھی خواہ نہ ہو

وہ تو چاہے گا کہ خود ہوش بھی ہمراہ نہ ہو
میں تو خوش ہوں اگر افزائشِ تنخواہ نہ ہو

صورت اچھی ہو تو پھر کون ہوا خواہ نہ ہو
کہیں صیادِ اجل کی یہ کمیں گاہ نہ ہو

ایسی تکلیف مجھے پھر مرے اللہ نہ ہو
ڈھونڈھوں وہ شہر کہ جسمیں کوئی درگاہ نہ ہو

لام کی جا کہیں للہ اے مرے اللہ نہ ہو
بس مرے ساتھ تو یہ واللہ و باللہ نہ ہو

شیر ہی بن کے نکل صورتِ روباہ نہ ہو
طلبِ رزق ہو لیکن ہوسِ جاہ نہ ہو

وہیں چلتی ہے یہ کشتی کہ جہاں تھاہ نہ ہو
ہے یہی لاکھ غنیمت کوئی بدخواہ نہ ہو

صورتِ کوہ ہو انسان صفتِ کاہ نہ ہو
کفر ہے جان سے پیارا اگر اللہ نہ ہو

یا نہ کر شرط کہ واں گرگ نہ ہو چاہ نہ ہو

بند کر بیٹھا ہو آنکھیں جو تمھاری دُھن میں
کیا عجب شورِ قیامت سے بھی آگاہ نہ ہو

ہے اگر منزلِ راحت کی تلاش اے اکبر
وہ جگہ ڈھونڈھ تمنّا کی جہاں راہ نہ ہو

تم اگر چاہو بُرائی نہ کسی کی اکبر
پھر تمھارا بھی جہاں میں کوئی بدخواہ نہ ہو

شکر ہے راہِ ترقی میں اگر بڑھتے ہو
یہ تو بتلاؤ کہ قرآن بھی کبھی پڑھتے ہو

شیخ صاحب کا تعصب ہی جو فرماتے ہیں
اونٹ موجود ہے پھر ریل پہ کیوں چڑھتے ہو

یہ سوال ان کا ہے البتہ بہت با معنی
کہ سمجھ بوجھ کے قرآن بھی کبھی پڑھتے ہو

دین کو سیکھ کے دنیا کے کرشمے دیکھو
مذہبی درس الف بے ہو علیگڈھ تے ہو

بہت رہتی ہے حیران دیکھ کر گو تیری قدرت کو
ادا کرتی نہیں چشمِ تماشا حقِ حیرت کو

بہت خوش ہو کہ قد لعبتِ چیں کے مطابق ہے
ہمارے طفلِ دل نے کھیل سمجھا ہے قیامت کو

سب ہو چلے ہیں اس بت کافر ادا کے ساتھ
رہ جائیں گے رسول ہی بس اب خدا کے ساتھ

جادو کیا یہ کس بتِ کافر نگاہ نے
اسلام میں وفا نہ رہی اتقا کے ساتھ

خوابِ اجل ہی نیند کے بدلے اب آئیگا
دیوانہ کردیا مجھے ایک شب مُلا کے ساتھ

واعظ کے اعتراض سے تنگ آگیا ہوں میں
اسکو بھی دیکھ لو کبھی تم اک ادا کے ساتھ

اکبر دعا کا ذوق ہو کیونکر نصیبِ دل
اُٹھے نہ دردِ دل بھی جو دستِ دعا کے ساتھ

کرتے ہو تم خوشامدِ دنیا بڑھا کے ہاتھ
اللہ کی طرف نہیں اُٹھتے دعا کے ہاتھ

اچھی نہیں شے کوئی محبت سے زیادہ
وہ بھی ہے بُری ہو جو ضرورت سے زیادہ

اے حسن کے مائل یہ نصیحت مری سن لے
سیرت پہ نظر چاہیئے صورت سے زیادہ

سیّد سے علی گڈھ میں یہ جا کر کوئی کہدے
ہے تجھ کو طلب قوم کی قسمت سے زیادہ

مجھ رند سے اسدرجہ نہ ہو محترز اے شیخ
تو پاک نہیں ہے مری نیت سے زیادہ

اک بوسہ یہ وہ ٹال گئے ہم بھی رہے چپ
سمجھے کہ کسے ملتا ہے قسمت سے زیادہ

عشقِ بتاں میں اکبرِ ناداں تیری یہ حالت توبہ توبہ
ایسے مسلمِ فخرِ حرم کی دیر میں ذلت توبہ توبہ

دیوانوں کی شعر نہ چھینے سب کا خلاصہ مجھ سے سنئے
ایکی صورت سبحان اللہ میری نیت توبہ توبہ

مذہب چھوڑو ملت چھوڑو صورت بدلو عمر گنواؤ
صرف کلرکی کی امید اور اتنی مصیبت توبہ توبہ

سُرکی کھینچی ہی دستِ نجس سے لوئے بدبھی آتی ہی اس سے
ایسی چیز سے بچائیے صاحب آپکو رغبت توبہ توبہ

خرمنِ گل کو خزاں لیجائیگی اک بار باندھ
آشیانہ یاں نہ تو اے عندلیبِ زار باندھ

شعر میں اکبر یہی مضمون تو ہر بار باندھ
اے مسلماں سبحہ لے اے برہمن زنار باندھ

سر میں سودا آخرت کا ہو یہی مقصود ہے
مغربی ٹوپی پہن یا مشرقی دستار باندھ

خلق تجھ سے بیخبر ہے دے خبر خلق کو تو
تار برقی گر نہیں ہی آنسوؤں کا تار باندھ

بیکار شب کو یوں سرِ بستر پڑا نہ رہ
اکبر جو تجھ کو نیند نہ آئے تو شعر کہہ

بچنا فضول گوئی سے ہے مقصدِ سکوت
معقول بات ذہن میں آئے تو چپ نہ رہ

نامِ خدا پڑھے ہیں کہیں آپ بدر سے
چودہ شبیرہ ہاں ہیں تو یاں سال چاردہ

یہ عمر یہ جمال یہ جادو بھری نگہ
پھر اس پہ واعظوں کا یہ کہنا کہ باز رہ

ڈوبو جس طرح سے ہو نازی کا ساز بوجھ
یونانیوں کا بوانِ ہند پہ ہے اب نماز بوجھ

کپتان اپنی موج میں ہی ہم ہیں ڈوبتے
واللہ قوم پہ ہے یہ قومی جہاز بوجھ

منصور سر کٹا کے سبکدوش ہوگیا
تھا سخت اس کے دل پہ اناالحق کا راز بوجھ

اکبر کے واسطے بھی وہی شرط پاس کی
ہر ایک پہ نہ لادیئے بے امتیاز بوجھ

جو کردے حسن کو مشتاق و بیتاب
غضب ہے وہ ادائے عاشقانہ

سُنا خونِ جگر کھاتا ہے اکبر
مبارک یہ غذائے عاشقانہ

آئینہ رکھدے بہارِ غفلت افزا ہو چکی
دل سنوار اپنا جو آئی خود آرا ہو چکی

خانۂ تن کی خرابی پر بھی لازم ہے نظر
زینت و آرائشِ قصرِ معلّٰی ہو چکی

بیخودی کی دیکھ لذت کرکے ترکِ آرزو
ہو چکی حدِ ہوس مشقِ تمنا ہو چکی

حسنِ مطلق کے تصور سے بھی لے دو ایک جام
روئے زیبا ہو چکا زلفِ چلیپا ہو چکی

چل بسے یارانِ ہمدم اُٹھ گئے پیارے عزیز
آخرت کی اب کر اکبرؔ فکرِ دنیا ہو چکی

نکہتِ گل سے شمیمِ زلف یاد آ ہی گئی
آج تو مجھکو نسیمِ صبح تڑپا ہی گئی

بادۂ عرفاں کی مستی روح کو بھا ہی گئی
عقل سر میں رہ گئی دل میں کچھ اور آ ہی گئی

اس جفا پر بھی طبیعت اُس پہ بس آ ہی گئی
اک ادا ظالم نے ایسی کی کہ وہ بھا ہی گئی

عاشقوں میں رسمِ عیشِ دنیوی رائج نہیں
قیس کب دولہا بنا لیلیٰ کہاں بیاہی گئی

اک لطافت قلب میں تھی عقل و حکمت کے سوا
رہ گئے سب وہ مگر پرتو ترا پا ہی گئی

مختلف شکلوں میں آکر ہو گئی آخر ہوا
ابر کی پھبتی مری امید پر چھا ہی گئی

عشوہ ہائے دشمنِ ایماں کا اک طوفان تھا
دیکھ کر بت کو مگر یادِ خدا آ ہی گئی

خوش نصیبی زالِ دنیا کی تعجب خیز ہے
چاہے جانیکے نہ تھی لائق مگر چاہی گئی

مستیِ مے سے نظر ان کی تھی تیغِ بے نیام
نشۂ عشق و جنوں سے پھیر بھی ترسا ہی گئی

سیکھ لو بدلی سے تم طرزِ عمل اے عاقلو
جو سمندر سے لیا تھا ہم پہ برسا ہی گئی

اپنے تمکین و تحمل پر بہت نازاں تھا میں
اک بتِ کافر کی چشمِ مست تڑپا ہی گئی

رقص کرتی ہے صبا نغمہ سرا ہے بلبل
شاہدِ گل کے لئے ناچ بھی ہے گانا بھی

ہر رکاوٹ کی وہ دھج ہے کہ تڑپ جاتا ہے دل
کسی استاد سے تم سیکھے ہو شرمانا بھی

کچھ طرزِ ستم بھی ہے کچھ اندازِ وفا بھی
کھلتا نہیں حال انکی طبیعت کا ذرا بھی

عشوہ بھی ہے شوخی بھی تبسم بھی حیا بھی
ظالم میں اور اک بات ہے ان سب کے سوا بھی

ایمان بھی تھا علم بھی تھا عقل رسا بھی
وہ لے گئے دل اور کوئی بولا نہ ذرا بھی

الفت ہی میں کرتے ہیں شکایت بھی گلا بھی
اب اسکو بھلا دو کچھ اگر میں نے کہا بھی

سچ بات کا انکار میں کیونکر کروں اے بت
بیشک مجھے آتی ہے کبھی یادِ خدا بھی

سالک کو دمِ تیغ ہے قطعِ رہِ توحید
دو ہو گیا اک آن میں جو کا جو ذرا بھی

کچھ قدر نہ کی عہدِ جوانی کی صد افسوس
ہم رہ گئے غفلت میں یہ آیا بھی گیا بھی

تصدیق ہوئی دیکھ کے وہ قامتِ زیبا
سنتا تھا کہ فتنے ہیں قیامت کے سوا بھی

دیکھیں کسے حاصل ہو قدمبوسیٔ جاناں
پینے کو ہے موجود مرا دل بھی حنا بھی

ڈاڑھی پہ بھی واعظ کے ہے تلووں پہ بھی اُنکے
چالاک مرے ہاتھوں کی صورت ہے حنا بھی

باقی نہ رہا خون بھی اب میرے جگر میں
افسوس ہوا چاہتی ہے ترک غذا بھی

کیونکر کہوں رنگینیٔ باطن سے ہے عزت
پامال نظر آتی ہے مجھ کو تو حنا بھی

چپ رہتا ہوں تو کہتے ہیں الفت نہیں تجھ کو
کرتا ہوں خوشامد تو یہ فرماتے ہیں جا بھی

سنتے ہیں کہ اکبر نے کیا عشقِ بتاں ترک
اس بات سے تو خوش نہ ہوا ہوگا خدا بھی

نظرِ لطف سے بس اک ہمیں محروم رہے
اور کیا عرض کریں آپ کو معلوم رہے

چمن کی یہ کیسی ہوا ہو گئی
کہ صرصر سے بدتر صبا ہو گئی

عیادت کو آئے شفا ہو گئی
علالت ہماری دوا ہو گئی

وہ اُٹھے تو لاکھوں ہی فتنے اُٹھے
چلے تو قیامت بپا ہو گئی

پڑھی یادِ رُخ میں جو میں نے نماز
عجب حسن کے ساتھ ادا ہو گئی

تماشائے مقتل کو آئے جو وہ
تڑپنے کی لذت سوا ہو گئی

محبت کی گرمی بھی کیا چیز ہے
طبیعت مری کیا سے کیا ہو گئی

لگاوٹ بہت ہے تری آنکھ میں
اسی سے تو یہ فتنہ زا ہو گئی

میں ممنون ہوں وعدۂ یار کا
تسلّی تو خیر اک ذرا ہوگئی

بتوں نے بھلایا جو دل سے مجھے
مرے ساتھ یادِ خدا ہوگئی

انھیں نے عطا کی تھی جانِ حزیں
ہوا خواب انھیں پر فدا ہوگئی

مری روح تن سے جدا ہوگئی
کسی نے نہ جانا کہ کیا ہوگئی

بہت دخترِ رز تھی رنگیں مزاج
نظر ملتے ہی آشنا ہوگئی

مریضِ محبت ترا مرگیا
خدا کی طرف سے دوا ہوگئی

نہیں تھی تو نامِ کمر کیوں ہوا
جو پیدا ہوئی تھی تو کیا ہوگئی

نہ تھا منزلِ عافیت کا پتا
قناعت مری رہنما ہوگئی

ملا میں بھی اک رات دنیا سے خوب
مرے گھر بھی یہ بیسوا ہوگئی

ستایا بہت حاسدوں نے مجھے
تری مہربانی جفا ہوگئی

گھٹی گو کہ رندی سے وقعت مری
طبیعت مگر بے ریا ہوگئی

گوارا نہ تھا ذکرِ خونِ جگر
مگر اب تو میری غذا ہوگئی

بتوں کو محبت نہ ہوتی مری
خدا کا کرم ہوگیا ہوگئی

اشارہ کیا بیٹھنے کا مجھے
عنایت کی آج انتہا ہوگئی

رہِ معرفت میں جو رکھا قدم
خودی بھی بس اک نقشِ پا ہوگئی

کتابِ حقیقت کرے کون ختم
کہ ہر اک خبر مبتدا ہوگئی

وہ ساری امیدیں ملیں خاک میں
جو بدلی اٹھی تھی ہوا ہوگئی

فلک سے مٹا دل کا سارا ابھار
جو بدلی اٹھی تھی ہوا ہوگئی

یہ تھی قیمتِ رزق ٹوٹے جو دانت
غرض کوڑی کوڑی ادا ہوگئی

پھنسی جسمِ خاکی میں روحِ لطیف
اسیرِ کمندِ ہوا ہوگئی

وداع کیا کہ وقتِ دعا بھی نہیں
تری حالت اکبر یہ کیا ہوگئی

عاشق جو آستانۂ مشکل کشا کی ہے
تابش مری جبیں پہ نورِ خدا کی ہے

حبِ علی سے ہوگی دلوں کی شگفتگی
کلیوں کو احتیاج نسیم و صبا کی ہے

روبہ مزاجیاں سگِ دنیا کی دیکھ لیں
حسرت بس اب زیارتِ شبیرِ خدا کی ہے

ق

صورت شگفتہ ہر گلِ رنگیں قبا کی ہے
مستانہ چال باغ میں بادِ صبا کی ہے

آزار ہی نہیں ہے کہ پیدا ہو اشک و آہ
دنیا میں دھوم خوبیِ آب و ہوا کی ہے

پھولوں سے لو لگائے ہے بادِ صبا کی لے
دمساز تان بلبلِ شیریں نوا کی ہے

سبزہ لہک رہا ہے بصد انبساطِ طبع
سنبل ہیں تابِ لے کی زلفِ دوتا کی ہے

مرغانِ باغ وجد میں ہیں فرطِ شوق سے
ڈوبی ہوئی مزے میں طبیعت ہوا کی ہے

آراستہ ہے ایک طرف بزمِ مومنین
کثرت لبوں پہ حمد و درود و دعا کی ہے

پوچھا جو اس سماں کا سبب بول اٹھے ملک
پیدائش آج حضرتِ مشکل کشا کی ہے

دل مرا اُن پہ جو آیا تو قضا بھی آئی
درد کے ساتھ ہی ساتھ اسکی دوا بھی آئی

آئے کھولے ہوئے بالوں کو تو شوخی سے کہا
میں بھی آیا ترے گھر میری بلا بھی آئی

وائے قسمت کہ مرے کفر کی وقعت نہ ہوئی
بت کو دیکھا تو مجھے یادِ خدا بھی آئی

ہوئیں آغازِ جوانی میں نگاہیں نیچی
نشہ آنکھوں میں جو آیا تو حیا بھی آئی

ڈس لیا افعیِ شامِ شبِ فرقت نے مجھے
پھر نہ جاگوں گا اگر نیند ذرا بھی آئی

فارسی اُٹھ گئی اردو کی وہ عزت نہ رہی
ہے زباں منہ میں مگر اسکی وہ قوت نہ رہی

بند کر اپنی زباں ترکِ سخن کر اکبر
اب تری بات کی دنیا کو ضرورت نہ رہی

روز افزوں ہو محبت وہ ملاقات اچھی
شوق ملنے کا بڑھاتی رہے وہ بات اچھی

وہ عمل کیا جو دلیری کو گھٹائے اے دوست
قوتِ دل کو بڑھاتی رہے وہ بات اچھی

موقعِ بحث نہیں صاحبِ اقبال ہیں آپ
میری ہر بات بری آپ کی ہر بات اچھی

شب برات اچھی ہی ایجان نہ اچھی شب قدر
اپ حصے میں مرے آئیں وہی رات اچھی

ہم بغل شاہد دلجو ہو تو جاڑا اچھا
ہم نشیں ساقی مہوش ہو تو برسات اچھی

مائل ضبط بھی ہوں شایق فریاد بھی ہوں
جو پسند آپ کو آجائے وہی بات اچھی

فتنہ اُن آنکھوں سے اٹھا تو مچی واہ کی دھوم
سچ یہ ہے صاحب اقبال کی ہر بات اچھی

ہو نمود اپنی تو اندھیر کی پروا کس کو
کوئی تاروں سے جو پوچھے تو کہیں رات اچھی

آپ کے جور و ستم بھی ہیں دلآویز مجھے
چشم عاشق میں ہے معشوق کی ہر بات اچھی

یارِ خاطر ہو تو واعظ کا بھی ارشاد بُرا
دل کو بھا جائے تو اکبر کی خرافات اچھی

آپ کا خیر طلب لائقِ عزت نہ سہی
رحم ہی کیجئے للہ محبت نہ سہی

ہو رہو خاکِ درِ پیر مغاں اے اکبر
زندگی لطف سے کٹ جائیگی عزت نہ سہی

کر دیا کنج قناعت میں بسر اکبر نے
عزتِ دل تو سلامت رہی دولت نہ سہی

سکھ پائے طبیعت جس سے تری کہ شغل اپنا وہ بات ہی
جو دل میں سمائی من بھائے ہے تیرے لئے حق بات وہی

کیا روتا ہے اگلے وقتوں کو تہ کر دی تو اپنے نوحوں کو
ٹھکاتی ہیں جو جی انسی ہوا لگ چھٹ دن ہے وہی اور رات وہی

دھرتی نے جو بدلا رنگ تو کیا تو اپنی نظر اوپر کو اٹھا
داتا کے کرم میں کیا ہے کمی بدلی ہے وہی گھات وہی

مری ناکامیابی کی کوئی حد ہو نہیں سکتی
صداقت چل نہیں سکتی خوشامد ہو نہیں سکتی

مری ہستی ہے خود شاہد وجودِ ذاتِ باری کی
دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رد ہو نہیں سکتی

نہیں ہاتھ آتی دولت نام رٹنے سے بزرگوں کے
ہجا سے جد کے ترکیبِ زرِ جد ہو نہیں سکتی

نہایت خوشنما پتھر پڑے ہیں عقل پر ان کی
جنھیں تسکین بے لعل و زمرد ہو نہیں سکتی

ترنم سازِ ہستی کا تجھے کیا لطف دے غافل
تری روح آشنائے صوتِ سرمد ہو نہیں سکتی

بہار آئی ہے اے واعظ ابھی معذور رکھ مجھ کو
مخل توبہ فصلِ گل کی آمد ہو نہیں سکتی

بری تعلیم سے پیدا ہوں گو رائیں غلط لیکن
طبیعت فطرتاً ہے نیک تو بد ہو نہیں سکتی

مکیں کو دیکھ کر اکبر میں جھکتا ہوں کسی در پر
نظر اپنی مریدِ طاق و گنبد ہو نہیں سکتی

مسلمانوں کو فیض اُس بزم سے ممکن نہیں اکبر
کہ جس میں عزتِ نامِ محمدؐ ہو نہیں سکتی

شکر ہے تم نے مرے درد کی کچھ داد تو دی
نہ دوا کی نہ سہی رخصتِ فریاد تو دی

کیا بجھا شمعِ حرم تو نے بجھادی اے دوست
دیر کے شعلہ زبانوں نے تجھے داد تو دی

بہرِ رفتار میں جب کرتا ہوں تدبیر نئی
ڈال دیتا ہے فلک پاؤں میں زنجیر نئی

تو خوشامد کا ہے محو اور میں قناعت کا مرید
میری اکسیر پرانی تری اکسیر نئی

پالسی تیرے لئے میرے لئے صبر و رضا
میری اکسیر پرانی تری اکسیر نئی

چھوڑے دیتے ہو جو تم مذہب و ملت اے یار
کیا سمجھتے ہو کہ ملجائے گی تقدیر نئی

الفت سے تری قطع نظر ہو نہیں سکتی
یہ بات تو اچھی ہے مگر ہو نہیں سکتی

افسوس کہ دل شوق حضوری میں ہے بیتاب
دربان یہ کہتا ہے خبر ہو نہیں سکتی

اغیار کی کی آمد و شد آپ نے جاری
راحت مجھے اب آپ کے گھر ہو نہیں سکتی

ختم کیا صبا نے رقص۔ گل پہ نثار ہو چکی
جوشِ نشاط ہو چکا صوتِ ہزار ہو چکی

نیک و بدِ زمانہ کو دیکھ کے گل نے راہ لی
لطفِ نسیم ہو چکا۔ کاوشِ خار ہو چکی

رنگِ بنفشہ مٹ گیا۔ سنبلِ تر نہیں رہا
صحنِ چمن میں زینتِ نقش و نگار ہو چکی

مستیٔ لالہ اب کہاں۔ اس کا پیالہ اب کہاں
دورِ طرب گذر گیا۔ آمدِ یار ہو چکی

رت وہ جو تھی بدل گئی۔ آئی بس اور نکل گئی
تھی جو ہوا میں نکہتِ مشکِ تتار ہو چکی

اب تک اسی روش پہ ہے اکبر مست و بیخبر
کہدے کوئی عزیزِ من فصلِ بہار ہو چکی

بہت رہا ہے کبھی لطفِ یار ہم پر بھی
گذر چکی ہے یہ فصلِ بہار ہم پر بھی

عروسِ دہر کو آیا تھا پیار ہمپر بھی
یہ بیسوا تھی کسی شب نثار ہمپر بھی

بٹھا چکا ہے زمانہ ہمیں بھی مسند پر
ہوا کئے ہیں جوا ہر نثار ہمپر بھی

عدو کو بھی جو بنایا ہے تمنے محرم راز
تو فخر کیا جو ہوا اعتبار ہمپر بھی

خطا کسی کی ہو لیکن کھلی جو انکی زباں
تو ہو ہی جاتے ہیں دو ایک وار ہمپر بھی

ہم ایسے رند مگر یہ زمانہ ہے وہ غضب
کہ ڈال ہی دیا دنیا کا بار ہمپر بھی

ہمیں بھی آتشِ الفت جلا چکی اکبر
حرام ہو گئی دوزخ کی نار ہمپر بھی

انکی نگاہ دشمنِ اسلام ہی رہی
شرم و حیا کے ساتھ بھی بدنام ہی رہی

یاروں نے سو طرح کے مشاغل کئے بہم
لیکن مجھے تو فکر مے و جام ہی رہی

تسکین دل اس بزم میں واللہ نہ پائی
چاہا تھا نکل جائیں مگر راہ نہ پائی

معنی سے متعرا نظر آیا مجھے ہر نقش
آنکھوں نے کوئی صورتِ دلخواہ نہ پائی

غواص رہی بحرِ حقیقت کی ہمیشہ
فکرِ حکما نے بھی مگر تھاہ نہ پائی

دیکھی نہ کوئی بات سوا نام کے اس میں
کچھ لذتِ شان و حشم و جاہ نہ پائی

بارِ دلِ پر غم میں کمی ہوتی کچھ اُس سے
فریاد کی طاقت بھی مگر آہ نہ پائی

ملت کا ادب اٹھ گیا جس قوم کے دل سے
اقبال کے سمت اُسنے کبھی راہ نہ پائی

کفر کی رغبت بھی ہے دلمیں بتوں کی چاہ بھی
کہتے جاتے ہیں مگر منہ سے معاذ اللہ بھی

اتنو نقدی سے کوئی صاحب مرادِ دل خوش کریں
سن چکا ہوں مرحبا بھی آفریں بھی واہ بھی

واہ کیا جلوہ ہے پیشِ چشم ادراکِ بشر
شبہ بھی ہاں بھی نہیں بھی وہم بھی اللہ بھی

حالت تو یہ پہونچی ہے کہ دیکھی نہیں جاتی
اور دل سے محبت ہے کہ اب بھی نہیں جاتی

کیا کام چلے ان کی توجہ نہیں اکبر
اب کیئے خوشامد کی تو وہ کی نہیں جاتی

نئی تہذیب سے ساقی نے ایسی گرمجوشی کی
کہ آخر مسلموں میں روح پھونکی بادہ نوشی کی

تمہاری پالیسی کا حال کچھ کھلتا نہیں صاحب
ہماری پالیسی تو صاف ہے ایماں فروشی کی

چھپانے کے عوض چھپوا رہے ہیں خود وہ عیب اپنے
نصیحت کیا کروں میں قوم کو اب عیب پوشی کی

پہننے کو تو کپڑے ہی نہ تھے کیا بزم میں جاتے
خوشی گھر بیٹھے کر لی ہم نے جشنِ تاجپوشی کی

شکستِ رنگِ مذہب کا اثر دیکھیں نئے مرشد
مسلمانوں میں کثرت ہو رہی ہے بادہ نوشی کی

رعایا کو مناسب ہے کہ باہم دوستی رکھیں
حماقت حاکموں سے ہے توقع گرمجوشی کی

ہمارے قافیے تو ہو گئے سب ختم اے اکبر
لقب اپنا جو دیدیں مہربانی ہے یہ جوشی کی

حسن ہے بے وفا بھی فانی بھی
کاش سمجھے اسے جوانی بھی

بڑھتا جاتا ہے حسنِ قوم مگر
ساتھ ہی اس کے ناتوانی بھی

سب پہ حاوی ہیں لعبتانِ فرنگ
چپ ہیں بیگم بھی بت ہیں رانی بھی

دلِ مبتلائے غفلت تو ہے محوِ دہرِ فانی
جو خدا کی یاد آئے تو اسی کی مہربانی

جو گذر گیا خودی سے تو وہ مل گیا اسی سے
نہ ہوئے رب ارنی نہ صدائے لن ترانی

میں زباں پہ لاؤں کیونکر وہ حدیثِ حسنِ مطلق
کہ نہ بار لفظ اٹھائے گی نزاکتِ معانی

میں سمجھ گیا وہی ہے مرے پردۂ نفس میں
مجھے اب تو سانس لینا ہی ہے لطفِ زندگانی

شیخ کی بات بگڑنے سے بھی مطلق نہ بنی
بادہ خواری پہ بھی اس شوخ سے گاڑھی نہ چھنی

گم ہوئے ہوش جو دیکھا بتِ ترسا کا جمال
اسقدر کبر یہ عشوے یہ دھج - اللہ غنی

آپ کے ہو نہیں سکتے ہیں یہ غربی ریزے
دل نہ ٹھہرے تو نگل جایئے ہیرے کی کنی

پاؤں کانپا ہی کئے خوف سے انکے در پر
چست پتلون پہننے پہ بھی پنڈلی نہ تنی

دل ہی دیتا تھا یہ۔ وہ دین بھی کرتے تھے طلب
یہی باعث تھا کہ اکبر سے بتوں سے نہ بنی

آئی ہوگی کسی کو ہجر میں موت
مجھ کو تو نیند بھی نہیں آتی

عاقبت میں بشر سے ہے یہ سوا
جانور کو ہنسی نہیں آتی

حال وہ پوچھتے ہیں میں خموش
کیا کہوں شاعری نہیں آتی

ہم نشیں بک کے اپنا سر نہ پھرا
رنج میں ہوں ہنسی نہیں آتی

عشق کو دل میں دے جگہ اکبرؔ
علم سے شاعری نہیں آتی

دشتِ غربت ہے علالت بھی ہے تنہائی بھی
اور ان سب پہ فزوں بادیہ پیمائی بھی

خوابِ راحت ہے کہاں نیند بھی آتی نہیں اب
بس اُچٹ جانے کو آئی جو کبھی آئی بھی

یاد ہے مجھ کو وہ بےفکری و آغازِ شباب
ق
سخن آرائی بھی تھی انجمن آرائی بھی

صحنِ گلزار بھی تھا ساقیِ گلفام بھی تھا
مے گلرنگ بھی تھی نے بھی تھی اور نائی بھی

نگہِ شوق و تمنا کی وہ دلکش تھی کمند
جس سے ہو جاتے تھے رام آہوئے صحرائی بھی

ہم صنم خانۂ جہاں کرتے تھے اپنا قائم
پھر کھڑے ہوتے تھے واں حورِ کے شیدائی بھی

اب نہ وہ عمر نہ وہ لوگ نہ وہ لیل و نہار
بجھ گئی طبع کبھی جوش پہ گر آئی بھی

اب تو شیشے بھی مجھے دیو نظر آتے ہیں
اس زمانے میں پری زاد تھی رسوائی بھی

میں تو آنکھوں میں جگہ دینے کو حاضر تھا اُسے
نیند ظالم سے یہ پوچھو کہ کبھی آئی بھی

اب تلک گوندے سے امیدِ رہائی نہیں کچھ
لیجیے ہو گئی ختم آج تو جولائی بھی

کام کی بات جو کہنی ہے وہ کہہ لو اکبرؔ
دم میں چھن جائیگی یہ طاقتِ گویائی بھی

عشق و مذہب میں دو رنگی ہو گئی
دین و دل میں خانہ جنگی ہو گئی

سختیِ ایام کا دیکھو اثر
گلبدن کی جا پہ سنگی ہو گئی

دخترِ رز شیشہ سے نکلی بیحجاب
سامنے رندوں کے ننگی ہو گئی

علمِ یورپ کا ہوا میدان وسیع

کر دیا زمانے واقف کہ یہ ہستی کیا تھی
رنگِ حافظ پہ بہک جاتے ہیں اربابِ مجاز
فرقتِ یار میں بدلی کا مزا کچھ نہ ملا
میں تو بت خانے میں گاہک نہ ہوا عزت کا

رزق میں ہندی کے تنگی ہو گئی

ہوش آیا تو کھلا حال کہ مستی کیا تھی
یہ بھی سمجھتے نہیں وہ بادہ پرستی کیا تھی
میری نظروں میں تو روتی تھی ہنسی کیا تھی
دین کے بدلے میں ملتی تھی تو سستی کیا تھی

اولوالعزمی جسے سمجھے تھے ہم وہ خودکشی نکلی
غضب یہ ہے کہ فریاد و فغاں بھی کر نہیں سکتی

گمانِ ہوشیاری جس پہ تھا وہ بیہوشی نکلی
جو دیکھی فال تو بس آئینہ خاموشی نکلی

وقتِ پیری آ گیا اکبر جوانی ہو چکی
ہجر میں دل کی سزا اے میری جانی ہو چکی
ایڑیوں تک پہونچی زلف انکی تو مجھ کو کیا امید
وقتِ لطف و مہر ہوا ای جاں عشوے چھوڑیئے
ضعف ایسا ہے تو قصدِ کوئے جاناں کیا کروں
رنگِ گلزارِ جہاں ہے ہائے کتنا بے ثبات
ایک عالم منتظر ہے بس الٹئے اب نقاب
عاشقیِ شاہدِ کالج ہے بربادیٔ عمر
حضرتِ دل ہو گئے اس عہد میں جزوِ شکم

سانس لینا رہ گیا اب زندگانی ہو چکی
ملیے اب بہرِ خدا نامہربانی ہو چکی
راحتِ جاں یہ بلائے آسمانی ہو چکی
کیجئے دلداریاں۔ اب دلستانی ہو چکی
ہمتِ عالی تو نذرِ ناتوانی ہو چکی
دو ہی دن میں لالہ و گل کی جوانی ہو چکی
کیجئے برپا قیامت لن ترانی ہو چکی
پاس تک پہونچے نہیں ہم اور جوانی ہو چکی
کیجئے عرضی نویسی شعر خوانی ہو چکی

رفیقِ حرص و مکاری دلیری ہو نہیں سکتی
کسی کے ساتھ دنیا تے دغا کی ہی نہیں ابتک
کہوں جو مر کے ہوتے کیوں شبِ تار انکی زلفوں کو
خدا ہی جانے کتنے قالبوں میں مشترک ہو گی
محبت اپنی ہی پر لویں سے رکھیں حضرتِ اندر

جو ہیں او باہ طینت انہیں شیری ہو نہیں سکتی
تو میں کیوں عمر رہوں اسکا جو میری ہو نہیں سکتی
جب اتنی چاند ہوں تو رات اندھیری ہو نہیں سکتی
یہ خاکِ جسم بھی دنیا میں تیری ہو نہیں سکتی
ہے مغرورِ لندن ان کی چیری ہو نہیں سکتی

فزوں ہے دلکشی مشرق کی مغرب کی لطافت سے
حریفِ بلبلِ گلشن کبھی زاغ و زغن ہو نہیں سکتی

خدا کا ہے جو کچھ ہے آپ ہم دو دن کی مہمان ہیں
خرد مندوں میں باہم میری تیری ہو نہیں سکتی

غزل میں حالتِ دل نظم کر سکتا ہوں اے اکبر
مگر اُن سے کہوں اتنی دلیری ہو نہیں سکتی

طپشِ دل مجھے ہوتی ہے کہیں اس سے سوا
بیٹھے تو رہیئے ابھی آپ نے دیکھا کیا ہے

پسند آئی ہے عزلت میں جس اب اور گھر کا گوشہ ہے
خدا کی یاد منزل ہے قناعت اپنا توشہ ہے

طبیعت اوج پر ہے رزق ما یحتاج ہے ملتا
ہمیں اک خوشۂ گندم بیانِ کون کا خوشہ ہے

طرح پیام یار

اپنا رنگ ان سے ملانا چاہیئے
آج کل پینا پلانا چاہیئے

خوب وہ دکھلا رہے ہیں سبز باغ
ہم کو بھی کچھ گل کھلانا چاہیئے

چال میں تلوار ہے دل کی گھڑی
توپ سے اس کو ملانا چاہیئے

قول بابو ہے کہ جب بل پیش ہو
پیشِ حاکم بلبلانا چاہیئے

کچھ نہ ہاتھ آئے مگر عزت تو ہے
ہاتھ اس مس سے ملانا چاہیئے

دو عالم کی بنا کیا جانے کیا ہے
نشانِ ماسوا کیا جانے کیا ہے

مری نظروں میں ہے اللہ ہی اللہ
دلیلِ ماسوا کیا جانے کیا ہے

حقیقت پوچھ گل کی بلبلوں سے
بھلا اس کو صبا کیا جانے کیا ہے

ہوا ہوں ان کا عاشق ہے یہ اک جرم
مگر اس کی سزا کیا جانے کیا ہے

مرے مقصودِ دل تو بس تمھیں ہو
تمھارا مدعا کیا جانے کیا ہے

لگاوٹ بھی ہے ساتھ اسکے جفا بھی
تمھارا مدعا کیا جانے کیا ہے

نہ اکبر سا کوئی ناداں نہ ذی ہوش
ہر اک شے کو کہا کیا جانے کیا ہے

ہم ان کی خوشی کیلئے کیا کچھ نہیں کرتے
لیکن وہ جفاؤں کے سوا کچھ نہیں کرتے

وہ کہتے ہیں یہ ٹھیک ہے ہم کہتے ہیں جی ہاں
بالفعل تو ہم اسکے سوا کچھ نہیں کرتے

بتخانے سے کچھ فیض نہوگا تمھیں اکبر
تم یاں بھی بجز ذکرِ خدا کچھ نہیں کرتے

نہ بہتے اشک تو تاثیر میں سوا ہوتے
صدف میں رہتے یہ موتی تو بے بہا ہوتے

جنونِ عشق میں ہم کاش مبتلا ہوتے
خدا نے عقل جو دی تھی تو با خدا ہوتے

لیا نہ تخلیے میں ان کا بوسہ چوک ہوئی
بلا سے مجھ پہ وہ ہوتے اگر خفا ہوتے

ستم کا رحس کے سب ہیں تیرے محوِ جمال
کبھی سنا نہیں میں نے ترا گلا ہوتے

نہ ہوتی گر یہ حسینانِ چین کی پابندی
تو ان کی چال سے فتنے بہت بپا ہوتے

سمجھ گئے کہ یہ اپنے حواس ہی میں نہیں
ہماری بات پہ اب وہ نہیں خفا ہوتے

یہ خاکسار بھی کچھ عرضِ حال کر لیتا
حضور اگر متوجہ ادھر ذرا ہوتے

یہ جسنے آنکھ ہمیں دی ہے وہ قابل دید
پھر اس کو چھوڑ کے کیا محوِ ما سوا ہوتے

مجھ ایسے رند سے رکھتے ضرور ہی الفت
جناب شیخ اگر عاشقِ خدا ہوتے

دلوں کو الفتِ دنیا نے سخت ہی رکھا
ہوائے نفس میں غنچے شگفتہ کیا ہوتے

گناہگاروں نے دیکھا جمالِ رحمت کو
کہاں نصیب یہ ہوتا جو بے خطا ہوتے

ہے زاہدوں کو جو وحشت جمالِ انساں سے
تو کاش دخترِ رز ہی کے آشنا ہوتے

وہ ظلم تم میں ہی میرے سوا کوئی بندہ
تلاش سے بھی نہ پاتے جو تم خدا ہوتے

جناب حضرتِ ناصح کا واہ کیا کہنا
جو ایک بات نہ ہوتی تو اولیا ہوتے

مذاق عشق نہیں شیخ میں یہ ہے افسوس
یہ چاشنی بھی جو ہوتی تو کیا سے کیا ہوتے

یہ انکی بے خبری ظلم سے بھی ہے افزوں
اب آرزو ہے کہ وہ مائلِ جفا ہوتے

کبھی یہ میں نے نہ چاہا کہ ہوں وہ دست مرے
امید کیا تھی کہ ہوتے تو بے ریا ہوتے

وضو سے ہو گئی جائز نماز یاروں کو
جوازِ عشق بھی ہوتا جو دل صفا ہوتے

تمہارے حسن کے بھی تذکرے ہیں شہر و نہیں
مرے سخن کے بھی چرچے ہیں جابجا ہوتے

محل شکر ہیں اکبرؔ یہ دُر فشاں نظمیں
ہر اک زباں کو یہ موتی نہیں عطا ہوتے

ضروری کام نیچر کا جو ہے کرنا ہی پڑتا ہے
نہیں جی چاہتا مطلق مگر مرنا ہی پڑتا ہے

خدا کو ماننا ہی پڑتا ہے دنیا کو جب برتو
خیالِ مرگ سے انساں کو ڈرنا ہی پڑتا ہے

آپ کے قصرِ دل آویز کا کہنا کیا ہے
مگر اکبرؔ کو غرض کیا اُسے رہنا کیا ہے

سانس لینے کو ذرا ٹھہرا ہوں جب دنیا میں
کیسا سامانِ اقامت مجھے رہنا کیا ہے

کہہ چکا اسقدر اور پھر وہی الجھن دل کی
کچھ سمجھ میں نہیں آتا مجھے کہنا کیا ہے

مسکرا کر وہ لگے کہنے کہ ذلت ذلت
جب یہ پوچھا کہ سوا رنج کے سہنا کیا ہے

امید و بیم کے جھگڑوں سے آگاہی نہیں رکھتے
سبب یہ ہے کہ ہم کوئی تمنا ہی نہیں رکھتے

تجھے اے چرخ کیا مشکل ہے ہمکو مطمئن رکھنا
فقیر بینوا ہیں شوکتِ شاہی نہیں رکھتے

لبِ آشنائے دعا ہوں نہ ماسوا کیلئے
پکاریئے جو خدا کو تو بس خدا کے لئے

مقامِ شوق میں اے دل وہ رنگ پیدا کر
نظر زبان بنے عرضِ مدعا کے لئے

سوائے مرگ نہیں کچھ علاج دردِ فراق
اجل کو ڈھونڈھتے پھرتے ہیں ہم دوا کے لئے

جو ہو سکے تو انھیں لاؤ بس میں اچھا ہوں
یہ اہتمام عبث ہے مری دوا کے لئے

جو آرزوئے اجل ہو تو دل کسی سے لگا
بہانہ چاہیئے آخر کوئی قضا کے لئے

شبِ فراق میں آیا خیالِ زلفِ سیاہ
یہ اور طُرّہ ہوا گیسوئے بلا کے لئے

حسین ہونا ہی کافی ہے ظلم کرنے کو
تلاشِ عذر یہ کیوں ہے انھیں جفا کے لئے

بتوں کے واسطے جاتا ہوں میں تو جانبِ دیر
سدھاریں شیخ ہی جی کعبہ کو خدا کے لئے

جہاں جہاں صفت اُس فخرِ انبیا کے لئے
کہ عالم اُس کے لئے اور وہ خدا کیلئے

طریقِ عشق میں دل خضر بن کے پچھتایا
سمجھ گیا کہ مصیبت ہے رہنما کے لئے

زبان و چشم بتاں کا نہ پوچھئے عالم
وہ شوخیوں کے لئے ہے یہ حیا کے لئے

خرابِ دل کو جو اس نے کیا تو خوب کیا
بنا بھی تھا یہ اسی چشم فتنہ زا کے لئے

مذہب کبھی سائنس کو سجدہ نہ کرے گا
انسان اڑیں بھی تو خدا ہو نہیں سکتے

از راہ تعلق کوئی جوڑا کرے رشتہ
انگریز تو نیٹو کے چچا ہو نہیں سکتے

نیٹو نہیں ہو سکتے جو گورے تو ہے کیا غم
گورے بھی تو بندے سے خدا ہو نہیں سکتے

ہم ہوں جو کلکٹر تو وہ ہو جائیں کمشنر
ہم ان سے کبھی عہدہ برا ہو نہیں سکتے

دو ہی دن میں رخِ گل زرد ہوا جاتا ہے
چمنِ دہر سے دل سرد ہوا جاتا ہے

علم و تقویٰ پہ بڑا ناز تھا مجھ کو لیکن
آپ کے سامنے سب گرد ہوا جاتا ہے

ہو رہی ہے مری فریاد کی الٹی تاثیر
وہ تو کچھ اور بھی بے درد ہوا جاتا ہے

یہ بت جو دلکش ہیں آج آفتِ روح پر کل عذاب ہونگے
نہیں سمجھتے جو حضرتِ دل تو آپ اک دن خراب ہونگے

ہمارے حالات کی حقیقت کسی پہ بھی منکشف نہ ہوگی
جو کوئی سوچیگا وہم ہونگے جو کوئی دیکھیگا خواب ہونگے

ڈنر کا مجھ کو نہیں ہے چسکا دگر نہ ہیں کارڈ میں تو لکھا
شراب ہوگی کباب ہونگے حضورِ عالی جناب ہونگے

بگاڑ میں بھی بنے رہینگے جو مستند طرز پر ہیں قائم
جو بے اصولی کے ہیں مقلد وہ ہو کے ابتر خراب ہونگے

خواہشِ زر میں نئی تہذیب کے پیرو بنے
وہ نہ ہاتھ آیا مگر گنجِ معائب ہو گئے

بوسے ہی تک ہم تو پہنچے تھے رہِ تہذیب میں
کھائی وہ منہ کی کہ اپنے ہی بھی تائب ہو گئے

ہاں ہاں عدو بھی آپ کا طالب ضرور ہے
لیکن حضور فرقِ مراتب ضرور ہے

بنتے ہو میری جان تو آ بیٹھو گود میں
تم جانتے ہو روح کو قالب ضرور ہے

دل کا ہے قصور آپ کا طالب تو یہی ہے
میری نہ ہو تقدیر مناسب تو یہی ہے

راتوں کو بتوں سے وہ لگاوٹ بھی چلی جائے
اور صبح کو وہ نعرۂ یارب بھی نہ چھوٹے

کرتا ہے حقارت کی نظر پیرِ مغاں بھی
افسوس اگر اُن سے شراب اب بھی نہ چھوٹے

قلعی بھی ریاکار کی کھلتی رہے اکبرؔ
طعنوں سے مگر طرزِ مہذب بھی نہ چھوٹے

معنی کو بھلا دیتی ہے صورت ہے تو یہ ہے
کمرے میں جو ہنستی ہوئی آئی مسِ رعنا
یہ بات تو اچھی ہے کہ الفت ہو مسوں سے
پیچیدہ مسائل کے لئے جاتے ہیں انگلینڈ
پبلک میں ذرا ہاتھ ملا لیجئے مجھ سے

نیچر بھی سبق سیکھ لے زینت ہے تو یہ ہے
ٹیچر نے کہا علم کی آفت ہے تو یہ ہے
حور اُن کو سمجھتے ہیں قیامت ہے تو یہ ہے
زلفوں میں اُلجھ آتے ہیں شامت ہے تو یہ ہے
صاحب مرے ایمان کی قیمت ہے تو یہ ہے

عبث ہر طاقت و دولت پہ تجھکو رشک و حسرت ہے
تعجب ہے مجھے ان شاعروں کے شور و غوغا پر
مجھے بے چین کرتا ہے نظارہ سنبل و گل کا
فنا کا دور جاری ہے مگر مرتے ہیں جینے پر

نہ ہر طاقت میں نیکی ہے نہ ہر دولت میں راحت ہے
کوئی پوچھے کہ تم کو کیا جو کوئی خوبصورت ہے
ادھر ہے پیچ گیسو کا اُدھر عارض کی رنگت ہے
طلسمِ زندگانی بھی عجب اک رازِ فطرت ہے

کون ایسا ہے جو یوں مجھ پہ عنایت رکھے
سچ تو یہ ہے کہ سلیقہ بھی ہے ہر کام میں شرط
نہ شریعت نہ طریقت نہ محبت نہ حیا
آدمی کے لئے دنیا میں مصائب ہیں بہت

صد و سی سال خدا تم کو سلامت رکھے
بت کو چاہے تو برہمن کی طبیعت رکھے
جس پہ جو چاہے وہ اس عہد میں تہمت رکھے
خوش نصیبی ہے جو وہ صبر کی عادت رکھے

کیا بتاؤں تمھیں اچھائی کی پہچان اکبرؔ
بس وہی خوب ہے جو تم سے محبت رکھے

میرے جو اس عشق میں کیا کم ہیں منتشر
دل جسکے ہاتھ میں ہو ہو نہ اسپہ دسترس
پروانہ رینگتا رہے اور شمع جل بجھے
مطلق نہیں محل عجب موت دہر میں

مجنوں کا نام ہو گیا قسمت کی بات ہے
بیشک یہ اہلِ دل پہ مصیبت کی بات ہے
اس سے زیادہ کونسی ذلت کی بات ہے
مجھ کو تو یہ حیات ہی حیرت کی بات ہے

ترچھی نظر سے آپ مجھے دیکھتے ہیں کیوں ۔ دل کو یہ چھیڑنا ہی شرارت کی بات ہے
راضی تو ہو گئے ہیں وہ تاثیرِ عشق سے ۔ موقع نکالنا سو یہ حکمت کی بات ہے

تخلیہ بھی ہے ہوا سرد ہے اور رات بھی ہے ۔ پھر بھی انکار مری جاں یہ کوئی بات بھی ہے
لطفِ ساقی ہو تو یہ وقت ہے مے نوشی کا ۔ رحمتِ حق ہے گھٹا چھائی ہے برسات بھی ہے

وہ بے خبر ہے غلغلۂ کائنات سے ۔ جس کی کہ لو لگی ہے فقط تیری ذات سے

سن چکے آپ کہ پیش آئے تھے حالات ایسے ۔ یہی باعث تھا کہ بیچین تھے ہم رات ایسے
میری غیبت کوئی کرتا تھا تو مجھ سے نہ کہو ۔ تذکرے خوب نہیں وقت ملاقات ایسے
ان کو واپس کیا یہ کہہ کے کہ تائب ہوئے وہ ۔ ہوتے جاتے ہیں ملازم مرے بد ذات ایسے
دشمنِ دیں سے تعجب ہو گی کچھ امید فلاح ۔ ہم تو سنتے نہیں اقوال خرافات ایسے
اے دل اُس ابرو و مژگان و نظر سے دب جا ۔ صلح لازم ہے جو ہوں جنگ کے آلات ایسے
بحث سی چیز کے رطاعت پہ کریں دل کو رجوع ۔ پیر وہ ہیں کہ جو ہوں اہلِ کرامات ایسے

واہ اکبرؔ یہ نکالا ہے عجب طرزِ سخن
حسنِ بندش تو یہ اور اس پہ خیالات ایسے

کٹے ملت سے جو۔ دیکھے گی دُنیا انکو عبرت سے ۔ گرے پتے ہیں یہ بس سبز ہیں اپنی رطوبت سے
قیامت کر رہی ہیں لعبتانِ مغربی اکبرؔ ۔ تھئیٹر کو بڑھایا ہے انہیں حوروں نے جنت سے

مرا جس پارسی لیڈی پہ دل آیا ہے اے اکبرؔ
جو سچ پوچھو تو حسنِ بمبئی ہے اُسکی صورت سے

نفع ہوتا ہے فقط خارجی علائق سے ۔ واقف آپ ابھی نہیں عشق کے مزاج سے
دل ملیں تو کیا ملیں اہلِ قوم کے بھم ۔ ایک آیا کعبے سے ایک آیا لاج سے

اکبرؔ کچھ آ رہے ہو نظر بت پسند سے ۔ آخر ضرر ہوا تمھیں ناصح کی پند سے

سرائے دہر تو ہے رہزنِ اجل کا مقام ۔ یہاں بھی کیا کوئی دل آن کر ٹھہرتا ہے

دل کو مرے تم ایک نظر دیکھ تو لیتے
ہوتے نہ خریدار مگر دیکھ تو لیتے

رہ گئے اہلِ خرد دہر کے چکر میں پھنسے
وہی اچھے جو تری زلفِ معنبر میں پھنسے

دل کو مرے فروغ تمھاری نظر سے ہے
بجلی بنا ہوا یہ اسی کے اثر سے ہے

ہر طرف بننے بگڑنے کا یہاں اک دور ہے
چشمِ عبرت کے لئے دنیا محلِ غور ہے
لالہ و گل اک طرف طاعون کا غل اک طرف
ہے جنوں یاروں کو لیکن رنگ ہی کچھ اور ہے

بستان بخمر نوش بزن کارِ دہر ہے
دل میں اہلِ دل جو لگائیں تو قہر ہے
بس فکر ہی ہی بادۂ گلگوں کے ہے مزا
چکھنا نہ ہم نشیں اسے واللہ زہر ہے

ملک میں مجکو ذلیل و خوار رہنے دیجئے
آپ اپنی عزتِ دربار رہنے دیجئے
دل ہی دلمیں باہمی اقرار رہنے دیجئے
بس خدا ہی کو گواہ اے یار رہنے دیجئے
اتقا کا آج کل اظہار رہنے دیجئے
پیجئے قبلہ یہ استغفار رہنے دیجئے
خوب فرمایا کہ اپنا پیار رہنے دیجئے
آپ ہی یہ غمزہ و انکار رہنے دیجئے
دیکھئے گا لطف کیا کیا گل کھلیں گے شوق سے
مجکو آپ اپنے گلے کا ہار رہنے دیجئے
چاندنی برسات کی نکھری ہی چلتی ہے نسیم
آج تو للہ یہ انکار رہنے دیجئے
چشم بدور آپکی نظریں ہیں خود موجِ شراب
بس مجھے بے مے پئے سرشار رہنے دیجئے
کیجئے اپنی نگاہِ فتنہ افزا کا علاج
نرگسِ بیمار کو بیمار رہنے دیجئے
کس بلاغت سے کہا اُسنے کہ رکھئے حدِ شوق
مدعا کو قابلِ اظہار رہنے دیجئے
لن ترانی خود شرابِ معرفت ہے اے کلیم
آرزوئے شربتِ دیدار رہنے دیجئے
چھوڑنیکا میں نہیں اب آپکو اے جانِ جاں
ہے اگر مجھ پر خدا کی مار رہنے دیجئے
کیجئے ثابت خوش اخلاقی سے اپنی خوبیاں
یہ نمودِ جبہ و دستار رہنے دیجئے

ظالمانہ مشوروں میں میں نہیں ہونگا شریک
غیر ہی کو محرمِ اسرار رہنے دیجئے
کھل گیا مجھ پر بہت میں آپ سے خیر خواہ
خیر چندہ لیجئے طومار رہنے دیجئے

کیجئے رشوت ستانی سے ذرا پرہیز آپ
خیر خواہی کا یہ سب اظہار رہنے دیجئے

مل کے باہم کیجئے اغیار سے بحث و جدال
بے نتیجہ باہمی تکرار رہنے دیجئے

ٹیمز میں ممکن نہیں نظارۂ موجِ فرات
ایسی خواہش کو سمندر پار رہنے دیجئے

ہمکنار اس بحرِ خوبی سے نہونگے اکبر آپ
ایسے منصوبے سمندر پار رہنے دیجئے

سو رنگ تصور میں ہم ایجان در آئے
ہر رنگ میں تم آفتِ ایمان نظر آئے

اے خضر مری راہ تو بس راہِ جنوں ہے
منزل کو غرض ہو تو خود اس راہ پر آئے

دل جس طرف آیا ہے وہ معلوم ہے مجھ کو
ناصح سے تو پوچھو کہ یہ حضرت کدھر آئے

یہ حسن بتوں کا یہ جنوں خیز نگاہیں
پتھر کا بھی دل ہو تو ادھر ٹوٹ کر آئے

بے رونقی انجمنِ عشق نہ چاہی
خالی جو ملی کوئی جگہ آہ بھر آئے

عکس آپ کا تھا طالبِ گوہر پئے تزئیں
پڑتے ہی مری آنکھ میں آنسو بھی بھر آئے

طلب ہے حق کی تو مل آ کے ہم سے مستوں سے
نہیں ہے میکدہ خالی خدا پرستوں سے

خطا معاف مرونگا میں حور ہی کے لئے
مبیں بھی خوب ہیں لیکن حضور ہی کیلئے

کوئی گناہ ہو مدِ نظر معاذ اللہ
شراب پیتا ہوں میں بس سرور ہی کیلئے

خلاف شرع کوئی قصد ہو معاذ اللہ
شراب پیتا ہوں میں بس سرور ہی کیلئے

بانکی وہی ادا بھی ہے ترچھی وہی نظر بھی ہے
جان پہ میری بن گئی آپ کو کچھ خبر بھی ہے

ظلم کی اک ادا بھی ہے لطف کی اک نظر بھی ہے
حسن کا اقتضا بھی ہے عشق کا کچھ اثر بھی ہے

دلبر مری ہیں انکی دانت میں ہیں لب لے نکے جو ستا
دولتِ وصلِ یار میں لعل بھی ہے گہر بھی ہے

شرط لگائی آپ نے میری امید کم ہوئی
وعدے پہ کیا خوشی کروں اس میں جب اک مگر بھی ہے

دنیا میں بے خبر ہے جو پروردگار سے
شاید ہے زندہ اپنے ہی وہ اختیار سے

اے صانعِ ازل تری قدرت کے میں نثار
کیا صورتیں بنائیں ہیں مشتِ غبار سے

تری باتوں سے گو ملیں ملال اے یار آتا ہے
جو چلتا ہے دلِ سوزاں کا انجن راہِ الفت میں
جو راہِ عشق میں دل پر مصیبت کوئی پڑتی ہے

مگر جب دیکھتا ہوں تیری صورت پیار آتا ہے
خبر دینے کو فوراً آنسوؤں کا تار آتا ہے
خبر دینے کو فوراً آنسوؤں کا تار آتا ہے

دل ہو خراب دین پہ جو کچھ اثر پڑے
عشقِ بتاں کا دین پہ جو کچھ اثر پڑے
مذہب پہ چھڑایا عشوۂ دنیا نے شیخ سے
بیتابیاں نصیب نہ تھیں ورنہ ہم نشیں
بہتر یہی ہے قصد ادھر کا کریں نہ وہ
ہم چاہتے ہیں میل وجود و عدم میں ہو
دانا وہی ہے دل جو کرے آپ کا خیال
ہونی نہ چاہئے تھی محبت مگر ہوئی
شیطان کی نہ مان جو راحت نصیب ہو

اب کارِ عاشقی تو بہر کیف کر پڑے
اب تو نباہنا ہے جب اک کام کر پڑے
دیکھی جو ریل اونٹ سے آخر اتر پڑے
یہ کیا ضرور تھا کہ انھیں پر نظر پڑے
ایسا نہ ہو کہ راہ میں دشمن کا گھر پڑے
ممکن تو ہے جو بیچ میں ان کی کمر پڑے
بینا وہی نظر ہے کہ جو آپ پر پڑے
پڑنا نہ چاہئے تھا غضب ہیں مگر پڑے
اللہ کو پکار مصیبت اگر پڑے

اے شیخ ان بتوں کی یہ چالاکیاں تو دیکھ
نکلے اگر حرم سے تو اکبر کے گھر پڑے

ادھر ہماری تو یہ لگاوٹ حضور ایسے حضور ایسے
خدا کی ہستی میں شبہ کرنا اور اپنی ہستی کو مان لینا
ہمیں نے چاہا نہ قرب انکا فریب دنیائے دوں میں آ کر

اُدھر یہ فرما کے مسکرانا کہ ہونگے کم اہلِ زہد ایسے
پھر اس پہ طرہ اس ادعا کا کہ ہم ہیں اہلِ شعور ایسے
دگرنہ ایمان کی جو پوچھو تو تھے نہ کچھ ہم بھی دور ایسے

ہمارے مصحفِ ایماں کا اول ہے نہ آخر ہے
خدا کی شان آیت ہے مذاقِ دل مفسر ہے

قرآن چھوڑ بھاگے شیطان کے مقابل
بوڑھے ہنسی کو اپنی ثابت کریں تو کیونکر
مجنوں نے نام پایا اور کوہ کن بھی ابھرا

اس معرکے میں اکثر احباب ہیز نکلے
جب دانت ہی نہیں ہے پھر کون چیز نکلے
اس مدرسے کے لڑکے سب خوش تمیز نکلے

جو قانع ہے کسی دن اسکی قسمت لڑ ہی جاتی ہے
جو اہلِ حرص ہیں انپر مصیبت پڑ ہی جاتی ہے

حسینانِ جہاں سے آنکھ اپنی لڑ ہی جاتی ہے
دل آ ہی جاتا ہے آخر مصیبت پڑ ہی جاتی ہے

جوانی میں ہلاکت دل کی ہے اُنکا دبا رکھنا
کہ ایسی چیز دب کر گرمیوں میں سڑ ہی جاتی ہے

گلستاں میں گلِ نگیں کو زینت کی ضرورت کیا
مگر اس لعل پر الماسِ شبنم جڑ ہی جاتی ہے

ق

ہے قوم جسم سلطنت اگر ہے تو شکلِ روح
جب یہ نہیں تو قوم نہیں بلکہ لاش ہے

سعی تنزل دگرگ ہے جنبش ہوئی اگر
نافہم سمجھے قوم میں خود انتعاش ہے

البتہ زندگانی شخصی کا ہے وجود
قانون میں ہر اک کے لئے زندہ باش ہے

پیمانہائے ساختۂ شاہِ وقت پر
محدود طالبین کی فکرِ معاش ہے

بے علم مذہبی کے ہیں اخلاق نادرست
اس کی خرابیوں سے تو دل پاش پاش ہے

پھکنک میں ملیں گے تو کچھ ہوں گے جز و غیر
یہ مسئلہ صحیح ہے گو دل خراش ہے

اپنی یہ احتیاط کہ بوسے پر اکتفا
اسپر بھی یہ عتاب کہ تو بدمعاش ہے

اپنے برتاؤ سے گو وہ مجھے ناخوش رکھے
ہے دعا میری یہی اس کو خدا خوش رکھے

منہ چھپا لیتے ہیں زلفوں میں گہے ہوں ناخوش
ہنس کے کہتے ہیں کبھی میری بلا خوش رکھے

واہ کس چال سے غنچوں کو ہنسایا تو نے
لطفِ باری تجھے اے بادِ صبا خوش رکھے

ان بتوں کو نہیں کچھ صدق و صفائے مطلب
بس خوشامد سے کوئی ان کو خدا خوش رکھے

باغ و صحرا میں بھی بے لطف رہا کرتا ہوں
رنج دے چرخ تو کیا آب و ہوا خوش رکھے

اس مسِ شوخ سے راحت نہ ملے گی تجھ کو
عمر بھر خیر وہ اک شب تو بھلا خوش رکھے

آپ فرماتے ہیں اکبر سے مجھے خوش رکھو
خود جو مغموم ہو وہ اور کو کیا خوش رکھے

جشنِ بلبل زمزمونکا خود یہاں اک ننگ ہے
ارغنوں اس انجمن میں خارج از آہنگ ہے

ہر خیال اپنا ہے یاں اک مطربِ شیریں نوا
ہر نفس سینے میں اک موجِ صدائے چنگ ہے

ہر تصور ہے مرا عکسِ جمالِ روئے دوست | میرا ہر مجموعۂ وہم اک گلِ خوش رنگ ہے
لوحِ دل ہر جنبشِ مژگاں سے ہے معنی پذیر | ہر رگِ اندیشہ نقشِ خامۂ ارژنگ ہے
ہر حبابِ بحرِ جوشِ طبع ہے اک آسماں | دشتِ دل کا ذرہ ذرہ کوہ کا ہم سنگ ہے
عکس تیرا پڑ کے اس میں ہو گیا پاکیزہ تر | اے بتِ کافر مرا آئینہ فیضِ گنگ ہے

نظمِ اکبر سے بلاغت سیکھ لیں اربابِ عشق
اصطلاحاتِ جنوں میں بے بہا فرہنگ ہے

داخل ہوئے حرم میں بتوں کو نکال کے | اسلام کو قبول کیا دیکھ بھال کے

الجھا نہ مرے آج کا دامن کبھی کل سے | مانگی نہ مرے دل نے مدد طولِ امل سے
انکی نگہِ مست ہے لبریز معانی | ملتی ہوئی تاثیر میں حافظ کی غزل سے
ادراک نے آنکھیں شبِ اوہام میں کھولیں | واقف نہ ہوا روشنیٔ صبحِ ازل سے
قرآن ہے شاہد کہ خدا حسن سے خوش ہے | کس حسن سے یہ بھی تو سنو حسنِ عمل سے
حکم آیا خموشی کا تو بس حشر تلک چپ | عظمت ترے پیغام کی ظاہر ہے اجل سے
درجہ تحیر کا ہے بے خود سے فزوں تر | ہے روح کو امید ترقی کی اجل سے
بحثِ کمن و تو میں سمجھتا نہیں اکبر | جو ذرہ ہے موجود ہے وہ روزِ ازل سے

ہو دعوئ توحید مبارک تمھیں اکبر
ثابت بھی کرو اس کو مگر طرزِ عمل سے

مذہب ہی سے حفاظتِ قومی ہے اے عزیز | نادان ہے کواڑ ہٹائے جو چول سے
جتنا ہی آدمی میں سمجھئے کمالِ فہم | جتنا کہ احتراز کرے وہ فضول سے
جو کام آئے میرے کروں اس طرف کو رخ | تخصیص سرو سے ہے نہ وحشت ببول سے
ہرگز اس انجمن کو نہ سمجھو ممدِ قوم | خالی ہے جو ذکرِ خدا و رسول سے

نئی تہذیب میں بھی مذہبی تعلیم شامل ہے | مگر یوں ہی کہ گویا آبِ زمزم مے میں داخل ہے

کہاں تک داد دوں تیری بلاغت کی میں اے اکبر
یہ تیرا ایک مطلع لاکھ مضمونوں کا حاصل ہے

دین و ملّت کی ترقی کا خیال اچھا ہے
بخدا ہند کے پُرزے بھی غضب ڈھاتے ہیں
گھر کے خط میں ہے کہ کل ہو گیا چہلم اس کا

اصل مضبوط ہو جسکی وہ نہال اچھا ہے
یہ غلط ہے کہ ولایت ہی کا مال اچھا ہے
پانیر لکھتا ہے بیمار کا حال اچھا ہے

طائرِ رنگِ چمن اڑنے کو پر کھولے ہے
ہوئے مطلوب جسے زادِ رہِ منزلِ فقر
نظر آئے شبِ تاریک میں جگنو کی چمک

آشیاں ایسے گلستاں میں نہ بلبل باندھے
گرہ صبر میں وہ نقد توکل باندھے
وہ جو تعویذ طلائی تہِ کاکل باندھے

کبھی ہے صبحِ عید اس میں کبھی شامِ محرم ہے
دوا ہے کلبِ اور کونسل سو اسکی ہے فراوانی

یہ عالم چشمِ بینا کے لئے عبرت کا عالم ہے
غذا ہے راحتِ دل (اور دولت) وہ بہت کم ہے

تمھاری بحث سے میری شبہے خدا کی ہستی میں کم نہ ہوتی
یہ حسن ہی سے ہے عشق پیدا یہ عشق ہی سے مصیبتیں ہیں
تمھارے عشوے تمھارے غمزے نگاہِ ساقی کے ہیں موید
کہا سکندر نے یہ بستر جب آگیا اس کا وقتِ رحلت
بلندیاں مٹ تی ہیں مخالف جو پستیوں کی ہو میل دل کا
مذاقِ فطرت میں بس نہ جاتی جو قامت و گیسوئے حسیناں
تری ترقی مرا تنزل تری جفائیں مرا تحمل

مگر یہ بات آگئی سمجھ میں خدا نہ ہوتا تو ہم نہ ہوتے
جو یہ نہ ہوتا تو دل نہ ہوتا جو دل نہ ہوتا تو غم نہ ہوتے
وگرنہ تقوی کے ٹوٹ جانیکے اتنے ساماں بہم نہ ہوتے
کہ سہل ہوتی نزع ہمیں جو محوِ جاہ و حشم نہ ہوتے
زمیں کے فتنوں میں گر نہ پھنستے فلک کے جور و ستم نہ ہوتے
یہ اتنی عمریں نہ ہوتی یہ سنبل ترمیں خم نہ ہوتے
فلک کی گردش کا لطف کیا تھا جو تو نہ ہوتا جو ہم نہ ہوتے

یہ موجودہ طریقے راہیٔ ملکِ عدم ہونگے
نئے عنوان سے زینت دکھائینگے حسیں اپنی
نہ خاتونوں میں رہ جائیگی پردے کی یہ پابندی
بدل جائیگا انداز طبائع دورِ گردوں سے

نئی تہذیب ہوگی اور نئے ساماں بہم ہونگے
نہ ایسا پیچ زلفوں میں نہ گیسو میں یہ خم ہونگے
نہ گھونگھٹ اسطرح سے حاجبِ روئے صنم ہونگے
نئی صورت کی خوشیاں اور نئے اسبابِ غم ہونگے

نہ پیدا ہوگی خطِ نسخ سے شانِ ادب آگیں
خبر دیتی ہے تحریکِ ہوا تبدیل موسم کی
عقائد پر قیامت آئیگی ترمیم ملت سے
بہت ہونگے مغنی نغمۂ تقلید یورپ کے
ہماری اصطلاحوں سے زباں نا آشنا ہوگی
بدل جائیگا معیارِ شرافت چشمِ دنیا میں
گذشتہ عظمتوں کے تذکرے بھی رہ نہ جائیں گے
کسی کو اس تغیر کا نہ حس ہوگا نہ غم ہوگا

نہ نستعلیق حرف اس طور سے زیبِ قلم ہونگے
کھِلینگے اور ہی گل زمزمے بلبل کے کم ہونگے
نیا کعبہ بنے گا مغربی پتلے صنم ہونگے
مگر بے جوڑ ہونگے اسلئے بے تال و سم ہونگے
لغاتِ مغربی بازار کی بھاکا سے ضم ہونگے
زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم ہونگے
کتابوں ہی میں دفن افسانۂ جاہ و حشم ہونگے
ہوئے جس ساز سے پیدا اسی کے زیر و بم ہونگے

تمھیں اس انقلابِ دہر کا کیا غم ہے اے اکبر
بہت نزدیک ہیں وہ دن کہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے

موت سے وحشت بشر کا اک خیالِ خام ہے
اس تجارت گاہ دنیا کا کہوں کیا تم سے حال
پیشِ نظر ضم ہے بس عاشقی کا غم نہ ہے
یہ گیسوئے معنبر یہ چشمِ سحر آگیں
سید کی روشنی کو اللہ رکھے قائم
کیا خوب پڑھ رہے تھے مصرع مہنت صاحب

اصل فطرت میں فقط آرام ہی آرام ہے
کارخانے سب خدا کے ہیں ہمارا نام ہے
دنیا کی فکر کم ہے اللہ کا کرم ہے
کیا پوچھتے ہو صاحب اندھیر ہی ستم ہے
بتی بہت ہے موٹی روغن بہت ہی کم ہے
بھنڈار تو ہے خالی بھاری مگر بھرم ہے

یہی خوشیاں رہینگی دہر میں ایسے ہی غم ہونگے
امیدیں ٹوٹتی ہیں تو بہت صدمہ پہونچتا ہے

مگر اک وقت آئیگا نہ تم ہوگے نہ ہم ہونگے
جو امیدیں کریگا کم اُسے صدمے بھی کم ہونگے

اسبابِ انتقالِ جنوں مجھ سے چھن گئے
جانیکی اس گلی میں قسم کھائی تھی مگر

مطلب یہ ہے کہ عشق و جوانی کے دن گئے
مجلا یہ دل یہ کہن نہ پڑی مجھ سے بن گئے

انداز قیامت کے ہیں اے جان تمھارے

سو دل ہوں تو سو دل سے ہوں قربان تمھارے

ایمان ہو یا کفر ہو سچ بات تو یہ ہے
اسلام تمھارا ہے مسلمان تمھارے

مصرع طرح پیام یار

اس میں عکس آپ کا اتارینگے
دل کو اپنے یونہیں سنوارینگے

بحث میں مولوی نہ ہارینگے
جان ہارینگے جی نہ ہارینگے

آپ ناحق پہ اور ہم حق پر
آپ سے ہم کبھی نہ ہارینگے

ہم سے کرتی ہے یہ بہت غمزے
ہم بھی دنیا پہ لات مارینگے

رزق مقسوم ہی ملے گا اسے
کوئی دنیا میں دوڑے یارینگے

عشق کہتا ہے لطف ہونگے بڑے
ہجر کہتا ہے جان مارینگے

لیجئے جان ہے یہی جو خوشی
کیجئے ظلم دم نہ مارینگے

دل کی افسردگی نہ جائے گی
ہاں وہ چاہیں گے تو ابھارینگے

بتلائے بلا تو ہوں غافل
یہ بھی اللہ کو پکارینگے

لائے بھی تو خدا کہیں وہ گھڑی
کہتے ہیں تجھ کو خوب مارینگے

دل نہ دوں گا میں آپ کو ہرگز
مفت ہیں آپ جان مارینگے

مطبخ قوم میں رہا کیا ہے
صرف شیخی ہی اب بگھارینگے

پند اکبر کو دینگے کیا ناصح
گل کو کیا باغباں سنوارینگے

ضد ہے انھیں پورا مرا ارماں نہ کرینگے
منہ سے جو نہیں نکلی ہے اب ہاں نکرینگے

کیوں زلف کا بوسہ مجھے لینے نہیں دیتے
کہتے ہیں کہ واللہ پریشاں نکرینگے

ہے ذہن میں اک بات تمھارے متعلق
خلوت میں جو پوچھو گے تو پنہاں نکرینگے

واعظ تو بناتے ہیں مسلمان کو کافر
افسوس یہ کافر کو مسلماں نکرینگے

کیوں شکر گذاری کا مجھے شوق ہے اتنا
سنتا ہوں وہ مجھ پر کوئی احساں نکرینگے

دیوانہ نہ سمجھے ہمیں وہ سمجھے شرابی
وہ جانتے ہیں غیر مرے گھر میں ہے مہماں

اب چاک کبھی جیب و گریباں نہ کرینگے
آئیں گے تو مجھ پہ کوئی احساں نہ کرینگے

اہلِ غرور و حرص کو کیا علم سے شرف
اٹھی نگاہ دیر میں لیکن جھکا نہ سر

تا چرخ بھی پہونچے وہ شیطان ہی رہے
پیشِ صنم بھی ہم تو مسلمان ہی رہے

بتِ ستمگر کی کچھ نہ پوچھو حسین بھی ہے ذہین بھی ہے
اگرچہ مغرب ہے سازِ دل پر یہ آہنگ مشرقی ہوں
رعایتِ لعلِ لب سے میں نے کہا اے مالکِ بدخشاں
ہمارے جھگڑے کی کچھ نہ پوچھو تمام دنیا ہے اور ہم ہیں
ہمارا خنجر بھی تم ہی ہو اور انکی سعی بھی ہے وہ آفت
دعا کو بھی وہ کبھی ہے اٹھتا ہے دن رات صرف چکر

نہیں ہے دل ہی کو صرف آفت یہاں تو خطرہ دین بھی ہے
اگرچہ بانو ہے انجمن میں محلِ خلوت میں یہیں بھی ہے
تو بولا تیوری چڑھا کے دیکھو جبیں کے نقشہ میں چین بھی ہے
کہ جیب میں زر ہے گھر میں نان ہے خراج پر کچھ زمین بھی ہے
کہ صفا بھی ہے چمک بھی دکھتی ہے گول بھی ہے حسین بھی ہے
خدا کی قدرت کے کارخانہ میں ہاتھ بھی ہے مشین بھی ہے

ہے وہم نقشِ ہستی ہر چند دلنشیں ہے
دیکھا نہیں کسی نے اس یارِ نازنیں کو
روحانیت کے بدلے آنکھوں میں خاک ہے اب
تصدیق سے قریب ہو کیونکر ترا تصور
کھڑے ہیں یار ششدر حیرت و عبرت کا مضموں ہے

دیکھو اسے تو سب کچھ سوچو تو کچھ نہیں ہے
لیکن سنا یہی ہے بے انتہا حسیں ہے
آمیں وہمی ہی تھا ہمیں ہیں نہیں ہے
اک لفظ بے صدا ہے اک نقشِ بے نگیں ہے
جنگل ہے نہ ناقہ ہے نہ لیلا ہے نہ مجنوں ہے

وہ رنگِ بزمِ اکبر اب کہاں بہتر ہے اٹھ جاؤ
یہی بس ایک تدبیر سکونِ جانِ محزوں ہے

فتنہ اٹھے کوئی یا گھات میں دشمن بیٹھے
کیوں نہ اس سے مرا دل اے بتِ بدظن بیٹھے
بزم میں وہ جو دبا کر مرا دامن بیٹھے
شیخ کعبہ میں کلیسا میں برہمن بیٹھے

کارِ الفت پہ تو اب حضرتِ دل ٹھن بیٹھے
ہم کھڑے بھی نہ رہیں بزم میں دشمن بیٹھے
اٹھ گئے رشک سے پھر پاس نہ دشمن بیٹھے
ہم تو کوچے میں ترے مار کے آسن بیٹھے

شوخیاں شوق سے کر مجھ کو بھی لطف آتا ہے
سچ کہا تو نے کہ نکلا مرا دشمن بیٹھے

سوئے دولت نظر آئی نہ جو راہِ اعزاز
مسندِ صبر و توکل ہی پہ ہم تن بیٹھے

نظر اٹھی تو اٹھائے گئے نظروں سے گرے
غلطی کی ترے پاس اے بتِ بدظن بیٹھے

ہوں میں وہ رند اگر حشر میں ملزم ٹھہروں
فیصلے کے لئے حوروں کا کمیشن بیٹھے

انقلابِ روشِ چرخ کو دیکھ اے اکبر
کل جو تھے دوست مرے آج عدو بن بیٹھے

ہند سے آپ کو ہجرت ہو مبارک اکبر
ہم تو گنگا ہی پہ اب مار کے آسن بیٹھے

کیا ملا عرض اک واہیں کر کے
چل دیے وہ چناں چنیں کر کے

فائدہ کیا کہ پھر کہوں اُن سے
کر چکے ہاں وہ اب نہیں کر کے

فتنے مسجد میں اُٹھتے ہیں اکبر
دیر میں بیٹھ ترک دیں کر کے

وہ ہوا نہ رہی وہ چمن نہ رہا وہ گلی نہ رہی وہ حسیں نہ رہے
وہ فلک نہ رہا وہ سماں نہ رہا وہ مکاں نہ رہا وہ مکیں نہ رہے

وہ گلوں میں گلوں کی سی بو نہ رہی وہ عزیزوں میں لطف کی خو نہ رہی
وہ حسینوں میں رنگِ وفا نہ رہا کہیں اور کی کیا وہ ہمیں نہ رہے

نہ وہ آن رہی نہ امنگ رہی نہ وہ رندی و زہد کی جنگ رہی
سوئے قبلہ نگاہوں کے رخ نہ رہے در دیر پہ نقشِ جبیں نہ رہے

نہ وہ جلسہ رہے نہ وہ مست رہے نہ فدائی عہدِ الست رہے
وہ طریقۂ کارِ جہاں نہ رہا وہ مشاغلِ رونقِ دیں نہ رہے

ہمیں لاکھ زمانہ لبھائے تو کیا نئے رنگ جو چرخ دکھائے تو کیا
یہ محال ہے اہلِ وفا کیلئے غمِ ملت و الفتِ دیں نہ رہے

ترے کوچۂ زلف میں دل ہے مرا اب اسی میں سمجھتا ہوں دامِ بلا
یہ عجیب ستم ہے عجیب جفا کہ یہاں نہ رہے تو کہیں نہ رہے

یہ تمہارے ہی دم سے ہے بزمِ طرب ابھی جاؤ نہ تم نہ کرو یہ غضب
کوئی بیٹھ کے لطف اٹھائے گا کیا کہ جو رونقِ بزم تمہیں نہ رہے

جو حسین ہیں چشمِ فلک کی بھی نورِ نظر وہی جن پہ نثار تھے شمس و قمر
سو اب ایسی مٹی ہیں وہ انجمنیں کہ نشاں بھی انکے کہیں نہ رہے

وہی زیرِ زمیں ہیں مثلِ نظر جو زمانہ کو پھیریں ادھر سے ادھر
مگر ایسے جمالِ جہاں آرا جو تھے رونقِ روئے زمیں نہ رہے

غم و رنج میں اکبر اگر ہے گھرا تو سمجھ لے کہ رنج کو بھی ہے فنا
کسی شے کو نہیں ہے جہاں میں بقا وہ زیادہ ملول و حزیں نہ رہے

پراگندہ بہت ہے دل مرا دنیا کے دھندوں سے
چھڑائے مجھ کو یارب نوکری کے سخت پھندوں سے

غلامانہ طریقوں پر مجھے مجبور کرتے ہیں
خدایا بے نیازی دے مجھے ان خود پسندوں سے

کباب آیا تو کیا جب دل ہوا جلکر کباب اپنا
مجھے نانِ جویں بہتر ہے بس ایسے پسندوں سے

یہ خواہش ہے کہ ذکرِ حق سے دل تازہ رہے ہر دم
خداوندا ملا دے مجھ کو اپنے نیک بندوں سے

مسلمانوں کی خوشحالی کی بیشک دھن ہے سید کو
مگر یہ کام نکلے گا نہ لکچر سے نہ چندوں سے

درستی تختِ عزت کی کہاں ان کیل کانٹوں میں
توقع شہسواری کی نہ رکھو نعل بندوں سے

کجا وہ گیسوے مشکیں کجا یہ ڈھیلی اینچ پیچیں
دلِ وحشی اکبرؔ پھنس چکا ایسی کمندوں سے

ترچھی نظر سے کیجئے عشاق کا شکار
کیا احتیاج آپ کو تیر و کماں کی ہے

ذیرِ فرزند نہ ہوئے جناب من تو ہے
حضور مجھ سے کوئی صورتِ سخن تو ہے

جو زر نہیں ہے نہ ہو دولتِ سخن تو ہے
نہیں جو بنگ تو کیا غم مے کہن تو ہے

رسائی اپنی ہے ان تک نہیں ہے غیر کو دخل
پھر اپنا اپنا طریقہ تو ہے چلن تو ہے

سینے سے لگائیں تمھیں ارمان یہی ہے
جینے کا مزا ہے تو مری جان یہی ہے

صبر اس لئے اچھا ہے کہ آئندہ ہے امید
موت اس لئے بہتر ہے کہ آسان یہی ہے

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تری پہچان یہی ہے

گیسو کے شریک اور بھی تھے قتل میں میرے
کیا وجہ ہے اس کی کہ پریشان یہی ہے

دل تیری محبت میں دو عالم کو بھلا دے
مذہب ہے یہی اور مرا ایمان یہی ہے

اس بت نے کہا بوسۂ بے اذن پہ ہنس کر
بس دیکھ لیا آپ کا ایمان یہی ہے

کرتے ہیں بتدریج وہ ظلموں میں اضافہ
مجھ پر اگر ان کا ہے کچھ احسان یہی ہے

ہم فلسفہ کو کہتے ہیں گمراہی کا باعث
وہ پیٹ دکھاتے ہیں کہ شیطان یہی ہے

اکبرؔ کو دعا دیتے ہیں احباب یہ کہہ کر
اب اپنی جماعت میں مسلمان یہی ہے

سدھاریں شیخ کعبہ کو ہم انگلستان دیکھیں گے
وہ دیکھیں گھر خدا کا ہم خدا کی شان دیکھیں گے

جوانوں کو ذرا پروا نہیں بے اعتدالی کی
بڑھاپے میں نتیجے اسکے یہ نادان دیکھیں گے

حسینانِ عدوئے اتقا کا سامنا ہو گا
میں دیکھوں گا انھیں اور وہ مرا ایمان دیکھیں گے

تری دیوانگی پر رحم آتا ہے ہمیں اکبرؔ
کوئی دن وہ بھی ہو گا ہم تجھے انسان دیکھیں گے

عقل ہی ایمان ہی دل ہی جان ہے
لیجئے سب آپ پر قربان ہے

خوبیٔ مذہب دمِ آخر کھلی
نزع میں مونس فقط ایمان ہے

دل کے یاروں سے ہوا شوقِ گناہ
آدمی کا آدمی شیطان ہے

کیا مجھے کرتے ہو زندوں میں شمار
سانس لیتا ہوں بس اتنی جان ہے

خود بنا ہے کیا وہ بُت اتنا حسیں
لطفِ فطرت ہی خدا کی شان ہے

سعیِ بازو سے کرے جو کسبِ رزق
بس وہی اللہ کا مہمان ہے

لطفِ ساقی سے نہ چھلکے جامِ دل
ظرفِ عالی کی یہی پہچان ہے

دل جسے سمجھا ہے سامانِ وقار
غور سے دیکھو تو اک طوفان ہے

بیوقوفی ہے تعجب موت پر
عقل تو جینے ہی پر حیران ہے

عالمِ ہستی پہ حیرت ہے مجھے
کس لئے آخر یہ سب سامان ہے

یا مصیبت امرِ معنی خیز ہے
یا یہ نیچر خود بہت نادان ہے

اس کی نادانی مگر مانے گا کون
ذرہ ذرہ عاقلی کی جان ہے

پھر اُٹھی ہے آپ کی تیغِ ستم
مجھ میں کیا باقی ابھی کچھ جان ہے

حکم خاموشی ہے اور میری زباں
آپ کی باتیں ہیں میرا کان ہے

لطف تھا جنسے نظارے کا حسیں وہ نہ رہے
جنسے رونق تھی مکانوں کی مکیں وہ نہ رہے

میں جو روتا ہوں کہ افسوس زمانہ بدلا
مجھ پہ ہنستا ہے زمانہ کہ تمھیں وہ نہ رہے

طلب ہو صبر کی اور دل میں آرزو آئے
غضب ہے دوست کی خواہش ہو اور عدو آئے

بہار میں بھی نہ راحت ملے جو فرقت ہو
صبا سے بھی گُلِ داغِ جگر کی بو آئے

بتوں کے ظلم کو کر دوں میں ہر طرح ثابت
مگر خدا نہ کرے ایسی گفتگو آئے

کیا ہے نشۂ الفت نے مائلِ گریہ
شراب پینے کو آخر کنارِ جو آئے

تم اپنا رنگ بدلتے رہو فلک کی طرح
کسی کی آنکھ میں اشک آئے یا لہو آئے

تری جدائی سے ہے رنج پر یہ ظلم حواس
میں اپنے آپ میں پھر کیوں ہوں جو تو آئے

ریا کا رنگ نہ ہو مستند ہیں وہ اعمال
کلام پختہ ہے جب درد دل کی بو آئے

لبوں کا بوسہ جسے مل گیا ہو وہ جانے
قدم تو اس بتِ بے دیں کے ہم بھی چھو آئے

کھلی جو آنکھ جوانی میں عشق آ پہونچا
جو گرمیوں میں کھلیں در تو کیوں نہ لو آئے

وہ مے نصیب کہاں ان ہوس پرستوں کو
کہ ہو قدم کو نہ لغزش نہ منھ سے بو آئے

بہت دنوں محتسب کے ہاتھ سے مے کے سبو ٹوٹے
شکایت کیا اگر دستِ سبو سے اب وضو ٹوٹے

کچھ ایسا بڑھ گیا ہے حسنِ لطفِ ساقیِ دوراں
ہزاروں شیشۂ تقویٰ اے بڑے میں چار سو ٹوٹے

شکستِ نیّتِ طوفِ حرم تجھ سے ہوئی اے دل
سزا ہے اس بتِ ظالم کے ہاتھوں تیغ جو تو ٹوٹے

ہوتا ہے نفع یورپین نان پاؤ سے
میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے

تنہا وہ رہ گئے تھے تو میں خود نہ بیٹھتا
ناحق مجھے ذلیل کیا جاؤ جاؤ سے

ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوئے
لیکن خرید ہو جو علی گڈھ کے بھاؤ سے

بے نالہ و فریاد و فغاں رہ نہیں سکتے
قہر اس پہ یہ ہے اس کا سبب کہہ نہیں سکتے

موجیں ہیں طبیعت میں مگر اُٹھ نہیں سکتیں
دریا ہیں مرے دل میں مگر بہہ نہیں سکتے

پتوار شکستہ ہے نہیں طاقتِ ترمیم
ہے ناؤ میں سوراخ مگر کہہ نہیں سکتے

کہہ دوگے کہ ہے تجربہ اس بات کے برعکس
کیونکر یہ کہیں ظلم و ستم سہہ نہیں سکتے

عزت کبھی وہ تھی کہ بھلائے سے نہ بھولی
تحقیر اب ایسی ہے جسے سہہ نہیں سکتے

ہم نے یہ نکتہ سنا اک مردِ حق آگاہ سے
پھر گیا اُس سے زمانہ جو پھرا اللہ سے
ضعفِ مذہب ہوگیا ہے باعثِ طولِ سخن
گفتگو عامی سے ہو یا بحث ہو ذیجاہ سے
ایک لکچر کی ضرورت ہوتی ہے ہر بات پر
کام مطلق اب نہیں چلتا معاذ اللہ سے
آپ فرماتے ہیں تجھ سے مجھ کو الفت ہے بہت
اور ثابت کرتے ہیں اس کو فقط واللہ سے

ان بتانِ بیوفا کے حسن کا دلدادہ ہے
فکر ہے اکبر کی رنگیں دل نہایت سادہ ہے
رقص پروانے کا گردِ شمع دیکھیں اہلِ ذوق
کس خوشی سے جان دینے کیلئے آمادہ ہے
مائلِ خالق مجھے کرتی ہے یاں رفتارِ خلق
چشمِ بینا کے لئے ہر نقشِ پا سجادہ ہے

کہاں تسکینِ خاطر نالۂ جانکاہ کرنے سے
بھڑکتی آتشِ دل اور بھی ہے آہ کرنے سے
یہ دورِ آسماں خنسر طرِ اعیت ہو نہیں سکتا
خدارا اے خرد باز آ مجھے برباد کرنے سے
وہ کون ایسی نظر ہے جو نہ محو ایسی صورت پر
وہ کون ایسی زباں ہے رک سکی جو آہ کرنے سے
مصیبت سخت تھی لیکن زمانہ دیکھ کر دل نے
کہا کیا فائدہ احباب کو آگاہ کرنے سے

فلک

مسوس کے سامنے کیا مذہبی بہانہ چلے
چلیں گے ہم بھی اسی رُخ جدھر زمانہ چلے
میں جانتا ہوں نہ چھوڑینگے آپ چال اپنی
کسی کا کام چلے اے حضور یا نہ چلے
خدا کے واسطے ساقی یہی نگاہِ کرم
چلا ہے دور تو پھر کیوں رک کے چلا نہ چلے
کھلا ہے باغِ قناعت میں غنچۂ خاطر
خدا بچائے کہیں حرص کی ہوا نہ چلے
نصیب ہو نہ سکی دولتِ قدم بُوسی
ادب سے چوم کے حضرت کا آستانہ چلے
فروغِ عشق کا بے آہ کے نہیں ممکن
نہ پھیلے بوئے گلستاں اگر ہوا نہ چلے
کھلے گو راز جو کہرے کے پھر کسی کو کیا
یہ حکم بھی تو ہوا ہے کہ راستا نہ چلے
امید حور میں مسلم تو ہوگیا ہوں مگر
خدا ہی ہے کہ جو مجھ سے یہ بیگانہ چلے
خودی کی حس سے بھی ہوتا ہے انتشار اکبر
کہاں رہوں کہ مجھے بھی مرا پتا نہ چلے

حضور اور دل کے خوش کرنیکی فکر البتہ فرمائیں
خوشی سے ماسوا پر آپ قبضہ کیجئے اپنا

ہماری کیا ہے شاعر کے لئے اک واہ کافی ہے
مری تسکینِ دل کے واسطے اللہ کافی ہے

نہایت ناپسند اُن کو ہے یادِ مرگ اے اکبر
مگر اسکے بھلا دینے کو حبِّ جاہ کافی ہے

وصفِ قدِ یار میں مصروف میرا خامہ ہے
میری جو تحریر ہے وہ اک قیامت نامہ ہے

میرے دل کو وہ بتِ دلخواہ جو چاہے کرے
اب تو دے ڈالا اُسے اللہ جو چاہے کرے

حضرتِ اکبر سا ضابطہ اور یہ بیتابیاں
آپ کی ترچھی نظر واللہ جو چاہے کرے

منزلِ صدق و صفا ہے ہر طرح خطروں سے پاک
نیکبختوں میں سے طے یہ راہ جو چاہے کرے

قاضی و مفتی ہیں غرقِ بادۂ مستی و کبر
قوم کا ضعف اور حبِّ جاہ جو چاہے کرے

شیخ کی منطق ہو یا چشمِ فسوں سازِ بتاں
سیدھا سادہ ہوں مجھے گمراہ جو چاہے کرے

دیکھ کر پوتھی برہمن کہتے ہیں اس عہد میں
شادی تو آساں نہیں ہاں بیاہ جو چاہے کرے

خرچ کی تفصیل پوچھونگا نہ مانگوں گا حساب
لیلے وہ بت کُل مری تنخواہ جو چاہے کرے

اچھے اچھے پھنس گئے ہیں نوکری کے جال میں
سچ یہ ہے افزونئ تنخواہ جو چاہے کرے

باثر ہونا تو ہے موقوف دل کے رنگ پر
جوش میں یوں آکے اکبر آہ جو چاہے کرے

جھکتا نہیں بندہ کسی بدخواہ کے آگے
کیا غم ہے توکلتُ علیَ اللہ کے آگے

منطق بھی ہے قانونِ شہادت بھی خرد بھی
سب ہیچ مگر آپ کی واللہ کے آگے

ان کی نظر کا آخر کیا کر لیا کسی نے
بس رہ گئے یہ کہہ کر ہاں ابھی ابھی نے

چمکے ہیں نرم جرم میں اب گیسوئے طلائی
سکہ نیا بٹھایا گردوں کی پالسی نے

کیا حالِ دل سنائیں کیا ہم قدم رکھیں
مایوس کر دیا ہے اس بت کی بیحسی نے

جلوہ ہے آسماں پہ ابر و شفق کا گویا
اچھا سماں دکھایا لبِ تری مسی نے

وہ خوب سمجھتے ہیں یہ کیوں مجھ کو غشی ہے
انکارِ دو عالم نے کیا ہے مجھے بیمار
محبوب بھی رخصت ہوئی ساقی بھی سدھارا
میں کونسا منھ لیکے انھیں شکل دکھاؤں

یہ بھی اک ادا ہے جو یہ بیگانہ وشی ہے
سنتا ہوں علاج اسکا فقط بادہ کشی ہے
دولت نہ رہی پاس تو اب ہئی ہے نہ شی ہے
گورے کو کہا جب یہ نگوڑا حبشی ہے

ادھر ہے جلوۂ مضموں ادھر حسنِ قوافی ہے
جنابِ شیخ ہی کو فکرِ اسنادِ معانی ہے

یہی اک شغل میرے دل کے بہلانیکو کافی ہے
ہماری طبعِ موزوں کو زمینِ شعر کافی ہے

تیری زلفوں میں کافری ہے
اللہ رے مصائبِ شبِ ہجر
کہنے لگے سن کے نظم میری

تیری آنکھوں میں ساحری ہے
گویا ہر سانس آخری ہے
دقیانوسی یہ شاعری ہے

اٹھ گیا دنیا سے دل عزلت گزینی کیلئے
یاد تیری مل گئی ہے ہم نشینی کے لئے

مطیع و تابعِ فرماں کو عذر ہی کیا ہے
جناب شیخ کو ہے میرے حال پر افسوس
صدائے صور کی ہے ابتدا زمانے میں
وہ عشق کیا جو نہ ہو ہادیِ طریقِ کمال
ہر ایک کو ہے زمانے میں زندگی مقصود
بتوں کو دیتے ہیں ہم جان دل لگی کیلئے
مرید لوگ بھی اب اعتنا نہیں کرتے
جو تیرے محو ہیں ان کو بتوں سے کیا مطلب
اس انقلاب کو حیرت سے دیکھتا ہوں میں

کھلے تو حال کہ مرضی حضور کی کیا ہے
کہو کہ اس سے بھی ہوگا سوا ابھی کیا ہے
بڑھے گی اسکی بتدریج لے ابھی کیا ہے
جو عقل کو نہ بڑھائے وہ شاعری کیا ہے
کسے خبر ہے کہ مقصودِ زندگی کیا ہے
مگر یہ جان گنوانا ہے دل لگی کیا ہے
جو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں شیخ جی کیا ہے
وہ حور کی نہیں سنتے تو پھر پری کیا ہے
زمانہ کہتا ہے دیکھا کرو ابھی کیا ہے

گلِ تر کو بھلا اس عارضِ رنگیں سے کیا نسبت
تمھارے کان کی بجلی عیاں ہے قربِ عارض میں

گرا سپر اوس پڑتی ہے یہاں خوبی ٹپکتی ہے
یہی وہ برق ہے سورج کے پہلو میں چمکتی ہے

اپنے پہلو سے وہ غیروں کو اٹھا ہی نہ سکے
اُن کو ہم قصۂ غم اپنا سنا ہی نہ سکے

ذہن میرا وہ قیامت کہ دو عالم پہ محیط
آپ ایسے کہ مرے ذہن میں آ ہی نہ سکے

دیکھ لیتے جو انھیں تو مجھے رکھتے معذور
شیخ صاحب مگر اُس بزم میں جا ہی نہ سکے

عقل مہنگی ہے بہت عشق خلافِ تہذیب
دل کو اس عہد میں ہم کام میں لا ہی نہ سکے

ہم تو خود چاہتے تھے چین سے بیٹھیں کوئی دم
آپ کی یاد مگر دل سے بھلا ہی نہ سکے

عشق کامل ہے اُسی کا کہ پتنگوں کی طرح
تاب نظارۂ معشوق کی لا ہی نہ سکے

دام ہستی کی بھی ترکیب عجب رکھی ہے
جو پھنسے اس میں وہ پھر جان بچا ہی نہ سکے

مظہرِ جلوۂ جاناں ہے ہر اک شے اکبرؔ
بے ادب آنکھ کسی سمت اٹھا ہی نہ سکے

ایسی منطق سے تو دیوانگی بہتر اکبرؔ
کہ جو خالق کی طرف دل کو جھکا ہی نہ سکے

جو زاہدوں کی طرف تیری نگاہِ فتاں پھری نہیں ہے
تو کیا سبب ہے ہنوز ان کی بنائے تقویٰ گری نہیں ہے

اگرچہ عاشق تمہارا ہوں میں نظر خدا سے پھری نہیں ہے
جو آنکھ رکھتے ہیں جانتے ہیں کہ عاشقی کافری نہیں ہے

جمالِ دلکش کا محو ہونا نہیں ہے ہرگز خلافِ طاعت
خدا کی قدرت کی قدر کرنا تو واجب ہے کافری نہیں ہے

بس اک اشارے میں لے گئی تو دلوں سے ایمان و صبر و تقویٰ
بتا تو اے چشمِ مست کافر یہ کیا ہے گر ساحری نہیں ہے

ہماری دولتِ ایماں بُتِ کافر نے لوٹی ہے
امید عیش پر خوش تھی مگر اب وہ بھی ٹوٹی ہے

مری تقریر طبعِ یار کو بے چین کرتی ہے
سبب کیا ہے وہی کہتا ہوں جو دل پر گذرتی ہے

ٹھہرتا ہی نہ ہو جو دل وہ ہے انمول دنیا میں
یہ کیا پوچھا کہ تیرے دل کی کیا قیمت ٹھہرتی ہے

سلیقہ عاشقی کا دل میں پیدا کرتی ہو فطرت
خدا جانے عنایت کرتی ہے یا ظلم کرتی ہے

یقین قوتِ تدبیر بت پرستی ہے
غرورِ رفعتِ دنیا نظر کی پستی ہے

حدیثِ زلف و کمر معرفت کی غزلوں میں
خدا کے عشق میں بھی لطفِ بت پرستی ہے

مسلمانوں کو لطفِ عیش سے جینے نہیں دیتے
خدا دیتا ہے کھانا شیخ جی پینے نہیں دیتے

شیخ جی اپنی سی بکتے ہی رہے
دف بجایا ہی کئے مضموں نگار
سرکشوں نے طاعتِ حق چھوڑ دی
گائیں سبزہ پا گئیں کر کے کلیں
جو غبارے تھے وہ آخر گر گئے

وہ تھیٹر میں تھرکتے ہی رہے
وہ کمیٹی میں مٹکتے ہی رہے
اہل سجدہ سر پٹکتے ہی رہے
اونٹ کانٹوں پر لپکتے ہی رہے
جو ستارے تھے چمکتے ہی رہے

مرے اجداد بھی ڈرتے تھے اکبر میں بھی ڈرتا ہوں
نشان اللہ کا اہل لوا میں دیتا نہیں واعظ
سعادت کلبِ جو طالب ہے کھلا رکھ چشمِ عبرت کو
سرائے دہر کو جب تک محلِ خوف سمجھا ہے
خدا کے نام میں لذت نہ پائی اہل غفلت نے

مگر ان کو گناہوں سے بتھاڈر اور مجھ کو مرنے سے
بجا ہے ہمتِ مسلم جو رکتی ہے ابھرنے سے
اثر دکھلائیگا یہ نقشِ ہستی آہ بھرنے سے
اسے کیا لطف آئیگا یہاں دو لگی ٹھہرنے سے
تعجب ہیں کیا دل مرگیا دنیا پہ مرنے سے

خدا کے خوف کو کچھ تو جگہ دے دل میں اے اکبر
تو نکی کافری بڑھتی ہے تیرے واہ کرنے سے

اگر ملنا نہیں منظور آنکھیں کیوں ملاتے ہو
نہ رہنے دیگا مجھ کو جوشِ دل اب دست کش ہرگز
جوانی کی ہے آمد شرم سے جھک سکتی ہیں آنکھیں

یہ تڑپانے سے حاصل فائدہ بیچین کرنے سے
قیامت ہوگیا ہے آپ کا سینہ ابھرنے سے
مگر سینے کا فتنہ رک نہیں سکتا ابھرنے سے

اور بھی دورِ فلک ہیں ابھی آنے والے
سیکڑوں دورِ جنوں ہیں ابھی آنے والے
اٹھتے جاتے ہیں اب اس بزم سے اربابِ نظر
خاتمہ عیش کا حسرت ہی پہ ہوتے دیکھا
حدِ ادراک میں داخل نہ ہوا سترِ ازل
موجِ مستی ہوئی گم بندھ گئے الفاظ کے پل

ناز اتنا نہ کریں ہم کو مٹانے والے
مطمئن کیا ہیں مجھے ہوش میں لانے والے
گھٹتے جاتے ہیں مرے دل کے بڑھانے والے
رو ہی کے اٹھے ہیں اس نغمے سے گانے والے
کچھ سمجھ ہی نہ سکے ہوش میں آنے والے
کچھ خبر ہے تجھے اے بات بتانے والے

آپ اندھیرے میں ہیں بجلی سے مدد لیتے ہیں　　چاند سورج ہیں کہیں راہ دکھانے والے

بارِ احساں جسے کہتے ہیں وہ ہے کوہِ جفا　　کاش نادم ہوں یہ احسان جتانے والے

آپ منکر ہیں غلامی بھی نہیں ملتی ہے　　سلطنت کر گئے عقبیٰ سے ڈرانے والے

قدمِ شوق بڑھے اُن کی طرف کیا اکبرؔ
دل سے ملتے نہیں یہ ہاتھ ملانے والے

رہ گئے ہم ہاتھ ہی ملتے ہوئے　　دل ہمارا لیکے وہ چلتے ہوئے

کیوں نہ ہوتا دیبِ کالج بے ثمر　　کس نے دیکھا بید کو پھلتے ہوئے

سب ہیں وحشت ہے زمانے کے بدل جانے سے　　دل اب اپنے سے نہ ملتا ہے نہ بیگانے سے

رحم کر قوم کی حالت پہ تو اے ذکرِ خدا　　بے ادب ہو گئی مجلس ترے اُٹھ جانے سے

جب ہمیں وہ نہ رہے پھر یہ بدلنا کیسا　　یہ کہو مٹ گئے دنیا کے بدل جانے سے

نقصِ تعلیم سے اب اسکی سمجھ ہی نہ رہی　　دل تو بڑھ جاتا تھا اجداد کے افسانے سے

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے　　دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

حکم اکبرؔ کو ہوا ہے کہ کرو ترکِ سخن
خواجہ حافظ بھی نکالے گئے میخانے سے

دم لبوں پر تھا دلِ زار کے گھبرانے سے　　آ گئی جان میں جان آپکے آجانے سے

تیرا کوچہ نہ چھٹے گا ترے دیوانے سے　　اس کو کعبہ سے نہ مطلب ہے نہ بتخانے سے

بچتا ہوں کوئے حسیناں کی ہوا کھانے سے　　فائدہ کیا ہے دبی آگ کے بھڑکانے سے

رقص کرتی ہے صبا گرم نوا ہے بلبل　　کشتہ اس ناچ کا ہوں مست ہوں اس گانے سے

جو کہا میں نے کرو کچھ مرے رونے کا خیال　　ہنس کے بولے مجھے فرصت ہی نہیں گانے سے

جاں بلب دیکھ کے سینے سے لگایا اس نے　　گھٹ گئی شرم مرے شوق کے بڑھ جانے سے

خیر چپ رہیئے مزا ہی نہ ملا بوسے کا　　میں بھی بدلطف ہوا آپکے جھنجھلانے سے

خوش کرے کیا مجھے غنچوں کا شگفتہ ہونا
رنج ہوتا ہے بہت پھولوں کی کھلانے سے

اپنے دل ہی کی رفاقت میں بسر کی میں نے
شکر اللہ کا ہے نبھ گئی دیوانے سے

شیخ نافہم ہیں کرتے جو نہیں قدر اُس کی
دل فرشتوں کے ملے ہیں ترے دیوانے سے

مضطربِ عشقِ بتاں میں ہیں عبث میں اتنا
رام ہو جائیں گے کیا وہ مرے گھبرانے سے

میہماں چرخِ ستمگر کا کیا قسمت نے
کوئی چارہ نہیں اب خونِ جگر کھانے سے

خوانِ الوانِ جہاں پر یہ ہوا ہم کو یقین
حفظِ ایماں ہے فقط خونِ جگر کھانے سے

میں جو کہتا ہوں کہ مرتا ہوں تو فرماتے ہیں
کارِ دنیا نہ رُکے گا ترے مر جانے سے

رونقِ عشق بڑھا دیتی ہے بیتابیٔ دل
حسن کی شان فزوں ہوتی ہے شرمانے سے

دلِ صد چاک سے کھل جائینگے ہستی کے یہ پیچ
بل نکل جائینگے اس زلف کے اس شانے سے

کون ہمدرد کسی کا ہے جہاں میں اکبر
ایک اُبھرتا ہے یہاں ایک کے مٹ جانے سے

صفحۂ دہر پہ ہیں نقش مخالف اکبر
ایک اُبھرتا ہے یہاں ایک کے مٹ جانے سے

کل تک محبتوں کے چمن تھے کھلے ہوئے
وہ دل بھی آج مل نہیں سکتے ملے ہوئے

اچھے وہی ہیں آج جو سوتے ہیں زیرِ گل
افسوس ہے انھیں کے ہزاروں گلے ہوئے

آنکھیں دکھا رہی ہیں کہ ہے دل میں برہمی
عارض اگرچہ گل کی طرح ہیں کھلے ہوئے

آنکھیں مجھے تلووں سے وہ ملنے نہیں دیتے
ارمان مرے دل کا نکلنے نہیں دیتے

خاطر سے تری یاد کو ٹلنے نہیں دیتے
سچ ہے کہ ہمیں دل کو سنبھلنے نہیں دیتے

کس ناز سے کہتے ہیں وہ جھنجھلا کے شبِ وصل
تم تو ہمیں کروٹ بھی بدلنے نہیں دیتے

پروانوں نے فانوس کو دیکھا تو یہ بولے
کیوں ہم کو جلاتے ہو کہ جلنے نہیں دیتے

حیران ہوں کس طرح کروں عرضِ تمنا
دشمن کو تو پہلو سے وہ ٹلنے نہیں دیتے

دل وہ ہے کہ فریاد سے لبریز ہے ہر وقت
ہم وہ ہیں کہ کچھ منہ سے نکلنے نہیں دیتے

گرمیٔ محبت میں ہیں وہ آہ کے مانع
پنکھا نفسِ سرد کا جھلنے نہیں دیتے

دورِ دوم

غمزہ نہیں ہوتا کہ اشارا نہیں ہوتا
آنکھ اُن سے جو ملتی ہے تو کیا کیا نہیں ہوتا

جلوہ نہ ہو معنی کا تو صورت کا اثر کیا
بلبل گلِ تصویر کا شیدا نہیں ہوتا

اللہ بچائے مرضِ عشق سے دل کو
سنتے ہیں کہ یہ عارضہ اچھا نہیں ہوتا

تشبیہ ترے چہرے کو کیا دوں گلِ تر سے
ہوتا ہے شگفتہ مگر اتنا نہیں ہوتا

میں نزع میں ہوں آئیں تو احسان ہے اُنکا
لیکن یہ سمجھ لیں کہ تماشا نہیں ہوتا

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

نہاں ہے مثلِ بوئے گل جو رنگ اس روئے زیبا کا
مری چشمِ تماشا چشمہ ہے خونِ تمنا کا

سیہ بختی کی پڑتے ہیں جو ہم پر پیچ غربت میں
تو یاد آتا ہے بل کھانا کسی زلفِ چلیپا کا

ہوا ہے امتحانِ ضبط پر مائل بتِ کافر
خدا حافظ دلِ بے صبر و جانِ ناشکیبا کا

بڑھا کر آرزو اتنا گھٹایا عشق نے مجھ کو
کہ کانٹا رہ گیا میں اپنے گلزارِ تمنا کا

نہ ہو چشمِ تمنا کس طرح محوِ رُخِ روشن
رُخِ روشن تمھارا نور ہے چشمِ تمنا کا

مری آنکھوں سے ہے کیفیتِ مستیِٔ دل پیدا
لبِ ساغر سے افشا ہو رہا ہے رازِ مینا کا

کمالِ یاس حاصل ہو گیا آخر مجھے اکبرؔ
بہت روزوں سے دل کو شغل تھا مشقِ تمنا کا

غمِ فراق کا صدمہ اُٹھا نہیں سکتا
اب اپنی جان میں ایجاں بچا نہیں سکتا

کسی کو رنگِ محبت دکھا نہیں سکتا
جو دل میں ہے وہ زباں پر میں لا نہیں سکتا

حیائے حسن اُنھیں ہے حجابِ عشق مجھے
غرض وہ آ نہیں سکتے میں جا نہیں سکتا

یہ کہہ کے اُٹھ گئے ہنگام نزع مجھ سے رفیق
لگائے بیٹھے سے یا قتل کر مجھے ظالم
تمھیں بلاتو لو ورنہ اور سے کیا کام
نظر لگائے ہیں لیبر ہر اک طرف سے حسیں

یہ راہ وہ ہے کوئی ساتھ جا نہیں سکتا
ترے قدم سے میں اب سر اٹھا نہیں سکتا
میں اپنے دل کو کہیں اب لگا نہیں سکتا
کسی طرح سے میں پہلو بچا نہیں سکتا

گذر چکا ہے مرا کام ضبط سے اکبر
میں راز عشق اب اپنا چھپا نہیں سکتا

تم نے بیمار محبت کو ابھی کیا دیکھا
طفل دل کو مرے کیا جانے لگی کس کی نظر
لے گیا قطاف گورغریباں دل راز
وہ جو تھے رونق آبادی گلزار جہاں
کل تلک محفل عشرت میں جو تھے صدر نشیں
بسکہ نیرنگی عالم پہ اسے حیرت تھی
سر جمشید کے کاسے میں بھری تھی حسرت

جو یہ کہتے ہوئے جاتے ہو کہ دیکھا دیکھا
میں نے کمبخت کو دو دن بھی نہ اچھا دیکھا
ق کیا کہیں تم سے جو کچھ واں کا تماشا دیکھا
سر سے پا تک انھیں خاک بصحرا دیکھا
قبر میں آج انھیں بیکس و تنہا دیکھا
آئینۂ خاک سکندر کو سراپا دیکھا
یاس کو معتکفِ تربتِ دارا دیکھا

وصل جاناں کی دلِ زار کو حسرت ہی رہی پر میسر نہ ہوا
عمر بھر جان پہ فرقت کی مصیبت ہی رہی تھا یہ قسمت کا لکھا
تم نے جو بات کہی مرے دلِ جاں سے کی نہ کیا عذر کبھی
تم کو اس پر بھی مگر مجھ سے شکایت ہی رہی پھل یہ خدمت کا ملا
چشمِ پر نم سے اشکوں کی یہی موجیں نکلیں ٹھنڈی سانسیں بھی بھریں
آتشِ غم کی مگر دل میں حرارت ہی رہی نہ ہوا فرق ذرا
کھائیں کہ مرتبہ قسمیں کہ ہوں عاشق تجھ پر نہیں اوروں پہ نظر
بدگمانی مگر اس شوخ کی عادت ہی رہی صاف مجھ سے نہ ہوا

ایک تم ہو کہ ہزاروں ہی کئے مجھ پہ ستم
ل کے غیروں سے بہم
ایک میں ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہی رہی
کبھی شکوہ نہ کیا

دشمنوں نے تو بہت بات بنائی جاکر
کہ وہ بگڑیں مجھ پر
حال پر میرے مگر اُن کی عنایت ہی رہی
کچھ کسی سے نہ ہوا

ہے تمھاری بھی عجب سخت طبیعت بہ خدا
رحم دل میں نہ مزا
منتیں کرتی رہے ہم تمھیں وحشت ہی رہی
پاس بیٹھے نہ ذرا

منزلِ گور میں تنہا مجھے سب چھوڑ چلے
اپنے بیگانے جو تھے
ساتھ دینے کو فقط اسکی عنایت ہی رہی
اور کوئی نہ رہا

ہم نشیں اُٹھ گئے اس بزم سے اپنے اکبرؔ
تم بھی اب باندھو کمر
نہ وہ جلسے ہی ہیں اب نہ وہ صحبت ہی رہی
کیا ہے جینے کا مزا

مائل وحشی ہے کسی زلفِ دوتا کا
انکار وصال ان کے لبوں پر یہ نہیں ہے

سودا مرے دلوانے کو ہے دامِ بلا کا
پیغام میں سنتا ہوں مسیحا سے قضا کا

یار نے کچھ خبر نہ لی دل نے جگر نے کیا کیا
دونوں کو پاکے بےخبر کر گئے کام حسن و عشق
صاحبِ تاج و تخت بھی موت سے یاں نہ بچ سکی
کھل گیا سب حالِ دل سنتے ہیں دوست بلا

نالۂ شب سے کیا ہوا آہِ سحر نے کیا کیا
دل نے ہمارے کیا کیا انکی نظر نے کیا کیا
جاہ و حشم سے کیا ہوا کثرتِ زر نے کیا کیا
ضبط کیا نہ رازِ عشق دیدۂ تر نے کیا کیا

اکبرِ خستہ دل کا حال قابلِ رحم ہو گیا
اس سے سلوک کیا کہوں تیری نظر نے کیا کیا

ہجومِ غم سے ان روزوں ہے دل زیر و زبر اپنا
نصیحت میں اعظی کی اب کریگی کیا اثر اپنا
نہ روؤں کس طرح غربت میں میں دل کھولکر اپنا

بحق احمدِ مرسل آ الٰہی فضل کر اپنا
زمانہ ہو چکا ہے یونہیں رندی میں بسر اپنا
حجاب اب ہے یہاں کسکا نہ شہر اپنا نہ گھر اپنا

رہ و رسم محبت ان حسینوں سے میں کیا رکھوں
جہاں تک دیکھتا ہوں نفع انکا ہی ضرر اپنا

رہے آوارہ یوں اک عمر دنیا میں تو کیا حاصل
مزا تب تھا بنا لیتے کسی کے دلمیں گھر اپنا

محل غیرت کا ہے چہرے پہ لو نگوار قاتل کے
مجھے اس معرکے میں منہ نہ دکھلائے سپر اپنا

محبت کھل گئی اپنے پرائے طعنے دیتے ہیں
عجب عالم ہے غیرت سے اُدھر انکا اِدھر اپنا

محبت میں یہ ناصح اور بھی اک قہر ڈھاتے ہیں
کہیں کیا ناک میں دم ہے اُدھر انکا اِدھر اپنا

گلستانِ مضامیں بسکہ ہے مدِ نظر اپنا
گلِ تر سے لطافت میں فزوں ہے شعرِ تر اپنا

ہوا ہے بیخودی کے کوچہ میں جب سے گذر اپنا
نگاہِ شوق سے میں خود ہوں منظورِ نظر اپنا

اٹھاتا تھا ہزاروں سختیاں دلمیں اسی رکھکر
مرے سنگِ لحد پر آرزو ٹپکے گی سر اپنا

عروجِ ہستیٔ فانی پہ کیا سرگرمِ عشرت ہیں
فروغِ چند ساعت ہے یہاں مثلِ شرر اپنا

جگہ دے آمد آمد ہے نوید وصلِ جاناں کی
اٹھائے سینہ سے بستر تو اے دردِ جگر اپنا

نہیں کچھ آج ہی سے میری قسمت میں پریشانی
ازل سے حصہ سودائے گیسو میں ہے سر اپنا

لحد کی فکر بھی لازم ہے منعم قصرِ عالی میں
مآلِ کار بھی کچھ سوچ لے اے بیخبر اپنا

امانت عشق کی بعد اپنے کیا جانے ملے کس کو
نہیں معلوم جائے کس کے سر یہ دردِ سر اپنا

غرض کیا انکو ہے پابوس انکی پاؤں دھوتی ہے
لئے پھرتا ہے کیوں مہرِ فلک یہ طشتِ زر اپنا

نگاہِ شوق بردستِ ہوس کو کیوں نہ رشک آئے
کہ یہ مجبور ہیں وہ کام کرتی ہے ادھر اپنا

کہیں دیکھا نہ ہستی و عدم کا اشتراک ایسا
جہاں میں مثل رکھتی ہی نہیں انکی کمر اپنا

نہایت جلد آکر باعثِ تسکینِ خاطر ہو
سراپا منتظر سمجھے مجھے ان کی خبر اپنا

نہیں پاتی نہیں پاتی رسائی گوشِ جاناں تک
بدلتی ہے طریقہ ہو طرح میری خبر اپنا

غزل ایسی پڑھو ملو جو ہو عالی مضامیں سے
گرداب دوسرے کوچے میں ای اکبر گذر اپنا

حباب آسا اٹھایا بحرِ ہستی میں جو سر اپنا
بنایا بس وہیں موجِ فنا نے ہم سفر اپنا

بسر تیرہ دروں میں ہو کیونکر اہلِ بینش کی
اندھیرے میں نہیں کچھ کام کر سکتی نظر اپنا

پہونچ جاؤنگا سجدوں سے مقامِ قربِ باری میں
قدم کے بدلے میں اس راہ میں رکھونگا سر اپنا

خطِ موہوم کو ہے نقطۂ فرضی سے اک نسبت
تمھیں اپنے دہن سے کچھ کرو وصفِ کمر اپنا

تصور بھی کبھی مرقد کا آتا تھا نہ دنیا میں
یہ غفلت تھی کہ ہم بھولے ہوئے بیٹھے تھے گھر اپنا

رہِ توحید میں کھٹکا نہیں ہے غیر کا مجھ کو
خودی کا خوف ہے لیکن رہا کرتا ہے ڈر اپنا

نزاکت کے اثر سے شعر میں بھی بندھ نہیں سکتا
بچا جاتا ہے پہلو مجھ سے مضمونِ کمر اپنا

ہماری سرخیِ داغِ جگر سے زرد رو ہونگے
جمائیں گے وہاں کیا رنگِ الفت اہلِ زر اپنا

بردد کچھ نہیں ایذا دہندوں کو رسائی میں
تمنا بے تکلف دل میں کر لیتی ہے گھر اپنا

نسیمِ عیش ہو یا صرصرِ غم ہم نہیں ہٹتے
جما ہے پائے استقلال یہاں مثلِ شجر اپنا

جو پیشِ چشمِ معنی جلوۂ حسنِ بشر آیا
تماشا پرتوِ انوارِ خالق کا نظر آیا

رہا دم بھر فروغ اس کو کبھی جو اوج پر آیا
مرے حصے میں شاید اخترِ بختِ شرر آیا

تصور جلوۂ توحید کا ہے مثلِ آئینہ
کیا شوقِ تماشا جب کبھی میں خود نظر آیا

تصور انکے عارض کا بس رنگین و نازک تھا
پری بنکر ہمارے شیشۂ دل میں اتر آیا

ملا ہے ہم کو یہ مضمونِ روشن چشمِ مینا سے
کہ چھوڑی جس نے خود بینی اسے سب کچھ نظر آیا

گیا تھا ہو کے رخصت صورتِ تسکینِ دل مجھ سے
برنگِ ہوش واں سے پھر کے اپنا نامہ بر آیا

حسینوں کو ترے تکتے ہوئے اے بت میں کیا دیکھوں
مجھے تو حسن تیرا خود تماشائی نظر آیا

ہوا ہے باعثِ ایجادِ عالم حسن یہ کس کا
یہ کس کے دیکھنے کو مجمعِ اہلِ نظر آیا

جگہ بھی بیٹھنے کی اب مجھے ملتی نہیں صاحب
وہی اچھا رہا اس بزم میں جو پیشتر آیا

سوا افسانۂ دل کے کہا بھی کچھ نہیں میں نے
یہ غصہ آپ کو فرمایئے کس بات پر آیا

ہوئے سرسبز لاکھوں نخل اس گلزارِ ہستی میں
نہ لیکن رنگ پر اپنی تمنا کا شجر آیا

نہ حاصل ہوا صبر و آرام دل کا
نہ نکلا کبھی تم سے کچھ کام دل کا

محبت کا نشہ ہے کیوں نہ ہر دم
بھرا ہے مئے عشق سے جام دل کا

پھنسایا تو آنکھوں نے دامِ بلا میں
مگر عشق میں ہو گیا نام دل کا

ہوا خوب رسوا یہ عشقِ بتاں میں
خدا ہی ہے اب میرے بدنام دل کا

یہ بانکی ادائیں یہ ترچھی نگاہیں
یہی لے گئیں صبر و آرام دل کا

دھواں پہلے اٹھتا تھا آغاز تھا وہ
ہوا خاک اب یہ ہے انجام دل کا

جب آغازِ الفت ہی میں جل رہا ہے
تو کیا خاک بتلاؤں انجام دل کا

خدا کے لئے پھیر دو مجھ کو صاحب
جو سرکار میں کچھ نہ ہو کام دل کا

پسِ مرگ ان پر کھلا حالِ الفت
گئی لے کے روح اپنی پیغام دل کا

تڑپتا ہوا یوں نہیں پایا ہمیشہ
کہوں کیا میں آغاز و انجام دل کا

دل اس بیوفا کو جو دیتے ہو اکبر
تو کچھ سوچ لو پہلے انجام دل کا

فروغِ کم بضاعت رونقِ عالم نہیں ہوتا
مہِ نو بدر ہو کر نیرِ اعظم نہیں ہوتا

بتوں کے قول سے شادِ دلِ پُرغم نہیں ہوتا
دل ان کا سنگ ہے پر عہد مستحکم نہیں ہوتا

خدا محفوظ رکھے الفتِ مژگانِ خوباں سے
یہ ذوقِ نشترِ دل مرتے مرتے کم نہیں ہوتا

مقامِ بیخودی میں آرزو کیا عرضِ مطلب کیا
وہاں یہ دل نہیں ہوتا ہی یہ عالم نہیں ہوتا

صفائے سینہ تک دستِ تصور کس طرح پہنچے
وہ سینہ آشنائے دستِ نامحرم نہیں ہوتا

تمہارے وعظ میں تاثیر تو ہے حضرتِ واعظ
اثر لیکن نگاہِ ناز کا بھی کم نہیں ہوتا

تمنائے وصالِ یار میں ہر وقت روتا ہوں
فراقِ آستین و دیدۂ پُرغم نہیں ہوتا

شکستہ سوختہ مجروح اسیرِ یہ تمنا میں
دلِ عاشق سا دنیا میں کوئی ذی غم نہیں ہوتا

اگر دل واقفِ نیرنگیِ طبعِ صنم ہوتا
زمانہ کی دورنگی کا اسے ہرگز نہ غم ہوتا

یہ پابندِ مصیبت دل کی ہاتھوں ہم تو سہتے ہیں
نہیں تو چین سے کٹتی نہ دل ہوتا نہ غم ہوتا

انھیں کی بیوفائی کا یہ ہے آٹھوں پہر صدمہ
وہی ہوتے جو قابو میں تو پھر کاہیکو غم ہوتا

لب و چشمِ صنم گر دیکھنے پاتے کہیں شاعر
کوئی شیریں سخن ہوتا کوئی جادو رقم ہوتا

بہت اچھا ہوا آئے نہ وہ میری عیادت کو
جو وہ آتے تو غیر آتے جو غیر آتے تو غم ہوتا

اگر قبریں نظر آتیں نہ دارا و سکندر کی
مجھے بھی اشتیاقِ دولت و جاہ و حشم ہوتا

لئے جاتا ہے جوشِ شوق ہم کو راہِ الفت میں
نہیں تو ضعف سے دشوار چلنا دو قدم ہوتا

نہ سہنے پائے دیواروں میں روزن شکر ہے ورنہ
تمھیں تو دل لگی ہوتی غریبوں پر ستم ہوتا

نہ پروانے سے محفل اور نہ بلبل سے چمن چھوٹا
مجھی سے جلسۂ رنگین یارانِ وطن چھوٹا

وہ ترچھی نظروں سے دیکھا کئے اور میں رہا بسمل
نہ بیتابی گئی میری نہ ان کا بانکپن چھوٹا

روشن دلِ عارف سے فزوں ہے بدن انکا
رنگیں ہے طبیعت کی طرح پیرہن انکا

محروم ہی رہ جاتی ہے آغوشِ تمنا
شرم آکے چرا لیتی ہے سارا بدن انکا

جن لوگوں نے دل میں ترے گھر اپنا کیا ہے
باہر ہے دو عالم سے مری جان وطن انکا

ہر بات میں وہ چال کیا کرتے ہیں مجھ سے
الفت نہ نبھے گی جو یہی ہے چلن انکا

عارض سے غرض ہم کو عنادل کو ہے گل سے
ہے کوچۂ معشوق ہمارا چمن انکا

ہے صاف نگاہوں سے عیاں جوشِ جوانی
آنکھوں سے سنبھلتا نہیں مستانہ پن انکا

یہ شرم کے معنی ہیں حیا کہتے ہیں اس کو
آغوشِ تصور میں نہ آیا بدن انکا

غیروں ہی پہ چلتا ہے جوابِ ناز کا خنجر
کیوں بیچ میں لایا تھا مجھے بانکپن انکا

غیروں نے کبھی پاک نظر سے نہیں دیکھا
وہ اس کو نہ سمجھیں تو یہ ہی حسنِ ظن انکا

اس زلف و رخ دلکش سے انھیں کیوں نہو نخوت
تاتار ہے انکا حلب ان کا یمن انکا

اللہ رے فریبِ نظرِ چشمِ فسوں ساز
بندہ ہے ہر اک شیخ ہر اک برہمن انکا

آیا جو نظر حسنِ خداداد کا جلوہ
بت بن گیا منھ دیکھ کے ہر برہمن انکا

مرقد میں اتارا ہمیں تیوری کو چڑھا کر
ہم مر بھی گئے پر نہ چھٹا بانکپن انکا

گذری ہوئی باتیں نہ مجھے یاد دلاؤ
اب ذکر ہی جانے دو بس ایمان میں انکا

دلچسپ ہی آفت ہے قیامت ہی غضب ہے
بات ان کی ادا اُن کی فدا انکا چلن انکا

پوشیدہ آنکھوں میں کبھی دل میں نہاں رہا
برسوں خیالِ یار مرا میہماں رہا

فریاد کس کی تھی پسِ دیوار رات بھر
کیا مجھ سے پوچھتے ہو تو کل شب کہاں رہا

بیجا مرے سفر پہ ہیں یہ بد گمانیاں
پیشِ نظر تمھیں تو رہے میں جہاں رہا

مصحفِ خسلد یوسف میں ہو جب تفسیرِ خواب
کیا زلیخا کو عزیزِ مصر دے تعبیرِ خواب

اگلی باتیں سنکے عبرت کے عوض غفلت نہ کر
غافلوں کیواسطے افسانہ ہی تدبیرِ خواب

کوچۂ جاناں سی اٹھتا ہوں تو سوجاتے ہیں پاؤں
ہے طلسمِ تازہ بیڑی کے عوض زنجیرِ خواب

خواب تھیں بیداریاں اس ہستیِ موہوم کی
گور میں خوابِ فنا سے مل گئی تعبیرِ خواب

برق کا جلوہ نظر آیا ہے مجھ کو خواب میں
قرب اُن سے ہوگا اُلٹی ہے اگر تعبیرِ خواب

وصل میں شوقِ تماشا ہجر میں اشکوں کا جوش
عاشقی میں الغرض ممکن نہیں تدبیرِ خواب

قتل کرتا ہے ترا بے ساختہ سونا مجھے
اس ادائے خواب کو کہتا ہوا میں شمشیرِ خواب

اُن میں ہیں اور بھی پڑھئے غزل اکبر کوئی
پڑ گئی ہو گر نہ پائے فکر میں زنجیرِ خواب

ہم جو سمجھے تھے نہ وہ حاصل ہوئی تعبیرِ خواب
خواب میں بھی پھر نظر آئی نہ وہ تصویرِ خواب

عالمِ ایجاد بھی اک عالمِ موہوم ہے
جتنی تعمیریں ہیں ہاں کی ہیں یہ سب تعمیرِ خواب

خواب میں دیکھا کہ وہ دامن چھڑا کر چل دیئے
حشر کیدن ہونگے یارب ہم گریباں گیرِ خواب

کون ایسا ہے جو ہر شب چین سی سوتا نہیں
اک ہمیں محروم ہیں اے فیضِ عالمگیرِ خواب

حضرتِ یوسف کو لپٹا کر زلیخا نے کہا
آپ کے ملنے سی مجھ کو مل گئی تعبیرِ خواب

خواب میں شاید کہی ہے تم نے اکبر یہ غزل
سارے مضموں ہیں خیالی ہی یہ سب تقریرِ خواب

نظر آتی نہیں جب اُنہیں اثر کی صورت
فائدہ کیا جو ہوئے اشک گہر کی صورت

خانۂ دل کو کیا عشقِ بتاں نے برباد
کیا سے کیا ہو گئی اللہ کے گھر کی صورت

حسن کیواسطے لازم ہے تلوّن شاید
دیکھئے روز بدلتی ہے قمر کی صورت

ہمنے مخلوق میں خالق کی تجلی پائی
دیکھ لی آئینہ میں آئینہ گر کی صورت

دلِ رنگین بھی عجب دل ہے مگر قہر ہے یہ
خون ہو جاتا ہے مصروفِ تمنا ہو کر

مرضِ عشق سے صحت نہیں ہوتی تو نہ ہو
کام ہی کیا ہے کروں گا جسے اچھا ہو کر

عالم اُسکے رُخِ زیبا کا بیاں ہو کس سے
حسن حیرت میں ہے خود محوِ تماشا ہو کر

بتوں کی مجھ کو یہ ترچھی نظر نہیں منظور
خرابیِ دل و جان و جگر نہیں منظور

وہ ٹالتے ہیں عبث آج کل پہ وعدۂ وصل
جواب صاف نہ دیدیں اگر نہیں منظور

یہاں کے آنے میں تکلیف ہو گی انکو کمال
اسی سے جذبۂ دل کا اثر نہیں منظور

وہ خود رقیبوں سے ملنا جو ترک کرتے ہیں
تو خیر مجھ کو بھی اب اُنسے شر نہیں منظور

مرض ہزار بلا خیز ہو پسند ہے وہ
دوا میں لاکھ شفا ہو مگر نہیں منظور

ہزار بے اثری ہو رہیگا ضبط مجھے
فغاں میں لاکھ اثر ہو مگر نہیں منظور

نہ ہو عروج نہ ہو بیفروغ ہوں تو ہیں
یہ سرکشی تو بسانِ شرر نہیں منظور

قبول سایۂ دیوارِ یار ہیں رہنا
ہما کا سایہ مگر فرق پر نہیں منظور

ہزار نوکِ سناں سینہ پر گوارا ہے
مگر یہ کاوشِ تیرِ نظر نہیں منظور

اداس ہوتے ہو کیوں بیٹھو پھر چلے جانا
تمہارا روکنا کچھ رات بھر نہیں منظور

جو گھر سے نکلا تو ظالم مرے دکھانیکو
اُدھر چلا ہے کہ جانا جدھر نہیں منظور

عدم کو جاتا ہوں احباب دیکھ لیں آکر
وہیں رہونگا اب آنا ادھر نہیں منظور

ازل میں یہ خالقِ برحق سے روح کا تھا یہ قول
بغیر عشق لباسِ بشر نہیں منظور

وہ دل پسند نہیں جسمیں جائے درد نہ ہو
ہوائے غم نہ ہو جسمیں وہ سر نہیں منظور

محل امن یہی ہے کہ سب بھلائے رہیں — کسی کے دلمیں مجھے اپنا گھر نہیں منظور

خیالِ وصلِ بتاں چھوڑ دو بس اے اکبرؔ
تڑپنا روح کا آٹھوں پہر نہیں منظور

سنہ ۱۸۸۰ء

آگیا وقتِ اجل اے شوقِ دنیا الوداع — الوداع اے حسرتِ دل اے تمنا الوداع
الوداع اے ساقیِ مے خانۂ طولِ امل — اے سرِ دیر بادۂ امیدِ فردا الوداع
اے خمِ محرابِ ایوانِ خوش آئین السلام — اے شکوہِ رفعتِ قصرِ معلےٰ الوداع
الوداع اے مسند و فرش و قبا و پیرہن — اے حریر و اطلس و کمخواب و دیبا الوداع
الوداع اے رنگِ وحشت الوداع اے فرطِ شوق — رخصت اے جوشِ جنوں اے سیرِ صحرا الوداع
الوداع اے جلوۂ نیرنگیِ حسنِ بتاں — اے خیالِ عارض و زلفِ چلیپا الوداع
الوداع اے عالمِ نیرنگیِ باغِ جہاں — اے نگاہِ دیدۂ محوِ تماشا الوداع

عازمِ ملکِ عدم ہے اکبرؔ خونیں جگر
الوداع اے عمر اے بزمِ احبا الوداع

ہوا پھر قیدیٔ زلفِ دوتا دل — بلا میں ہو گیا پھر مبتلا دل
نگاہیں چتونیں عشوے کرشمے — اُدھر اتنے اِدھر تنہا مرا دل
نہ چھوڑا آتشِ الفت نے چھپا — جگر جلنے لگا جب جل چکا دل
لگاوٹ غیر سے ہم سے رکھائی — انھیں باتوں سے تجھ سے پھر گیا دل
یہ وقتِ نزع ہے دم بھر تو ٹھہرو — نہ توڑو عاشقِ رنجور کا دل

بڑے صدمے اٹھائے تم نے اکبرؔ
بتوں کو اب نہ دو بہرِ خدا دل

عہدِ طفلی سے ہے مذہب میں گرفتاریِ دل — ساتھ ساتھ اپنے بڑھا کی ہی یہ بیماریِ دل

نئے انجام مبارک رہیں نو خیزوں کو
زلفِ اسلام میں اُلجھے ہوئے مدت گذری

میں ہوں اور آرزوئے مرگ وفاداریٔ دل
اب کہاں چھوڑتی ہے مجھ کو وفاداریٔ دل

میں تو شیدائے رسولِ عربی ہوں اکبرؔ
بخدا ہے بس انھیں کیلئے سرداریٔ دل

حاصلِ عمر سوا موت کے جب کچھ بھی نہیں
وجہ کیا تم سے کہوں اسکی طبیعت ہی تو ہے
زندگی میں تو رہا کرتے تھے کیا کیا ساماں
نہ تو خلوت ہی میسر ہے نہ کچھ لطف کی بات
نہ وہ احباب نہ وہ لوگ نہ وہ شمع نہ بزم

چار دن کیلئے یہ عیش و طرب کچھ بھی نہیں
دلکو اک جوش ہے روتا ہوں سبب کچھ بھی نہیں
قبر میں بعدِ فنا آئے تو اب کچھ بھی نہیں
کیوں بلایا ہے مجھے آپنے جب کچھ بھی نہیں
صبحدم وہ اثرِ جلسۂ شب کچھ بھی نہیں

کوئی اکبرؔ سا بھی دیوانہ نظر آیا ہے کم
پھروں روتا ہے جو پوچھو تو سبب کچھ بھی نہیں

سنبھالیں دل کو کہ ہم حالتِ جگر دیکھیں
کریں نہ لطف و کرم وہ تو کیا وفا نہ کروں
یہ کہکے روح نے دل کو کیا سپرد اُنکے
تڑپ کے جان بھی دوں کہ ہوں خجل اغیار
کبھی تو بوسۂ سیبِ ذقن عنایت ہو

تمام آگ لگی ہے کدھر کدھر دیکھیں
یہی سمجھ ہے تو اچھا ستم بھی کر دیکھیں
کہ ہم تو جاتے ہیں اب آپ اپنا گھر دیکھیں
خدا کرے کہ مجھے بھی وہ اک نظر دیکھیں
نہالِ عیش کو اک دن تو بارور دیکھیں

زہادِ خشک حسنِ بتاں سے ہیں بے نصیب
میں جنکے دیکھنے کو سمجھتا ہوں زندگی
تاثیرِ انتظار نے یہ حال کر دیا
بیخوف دل کو کرتے ہو پامال اے بتو،
ڈورے تو ڈالنے دو ذرا چشمِ شوق کو

آنکھیں خدا نے دی ہیں مگر دیکھتے نہیں
ان کا یہ حال ہے کہ ادھر دیکھتے نہیں
آنکھیں کھُلی ہوئی ہیں مگر دیکھتے نہیں
یہ شوخیاں خدا کا بھی گھر دیکھتے نہیں
دیکھیں گے کس طرح وہ ادھر دیکھتے نہیں

زخمی تری نظر سے بھی ہو ضبط بھی کرے / اتنا ہم اپنے دل کا جگر دیکھتے نہیں
میری جو پوچھتے ہو تو دیتا ہوں اپنی جان / ان کا یہ حال ہے کہ ادھر دیکھتے نہیں
ہے انقلاب حسن کے عالم میں کس قدر / دو دن بھی ایک شکل قمر دیکھتے نہیں
اکبر نہ سینک شعلۂ حسنِ بتاں پہ آنکھ / عاقل جو لوگ ہیں وہ ادھر دیکھتے نہیں

رقیبِ تیرہ باطن کو جگہ دے رکھی ہے دل میں / نہیں کچھ اور عیب اسکے سوا اس ماہ کامل میں
نہ پوچھو وسعتِ اندیشۂ عشاقِ قامت کو / یہ وہ ہیں سو قیامت گم ہیں انکے گوشۂ دل میں
بہت عاشق مگر صورت سے معنی بھی تو ہوں پیدا / بہت مجنوں مگر جلوہ تو ہو لیلیٰ کا محمل میں
زبانوں کو نہیں کھلنے کی طاقت بزم میں تیری / نگاہوں کو نہیں یارا کہ اٹھیں تیری محفل میں
بہت آساں ہے تشریح منطق کی نتیجوں کی / بہت مشکل ہے لیکن فرق کرنا حق و باطل میں

سو جان سے محوِ رخِ جاناں ہیں تو ہم ہیں / اس آئینہ خانہ میں جو حیراں ہیں تو ہم ہیں
گلگشت کریں بلبلِ چمن ان کو ہے کیا غم / آوارۂ صحرائے مغیلاں ہیں تو ہم ہیں
بھڑکی ہوئی ہے آتشِ گل اپنے ہی دم سے / سوزِ جگرِ بلبلِ نالاں ہیں تو ہم ہیں
شور اپنے ہی جلوے کا ہے یہ دیر و حرم میں / مقصودِ دلِ گبر و مسلماں ہیں تو ہم ہیں
اے برق تڑپنے میں ہمیں ہیں ترے ساتھی / اے ابر ترے ساتھ جو گریاں ہیں تو ہم ہیں
دن رات رقیبوں پہ ہے صاحب کی عنایت / بس ایک غمِ ہجر میں نالاں ہیں تو ہم ہیں

آ چکی بس مرے حصہ میں شبِ وصل اے دل / گردشِ چرخ میں ایسے مرے مقسوم نہیں
بعد مدت کے جو تقریر بھی کی تم نے تو وہ / جس کے مطلب نہیں معنی نہیں مفہوم نہیں
کمرِ یار ہے باریکی سے غائب ہر چند / مگر اتنا تو کہوں گا کہ وہ معدوم نہیں
ترچھی چتون سے خدا جانے وہ دیکھیں مجھے کب / موت کا وقت کسی شخص کو معلوم نہیں
میرا احوال جو یاروں نے کہا کچھ ان سے / ہنس کے فرمایا کہ ہوگا مجھے معلوم نہیں

دم نکلتا ہے ہمارا خبر ان کو نہیں کچھ
جان جاتی ہے ہماری انھیں معلوم نہیں

جب کہا میں نے مری حصہ میں آ کو گے کبھی
ہنس کے فرمایا کہ ایسے ترے مقسوم نہیں

خوب کرتا ہوں رقیبوں کی بُرائی اُن سے
مذہبِ عشق میں غیبت کہیں مذموم نہیں

حرم کیا دیر کیا دونوں یہ ویراں ہوتے جاتے ہیں
تمھارے معتقد گبر و مسلماں ہوتے جاتے ہیں

الگ سب سے نظر نیچی خرام آہستہ آہستہ
وہ مجھ کو دفن کر کے اب پشیماں ہوتے جاتے ہیں

سوا طفلی سے بھی ہیں بھولی باتیں اب جوانی میں
قیامت ہے کہ دن پر دن وہ ناداں ہوتے جاتے ہیں

کہاں سے لاؤں گا خونِ جگر انکے کھلانے کو
ہزاروں طرح کے غم دل کے مہماں ہوتے جاتے ہیں

خرابی خانہائے عیش کی ہے دورِ گردوں میں
جو باقی رہ گئے ہیں وہ بھی ویراں ہوتے جاتے ہیں

بیاں میں کیا کروں دل کھو کر شوقِ شہادت کو
ابھی سے آپ تو شمشیر عریاں ہوتے جاتے ہیں

غضب کی یاد ہیں عیاریاں واللہ تم کو بھی
غرض قائل تمھارے ہم تو ایماں ہوتے جاتے ہیں

ادھر ہم سے بھی باتیں آپ کرتے ہیں لگاوٹ کی
ادھر غیروں سے بھی کچھ عہد و پیماں ہوتے جاتے ہیں

غم ہے اتنا کہ دلِ زار پہ قابو بھی نہیں
ضبط یہ ہے کہ کہیں آنکھ میں آنسو بھی نہیں

کیا مرے عہد میں بدلی ہے گلستاں کی ہوا
رنگ کیسا کہ کسی پھول میں خوشبو بھی نہیں

جفائیں جھیل کر تاثیر الفت کی دکھاتے ہیں
حنا کی طرح پس پستے ہیں تب ہم رنگ لاتے ہیں

فدا سو جان سے ہوتا ہوں پروانوں کی ہمت پر
جلے جاتے ہیں لیکن شمع سے پٹے ہی جاتے ہیں

کھلایا غم پلایا خونِ دل مہماں نوازی کی
ترے احسانمند اے چرخ ہم دنیا سے جاتے ہیں

خودی و بیخودی دونوں ہیں عکسِ صورتِ جاناں
اُسی کو جلوہ گر پاتے ہیں جس عالم میں جاتے ہیں

سحر کو در پہ جاتا ہوں تو فرماتے ہیں اندر سے
ابھی سو کر اُٹھے ہیں ہاتھ منہ دھونے میں آتے ہیں

چرخ نے برہم کیا جس کو وہ صحبت خوب تھی
مٹ گئی جو قسمتِ بد سے وہ رنگت خوب تھی

صحبتِ باہم میں تو اب روز رہتا ہے فساد
ہم سے اُتنے دور کی صاحب سلامت خوب تھی

مار ڈالا رنجِ تنہائی نے غربت میں ہمیں
اب خیال آیا کہ یاروں ہی کی صحبت خوب تھی

جان دی شیریں نے اسپر اُسپہ لیلیٰ مرگئی
عشق میں فرہاد و مجنوں کی بھی قسمت خوب تھی

غم نہیں اس کا جو شہرت ہوگئی
ہوگئی اب تو محبت ہوگئی

اب کہاں اگلے سے وہ راز و نیاز
مل گئے صاحب سلامت ہوگئی

ہائے کیا دلکش ہے اسکی چشمِ مست
آنکھ ملتے ہی محبت ہوگئی

چودھواں سال انکو ہے نام خدا
عمر آفت تھی قیامت ہوگئی

ناز سے اس نے جو دیکھا شیخ کو
انکی دینداری ہی رخصت ہوگئی

خدا کا گھر بنانا ہے تو نقشہ لے کسی دل کا
یہ دیواروں کی کیا تجویز ہے زاہد یہ چھت کیسی

یہ کارِ عاشقی ہے دل جدھر لیجائے جا اکبرؔ
یہ بحثیں اس میں کیا ہیں مشورہ کیا مصلحت کیسی

تمھیں سے ہوئی مجھ کو الفت کچھ ایسی
نہ تھی ورنہ میری طبیعت کچھ ایسی

جہاں حالِ دل کہا بس نکل آئے آنسو
بگاڑی محبت نے عادت کچھ ایسی

حیا کی نگاہوں نے مارا ہے مجھ کو
نہیں چتونوں کی شرارت کچھ ایسی

گرے میری نظروں سے خوبانِ عالم
پسند آگئی تیری صورت کچھ ایسی

میں رونے لگا حالِ دل کہتے کہتے
یکایک بھر آئی طبیعت کچھ ایسی

یہ غیروں نے اب اُن کو برہم کیا ہے
نہ تھی ورنہ رنجش کی صورت کچھ ایسی

بسر کیوں نہ ہو عشقِ خوباں میں اکبرؔ
خدا ہی نے دی ہے طبیعت کچھ ایسی

سنہ ۱۸۷۰ء

حسینوں کے گلے سے لگتی ہے زنجیر سونے کی
نظر آتی ہے کیا چمکی ہوئی تقدیر سونے کی

نہ دل آتا ہے قابو میں نہ نیند آتی ہے آنکھوں میں
شبِ فرقت میں کیونکر بن پڑے تدبیر سونے کی

یہاں بیداریوں سے خونِ دل آنکھوں میں آتا ہے
گلابی کرتی ہے آنکھوں کو واں تاثیر سونے کی

بہت بےچین ہوں نیند آرہی ہے رات جاتی ہے
خدا کیواسطے جلد اب کرو تدبیر سونے کی

یہ زردہ چیز ہے جو ہر جگہ ہے باعثِ شوکت
سُنی ہے عالمِ بالا میں بھی تعمیر سونے کی

ضرورت کیا ہے رکنے کی مرے دل ہی نکلتا رہ
ہوس مجھکو نہیں اے نالۂ شبگیر سونے کی

چھپر کھٹ یاں جو سونیکی بنائی اس سے کیا حاصل
کرو اے غافلو کچھ قبر میں تدبیر سونے کی

نظرِ لطف و کرم یار کی اب وہ نہ رہی
پہلے اک بات جو تھی پیار کی اب وہ نہ رہی

ناامیدی ہی ہوئی دیکھ کے غیروں کا ہجوم
آرزو تیرے طلب گار کی اب وہ نہ رہی

وہ لگاوٹ تھی فقط دل کے لبھانے کیلئے
مہربانی بتِ عیار کی اب وہ نہ رہی

یہ دردِ دل بھی نہ تھا سوزشِ جگر بھی نہ تھی
ان آفتوں کی تو الفت میں کچھ خبر بھی نہ تھی

زمانہ سازی ہے اب یہ کہ منتظر تھا میں
ہمارے آنے کی تم کو تو کچھ خبر بھی نہ تھی

فلک نے کیوں شبِ فرقت مجھے ہلاک کیا
جمالِ یار نہیں تھا تو کیا سحر بھی نہ تھی

تمھارے دل کی نزاکت پہ اس کو رحم آیا
نہیں تو آہ مری ایسی بے اثر بھی نہ تھی

سمجھ میں کچھ نہیں آتا طلسمِ حسنِ بتاں
دہن کو سمجھے تھے معدوم واں کمر بھی نہ تھی

جو آپ ہوتے ہیں منکر تو خیر میں جھوٹا
مرا جگر بھی نہ تھا آپ کی نظر بھی نہ تھی

گذر یہ ہوگیا کیونکر دلِ پریشاں کا
جگہ تو کوچۂ گیسو میں بال بھر بھی نہ تھی

لپٹ گئے وہ گلے سے مرے تو حیرت کیا
وہ سنگدل بھی نہ تھے آہ بے اثر بھی نہ تھی

نگاہِ قہر سے دیکھا یہی غنیمت ہے
مجھے تو آپ سے امید اسقدر بھی نہ تھی

شہید جلوۂ مستانہ ہوگیا شبِ وصل
خوشی نصیب میں عاشق کی رات بھر بھی نہ تھی

تیری نظروں سی ہماری جب نظر ملتی نہ تھی
ہم کو ایسی لذتِ دردِ جگر ملتی نہ تھی

ہر گلی کوچہ میں چرچا میری بیماری کا تھا
کیا کسی سے آپ کو میری خبر ملتی نہ تھی

وہ بھی کیا دن تھے تری شرم و حیا کی دوری
آئینہ میں چشمِ جوہر سے نظر ملتی نہ تھی

یہی اپنی آہ کئے جاؤں واں اثر نہ سہی
مجھے تو بیخبری ہے انھیں خبر نہ سہی

یہ بے حجاب سرِ شام بام پر آنا
حیا بھی تو کوئی شے ہے کسی کا ڈر نہ سہی

اثر وہی ہے محبت کا گو ہے ضبط مجھے
جگر میں درد تو رہتا ہے چشم تر نہ سہی

نکال لینے دے اے چرخ حوصلے دل کے
شباب تک تو رہے عیش عمر بھر نہ سہی

خدا کیواسطے تشریف لائیں آج ضرور
رہیں وہ دو ہی گھڑی پاس رات بھر نہ سہی

حسین جتنے ہیں خواہاں ہیں سب ترے اے دل
بس ایک ان کی توجہ نہیں اگر نہ سہی

یہ سوچ کیا ہے تجھے رنج کا ہے کون محل
تمام شہر پڑا ہے اک اُن کا گھر نہ سہی

سنہ ۱۸۷۱ء

نہ خود رہے نہ حکومت رہی سلیماں کی
کہانی ہوگئی وہ سلطنت پرستاں کی

اسی کے سایہ میں ہوتی ہے میرے دل کی بسر
خدا دراز کرے عمر زلف پیچاں کی

خزاں میں بلبل و گل کا نشان تک نہ رہا
ہوا بدل گئی دو روز میں گلستاں کی

جماتی ہے لبِ نازک پہ ان کے رنگ اپنا
یہ شوخیاں تو ذرا دیکھو سرخیِ پاں کی

نگاہِ ناز بتاں سے خدا بچائے رہے
یہ وہ نظر ہے کہ رہزن ہے دین و ایماں کی

میں اپنی استادی کو کبھی نہ چھوڑونگا
حضور وضع کو سیدھی بنائیں یا بانکی

طریقِ عشق میں ہے بیخودی کو منصب خضر
کہ رہنمائی یہ کرتی ہے کوئے جاناں کی

فریب میں بتِ کافر کے آگیا ہوں میں
نظر نہیں ہے خرابی پہ دین و ایماں کی

عجب ہے مجھ کو وہ کیوں شرم سے نہیں جھکتیں
جو گردنیں متحمل ہیں بارِ احساں کی

غذائے خونِ جگر عاشقوں کو کافی ہے
ہوس نہیں مجھے اے چرخ خوانِ الواں کی

ہمیں نہیں ہیں ہوا خواہ اس چمن میں ترے
صبا بھی اک متوسل ہے تیرے داماں کی

نہیں ہے سیب کی خواہش پئے علاج دماغ
یہ آرزو ہے کہ بو سونگھئے زنخداں کی

ق
عجیب رنگ نظر آیا کوئے قاتل میں
کسی کو دل کی ہے پروا نہ قدر ہے جاں کی

کوئی ہے سینہ سپر تیغ ناز کے آگے
کسی کی روح نشانہ ہے تیرِ مژگاں کی

نہیں ہے ظلمتِ اعمال کا کچھ اندیشہ / کہ روشنی ہے مرے دل میں نورِ ایماں کی
وہ پونچھیں آنسو مرے آکے اپنے دامن سے / یہ قسمت ایسی کہاں میری چشمِ گریاں کی
وہ چشم ہوں کہ جو ہے محوِ جلوۂ توحید / وہ دل ہوں جسمیں تجلی ہے نورِ عرفاں کی
وہ حال ہوں کہ بیاں جسکا دل کھاتا ہے / وہ شکل ہوں کہ نشانی ہے دردِ پنہاں کی
وہ ذرہ ہوں کہ بیاباں ہے گرد جس کے حضور / وہ قطرہ ہوں کہ حقیقت نہ سمجھے طوفاں کی
وہ درد ہوں جو پیامِ اجل ہے دل کیلئے / طپش وہ ہوں کہ جو بجلی ہے خرمنِ جاں کی

سکوت کیوں نہ ہو مہرِ لبِ سخن اکبر
زمانہ میں نہ رہی قدر اب سخنداں کی

ہوگیا بدر ہلال اس کا سبب روشن ہے / روز گھستا تھا ترے در پہ جبیں تھوڑی سی
منزلِ گور میں کیا خاک ملے گا آرام / خو تڑپنے کی وہی اور زمیں تھوڑی سی
آپ گو غیر کی راحت کا مبارک ہو خیال / خیر تکلیف اٹھالیں گے ہمیں تھوڑی سی

طلسمِ کالبد میں ہے مقید روح انساں کی / نہیں اربع عناصر چار دیواری ہے زنداں کی
اسے سودائے گیسو ہوگیا جس نے مجھے دیکھا / پریشانی مری تصویر ہے زلفِ پریشاں کی
نہیں کچھ رنج اس ظلمت کدے میں بے فروغی کا / تجلی پیشِ چشم اپنے ہے شمعِ نورِ ایماں کی
صبا سے کیوں نہ رو رو کر کہوں میں حالِ دل اپنا / یہی قاصد ہوا کرتی ہے اکثر کوئے جاناں کی
وہ تھا اک وقت جب سیرِ چمن میں پھول چنتے تھے / زمانہ ایک ہے خاک اڑاتے ہیں بیاباں کی
پھر آئی فصلِ گل پھر جوشِ سودا ہوگیا مجھ کو / اڑائیں دھجیاں دستِ جنوں نے پھر گریباں کی
وہی میں ہوں کہ غیروں کو وہاں آنے نہ دیتا تھا / وہی ہیں آج کہ پہروں منتیں کرتا ہوں درباں کی

تمام حسرتیں پیری میں ہوگئیں رخصت / بس ایک رہ گئی مرنیکی آرزو باقی
جو ذبح کرتا ہے پر کھول دے مرے صیاد / کہ رہ نہ جائے تڑپنے کی آرزو باقی
ہمارے شہر پہ یارب یہ کیا پڑی آفت / نہ خوبرو رہے باقی نہ خوش گلو باقی

پروانہ جل کے خاک ہوا شمع رو چکی ، تاثیرِ حسن و عشق جو ہونی تھی ہو چکی
دنیا میں کون خانۂ دل کی کریگا قدر آبادی اُسکی ایسے خرابے میں ہو چکی
بیگانہ وار رہتی ہے اب کیوں نگاہِ یار دونوں جہاں سے بھی تو یہ مجھ کو کھو چکی
اب جانِ ناتواں بھی طبیعت کی نذر ہے ایمان و دل تو پہلے ہی الفت میں کھو چکی
تھک تھک گئی زبان دمِ شرحِ دیدِ دل یہ داستاں مگر نہ کبھی دوستو چکی

اکبر عروسِ دھر سے چشمِ وفا نہ رکھ
دلدادہ جسم کی جب نہوئی تیری ہو چکی

خفا ہو بے سبب مجھ سے کہو میری خطا کیا ہے چھوا بھی زلفِ شکیں کو تو آفت کیا بلا کیا ہے
قیامت ہے طبیعت آگئی اُس آفتِ جاں پر جسے اتنا نہیں معلوم الفت کیا وفا کیا ہے
اُنہیں بھی جوشِ الفت ہو تو لطف اٹھے محبت کا ہمیں دن رات اگر تڑپے تو پھر اسمیں مزا کیا ہے
مصیبت عینِ راحت ہے اگر ہو عاشقِ صادق کوئی پروانے سے پوچھے کہ جلنے میں مزا کیا ہے
کوئی دن کا ہوں مہماں آ چکی ہے جاں ہونٹوں پر وہی خود دیکھ لیں آکر کہ اب مجھ میں رہا کیا ہے
طبیبوں سے میں کیا پوچھوں علاجِ دردِ دل اپنا مرض جب زندگی خود ہو تو پھر اسکی دوا کیا ہے

سنبھالو دل کو اکبر ہجر میں رد کو طبیعت کو
یہ رونا یہ تڑپنا خیر ہے تم کو ہوا کیا ہے

آج آرائشِ گیسوئے دوتا ہوتی ہے پھر مری جان گرفتارِ بلا ہوتی ہے
شوقِ پابوسیِ جاناں مجھے باقی ہے ہنوز گھاس جو اُگتی ہے تربت پہ حنا ہوتی ہے
پھر کسی کام کا باقی نہیں رہتا انساں سچ تو یہ ہے کہ محبت بھی بلا ہوتی ہے
جوز میں کوچۂ قاتل میں نکلتی ہے نئی وقف وہ بہرِ مزارِ شہدا ہوتی ہے
جنے دیکھی ہو وہ چتون کوئی اس سے پوچھے جان کیونکر ہدفِ تیرِ قضا ہوتی ہے
نزع کا وقت بُرا وقت ہے خالق کی پناہ　ق　ہے وہ ساعت کہ قیامت سے سوا ہوتی ہے

روح تو ایک طرف ہوتی ہے رخصت تن سے
آرزو ایک طرف دل سے جدا ہوتی ہے

خود سمجھتا ہوں کہ رونے سے بھلا کیا حاصل
پر کروں کیا یونہیں تسکین ذرا ہوتی ہے

روندتے پھرتے ہیں وہ مجمعِ اغیار کے ساتھ
خوب توقیرِ مزارِ شہدا ہوتی ہے

مرغِ بسمل کی طرح لوٹ گیا دل میرا
نگہِ ناز کی تاثیر بھی کیا ہوتی ہے

نالہ کر لینے دیں للہ نہ چھیڑیں احباب
ضبط کرتا ہوں تو تکلیف سوا ہوتی ہے

جسم تو خاک میں ملجاتے ہوئے دیکھتے ہیں
روح کیا جانے کدھر جاتی ہے کیا ہوتی ہے

ہوں فریبِ ستمِ یار کا قائل اکبر
مرتے مرتے نہ کھلا یہ کہ جفا ہوتی ہے

اثر دکھانے پہ یہ جذبِ دل جو آتا ہے
کنوئیں سے حضرتِ یوسف کو کھینچ لاتا ہے

فلک جو روز نیا داغ اک دکھاتا ہے
ہمارے حوصلۂ دل کو آزماتا ہے

کبھی جو دعوئے منصور میں تنگ آتا ہے
خیالِ یار مجھے آئینہ دکھاتا ہے

وہ بات ہوں کہ جو لاتی ہے جوش میں دلکو
وہ حال ہوں کہ جسے سنکے وجد آتا ہے

جو بیخودی میں مجھے چھوڑ کر وہ جاتے ہیں
تو میرے حال پہ رونیکو ہوش آتا ہے

الٰہی خیر ہو اس بت کے نازِ بیجا کی
دلِ غیر کو میرے بہت ستاتا ہے

زیادہ جان سے کیونکر نہ رکھوں دلکو عزیز
یہ آئینہ تیری صورت مجھے دکھاتا ہے

وہ دو ہی ہاتھ میں سمجھے کہ آرزو نکلی
دہانِ زخم اسی پر تو مسکراتا ہے

ہمیں تو آٹھ پہر رہتی ہے تمہاری یاد
کبھی تمھیں بھی ہمارا خیال آتا ہے

نہ جانے کا تو نہیں جانتے بہانہ کچھ
ہزار حیلہ نہ آنے کا تم کو آتا ہے

وہ میکدہ ہے ہمارا کہ جس میں ستوں سے
ہزار ساغرِ جم روز ٹوٹ جاتا ہے

خدا پناہ میں رکھے کشاکشِ غم سے
اسی سے تارِ نفس جلد ٹوٹ جاتا ہے

مصائبِ شبِ فرقت اٹھا چکا ہوں میں
عذابِ گور سے واعظ کسے ڈراتا ہے

نہ پوچھئے ستم جوشِ حسرتِ دیدار
یہ جانِ زار کو آنکھوں میں کھینچ لاتا ہے

دوئی کا دخل نہیں بزمِ وصل میں منظور
وگرنہ آپ میں آنا تو مجھ کو آتا ہے

فنا کا خوف کچھ اہلِ حیات ہی کو نہیں
ہوا سے شمع کا شعلہ بھی کانپ جاتا ہے

مقامِ شکر ہے غافل مصیبتِ دنیا
اسی بہانے سے اللہ یاد آتا ہے

خدا کے واسطے یادِ خدا کر اے اکبر
بتوں کے عشق میں جاں اپنی کیوں گنواتا ہے

کیا پوچھتے ہو مجھ سے پہلو میں تیرے کیا ہے
اب تو نہیں ہے کچھ بھی دل تھا سو کھو گیا ہے

پایا عجیب عالم قاتل تری گلی میں
ہر زخم یاں ہے مرہم ہر درد یاں دوا ہے

مجھ زار و ناتواں کا رہتا ہے میل خاطر
سختیِ دل تمھاری ہم سنگِ کہربا ہے

برسوں کا چھوڑتی ہے دم بھر میں ساتھ ظالم
کہتے ہیں عمر جس کو معشوقِ بیوفا ہے

گنجینۂ محبت وحشت میں کیا ہو خالی
داغِ جنوں کا سکہ سرمایۂ وفا ہے

صرصر نے لاکھ چاہا اُٹھا نہ اُس گلی سے
اب تک غبار اپنا خاکِ رہِ وفا ہے

رنگیں تری ادا نے دل خوں کیا چمن کا
جو گل ہے داغِ دل ہے جو برگ ہے حنا ہے

ہو جسطرف طبیعت لازم ہے شوق کامل
ہر بات میں اثر ہے ہر رنگ میں مزا ہے

ایسا مٹا دیا ہے الفت میں دلکوبیں نے
رنگِ رُخِ تمنا گردِ رہِ وفا ہے

کل کی تھی بیخودی میں دم بھر کو سیر دل کی
کس لطف کی ہوا ہے کیا باغ خوش فضا ہے

کیا شرح آرزو پر وا ہو زباں اپنی
افسانۂ دو عالم آغازِ مدعا ہے

اظہارِ شوق میں ہے رسوائیِ محبت
ہے حرف آبرو پر جو حرفِ مدعا ہے

اہلِ عدم نہ پوچھو کچھ ہم سے حالِ دنیا
رہ آئے ہم بھی دو دن اک میہماں سرا ہے

کیونکر نہ شعر اکبر آئے پسند سب کو
یہ رنگ ہی نیا ہے کوچہ ہی دوسرا ہے

بس گئی ہے دل میں وہ زلف دوتا کیا کیجئے　　جان آفت میں ہوئی ہے مبتلا کیا کیجئے

نزع میں پوچھا جو اکبر سے کہ کیوں دیتا ہے جان
آہ سرد اک بھر کے وہ کہنے لگا کیا کیجئے

اضافہ حال

دم لبوں پر آ گیا ہے اب دوا کا ذکر کیا　　اک بت کافر کی الفت ہے دعا کیا کیجئے
جسکے صدمے سے بمشکل کل بچی تھی میری جاں　　پھر وہی درد آج سینے میں اٹھا کیا کیجئے

وہ اٹھے تو بہت گھر سے اپنے مرے گھر میں مگر کبھی آ نہ سکے　　وہ نسیم مراد چلی بھی تو کیا کہ جو غنچۂ دل کو کھلا نہ سکے
ترے عشق سے یار بھی آ نہ سکے ترے ظلم و ستم بھی اٹھا نہ سکے　　جو نصیب میں لکھی ہوئی تھی قضا کسی طرح سے جان بچا نہ سکے
شب وعدہ جو رہتے تھے پیش نظر تری لطف سے ہوتی تھی جبیں بسر　　یہ خبر نہیں جان کی رہی وہ کدھر کہ ہم انکا نشان بھی پا نہ سکے
کبھی جنکے خیال میں ہجر کی شب مجھے نیند نہ آتی تھی ہائے غضب　　وہ جو بعد بھی آ کے مزار پر اب مجھے خواب لحد سے جگا نہ سکے
یہی آئنہ کا سبب اثر کہ رقیب سے دیتے ہو آٹھ پہر　　مری حال پہ چشم کرم جو ہی کوئی آپ سے آنکھ ملا نہ سکے
کیا جذبۂ عشق نے ایسا اثر ہی غیرت حسن پہ ان کی نظر　　یہی وہ صدا کو سنائی مجھے مگر اپنا جمال دکھا نہ سکے
رہا شہرۂ عشق کا یاں مجھے ڈر انھیں اپنے پرائے کا خوف و خطر　　رہیں دل ہی میں حسرتیں دونوں طرف جو یہ جا نہ سکا تو وہ آ نہ سکے
وہی دل کی تڑپ وہی درد جگر ہوا تو یہ عشق کا کچھ نہ اثر　　تری شکل کی آنکھوں میں پھرتی رہی تری یاد بھی دل سے بھلا نہ سکے
تری بانکی ادا نے وہ ہوش ربا کہ ہوں خضر و مسیح بھی جس پہ فدا　　وہ فریب بھرے ہی نظر میں تری کہ فرشتہ بھی دل کو بچا نہ سکے

ہے خدا کی جناب میں صبح و مسا یہی اکبر خستہ جگر کی دعا
کہ ہمارے سوا بت ہوش ربا کوئی سینے سے تجھ کو لگا نہ سکے

تری زلفوں میں دل الجھا ہوا ہے　　بلا کے پیچ میں آیا ہوا ہے
نہ کیونکر بوئے خوں نامے سے آئے　　اسی جلاد کا لکھا ہوا ہے
چلے دنیا سے جسکی یاد میں ہم　　غضب ہے وہ ہمیں بھولا ہوا ہے
کہوں کیا حال اگلی عشرتوں کا　　وہ تھا اک خواب جو بھولا ہوا ہے

جفا ہو یا وفا ہم سب میں خوش ہیں
کریں کیا اب تو دل انکا ہوا ہے

ہوئی ہے عشق ہی سے حسن کی قدر
ہمیں سے آپ کا شہرا ہوا ہے

بتوں پر رہتی ہے مائل ہمیشہ
طبیعت کو خدایا کیا ہوا ہے

پریشاں رہتے ہو دن رات اکبرؔ
یہ کس کی زلف کا سودا ہوا ہے

دل کو غفلت نے کدورت میں چھپا رکھا ہے
بخل نے زر کو تہِ خاک دبا رکھا ہے

شور کیوں گبر و مسلماں نے مچا رکھا ہے
دیر میں کچھ بھی نہیں کعبہ میں کیا رکھا ہے

بے زری میں کوئی معشوق تو پہلو میں کہاں
داغِ افلاس کو سینے سے لگا رکھا ہے

آپ کو پردہ نشینی ہی جو آئی ہے پسند
مجھ کو کیوں مفت میں دیوانہ بنا رکھا ہے

جوششِ فصلِ بہاری ہے کہ ہنگامۂ حشر
بلبلوں نے تو غضب شور مچا رکھا ہے

دیکھئے صبح تلک بدلے وہ کیا کیا پہلو
منتوں سے اُسے یاں آج سُلا رکھا ہے

آپ کے شہرۂ رحمت نے تو ڈھایا ہے غضب
ایک عالم کو گنہگار بنا رکھا ہے

آرزو مرگ کی اکبرؔ نہ کر اللہ سے ڈر
تجھ سے عاصی کے لئے قبر میں کیا رکھا ہے

کسی کی قسمت میں زہرِ غم ہے کسی کو حاصل مئے طرب ہے
وہی بگاڑے وہی بنائے اُسی کی قدرت کا کھیل سب ہے

نظر جو آئے وہ آفتِ جاں تو دل کو کیوں کر بچائے انساں
ادا ہے بانکی نگاہ ترچھی ستم ہے عشوہ حیا غضب ہے

جلا چکی آتشِ محبت تمام میرے دل و جگر کو
تمھیں نہیں ہے یقین اب تک یہی تو ہمدم یہاں غضب ہے

گذر گیا ہے جو عہدِ عشرت نہ کھو تو ناداں پھر اسکی حسرت
قیام اسی کا سمجھ غنیمت جو وقت پیشِ نگاہ اب ہے

یہ انکی جتنی لگاوٹیں ہیں یہ ظاہری سب بناوٹیں ہیں
یہ جی لبھانے کی اک ادا ہے یہ دل کے لینے کا ایک ڈھب ہے

دلاتے ہیں نزع میں جو ہم کو خدا کی یاد آ کے یار ہمدم
بھلا میں بھولوں گا اسکو کیونکر وہ میرا مالک ہے میرا رب ہے

یہاں بھی آرام پائیگا کہاں اب اسوقت جائیگا
اندھیرا چھایا ہے اضطراری ہے منہ پہ دم ہے یہ وقت شب ہے

دعا ہے اکبر یہ اپنی ہر دم لحد میں نکلے زباں سے پیہم
محمد اپنا رسول برحق خدائے برتر ہمارا رب ہے

سنتا ہوں کہ تاثیر محبت میں بھی کچھ ہے
کیونکر نہ کہوں انکی طبیعت میں بھی کچھ ہے

تسخیر بتاں ہوتی ہے گو نقش درم سے
تاثیر مگر دل کی محبت میں بھی کچھ ہے

بیچین ہوئے سن کے مرے شوق کا قصہ
صد شکر مزا ان کی طبیعت میں بھی کچھ ہے

جب کہتا ہوں اُنسے کہ مرے دل میں ہے حسرت
کس ناز سے کہتے ہیں کہ حسرت میں بھی کچھ ہے

واعظ میں غضب ہی کا سزاوار نہیں ہوں
حصہ مرا گنجینۂ رحمت میں بھی کچھ ہے

رندوں میں تو ہے لطف مئے و ساقی و مطرب
واعظ یہ بتا تو تری صحبت میں بھی کچھ ہے

وہ کوچۂ جاناں کے مزے ایک نہ پائے
ہم پہلے سمجھتے تھے کہ جنت میں بھی کچھ ہے

بگڑے ہوئے تیور ہی سے ثابت نہیں رنجش
ان روزوں تو فرق انکی طبیعت میں بھی کچھ ہے

فرماتے ہیں وہ سنکے مرے رونے کا احوال
یہ بات تو داخل تری عادت میں بھی کچھ ہے

گو راز محبت کا چھپانا ہے بہت خوب
لیکن بخدا لطف تو شہرت میں بھی کچھ ہے

افسانۂ حسرت مرا سن کے وہ بولے
ہے سب یہ زبانی کہ طبیعت میں بھی کچھ ہے

خوش وصل سے کوئی کوئی نظارہ سے دلشاد
اے گردشِ گردوں مری قسمت میں بھی کچھ ہے

بالائے زمیں پاس سکندر کے تھا سب کچھ
اب جا کے ذرا دیکھئے تربت میں بھی کچھ ہے

تم آتے نہ دو یاد بھی کیا کرنے نہ دوگے
دخل آپ کو بندے کی طبیعت میں بھی کچھ ہے

قید احساں سے تری اے فلک آزاد رہے
بے کسی کا ہو بھلا بے وطنی شاد رہے

مئے گلگوں سے چھکے مست ہوئے شاد رہے
ساقیا خانۂ احسان ترا آباد رہے

اجل آتی ہے غم ہجر میں اللہ رے نصیب
ملک الموت کو کس طرح یہ ہم یاد رہے

ہے یہ حسرت تری حسرت کے سوا سب ہو فنا
دونوں عالم نہ رہیں شہر دل آباد رہے

حشر برپا جو ہوا بھول گیا ایک کو ایک
ایسی آفت میں بھلا کون کسے یاد رہے

گوشۂ خاطر عالی میں جو پائیے نہ جگہ
نزع میں نام لیا قبر میں مذکور آیا

کئے پھر جا کے کہاں عاشق ناشاد رہے
کون سی جا تھی جہاں وہ نہ مجھے یاد رہے

زخمی کیا سینے کو نظر ہے کہ غضب ہے
وہ کہتے ہیں سے پینے کو تو پی نہیں سکتا
گذری ہے شبِ وصل کہ آئی ہے مری موت

خون ہو کے بھی قائم ہے جگر ہے کہ غضب ہے
اے شیخ یہ اللہ کا ڈر ہے کہ غضب ہے
وہ ہوتے ہیں رخصت یہ سحر ہے کہ غضب ہے

لپٹا کے مجھے سینہ سے وہ آج یہ بولے
اکبرؔ تری آہوں کا اثر ہے کہ غضب ہے

دل شکستہ ہوں مگر دل میں خدا کا نور ہے
آپ کی پیاری ادا پر دل نہیں دیتا کبھی
کون ایسا ہے نہیں ہے موت کی جس کو خبر
گونج سے بالے کی زلف الجھی میں عاشق ہو گیا

یہ وہ ویرانہ ہے روشن جس میں شمعِ طور ہے
بس یہی کہئے قضا سے آدمی مجبور ہے
پھر جو غفلت ہے تو یہ دنیا کا ایک دستور ہے
یہ نہ خوف آیا کہ وہ افعی ہے یہ زنبور ہے

شعر گوئی کی وکالت میں مجھے فرصت کہاں
یہ بھی اکبرؔ خاطرِ احباب گو رکھبور سے ہے

کہوں کس سے قصۂ دردِ غم کوئی ہمنشیں ہے نہ یار ہے
تو ہزار کرتا لگاوٹیں میں کبھی نہ آتا فریب میں
یہ تو بیداوروں کو جا سنا ہم اسیرِ دام ہیں اے صبا
جسے دورِ چرخ میں ہے خوشی تو ضرور ہے اسے رنج بھی
وہ نظر جو مجھ سے ملا گئی تو یہ اور آفتیں ڈھا گئے
مجھے رحم آتا ہے دیکھ کر ترا حال اکبرؔ نوحہ گر

جو انیس ہے تری یاد ہے جو شفیق ہے دلِ زار ہے
مجھے پہلے اسکی خبر نہ تھی ترا دو ہی دن کا یہ پیار ہے
ہمیں کیا چمن ہے جو رنگ ہے کہیں گل ہو فصلِ بہار ہے
شبِ ہجر میں ہے جو درد سرے وصل کا یہ خمار ہے
کہ حواس ہوش و خرد ہے اب نہ شکیب و صبر و قرار ہے
تجھے وہ بھی چاہے خدا کرے کہ تو جسکا عاشق زار ہے

۳۵ سال بعد

مری چشم کیوں نہ ہو خونفشاں نہ رہی وہ بزم نہ وہ سماں
نہ وہ طرزِ گردشِ چرخ ہے نہ وہ رنگِ لیل و نہار ہے

جہاں کل تھا غلغلۂ طرب وہاں ہائے آج ہی یہ غضب
کہیں اک مکاں ہے گرا ہوا کہیں اک شکستہ مزار ہے

غم و یاس و حسرت و بیکسی کی ہوا کچھ ایسی ہے چل رہی
نہ دلوں میں اب وہ امنگ ہے نہ طبیعتوں میں ابھار ہے

ہوئے مجھ پہ جو ستم فلک کہوں کس سے اسکو کہاں تلک
نہ مصیبتوں کی ہے کوئی حد نہ مرے غموں کا شمار ہے

مرا سینہ داغوں سے ہے بھرا مرے دل کو دیکھئے تو ذرا
یہ شہید عشق کی ہے لحد پڑا جس پہ پھولوں کا ہار ہے

میں سمجھ گیا وہ ہیں بیوفا مگر انکی راہ میں ہیں فدا
مجھے خاک میں وہ ملا چکے مگر اب بھی دلمیں غبار ہے

اب تو ہیں نامِ خدا آپ کے انداز نئے
نئے غمزے ہیں نئے عشوے ہیں اور ناز نئے

ان سے ملنے کا نکل آتا ہے ہر شب اک طور
روز ہو جاتے ہیں سامانِ خدا ساز نئے

کل جو باتیں تھیں وہی ہوں یہ تکلف کیسا
آج کیا ہو گئے ہم اے بتِ طناز نئے

یہ آج وجہ توقف ہے کیا اجل کے لئے
طبیب لکھتے ہیں نسخہ مرا جو کل کے لئے

یہ اضطراب یہ بے چینیاں یہ بیتابی
مجھے ہمیشہ ہے بجلی کو ایک پل کے لئے

ہوا مقام فنا میں ہیں اپنا خود عاشق
سمجھ گیا یہی موقع تھا اس محل کے لئے

جو دل میں درد محبت اٹھا تو ہم نے بھی
مزے تڑپنے کے پہلو بدل بدل کے لئے

نہیں ہے منزلِ ہستی میں فکر زادِ سفر
کہ آج کے لئے ہے صبر امید کل کے لئے

خیالِ صورتِ جاناں کا شغل دلکو رہے
عجیب حسن ہے یہ چہرہ عمل کے لئے

ہوا ہوں خلق میں جینے کو جو ملے وعدو غیر
زبان انکے دہن میں ہے آجکل کے لئے

میں گھر میں غیر کے کیا اُن سے حالِ دل کہتا
زبان ہی نہ کھلی عرضِ بے محل کے لئے

میں کروں لاکھ ارادہ تو وہ کس کام کا ہے
بس بھروسا مرے اللہ ترے نام کا ہے

طالبِ وصل ہو یہ تو عجب کیا اس کا
حوصلہ ہی تو مری جان دلِ ناکام کا ہے

بار اب پہلو میں رکھنا دلِ ناکام کا ہے
خبر اپنی نہ ہو جس کو وہ کسی کام کا ہے

خط عبث لکھتے ہیں آنا ہو تو آئیں وہ جلد
نزع میں ہوں یہ محل نامہ و پیغام کا ہے

شوق سے آنکھیں دکھاؤ مجھے کچھ رنج نہیں
شعبدہ یہ بھی تو اک گردشِ ایام کا ہے

دل کیا نذر جو میں نے تو وہ ہنس کر بولے
دل مرا ہاتھ میں لیکر وہ یہ فرماتے ہیں

آپ رکھ چھوڑیے اس کو مرے کس کام کا ہے
اس کو پامال کروں اور یہ کس کام کا ہے

لگاوٹ کی ادا سے انکا کہنا پان حاضر ہے
کہو جو چاہو سن لینگے مگر مطلق نہ سمجھیں گے
نگاہیں ڈھونڈھتی ہیں جن کو انکا دو نشاں لیدو

قیامت ہے ستم ہے دل فدا ہے جان حاضر ہے
طبیعت تو خدا جانے کہاں ہے جان حاضر ہے
اسے میں کیا کرونگا یہ جو سب سامان حاضر ہے

بٹھا کر غیر کی محفل میں مجھ کو اس نے فرمایا
سنو اکبر کی غزلیں دیکھو یہ مستان حاضر ہے

اک بوسہ دیجئے مرا ایمان لیجئے
دل لیکے کہتے ہیں تری خاطر سے لیلیا
غیروں کو اپنے ہاتھ سے ہنس کر کھلا دیا
مرنا قبول ہے مگر الفت نہیں قبول
حاضر ہوا کرونگا میں اکثر حضور میں

گو بت ہیں آپ بہرِ خدا مان لیجئے
اُلٹا مجھی پہ رکھتے ہیں احسان لیجئے
مجھ سے کبیدہ ہو کے کہا پان لیجئے
دل تو نہ دونگا آپ کو میں جان لیجئے
آج اچھی طرح سے مجھے پہچان لیجئے

اپنی ہستی جو حجاب رخِ جاناں نہ رہے
صورتِ یار جو سو پردوں میں پنہاں نہ رہے
سامنا جلوۂ معشوق کا اللہ اللہ
مانگتا ہوں جو دعا صبح کی کہتی ہے اجل
آپ ہی نے تو کیا ہے مجھے دیوانۂ عشق
میں تو عشقِ بتِ ظالم سے نہ باز آؤں گا
آئینے کو ہے یہ حیرت کہ سکندر ہوئے خاک
چشمِ نرگس سے کوئی حال چمن کا پوچھے
صبح تک ہجر صنم میں یہ دعا تھی اپنی

واں رہیں ہم کہ جہاں پھر کوئی ارماں نہ رہے
بحث پھر تم میں نہ اے گبر و مسلماں نہ رہے
ہے یہی وقت کہ بس آپ میں انساں نہ رہے
یہ بھی ممکن ہے رہو تم شبِ ہجراں نہ رہے
آپ ہی کہتے ہیں اب آپ تو انساں نہ رہے
عقل چھٹ جائے جگر ٹکڑے ہو ایماں نہ رہے
ہوش پریوں کے اڑے ہیں کہ سلیماں نہ رہے
دیکھتے دیکھتے کیا کیا گلِ خنداں نہ رہے
میں رہوں یا نہ رہوں یہ شبِ ہجراں نہ رہے

ان کا یہ ناز کہ آجائیں گے جلدی کیا ہے
اپنا یہ حال کہ دم بھر کے بھی مہماں نہ رہے

منہ نہ موڑو ستم و جورِ بتاں سے اکبر
بندگی کیسی اگر تابعِ فرماں نہ رہے

قابلیت تو بہت بڑھ گئی ماشاء اللہ
مگر افسوس یہی ہے کہ مسلماں نہ رہے

مصیبت عشق کی تنہا مجھی پر کیا گذرتی ہے
تمہارے حسن عالمگیر پر اک خلق مرتی ہے

خبر ملتی نہیں کچھ مجھ کو یارانِ گذشتہ کی
خدا جانے کہاں ہیں کس طرح ہیں کیا گذرتی ہے

مری آنکھوں میں تو اسکا گذر بھی ہو نہیں سکتا
یہ آنکھیں آپکی ہیں نیند جنمیں چین کرتی ہے

محبت کا اثر ہے عاشق و معشوق پر یکساں
جو مجنوں سر پٹکتا ہے تو لیلیٰ آہ کرتی ہے

اثر کچھ ہو چلا ہے سوزشِ الفت کا سینے میں
الٰہی خیر ہو دل کانپتا ہے روح ڈرتی ہے

پریشاں رکھتی ہے دن رات اکبر بیوفاؤں پر
طبیعت آدمی کو کس قدر بیچین کرتی ہے

کیا قہر ہے اجل مرے سر پر کھڑی رہے
غیروں کی تم کو فکر عیادت پڑی رہے

اے شورِ حشر شہرِ خموشاں کی لے خبر
اب کب تلک اُجاڑ یہ بستی پڑی رہے

جدت ہو فکر میں تو توارد کبھی نہ ہو
مضمون کیوں لڑیں جو طبیعت لڑی رہے

ہے عشق میں ہر لحظہ ترقی مرے دل کی
ہر داغ بڑھاتا ہے تجلی مرے دل کی

کیا اور ہے ممکن جو تسلی مرے دل کی
جب آپ ہی نے کچھ نہ خبر لی مرے دل کی

رونا ہے جو فرقت میں یہی دیدۂ تر کا
طوفان میں آجائیگی کشتی مرے دل کی

مہماں ہے جس انداز سے سینے میں تری یاد
آباد ہے اُجڑی ہوئی بستی مرے دل کی

آخر کو یہ جلنے ہی لگا شعلۂ غم سے
فکر آپ کو ہوتی نہیں اب بھی مرے دل کی

یا اسکی خبر بھی نہیں لیتے کبھی اب تم
یا فکر تمھیں رہتی تھی کتنی مرے دل کی

نظروں سے تری گر کے ہوا عشق دوبالا
ہوتی ہے تنزل میں ترقی مرے دل کی

دکھلا کے جھلک اور بھی تڑپا گئے اس کو
کی واہ دوا آپ نے اچھی مرے دل کی

جب قولِ وفا ہار چکا میں تو پھر اب کیا
جیتے ہوئے میں آپ تو بازی مری دل کی

باطن سے ہوں نظارگیِ جلوۂ جاناں
آئینہ بمعنی ہے صفائی مرے دل کی

رنگینی ہیں نرمی ہیں صفائی میں ضیا ہیں
ہے ایک سی خلقت ترے رُخ کی مرے دل کی

نابود ہوئے جل کے خیالاتِ دو عالم
اللہ رے ترے عشق میں گرمی مرے دل کی

سو جان سے کیونکر نہ ہوں قربانِ تمنا
کرتی ہے بڑی قدر شناسی مرے دل کی

مطلب ہے مزا ان کو مرے جوشِ جنوں کا
سرخوش انھیں کر دیتی ہے مستی مرے دل کی

یا ہجر تھا یا وصل میں اب ہو گئے بے خود
وہ خوبیِ قسمت تھی یہ خوبی مرے دل کی

وہ ترچھی نگاہوں سے مجھے دیکھ رہے ہیں
اس وقت میں ہو خیر الٰہی مرے دل کی

تسکیں کے لئے رہتے تھے سینے پہ جو ہر دم
اب ہے اُنھیں ہاتھوں سے خرابی مرے دل کی

کیوں مکتبِ غم میں سبقِ عشق نہ پڑھتا
تقدیر میں لکھی تھی خرابی مرے دل کی

کیا پوچھتے ہو عشق نے ڈھائی ہے مصیبت
اب روح بھی دیتی ہے دہائی مرے دل کی

کہنا تو بہت کچھ ہے مگر کیا کہوں اکبر
افسوس کہ سنتا نہیں کوئی مرے دل کی

بے چین ہے دل سینے میں مارا رہ کے تری یاد آتی ہے
وہ چشمِ سیہ جادو کی بھری آنکھوں میں ہی پھر جاتی ہے

اے حسرتِ وصل خدا کے لئے بے چین نہ کر اتنا مجھ کو
کیوں زخم نئے ہر دم میں کیوں روح کو یہ تڑپاتی ہے

تم اس کی جدا ہو جانے کا اکبر نہ کرو کچھ رنج و الم
ہے جان سے پیاری کونسی شے انساں سے یہی چھٹ جاتی ہے

ہوگا کیا رنجش جو تجھ سے اے پری ہو جائیگی
جس سے دل لگ جائیگا اک دن لگی ہو جائے گی

ٹال دیتے ہیں یہی کہہ کر مرے مطلب کی بات
آج پر کیا منحصر ہے پھر کبھی ہو جائے گی

آئے گا آغوش میں میرے اگر وہ رشکِ چمن
نکہتِ گل کی طرح سے بیخودی ہو جائے گی

روح کو قالب میں آنے سے بڑا انکار تھا
یہ نہ سمجھی تھی کہ آخر دوستی ہو جائے گی

نزع میں ہوں اب بھی آجائیں وہ دم بھر کیلئے
اور تو کیا اک نگاہِ آخری ہو جائے گی

جو اس سرو قد سے جدائی ہوئی ہے
قیامت مرے سر پہ آئی ہوئی ہے

ذرا دیکھنا پھر انھیں چتونوں سے
یہ پیاری ادا دل کو بھائی ہوئی ہے

نہیں روئے رنگیں پہ زلفوں کا جلوہ
گلستاں پہ بدلی یہ چھائی ہوئی ہے

کسی کا نہیں ہے گذر اس گلی میں
یہ قسمت سے اپنی رسائی ہوئی ہے

مرا سوزِ دل آپ کیا دیکھتے ہیں
یہ آگ آپ ہی کی لگائی ہوئی ہے

نہ دیکھیں گے وہ اس طرف آنکھ اٹھا کر
کچھ اور ان کے دل میں سمائی ہوئی ہے

دکھاتے نہ تھے آپ یوں مجھ کو آنکھیں
یہ شوخی کسی کی سکھائی ہوئی ہے

مکدر کیا تھا رقیبوں نے ان کو
بڑی مشکلوں سے صفائی ہوئی ہے

جو چاہیں کریں بے وفائی وہ اکبر
طبیعت مری ان پہ آئی ہوئی ہے

دورِ اوّل

عمر اکیس سال یعنی سنہ ۱۸۶۶ء کی تصنیف

الفت جو کیجئے تو غرض آشنا سے کیا
وعدہ جو لیجئے تو بُتِ بے وفا سے کیا

موسیٰ نے کوہِ طور پہ باتیں خدا سے کیں
رتبہ بشر کا دیکھئے ہوتا ہے کیا سے کیا

مرتا ہوں جان جاتی ہے اب ہجر میں مگر
اظہار اس کا کیجئے اُس بے وفا سے کیا

لطفِ چمن ہے بادۂ گلگوں ہے یار ہے
اب موسمِ بہار میں مانگوں خدا سے کیا

قاتل تمھیں کہیں گے جہاں میں ہیں شہید
اے یار اور ہو گا تمھاری جفا سے کیا

دارِ فنا سے بے نہ چلے کچھ تو غم نہیں
فرمائیے تو لائے تجھے ملکِ بقا سے کیا

تیرے مریضِ غم کو جو کرتی اثر نہیں
کچھ کہدیا ہے آ کے قضا نے دوا سے کیا

کیا کیا صفت لکھی تری زلفِ دراز کی
مضمون ہاتھ آئے ہیں فکرِ رسا سے کیا

لیتا ہے یاں غمِ شبِ ہجراں تو اپنی جاں
امید صبح دیتی ہے ہم کو دلاسے کیا

صد چاک کیوں نہ شانہ کرے عاشقوں کا دل
ہو گا بس اور آپ کی زلفِ دوتا سے کیا

دل میں جو ہے وہ ہو گا شبِ وصل میں ضرور
ہو گا حضور آپ کی شرم و حیا سے کیا

میں حالِ دل تمام شب اُن سے کہا کیا
ہنگامِ صبح کہنے لگے کس ادا سے کیا

بہرِ نمودِ غیر گوارا ہوا پسِ خوں
مضمون ہاتھ آیا ہے برگِ حنا سے کیا

عمر ۲۲ سال

جلوۂ رفتارِ جاناں ہے نمونہ حشر کا
حق بجانب ہی جو ہے زاہد کو دھڑکا حشر کا

بے تامل تیری قامت سے جو مضموں مل گئے
شاید اب نزدیک آ پہونچا زمانا حشر کا

جلوۂ قامت نے کچھ ایسا ہمیں گھبرا دیا
جیتے جی ہم سمجھے آ پہونچا زمانا حشر کا

میری آنکھیں نوح کے طوفاں کی کھلاتی تھیں سیر
اُن کی چتون نے تو دکھلایا تماشا حشر کا

یادِ قامت نے کیا ہے واعظوں کا معتقد
روز میں سننے کو جاتا ہوں فسانا حشر کا

لوحِ قسمت کے مطابق نامۂ عصیاں ہے جب
پھر بھلا ہونے لگا کیوں مجھ کو کھٹکا حشر کا

ہے شبِ ہجراں درازی میں لسانِ لف یار
طول میں روزِ جدائی دن ہے گویا حشر کا

یادِ قامت سے جو اسدن مل گئی فرصت ہمیں
دیکھ لیں گے دور سے ہم بھی تماشا حشر کا

بیخبر جو ایک کے احوال سے ہے دوسرا
آپ کی محفل بھی گویا ہے نمونا حشر کا

جنسِ عصیاں نفعِ خاطر خواہ پر بیچیں گے ہم
اے غمِ نقصاں ذرا ہونے تو دے میلا حشر کا

فاتحہ پڑھنے مری تربت پہ خوش قد آتے ہیں
ہر شبِ آدینہ یاں ہوتا ہے میلا حشر کا

ق
کیا قیامت نامہ پڑھ پڑھ کر سناتا ہے مجھے
خوف تو مجھ کو دلاتا ہے بھلا کیا حشر کا

واعظا میں اُس کا محوِ جلوۂ رفتار ہوں
جس کا ہر نقشِ قدم ہے اک رسالا حشر کا

ق
انتہا کا حسن بخشا ہے اُسے اللہ نے
کیوں دل و جاں سے نہ میں ہو جاؤں شیدا حشر کا

نامۂ اعمال میرا اس کی ہے زلفِ سیاہ
نور رحمتہائے حق ہے روئے زیبا حشر کا

ق
وحشتِ دل مجھ سے کہتی ہی چلو بھی ہاں سے اب
طے ابھی برسوں نہ ہوگا یہ بکھیڑا حشر کا

خواہشِ خلدِ بریں ہے آرزوئے حور میں
کون مدت تک اُٹھائے نازِ بیجا حشر کا

حشر تک اب ہاتھ آنیکے نہیں مضمونِ حشر
تم نے اے اکبر کوئی پہلو نہ چھوڑا حشر کا

سنہ ۷۴ء مقام آگرہ

ہجر میں دانتوں کے گریاں جو میں بیتاب ہوا
اشک جو آنکھ سے نکلا دُرِ نایاب ہوا

سبزۂ خط نے قرارِ دلِ بیتاب ہوا
کشتہ اس بوٹی سے آخر کو یہ سیماب ہوا

موردِ طعنۂ بیگانہ و احباب ہوا
خوب رسوا ترے ہاتھوں دلِ بیتاب ہوا

ہوگیا غرق میں یادِ رُخِ نورانی میں
ہالۂ ماہ مجھے حلقۂ گرداب ہوا

ق
تو ہے وہ برق تجلی کہ ترا نقشِ قدم
روکشِ آئینۂ مہرِ جہاں تاب ہوا

تیرے جلوے سے ہوا حسنِ ظہورِ ایجاد
نور تیرا سببِ عالمِ اسباب ہوا

گُلِ ہستی کو ترے رنگ نے زینت بخشی
چمنِ خلق ترے فیض سے شاداب ہوا

حسرت اے عقل کہ پائی ترے لشکر نے شکست
مژدہ اے عشقِ جنوں آج ظفریاب ہوا

کسی حالت میں اسیری سے رہائی نہ ہوئی
ڈوب مرنے پہ بھی مائل جو میں بیتاب ہوا

ق
موجیں دریا کی سلاسل ہوئیں پاؤں کیلئے
طوقِ گردن کے لئے حلقۂ گرداب ہوا

چشمِ معنی سے جو کی سیرِ طلسماتِ جہاں
پتا پتا مجھے اِک گلشنِ شاداب ہوا

قطرے قطرے میں ہوئی وسعتِ دریا پیدا
ذرہ ذرہ صفتِ مہرِ جہانتاب ہوا

اک زمانے کی ترے آگے جھکی ہے گردن
خمِ ابرو نہ ہوا کعبہ کی محراب ہوا

ساقیا بہرِ خدا جلد پلا مجھ کو شراب
فرقتِ شیشۂ و ساغر میں میں بیتاب ہوا

نہ رہی دخترِ رز مجھ پہ کسی طرح حرام
اب ترے عذر کا مسدود ہر اک باب ہوا

اس طرف قلقلِ مینا ہے ادھر شورِ طلب
بس سمجھ لے وہ قبول اور یہ ایجاب ہوا

درد ہوتا ہے یہ کہہ کر کے کان آپ نے بند
حال میرا نہ ہوا قطرۂ سیماب ہوا

فکرِ رنگیں سے ہوئی مدحتِ دندانِ صنم
دیکھئے لعل سے پیدا دُرِ نایاب ہوا

رہی ہر کام میں ہر وقت مسبب پہ نگاہ
اپنا منظر نہ کبھی عالمِ اسباب ہوا

یاں کی رنگینیاں ہیں عین دلیلِ غفلت
سرخیِ چشم سے پیدا اثرِ خواب ہوا

گردشِ بخت سے آنسو ہی نکلتے ہیں مدام
اس میں بھی کیا اثرِ گردشِ دولاب ہوا

ضیقِ فرصت میں غزل ہو نہ سکی اے اکبرؔ
میں تو شرمندۂ فرمائشِ احباب ہوا

ابھی سے خون رلاتی ہے مجھ کو فکرِ مآل
چمن میں بعد تیرے اے بہار کیا ہوگا

انھیں پسند نہیں اور اس سے میں بیزار
عزیز سادہ ہی رہنے دو لوحِ تربت کو

الٰہی پھر یہ دلِ بیقرار کیا ہوگا
نہیں مٹے تو یہ نقش و نگار کیا ہوگا

زمانہ ہوگیا بسمل تری سیدھی نگاہوں سے
محبت ہوتی ہوا نکو مجھے کیا میں تو عاشق ہوں
پسا جاتا ہوں میں سوجان سے اسبابِ فانی پر
مری حسرت کی نظروں نے ظالم اسقدر بگڑا
نہ رکھی آسماں نے ایک دم بھی وصل کی ساعت
قفس اس ناتوانی پر تنِ بسمل بنا تم سے

خدا نا خواستہ ترچھی نظر ہوتی تو کیا ہوتا
نہ ہو نصیبے ہے اسکے کیا اگر ہوتی تو کیا ہوتا
محبت یار کو مجھ سے اگر ہوتی تو کیا ہوتا
کہیں دردِ جگر سے چشم تر ہوتی تو کیا ہوتا
گھڑی بھر چین سے اپنی بسر ہوتی تو کیا ہوتا
جو طاقت بھی کہیں ایسی بال و پر ہوتی تو کیا ہوتا

۱۸۶۶ء

کس قدر جوشِ مسرت میں ہے سر پہ سہرا
مصر خوبی کا تو نوشاہ ہے مثلِ یوسف
عارض و خال کا تیرے ہوا ہے قرب نصیب
آج ہر گل کی تمنا ہے یہی گلشن میں
ہے سبب تو نے سنبھالا نہیں ہاتھوں سے اُسے
نکہتِ گیسوئے مشکیں نے دکھایا جو اثر
روز روشن کا گماں کیوں شبِ عشرت پہ نہو
گلشنِ حسن میں اللہ رے رسائی اسکی
زینتِ حسن خدا داد جو شادی سے ہوئی
جلوۂ حسن کے نظارہ کی لاتا نہیں تاب
یہ طراوت عرقِ رُخ کی نہیں ہے اسمیں
کہدیا ہم نے یہاں دست کی فرمائش سے

خود ہے خوشبو کی طرح جامے سے باہر سہرا
سایۂ لطفِ خدا ہے ترے سر پر سہرا
کس طرح سے نہ ہو رشکِ مہ و اختر سہرا
کہ ترے فرق مبارک پہ ہوا آکر سہرا
غش ہے عارض کی صفائی پہ مقرر سہرا
ہوگیا اور بھی خوشبو سے معطر سہرا
عکسِ رخسار سے ہے مہرِ منور سہرا
ہوگیا سنبل گیسو کے برابر سہرا
بن گیا چہرۂ پر نور کا زیور سہرا
اس لئے چہرے سے ہٹ جاتا ہے اکثر سہرا
اب آئینۂ خورشید میں ہے تر سہرا
ورنہ واقف بھی نہیں کہتے ہیں کیونکر سہرا

سنہ ۱۸۷۰ء

اکہ جرأت کی کہ تنہائی میں لپٹا لیں ہمیں — دل میں عیب حسن سے خوف و خطر آہی گیا
میں بھی اب اچھی طرح غیروں سے کرتا ہوں تناد — رنج تو مجھ سے تجھے اے فتنہ گر آ ہی گیا
دھیان میں لایا سر ہو بھی نہ اس کی ناز کی — کھل کے جوڑا خود سری سے تا کمر آ ہی گیا
گو بہت کچھ رنج یارانِ وطن سے تھا ہمیں — آنکھ میں آنسو مگر وقتِ سفر آ ہی گیا
میری آہیں سنکے کان اپنے کئے تھے تم نے بند — روئے آخر کو دل میں کچھ اثر آ ہی گیا
آکے جب غش میں مجھے دیکھا تو گھبرا کر کہا — ہوش میں آ اب تو میں اے بے خبر آ ہی گیا
بعد مدت کے نظر آئی جو صورت یار کی — سو طرح دلکو سنبھالا غش مگر آ ہی گیا

حسرت کو شہرِ عشق میں بھیجا خدا نے جب — رہنے کو خانۂ دلِ مضطر بنا دیا
پہلے ہی چال آپ کی تھی فتنہ زا حضور — گھونگر و تے اور فتنۂ محشر بنا دیا
لکھی یہاں تلک صفت اس نونہال کی — خامے کو ہم نے شاخِ گلِ تر بنا دیا

نظارہ روز و شب ہی مصحفِ رخسارِ قاتل کا — یہی صورت رہی تو بس خدا حافظ مری دل کا
خزاں میں کیا اداسی چھائی ہے صحنِ گلستاں پر — نہ وہ پھولوں کی رنگینی نہ وہ نغمہ عنادل کا
یہ زینت بندشِ الفاظ کی ہے حسنِ معنی سے — نہ ہو جلوہ جو لیلیٰ کا تو پھر کیا لطف محمل کا

سنہ ۱۸۷۳ء

کیسی کیسی وہ لگاوٹ کی نظر کرتے ہیں — دھوکے کھاتا ہے ہمارا دلِ ناداں کیا کیا

خوب فرما گئے ہیں حضرتِ آتش اکبر
میرے اللہ نے مجھ پر کئے احساں کیا کیا

یہ پہلی غزل ہے جو مشاعرے میں پڑھی گئی اور پبلک نے اکبر کا نوٹس لیا اور اُس وقت اکیسواں سال تھا

تجھے وہی اس کو جو ہو دیوانہ کسی کا — اکبر یہ غزل میری ہے افسانہ کسی کا

دکھلاتے ہیں بت جلوۂ مستانہ کسی کا
یاں کعبۂ مقصود ہے بتخانہ کسی کا

گر شیخ و برہمن سنیں افسانہ کسی کا
معبد نہ رہے کعبہ و بتخانہ کسی کا

اللہ نے دی ہے جو تمھیں چاند سی صورت
روشن بھی کرو جا کے سیہ خانہ کسی کا

اس کوچہ سے ہے گبر و مسلماں کو عقیدت
کعبہ جو کسی کا ہے تو بتخانہ کسی کا

اشک آنکھوں میں آ جائیں عوض نیند کے صاحب
ایسا بھی کسی شب سنو افسانہ کسی کا

جان اپنی جو دی شمع کے شعلے سے لپٹ کر
سمجھا رُخِ روشن اُسے پروانہ کسی کا

شمعِ رُخِ روشن کا وہ جلوہ تو دکھائیں
ہے حوصلہ بھی صورتِ پروانہ کسی کا

کیا برق کی شوخی مری آنکھوں میں سمائے
ہے پیشِ نظر جلوۂ مستانہ کسی کا

الفت مجھے اُس سے بجز اُس کے غیر سے ہے عشق
میں شیفتہ اُس کا ہوں وہ دیوانہ کسی کا

عشرت نہیں آتی جو مرے دل میں نہ آئے
حسرت ہی سے آباد ہے ویرانہ کسی کا

حیراں ہوں اسے تابِ جمال آئیگی کیونکر
بیخود ہے جو دل سن ہی کے افسانہ کسی کا

پہونچی جو نگہ عالمِ مستی میں فلک پر
ہم سمجھے مہِ نو کو بھی پیمانہ کسی کا

کرنے نہیں دیتے جو بیاں حالتِ دل کو
سنئے کا لبِ گور سے افسانہ کسی کا

سامانِ تکلف نظر آئیں گے جو ہر سو
جنت میں بھی یاد آئیگا کاشانہ کسی کا

نالاں ہے اگر وہ تو یہ ہے چاک گریباں
بلبل کی طرح گل بھی ہے دیوانہ کسی کا

چشم و دلِ عاشق کا نہ کچھ پوچھئے احوال
وہ محو کسی کی ہے یہ دیوانہ کسی کا

تاثیر جو کی صحبتِ عارض نے دمِ خواب
خجلت دِہ آئینہ ہوا شانہ کسی کا

کوئی نہ ہوا روح کا ساتھی دمِ آخر
کام آیا نہ اس وقت میں یارانہ کسی کا

کچھ دور نہیں ساقیِ کوثر کے کرم سے
بھر دے مئے وحدت سے جو پیمانہ کسی کا

رکھتا ہے قدم کوچۂ گیسو میں جو بے خوف
کیا تو دلِ صد چاک ہوا شانہ کسی کا

تاثیرِ محبت سے جو ہو جاتے ہیں بےچین
رو دیتے ہیں اب سن کے وہ افسانہ کسی کا

احباب نے پوچھا جو مرا حال تو بولے
سنتے ہیں وہ ان روزوں ہے دیوانہ کسی کا

دیکھا ہے عجب رنگ کچھ اس دورِ فلک میں
کوئی نہیں اے ساقیِ میخانہ کسی کا

یاں شیشۂ دل خونِ تمنا سے ہے لبریز
واں بادۂ گلفام سے پیمانہ کسی کا

سب مست مئ شوق ہیں اُن آنکھوں سے اے دل
اس دور میں خالی نہیں پیمانہ کسی کا

بخشی ہے جبیں سائی کی در پر جو اجازت
واجب ہے مجھے سجدۂ شکرانہ کسی کا

اے حضرتِ ناصح نہ سنے گا یہ تمھاری
میرا دلِ وحشی تو ہے دیوانہ کسی کا

ق

کرتے وہ نگاہوں سے اگر بادہ فروشی
ہوتا نہ گذر جانبِ میخانہ کسی کا

حسرت ہی رہی زلفوں کے نظارہ کی مجھکو
یہ پنجۂ مژگاں نہ بنا شانہ کسی کا

کس طرح ہوا مائلِ گیسو نہیں معلوم
پابند نہ تھا یہ دلِ دیوانہ کسی کا

هم جان سے بیزار رہا کرتے ہیں اکبر
جب سے دلِ بیتاب ہے دیوانہ کسی کا

یہ دوسری غزل ہے جو اکبر نے مشاعرے میں پڑھی بہ عمر ۲۲ سال

مبارک میکشو موسم پھر آیا بادہ خواری کا
چمن میں شور ہے پھر آمدِ فصلِ بہاری کا

نہایت اجتماعِ آتش و سیماب مشکل ہے
خیالِ رخ میں کیونکر حال لکھوں بیقراری کا

ہمارا غنچۂ خاطر شگفتہ کر نہیں سکتی
فقط کلیاں کھلانا کام ہے بادِ بہاری کا

چمن میں خندہ زن گل ہے تو میخانے میں پیمانہ
یہاں ہے فیضِ ساقی واں کرم بادِ بہاری کا

مسخر کرتا ہوں پریوں کو میں جادو بیانی سے
حسینوں میں فسانہ ہے مری بے اختیاری کا

ہوئی ہے الفتِ معبود میں دیوانگی مجھ کو
مقر کیونکر نہ ایک عالم ہو میری ہوشیاری کا

ناقصاں را سود بخشد پرتوِ اہلِ کمال
ماہ نو را میکند در نور کامل آفتاب

بینمش در قطع رہ ہر روز ہر روز او کیں
صورتِ من ہست جو یائے چہ منزل آفتاب

ہر سحر لرزاں و ہر شام نجوں می بینمش
شد مگر از غمزۂ حسن تو بسمل آفتاب

حیرتم بنود بریں اوج تو اے بیلائے حسن
ناقہ ات گردوں اگر سازند و محمل آفتاب

مرکز آسا نقطۂ موہومش انکار ندو بس
گرد دار در حلقۂ بزمِ تو دا اخل آفتاب

ہست رفتارِ حسینان باعثِ صد انقلاب
میکند تغیر فصل از طے منزل آفتاب

سوزِ عشقِ روئے تو دارم بایں کم مائگی
اخترے ہستم کہ پنہاں کردہ در دل آفتاب

جوش زد چوں پرتوِ نورِ رخت ای بحر حسن
در افق گم گشت مثلِ موجِ ساحل آفتاب

پرتوِ نورت نمود اعجاز ہنگام شنا
قطرہ قطرہ گشت در دامانِ ساحل آفتاب

میکشاں منخوردہ از بحر تردد بگذرند
می رساند کشتئ رندان بہ ساحل آفتاب

دانہائے سبحہ در دست ماست و شوقِ مطلع
بر کفِ انجم دارم و پوشیدہ در دل آفتاب

بر سرش زہرہ اگر تابد اسیراں را خوش است
بگذرد زود از نواحِ چاہِ بابل آفتاب

بر سپہرِ معنی روشن چو گامے سیر کرد
ارمغاں آورد اکبر سوئے محفل آفتاب

آفریں اکبر بریں روشن بیانیہائے تو
شعر می خوانی و میتابد بہ محفل آفتاب

دلم فسردہ شد و عشق و آرزو باقی است
نماند در گلِ پژمردہ رنگ و بو باقی است

گماں مبر کہ ستم کردی و وفا نہ کنم
بیا بیا کہ ہماں شوق و آرزو باقی است

فغاں کہ آتشِ غم زیرِ خاک ہم نگذاشت
ہنوز سوزِ دل و آہ شعلہ خو باقی است

بہ بحرِ عشق فتادیم و دست و پا نہ زدیم
ہزار منتِ ہمت کہ آبرو باقی است

اجل بیامد و جانم ببرد و دل بگذاشت
فغاں کہ جانِ عزیزم شد و عدو باقی است

فدائے صورتِ زیبا رخے کہ فانی نیست
نثارِ حسنِ حسینے کہ حسنِ او باقی است

ز زشتئ عملم در لحد نمی پرسند
ہزار شکر کہ یادِ رخِ نکو باقی است

پسِ فنا بہ لحد ہم قرار نیست مرا
مگر بہ دل خلشِ خارِ آرزو باقی است

بحسنِ فانئ دنیا مبند دل اکبر
فنا شود رہِ آں کس کہ نامِ او باقی است

جاں ستاروں کے سوا کوئی نہ دیکھے روئے دوست
چال ہے تیغِ قضا کی جنبشِ ابروئے دوست

دیکھنے آئے تھے ہم حسنِ رخِ نیکوئے دوست
آپ سے جاتے رہے آکر میانِ کوئے دوست

اہلِ دل کو ذکرِ قمری سے یہ آتی ہے صدا
باغِ دل میں چاہیے سروِ قدِ دلجوئے دوست

رقص کرتی ہے نسیمِ صبح کیوں مستانہ وار
گلشنِ دل سے اُڑا لائی ہے شاید بوئے دوست

کیسے کیسے گل کھلے ہیں نقشِ پائے یار سے
غیرتِ داماں گلچیں ہو رہا ہے کوئے دوست

وہ گلِ رنگیں ہوں میں پیدا ہی جس سے رنگِ یار
رنگ وہ دل جس میں پنہاں ہو گئی ہے بوئے دوست

دشمنوں کا سر ندامت سے ہے جھکنے کے لئے
میری گردن ہی برائے خنجرِ ابروئے دوست

میں وہ آئینہ ہوں اس حیرت سرائے دہر میں
جس میں جوہر کے عوض رہتا ہے عکسِ روئے دوست

چیزے کہ بہ عشقِ او می رقصد و می سوزد
دل ہست کہ در پہلو می رقصد و می سوزد

در شمع چو می بیند نورے ز رُخِ خوبت
پروانہ بگردِ او میرقصد و می سوزد

ہر شمع بیادِ او میگرید و می کاہد
ہر شعلہ بہ شوقِ او می رقصد و می سوزد

نائل اے دل یہ مرادِ دلِ جگر ہو کیوں کر
وصلِ جاناں ہے دوا اسکی مگر ہو کیونکر

محفلِ عشرتِ اغیار میں رہتے ہیں حضور
حالِ غم دیدۂ ہجراں کی خبر ہو کیونکر

جلوۂ شاہدِ معنی کی ہیں مشتاق آنکھیں
حسنِ صورت مجھے منظورِ نظر ہو کیونکر

سیم تن ہیں اُنھیں رہتی ہے بہت خواہشِ زر
واں بھلا ہم سے غریبوں کا گذر ہو کیونکر

حاضری کا جو ملا حکم تو یہ ہو ارشاد
درِ دولت پہ جو آؤں تو خبر ہو کیونکر

غمِ ہجرِ تو چہ کردہ است بمن ہیچ مپرس
گریہ می آیدم از رنج و محن ہیچ مپرس

نالۂ من چو توانی برِ یاراں برساں
اے صبا قصۂ دوریِ وطن ہیچ مپرس

بشنو از مرگِ من و فارغ و خورم بنشیں
باش مستغنی واز گور و کفن ہیچ مپرس

دقتے ہست بہ تشریحِ کمر ہیچ مگو
مشکلے ہست ز اسرارِ دہن ہیچ مپرس

آخرِ فصلِ بہار است و دمِ رخصتِ گل
دیگر از حسرتِ مرغانِ چمن ہیچ مپرس

شوقتم آمادہ و دل مائل و قاتل بہ کمیں
اندریں وقت ز بے صبری من ہیچ مپرس

وقت آنست کہ با شامِ غریباں سازم
باش وا اے ہمسفر از صبحِ وطن ہیچ مپرس

حسرتے چند بدل دارم و ایں نکتہ بس است
ورکہ آموختہ ام طرزِ سخن ہیچ مپرس

گو از لعلِ یمانی و بہ بیں لخت دلم
اشکِ من بنگر و از دُرِ عدن ہیچ مپرس

بیکسی معتکفِ تربت او بود بہ دشت
قصۂ اکبرِ مہجور وطن ہیچ مپرس

وہ رشکِ گل نہ ہوا ہم سے ہمکنار افسوس
بہار عمر خزاں ہو گئی ہزار افسوس

بہت پسند ترا رنگ ہے مجھے لیکن
بقا نہیں تجھے اے موسمِ بہار افسوس

بتوں کی یاد میں تو یہ بھی بھولے ہم دمِ مرگ
چلے جہاں سے آخر گناہ گار افسوس

جو بیقراری نے آنے دیا نہ دل کے قریب
تو میرے حال پہ کرنے لگا قرار افسوس

کسی نے بزم میں سمجھا نہ باعثِ گریہ
تمام رات رہی شمع اشکبار افسوس

طریقِ عشق میں ہادی و رہنما اکبر
جو ایک دل بھی ملا ہے وہ بیقرار افسوس

مشاعرہ ۱۸۷۴ء یا ۱۸۷۵ء

کام آتا ہے جو وصفِ روئے دلبر میں چراغ
اوج پر رہتا ہے ہر محفل میں ہر گھر میں چراغ

یادِ خرگان دُرِ رخِ روشن ہمارے دلمیں ہے
یا کسی نے رکھ دیا پہلوئے خنجر میں چراغ

آہ کرتا ہوں تو رکھ لیتے ہیں وہ رخ پر نقاب
کہتے ہیں صاحب ٹھہرتا کب ہے صرصر میں چراغ

جب سے تحریرِ تمنائے رُخ میں کام آیا ہے یہ
ہے عوض بتی کے فکرِ تارِ مسطر میں چراغ

پھیل جائے گی جو ظلمت نامۂ اعمال کی
میرا یہ داغِ ندامت ہو گا محشر میں چراغ

لال ڈورے ہیں جو چشمِ مستِ ساقی میں عیاں
ہیں طلسمِ حسن سے روشن یہ ساغر میں چراغ

دل کے پیمانے میں داغِ ہجرِ ساقی یہ نہیں
میکشو روشن کیا ہے میں نے ساغر میں چراغ

یوں خیالِ گلرخاں میں ہے منور داغِ دل ۔۔۔ جل رہا ہو جس طرح پھولوں کی چادر میں چراغ

دیکھتے ہو تم بہت پروانہ بنجائے نہ یہ ۔۔۔ پڑ نہ جائے جادوئے چشمِ فسونگر میں چراغ

یوں ہی افشاں میں عیاں پیشانیِ روشن تیری ۔۔۔ ماہ کا جلتا ہو جیسے فوجِ اختر میں چراغ

کر رہا ہے وصفِ آئینہ کا جو وہ شعلہ رو ۔۔۔ ہے یہ گویا نشکرِ احسانِ سکندر میں چراغ

روز روشن آئینے کا زلف نے شب کر دیا ۔۔۔ عکسِ عارض نے جلایا چشمِ جوہر میں چراغ

یوں ہے دل کی خواہشوں میں داغِ حسرت کا ہجوم ۔۔۔ جس طرح سے سیکڑوں جلتے ہوں لشکر میں چراغ

بیگنہ ہر شب لیا کرتا ہے پروانوں کی جان ۔۔۔ کیا جواب اسکا خدا کو دیگا محشر میں چراغ

دل میں جتنی ہو سکے داغوں کی کثرت خوب ہے ۔۔۔ چاہیئے افراط سے اللہ کے گھر میں چراغ

بزمِ ہستی میں نہ دیکھا پرتوِ روئے صنم ۔۔۔ اس شبستاں میں نہ تھا میرے مقدر میں چراغ

غم کے شعلے یادِ عارض میں بھڑکتے رہتے ہیں
آجکل ہے دشمنِ جاں بزمِ اکبر میں چراغ

عمر ۲۲ سال

آپ سے آتے ہو کب عشاقِ مضطر کیطرف ۔۔۔ جذبِ دل یہ تم کو لایا ہے مرے گھر کی طرف

پوچھتا ہے جب کوئی اُنسے کہ ہے تمسے عشق
دیکھتے ہیں پیار سے شرما کے اکبر کیطرف

انھیں نگاہ ہے اپنے جمال ہی کی طرف ۔۔۔ نظر اُٹھا کے نہیں دیکھتے کسی کی طرف

توجہ اپنی ہو کیا فنِ شاعری کی طرف ۔۔۔ نظر ہر ایک کی جاتی ہے عیب ہی کی طرف

لکھا ہوا ہے جو رونا مرے مقدر میں ۔۔۔ خیال تک نہیں جاتا کبھی ہنسی کی طرف

تمھارا سایہ بھی جو لوگ دیکھ لیتے ہیں ۔۔۔ وہ آنکھ اُٹھا کے نہیں دیکھتے پری کی طرف

بلا میں پھنستا ہے دل مفت جان جاتی ہے ۔۔۔ خدا کسی کو نہ لیجائے اس گلی کی طرف

کبھی جو ہوتی ہے تکرار غیر سے ہم سے ۔۔۔ تو دل سے ہوتے ہو درپردہ تم اُسی کی طرف

نگاہ پڑتی ہے ان پر تمام محفل کی
وہ آنکھ اُٹھا کے نہیں دیکھتے کسی کی طرف

نگاہ اس بتِ خود بیں کی ہے مرے دل پر
نہ آئینہ کی طرف ہے نہ آرسی کی طرف

قبول کیجئے للہ تحفۂ دل کو
نظر نہ کیجئے اسکی شکستگی کی طرف

یہی نظر ہے جو اب قاتلِ زمانہ ہوئی
یہی نظر ہے کہ اٹھتی نہ تھی کسی کی طرف

ق

غریب خانہ میں للہ دو گھڑی بیٹھو
بہت دنوں میں تم آئے ہو اس گلی کی طرف

ذرا سی دیر ہی ہو جائے گی تو کیا ہو گا
گھڑی گھڑی نہ اٹھاؤ نظر گھڑی کی طرف

جو گھر میں پوچھے کوئی خوف کیا ہے کہدینا
چلے گئے تھے ٹہلتے ہوئے کسی کی طرف

ہزار جلوۂ حسنِ بتاں ہو اے اکبر
تم اپنا دھیان لگائے رہو اسی کی طرف

سنہ ۱۸۷۱ء

کوئی پہونچا نہیں اے یار تیرے قدِ رعنا تک
ہماری فکرِ عالی سر سے ہو آئی طوبیٰ تک

کبھی تشریف تو لائیں وہ مجھ محوِ تمنا تک
دلِ مشتاق کیا اُن پر فدا ہے جانِ شیدا تک

دبستانِ محبت میں ہوا حاصل نہ کچھ مجھ کو
کتابِ عمر آخر ہو گئی حرفِ تمنا تک

گلستاں میں جو بلبل رنگِ گل پر جان دیتی ہو
نہیں پہونچی نظر اسکی ترے رخسارِ زیبا تک

تری فکرِ کمر سے ہو گیا ہے اس قدر نازک
کہ مشکل سے پہونچتا ہے تصور نامِ عنقا تک

دلِ صد چاک آتا ہے نظر جو صورتِ شانہ
رسائی اسکی ہے شاید تری زلفِ چلیپا تک

گماں ہے کاروانِ جذبۂ دل کا مجھے اسپر
کنوئیں سے کھینچ لایا تھا جو یوسف کو زلیخا تک

نقاب الٹیں اگر وہ عارضِ پُر نور سے اپنے
شبِ یلدا کو سمجھے روزِ محشر چشمِ اعمیٰ تک

جو ہے طوقِ گلو گرداب تو زنجیرِ پا موجیں
تری اُلفت میں انساں کیا کہ دیوانہ ہے دریا تک

نہا کر آپ آئینہ کیا ہے اس نے پانی کو
نگاہیں بے تکلف جا رہی ہیں قعرِ دریا تک

زمیں پر شمع روشن ہے فلک پر ماہِ تاباں ہے
تمہارے نور سے ہیں فیضیاب ادنیٰ سے اعلیٰ تک

میں ہوں وہ رشکِ مجنوں جس سے وحشت کو بھی وحشت ہے
وہ ویرانہ ہے میرا جس سے گھبراتا ہے صحرا تک

کیا ہے عاشق اک پردہ نشیں کا مجھ کو قسمت نے
میں وہ بیمار ہوں جو جا نہیں سکتا مسیحا تک

وہ آئے بھی جو بالیں پر تو ایسے وقت میں آئے
کہ فرطِ ضعف سے ہم کر نہیں سکتے اشارا تک

جو اُس نے ناز سے پوچھا کہ تیری آرزو کیا ہے
خوشی سے یہ ہوئے بیخود کہ ہم بھولے تمنا تک

نہ نکلیں اشکِ حسرت نزع میں اے بیکسی کیونکر
وہ بیکس ہوں نہیں ہے کوئی مجھ پر رونے والا تک

جو وصفِ صاحبِ معراج ہے مدِّ نظر اکبر
مری فکرِ رسا جاتی ہے اب عرشِ معلیٰ تک

عمر ۱۷ سال

چشمِ عاشق سے گریں لختِ دلِ بیتاب و اشک
آپ یوں دیکھیں تماشا جانکر سیماب و اشک

اپنے دامن پر گرا کر کیوں اسے کرتے خراب
جانتے یکساں اگر ہم گوہرِ نایاب و اشک

جانبِ زنجیرِ گیسو پھر کھنچا جاتا ہے دل
دیکھئے اب میرے سر پر کیا بلا لاتا ہے دل

لوگ کیونکر چھوڑ دیتے ہیں محبت دفعتاً
میں تو جب قصد کرتا ہوں مچل جاتا ہے دل

رکھ کے تصویرِ خیالیِ یار کی پیشِ نظر
رات بھر مجھکو شبِ فرقت میں تڑپاتا ہے دل

داغہائے سینہ گل ہیں آہِ سرد اپنی نسیم
گلشنِ ہستی میں کیا اچھی ہوا کھاتا ہے دل

بارگاہِ عشق کہئے تیرے دولت خانے کو
جو کوئی آتا ہے یاں تجھ سے لگا جاتا ہے دل

خوف کے پردے میں چھپ جاتی ہے جانِ ناتواں
عاشقی کے معرکے میں کام آ جاتا ہے دل

ساتھ ساتھ اپنے جنازے کے یہ چلاتی تھی روح
ان کو مٹی میں ملانے کو لئے جاتا ہے دل

شیخ اگر کعبہ میں خوش ہے برہمن بتخانے میں
اپنے اپنے طور پر ہر شخص بہلاتا ہے دل

ق

قصد کرتا ہوں جو اُٹھنے کا تو فرماتے ہیں وہ
اور بیٹھو دو گھڑی صاحب گھبراتا ہے دل

یہ نہیں کہتے یہیں رہ جاؤ اب تم رات کو
بس انھیں باتوں سے اکبر میرا جل جاتا ہے دل

لکھتے ہیں کلکِ تصور سے ترے نام کو ہم　　کام میں لاتے ہیں لوحِ دلِ ناکام کو ہم
بادہ نوشی میں بسر کرتے ہیں ایام کو ہم　　خطِ تقدیر سمجھتے ہیں خطِ جام کو ہم
شکل اس شوخ کی آنکھوں میں پھرا کرتی ہے　　آنکھیں دکھلاتے ہیں اب گردشِ ایام کو ہم
نظر آتی ہے جو گلزار میں پھولوں کی بہار　　یاد کرتے ہیں حسیناں گل اندام کو ہم
آبِ حیواں کا اثر بادۂ گلرنگ میں ہے　　لبِ جاں بخش سمجھتے ہیں لبِ جام کو ہم
گردشِ چشمِ حسیناں کا نہ کئے احوال　　جانتے ہیں اثرِ گردشِ ایام کو ہم
ایک دن تم کو لبِ گور سے سنوادینگے　　کہہ نہیں سکتے ابھی عشق کے انجام کو ہم
رہتی ہے کارِ دو عالم سے ہمیں وحشت سی　　نہیں معلوم یہاں آئے ہیں کس کام کو ہم
رہ چکے ہیں جو کبھی فصلِ بہاری میں اسیر　　کانپ کانپ اٹھتے ہیں جب دیکھتے ہیں دام کو ہم

اجل سے وہ ڈریں جینے کو جو اچھا سمجھتے ہیں　　یہاں ہم چار دن کی زندگی کو کیا سمجھتے ہیں
ہمیں ہے خاکساری میں بھی ڈر محسود ہونے کا　　اسے بھی ہم غبارِ خاطرِ اعدا سمجھتے ہیں
کوئی کیا سمجھے الطافِ خفی انکارِ جاناں کے　　یہ رمزِ لن ترانی حضرتِ موسےٰ سمجھتے ہیں
تمھاری ناخوشی کا ڈر نہیں مجبور رکھتا ہے　　نہیں تو اے صنم اغیار کو ہم کیا سمجھتے ہیں
یقیں کفار کو آتا نہیں روزِ قیامت کا　　اسے بھی وہ تمھارا وعدۂ فردا سمجھتے ہیں
جنوں زائل ہوا ہوش آگیا صحت ہوئی ہم کو　　بڑے عیار ہو تم اب تو ہم اتنا سمجھتے ہیں
کسی ناکس سے کیوں سرگوشیاں کرتی ہو محفل میں　　خبر بھی ہے کہ لوگ اپنے دلوں میں کیا سمجھتے ہیں
ہے سرسبز گلشن مانکی بزمِ عیش و عشرت کا　　نکل جاؤں گا میں مجھ کو اگر کانٹا سمجھتے ہیں
نگاہوں کے اشاروں سے جو حکم اٹھنے کا ہوتا ہے　　مجھے بھی آپ کیا دردِ دلِ شیدا سمجھتے ہیں
میں اپنے نقدِ دل سے جنسِ الفت مول لیتا ہوں　　اطبا کو ذرا دیکھو اسے سودا سمجھتے ہیں
اسے ہم آخرت کہتے ہیں جو مشغول حق رکھے　　خدا سے جو کرے غافل اسے دنیا سمجھتے ہیں
نثار اپنے تصور کے کہ جس کے فیض سے ہر دم　　جو ناپیدا ہے نظروں سے اسے پیدا سمجھتے ہیں

وہ ہمکو کچھ نہ سمجھے اے رقیبو اختیار اُن کا
یہ تم کیوں خوش ہو اتنے وہ تمھیں کو کیا سمجھتے ہیں

یہی رُخ ہے کہ حسن کے پھول کا اطلاق ہوتا ہے
یہی آنکھیں ہیں جن کو نرگسِ شہلا سمجھتے ہیں

تو وہ برق تجلی ہے کہ تیرے دیکھنے والے
ترے نقشِ کفِ پا کو ید بیضا سمجھتے ہیں

غزل اک اور پڑھئے آج ایسے رنگ میں اکبرؔ
کہ اربابِ بصیرت جسکو عبرت زا سمجھتے ہیں

جو اپنی زندگانی کو حباب آسا سمجھتے ہیں
نفس کی موج کو موجِ لب دریا سمجھتے ہیں

گواہی دینگے روزِ حشر یہ سارے گناہوں کی
سمجھتا میں نہیں لیکن مرے اعضا سمجھتے ہیں

شریکِ حال دنیا میں نظر آتا نہیں کوئی
فقط اک بیکسی ہے جس کو ہم اپنا سمجھتے ہیں

جو ہیں اہلِ بصیرت اس تماشا گاہِ ہستی میں
طلسمِ زندگی کو کھیل لڑکوں کا سمجھتے ہیں

معرّا ہوں ہنر سے میں سراپا عیب ہوں اکبرؔ
عنایت ہے احبا کی اگر اچھا سمجھتے ہیں

شوقِ نظارہ کبھی دل سے نکلتا ہی نہیں
جی ہمارا بے ترے دیکھے بہلتا ہی نہیں

چین سے ہو بیٹھنا کیونکر نصیب اے ہمنشیں
جوشِ وحشت سے مزاج اپنا سنبھلتا ہی نہیں

وصل کے ایام میں کیا کیا دکھائے انقلاب
ہجر میں رنگِ فلک اب تو بدلتا ہی نہیں

کس غضب کا ہے معاذ اللہ طولِ روزِ ہجر
حشر مجھ پر ہو گیا لیکن یہ ڈھلتا ہی نہیں

ہر قدم پر دل پڑے ہیں حسرتِ پامال میں
اب زمیں پر پاؤں رکھ کر یار چلتا ہی نہیں

چند روز آیا تھا میری قبر پر وہ شعلہ رو
اب تو مدت سے چراغِ گور جلتا ہی نہیں

ہم نے چاہا تھا نہ ہو لیکن ہوئی صبحِ فراق
موت کا جب وقت آجاتا ہے ٹلتا ہی نہیں

بوسہ کیسا گالی دینے میں بھی ان کو بخل ہے
اُن لبوں سے کام اپنا کچھ نکلتا ہی نہیں

صورتِ پروانہ جل کر خاک بھی میں ہو گیا
دل ترا اے شمع رو لیکن پگھلتا ہی نہیں

نخلِ حسرت دہ ہوں میں جسکو ہیں یکساں چار فصل
وہ شجر ہوں باغِ عالم میں جو پھلتا ہی نہیں

وہ تمنا ہوں جو رہتی ہے ہمیشہ جی کے ساتھ
حوصلہ وہ ہوں جو دنیا میں نکلتا ہی نہیں

رنگ وہ ہوں جو زمانے کے ہی باہر رنگ سے
وہ زمانہ ہوں جو رنگ اپنا بدلتا ہی نہیں

شوق وہ ہوں وسعتِ دل جسکے آگے تنگ ہے
حرفِ مطلب وہ ہوں جو منہ سے نکلتا ہی نہیں

دل وہ ہوں جسمیں چبھے ہوں خارِ حسرت سیکڑوں
خارِ حسرت وہ ہوں جو دل سے نکلتا ہی نہیں

نقد سودا وہ ہوں جو رائج نہیں بازار میں
سکۂ داغِ جنوں وہ ہوں جو چلتا ہی نہیں

سنہ ۱۸۶۷ء

یہ مصرعہ چاہیئے لکھنا بیاضِ چشمِ وحدت میں
خدا کا عشق ہی عشقِ مجازی بھی حقیقت میں

برنگِ حسن جو ہے جلوہ فرما ان کی صورت میں
خمیرِ عشق بنکر ہے وہی میری طبیعت میں

اگر میں ڈوب جاؤں قلزمِ اشکِ ندامت میں
گناہوں کا سفینہ غرق ہو دریائے رحمت میں

بھریں گلہائے حسرت ہی سے دامانِ تمنا کو
جو آنکلے ہیں بہرِ سیرِ گلزارِ محبت میں

لکھا خونِ جگر سے صفحۂ دل پر اسے اکبر
اثر ممکن نہیں پیدا نہ ہو نقشِ محبت میں

گلے لگائیں کریں پیار تم کو عید کے دن
ادھر تو آؤ مرے گلعذار عید کے دن

غضب کا حسن ہے آرائشیں قیامت کی
عیاں ہے قدرتِ پروردگار عید کے دن

سنبھل سکی نہ طبیعت کسی طرح میری
رہا نہ دل پہ مجھے اختیار عید کے د[ن]

وہ سال بھر سے کدورت بھری جو تھی دلمیں
وہ دور ہو گئی بس ایک بار عید کے دن

لگا لیا انھیں سینہ سے جوشِ الفت میں
غرض کہ آ ہی گیا مجھ کو پیار عید کے دن

کہیں ہے نغمۂ بلبل کہیں ہے خندۂ گل
عیاں ہے جوشِ شباب بہار عید کے دن

سویاں دودھ شکر میوہ سب مہیا ہے
مگر یہ سب ہے مجھے ناگوار عید کے دن

ملے اگر لبِ شیریں کا تیرے اک بوسہ
تو لطف ہو مجھے البتہ عید کے دن

مضمون سوزِ غم نہ ہو کیونکر چراغ میں
پروانوں کے پروں کا ہے دفتر چراغ میں

ہو لطفِ حسن و عشق نہ کیونکر چراغ میں
ہے روشنی و سوز برابر چراغ میں

درگاہ جانے والے ہیں غیروں کے ساتھ وہ
گھی جل رہا ہے آج تو گھر گھر چراغ میں

مژگاں کا عکس عارضِ روشن میں دیکھ لے
دیکھا نہ جس نے ہو کبھی خنجر چراغ میں

خورشیدِ رُخ نے تیرے جو بے نور کر دیا
کیا روشنی تھی صورتِ اختر چراغ میں

اُس بت کے دل کا اہلِ دشن ہیں یہ خیال
ہے حسن اتفاق سے پتھر چراغ میں

جلنا نصیب میں ہے تو ہو کچھ فروغ ہی
بتی کی جا رہے تنِ لاغر چراغ میں

پھیلی ہماری سوزِ محبت کی داستاں
بتی پڑی جو شام سے گھر گھر چراغ میں

رنگینی اس کے عارضِ پر نور میں نہیں
ہے جلوۂ بہارِ گلِ تر چراغ میں

داغِ گناہ سے دلِ مومن کو کیا ضرر
ہوتی سیاہی بھی تو ہے اکبر چراغ میں

خودی بھی مجھ سے جب واقف نہ تھی میں تب سے بسمل ہوں
ازل سے کشتۂ تیغِ نگاہِ نازِ قاتل ہوں

دلا کیونکر میں اس رخسارِ روشن کے مقابل ہوں
جسے خورشیدِ محشر دیکھ کر کہتا ہے میں تل ہوں

خمِ گیسو اگر تنگ پری کو دل سے مائل ہوں
مجھے بھی اندنوں سودا ہے دیوانوں میں داخل ہوں

نہیں معلوم اسکو تیری چتون سے مقابل ہوں
مجھے واعظ سمجھتا ہے کہ میں مذہب سے غافل ہوں

نگاہِ ناز سے تم نے اگر دیکھا نہیں مجھ کو
تو پھر میں کیوں تڑپتا ہوں زخمی ہوں نیم بسمل ہوں

فغاں کیسی کہ حرفِ شکوہ بھی لب پر نہ آئے گا
یہ جب تک تم نہ کہہ لو گے وفا کا تیری قائل ہوں

رہِ الفت وہ کوچہ ہے قضا بھی جس سے ڈرتی ہے
قدم رکھتا ہے دل آ میں نثارِ ہمتِ دل ہوں

جو یوں ہی لحظہ لحظہ داغِ حسرت کی ترقی ہے
عجب کیا رفتہ رفتہ میں سراپا صورتِ دل ہوں

مدد اے رہنمائے گمرہاں اس دشتِ غربت میں
مسافر ہوں پریشاں حال ہوں گم کردہ منزل ہوں

یہ میرے سامنے شیخ و برہمن کیا جھگڑتے ہیں
اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہوں دونوں کا قائل ہوں

گلِ مقصد جسے سمجھا وہ نکلا داغِ ناکامی
غرض باغِ جہاں میں خوبیٔ قسمت کا قائل ہوں

اگر دعویٰ یک رنگی کروں ناخوش نہ ہو جانا
میں اس آئینہ خانے میں ترا عکسِ مقابل ہوں

توقع رہتی ہے ہر دم کہ دم لینے کی مہلت ہے
معاذ اللہ اپنی موت سے کس درجہ غافل ہوں

رسائی زلف کی پائی قدم تک اب کیوں آئیں
بہانہ خوب ہاتھ آیا کہ پابندِ سلاسل ہوں

خبر لیتے ہیں اُس کی جس کو یگانہ سمجھتے ہیں
مجھے کب پوچھتے ہیں میں تو اک تحصیلِ حاصل ہوں

زمینِ شعر جس سے آسماں نیچا ہے اے اکبر
علوئے طبع سے ایسی غزل پڑھنے پہ مائل ہوں

جو لذت آشنائے دردِ الفت ہے وہ دل ہوں
اجل جس کو قیامت تک نہ آئیگی وہ بسمل ہوں

نصیب ایسے کہاں جو زینتِ فتراکِ قاتل ہوں
جسے صیاد نے دیکھا نہیں وہ مرغِ بسمل ہوں

پئے نظارہ جب سے عالمِ حیرت میں داخل ہوں
یہ محوِ روئے قاتل ہوں کہ تشکیلِ چشمِ بسمل ہوں

سنا کر وصفِ قاتل میں نے لاکھوں کو کیا بسمل
میں اس تعریف سے گویا زبانِ تیغِ قاتل ہوں

فضائے دہر ہے تنگ اپنی بیتابی کی وسعت سے
تڑپنے کی جگہ ملتی نہیں جس کو وہ بسمل ہوں

فنا ہستی ہو تو ہو میری بیقراری میں
دلِ بیتاب کے ہاتھوں ہی میں تسکینِ بسمل ہوں

خوشی میں روح جامے سے رہیگی حشر تک باہر
لپٹ کر جس سے قاتل رو رہا ہے میں وہ بسمل ہوں

توسل چلتا ہوں جس سے وہ دامن بچاتا ہے
یہ عالم قتل کا میدان ہے میں خونِ بسمل ہوں

قضا کا دم بھی جس جا نہ پہونچیگا قیامت تک
وہاں تیغِ نگاہِ نازِ قاتل سے میں بسمل ہوں

جو کی کچھ گفتگو پیرِ خرد نے راہِ الفت میں
کہا تقریر نے خاموش میں گم کردہ منزل ہوں

دکھایا بیخودی نے آئینہ جب میری ہستی کو
ہوا یہ صاف روشن وہ صنم حق ہے میں باطل ہوں

عجب مضمون میں پیدا ہوا ہوں آیتِ ہستی میں
عبارت میں بہت آساں ہوں معنی میں مشکل ہوں

ثبوت اس کا مجھے بھی خود فراموشی سے یاد آیا
وہ دعویٰ کر رہے تھے شکلِ انساں کا میں حاصل ہوں

ازل میں روئے جاناں سے اشارہ تھا یہ مصحف کا
تمنا ہے کہ میں بھی تیری ہی صورت میں نازل ہوں

جو پوچھا نیستی ہستی میں کیونکر فرق ظاہر ہو
کمر نے یار کی ایما کیا میں حدِ فاصل ہوں

گرے اک قطرہ جس کا بیخبر شورِ دو عالم سے
اسی جامِ شرابِ تند کا ساقی سے سائل ہوں

عیاں ہے رنگ داغِ عشق میری خاکساری سے
گلستانِ محبت کا ہوں گل گو صورتِ گِل ہوں

عجب مجموعہ ہوں جس میں ہے سرکشی اور خاکساری کا
جو شعلہ باد و آتش سے تو آب و خاک سے گِل ہوں

وہ داغِ آرزو ہوں جس سے دل میں ہن بجتا ہے
کوئی پہلو نہیں ملتا جسے دنیا میں وہ دل ہوں

تصور وہ ہوں جو ہمرنگ ہے تصویرِ جاناں کا
خیالِ یار سے مل کر بنا ہے جو میں وہ دل ہوں

جسے چشمِ تصور خواب میں بھی پا نہیں سکتی
سراپا چشم ہو کر میں اسی محفل میں داخل ہوں

رہِ الفت میں آتی ہے یہی آوازِ دوزخ سے
کہ میں بھی اک شرارِ شعلۂ بیتابیٔ دل ہوں

صدائے صور سے شورِ قیامت کا یہ اٹھا ہے
کہ میں بیساختہ اک نالۂ مستانۂ دل ہوں

وہ مجنوں ہوں کہ جسکی ہر نظر تصویرِ لیلےٰ ہے
حجابِ حسن اٹھ جاتا ہے جس سے میں وہ محمل ہوں

اجل سے پوچھتا ہے ہر نفس جو باہر آتا ہے
اجازت ہو اگر تیری تو پھر سینے میں داخل ہوں

کہاں اس بحر سے جائینگے بچکر گوہرِ مضموں
سخن دریا جو ہے طبعِ رسا سے میں بھی ساحل ہوں

غزل ایسی پڑھوں جس سے برابر یہ صدا نکلے
عروجِ فکرِ عالی ہوں نشانِ عشقِ کامل ہوں

دفورِ شوقِ قاتل سے نثارِ ہمتِ دل ہوں
امیدِ جذبۂ دل سے مقیمِ کوئے قاتل ہوں

ہجومِ آہِ سوزاں سے خیالِ روئے جاناں سے
فروغِ بزمِ ماتم ہوں چراغِ خانۂ دل ہوں

حجابِ روئے قاتل سے غمِ ناکامیٔ دل سے
نگاہِ چشمِ حسرت ہوں شہیدِ نازِ قاتل ہوں

دفورِ شوقِ ماتم سے صدائے نالۂ غم سے
شریکِ حالِ حسرت ہوں شکستِ شیشۂ دل ہوں

ہوائے باغِ عالم سے جفائے خنجرِ غم سے
بقائے رنگِ عشرت ہوں وفائے روحِ بسمل ہوں

بلائے یادِ گیسو سے خیالِ تیغِ ابرو سے
ظہورِ جوشِ سودا ہوں گواہِ حالِ بسمل ہوں

خیالِ حسنِ صورت سے ہجومِ دردِ الفت سے
ہمائے اوجِ معنی ہوں نشانِ عشقِ کامل ہوں

ہوائے شعلۂ غم سے جفائے چرخِ اظلم سے
چراغِ داغِ حسرت ہوں گرفتارِ غمِ دل ہوں

نسیمِ صبحِ عشرت سے فروغِ شوقِ دولت سے
ہجومِ خوابِ غفلت ہوں چراغِ عمرِ غافل ہوں

لب پیمانۂ دل سے وفورِ شوقِ کامل سے — مریضِ لذتِ غم ہوں لبِ اظہار سائل ہوں
جلائے تیغِ فرقت سے خیالِ رازِ الفت سے — زبانِ حالِ بسمل ہوں سکوتِ شمعِ محفل ہوں
علوئے جوشِ مستی سے صفائے طبعِ عالی سے — فدائے فکرِ اکبر ہوں نثارِ شعرِ مشکل ہوں

درِ گنجینۂ اسرارِ معنی کھول دو اکبر
بس اب پیرِ خرد اقرار کرتا ہے کہ جاہل ہوں

کہیں داغ ہوں کہیں میں باعثِ بیتابیِ دل ہوں — کہیں اندازِ بسمل ہوں کہیں میں نازِ قاتل ہوں
کہیں تمکینِ خوبی ہوں کہیں ہنگامۂ الفت — کہیں رنگِ رخِ گل ہوں کہیں شورِ عنادل ہوں
کہیں جلوہ ہوں صورت کا کہیں میں شانِ معنی — کہیں میں محملِ لیلیٰ کہیں لیلائے محمل ہوں
کہیں عاشق کا مطلب ہوں کہیں معشوق کی خواہش — کہیں مجبورِ مطلق ہوں کہیں مختارِ کامل ہوں
کہیں میں شوقِ آزادی کہیں تدبیرِ پابندی — کہیں میں جوشِ سودا ہوں کہیں طوق و سلاسل ہوں
کہیں دردِ دروزہ ہوں کہیں ہوں آرزو دل کی — کہیں گھٹنے کے لائق ہوں کہیں بڑھنے کے قابل ہوں
کہیں جذبِ محبت ہوں کہیں دردِ دلِ عاشق — کہیں دل مجھ میں داخل ہے کہیں میں دلمیں داخل ہوں
کہیں جوشِ اہلِ معنی کا کہیں ہوشِ اہلِ صورت کا — کہیں شورِ اناالحق ہوں کہیں دعوائے باطل ہوں
کہیں میں حسن کا ایما کہیں میں درد کی لذت — کہیں قاتل کی جستجو میں ہوں کہیں جستن کا بسمل ہوں
کہیں ہوں صورتِ لیلیٰ کہیں حالِ دلِ مجنوں — کہیں چھپنے کے لائق ہوں کہیں کھلنے کے قابل ہوں
کہیں رندوں کی محفل میں کہیں ہنگامۂ دلمیں — کہیں میں پندِ شرعی ہوں کہیں دانشِ کامل ہوں
کہیں تصویرِ حسرت ہوں کہیں محوِ پریشانی — کہیں میں شیفتہ رخ کا کہیں زلفوں کا مائل ہوں
معاون ہوں کسی جا میں کہیں امداد کا طالب — کہیں خضرِ ہدایت ہوں کہیں گم کردہ منزل ہوں
کہیں میں گوہرِ مقصد کہیں دامن تمنا کا — کہیں ہمت کریموں کی کہیں امیدِ سائل ہوں
کہیں میں ولولہ دل کا کہیں میں ضبطِ عاقل کا — روانی میں کہیں دریا کہیں رکنے میں ساحل ہوں
یہ دریائے معانی جوش پر ہے دلمیں اے اکبر — مگر ساکت ہوں جبتک آپ میں آنیکے قابل ہوں

لگی ہے آگ الفت کی ہمارے رشتۂ جاں میں
جلا کرتے ہیں مثلِ شمع ہم بزمِ حسیناں میں

کرونگا جستجو مضموں کی وصفِ چشمِ جاناں میں
پھرے گی فکر پتلی کی طرح چشمِ غزالاں میں

پرو دئے یار نے موتی جو اپنی زلفِ پیچاں میں
نظر آنے لگے شبنم کے قطرے سنبلستاں میں

کیا موزوں جو مطلع میں نے وصفِ روئے جاناں میں
نظر آنے لگا خورشیدِ تاباں برجِ میزاں میں

نزاکت سے جو فرشِ گل پہ سوتے تھے گلستاں میں
اب انکی خاک اڑتی پھرتی ہے دشتِ بیاباں میں

نہ کیونکر وحشتِ دل پر گماں ہو شوقِ موسیٰ کا
تجلی وادیِ ایمن کی ہے اپنے بیاباں میں

انھیں کی آنکھ سے ممکن ہے انکا دیکھنا اے دل
بنوں حیرت سے آئینہ نہ کیونکر بزمِ جاناں میں

غزالانِ ختن آ آ کے مجھ پر صدقے ہوتے ہیں
کبھی بیمار پڑتا ہوں جو یادِ چشمِ جاناں میں

خزاں میں کیوں نہ ہو سرسبز نخلِ ماتمِ بلبل
عوض پانی کے جب حسرت برستی ہو گلستاں میں

تری زلفِ مسلسل دیکھ کر ظاہر ہوا مجھ کو
یہی زنجیرِ پائے دل کی ہے ہستی کے زنداں میں

اگر زنجیرِ پا ہوتی نہ الفت تیری زلفوں کی
نہ رہتے ہم سے دیوانے کبھی ہستی کے زنداں میں

اثر بادِ فنا بھی گردشِ قسمت کا باقی ہے
بگولا بن کے میری خاک اڑتی ہے بیاباں میں

خیالِ ہجرِ یارانِ وطن سے جان جاتی ہے
غضب ہے ہوش آنا اے جنوں مجکو بیاباں میں

زبانِ حال سے کہتا ہے میرا سبزۂ تربت
نشاں حسرت کا ہے نشو و نما بھی اس گلستاں میں

اسی مصرعہ پہ میں توصیفِ گل میں وجد کرتا ہوں
تری قدرت نے کیا کیا گل کھلائے ہیں گلستاں میں

خزاں آتی ہے بلبل دیکھ لے اچھی طرح گل کو
خدا جانے کب آئے موسمِ گل پھر گلستاں میں

سناتا ہوں جو افسانہ کسی کی بزمِ عشرت کا
نسیمِ نوبہاری رقص کرتی ہے گلستاں میں

کریں گے حشر میں ظاہر جو ہم مجبوریِ الفت
ہمارا نامۂ اعمال ہوگا دستِ جاناں میں

سرِ خاکِ شہنشاہانِ عالم کہتی ہے عبرت
قدم رکھے بچا کر آئے جو شہرِ خموشاں میں

پئے تسلیم سر جھکتا تھا سب کا جنکے ایواں میں
انھیں کی خاک اب پامال ہے گورِ غریباں میں

پھرا کی شکلِ یارانِ گذشتہ چشمِ گریاں میں
ہماری عمر روتے ہی کٹی گورِ غریباں میں

جمالِ حور کو کہتا ہے افزوں حسنِ انساں سے
کوئی عاشق بھی انکا زاہدا ہے باغِ رضواں میں

جب آنا موت کا ممکن ہے ہیں جنت میں ای واعظ
تو پھر کس کام کی حوروں کی غمزے باغِ رضواں میں

نہ پوچھو حال کچھ چاہت کا ان زہرہ جبینوں کی
فرشتوں کے ہیں دل ڈوبے ہوئے چاہِ زنخداں میں

کسی کو بھی نہیں کیا پروا ہمارے جینے مرنے کی
بسانِ سبزۂ بیگانہ ہم تھے اس گلستاں میں

نہیں سروِ سہی کو باغ میں اندیشۂ صرصر
غرض ہے راستی بھی خوب شیوہ اس گلستاں میں

ابھی تو موسمِ گل بھی نہ آیا تھا گلستاں میں
میں کیوں جامے سے باہر ہو گیا شوقِ بلیاں میں

نظر آتا نہیں جز آہ کوئی مونس و ہمدم
بدلجاتی ہے دنیا کی ہوا شبہائے ہجراں میں

میں دیتا جاؤں یارانِ وطن کو کیا پتہ اپنا
خدا جانے مجھے لیجائے وحشت کس بیاباں میں

سماں آنکھوں میں پھر جاتا ہے جب فصلِ بہاری کا
گلوں کو یاد کر کے خوب روتا ہوں گلستاں میں

وہ بالیں پر ہیں وقتِ نزع کیونکر ان سے رخصت ہوں
نہیں طاقت اشارے کی بھی مجھ دم بھر کے مہماں میں

مزا کیا جب حسینوں نے اطاعت کی حکومت سے
نہیں کچھ لطف پریاں تھیں جو قابوئے سلیماں میں

وفورِ اشک سے یوں اب ہرے ہیں داغِ جگر اپنے
چمن سرسبز ہو جاتا ہے جیسے فصلِ باراں میں

یقیں تھا گوہرِ آمرزگاری کے جو ملنے کا
دمِ آخر تلک ڈوبے رہے ہم بحرِ عصیاں میں

ہیں اپنے داغِ سینہ طعنہ زن خورشیدِ محشر پر
تماشا حشر کا ہے کوچہ چاکِ گریباں میں

یہ مجھ دیوانے کو اکثر صدا آتی ہے زنداں سے
کھلا ہے خانۂ زنجیر کا در شوقِ مہماں میں

عجب کیا موسمِ پیری میں اے دل ٹھنڈی سانسوں کا
ہوائے سرد اکثر چلتی ہے فصلِ زمستاں میں

بقولِ رند مہمانِ فلک میں بھی ہوں اے اکبر
مری قسمت کا ٹکڑا بھی ہے اسکے خوانِ الواں میں

پھر گئی آپ کی دو دن میں طبیعت کیسی
یہ وفا کیسی تھی صاحب یہ مروت کیسی

دوست احباب سے ہنس بول کے کٹ جائیگی رات
رندِ آزاد ہیں ہم کو شبِ فرقت کیسی

جس حسیں سے ہوئی الفت وہی معشوق اپنا
عشق کس چیز کو کہتے ہیں طبیعت کیسی

جس طرح ہو سکے دن زیست کے پورے کر لو
ہے جو قسمت میں وہی ہو گا نہ کچھ کم نہ سوا
حال کھلتا نہیں کچھ دل کے دھڑکنے کا مجھے
کوچۂ یار میں جاتا تو نظارہ کرتا
حسنِ اخلاق پہ جی لوٹ گیا ہے میرا
آپ بوسہ جو نہیں دیتے تو میں قول کیوں دوں
ہم نہ کہتے تھے کہ زینت بھی ہے معشوق کو شرط
سنتا تھوں چمن میں جو تری زمزمہ سنجی
ملے ہر اک سے محبت مگر انھیں سے رہی
یہ کون بات پسند آگئی ہے غیروں کی

چار دن کے لئے انسان کو حسرت کیسی
آرزو کہتے ہیں کس چیز کو حسرت کیسی
آج رہ رہ کے بھر آتی ہے طبیعت کیسی
قیس آوارہ ہے جنگل میں یہ وحشت کیسی
میں تو کشتہ تری باتوں کا ہوں صورت کیسی
ایسی باتوں میں مری جان مروت کیسی
کیوں بہ نظر آتی ہے آئینہ میں صورت کیسی
یاد آتی ہے بلبل مجھے تقریر کسی کی
وہ عاشقانہ جو تھی اک نظر انھیں سے رہی
لگاوٹ انکی جو آٹھوں پہر انھیں سے رہی

چھٹو گے دام بلا سے کبھی نہ اے اکبر
طبیعت الجھی ہوئی یوں اگر انھیں سے رہی

عمر ۱۹ سال ۱۸۶۴ء

بے تکلف بوسۂ زلف چلیپا لیجئے
دل تو پہلے لیجکے اب جان کے خواہاں ہیں آپ
پاؤں پر کرتی ہے زنجیر زنداں میں رہو
غیر کو تو کرکے ضد کرتے ہیں گھائل میں شریک
خوشنما چیزیں ہیں بازار جہاں میں بیشمار
کشتہ ہجر آتش فرقت سے ہو نہ ہے مجھے

نقد دل موجود ہے پھر کیوں نہ سودا کیجئے
اس میں بھی مجھ کو نہیں انکار اچھا لیجئے
وحشت دل کا ہے ایما راہ صحرا لیجئے
مجھسے کہتے ہیں اگر کچھ ہو کھا لیجئے
ایک نقد دل سے یارب مول کیا کیا لیجئے
اور حنیف صورت سیماب تڑپا لیجئے

فصل گل کے آتے ہی اکبر ہوئے بیہوش آپ
کھولئے آنکھوں کو صاحب جام صہبا لیجئے

تصور سے غمِ فرقت کے اپنا جی دہلتا ہے
کہ یہ کمبخت آخر سینے سے دم لیکے ٹلتا ہے

خدا کی شان وہ میرا تڑپنا دل لگی سمجھیں
کسی کی جان جاتی ہے کسی کا جی بہلتا ہے

خیالِ زلف میں اے دل نہ طے کر منزلِ الفت
اندھیری رات میں ناداں کوئی راہ چلتا ہے

وہ جوں جوں ہوتے ہیں ہشیار بڑھتی ہے مری وحشت
سنبھالیں ہوش وہ اپنا یہاں دل کب سنبھلتا ہے

مریضِ غم کیا کرتا ہے ضبطِ نالہ ہمت سے
مگر منہ زرد ہو جاتا ہے جب کروٹ بدلتا ہے

وصالِ یار کا وعدہ ہے کل اور آج موت آئی
کریں کیا اب مقدر پر کسی کا زور چلتا ہے

محبت اُنسی کر کے پھنس گئے ہیں ہم تو آفت میں
نہ دل قابو میں آتا ہے نہ اُن پر زور چلتا ہے

کیا کرتا ہوں موزوں وصف انکے روئے روشن کا
مرا ہر شعر اکبرؔ نور کے سانچے میں ڈھلتا ہے

شاعری رنگ طبیعت کا دکھا دیتی ہے
بوئے گل راہ گلستاں کی بتا دیتی ہے

سیرِ غربت کوئی جلسہ جو دکھا دیتی ہے
یادِ احبابِ وطن مجھ کو رُلا دیتی ہے

بیخودی پردۂ کثرت جو اُٹھا دیتی ہے
ہر طرف جلوۂ توحید دکھا دیتی ہے

آہِ یاس پہ ہو قہر خدا کا نازل
رہروِ منزلِ الفت کو ڈرا دیتی ہے

ہو نہ رنگین طبیعت بھی کسی کی یارب
آدمی کو یہ مصیبت میں پھنسا دیتی ہے

نگہِ لطف تری بادِ بہاری ہے مگر
غنچۂ خاطرِ عاشق کو کھلا دیتی ہے

اچھی صورت میں بھی خالق نے بھرا ہے جادو
اپنے مشتاق کو دیوانہ بنا دیتی ہے

پوچھتا ہوں میں جو عبرت سے مآلِ ہستی
راستہ گورِ غریباں کا بتا دیتی ہے

نظر آتا جو نہیں نزع میں بالیں پہ کوئی
بیکسی اُن کے تغافل کو دعا دیتی ہے

کیا صفائی رخِ جاناں کی ہے اللہ اللہ
دیکھنے والوں کو آئینہ بنا دیتی ہے

دشمنِ اہلِ نظر ہے نگہِ حسن پرست
الفتِ پاک کو بھی عیب لگا دیتی ہے

موت سے کوئی نہ گھبرائے اگر یہ سمجھے
کہ یہ دنیا کے بکھیڑوں سے چھڑا دیتی ہے

بدسلوکی تری لاتی ہے خرابی مجھ پر
میری تقدیر کو الزام لگا دیتی ہے

نگہِ شوق سے کیونکر نہ گلوں کو دیکھوں
ان کی رنگت ترے عارض کا پتا دیتی ہے

قیدِ ہستی ہے غبارِ رُخِ آئینۂ روح
جانِ مشتاق کو جاناں سی چھڑا دیتی ہے

کشتہ ہوں مرگِ حسیناں کی میں بیدردی کا
خاک میں چاند سی صورت کو ملا دیتی ہے

فکرِ اکبر گلِ مضموں کا دکھا کر جلوہ
محفلِ شعر میں رنگ اپنا جما دیتی ہے

زیرِ گیسو روئے روشن جلوہ گر دیکھا کئے
شانِ حق سے ایک جا شام و سحر دیکھا کئے

گل کو خنداں بلبلوں کو نوحہ گر دیکھا کئے
باغِ عالم کی دورنگی عمر بھر دیکھا کئے

جنبشِ ابرو ہی کافی تھی ہمارے قتل کو
آپ تو ناحق سوئے تیغ و تبر دیکھا کئے

صبر کر بیٹھے تھے پہلے ہی سے ہم تو جانِ زار
عشق نے جو کچھ دکھایا بے خطر دیکھا کئے

دیکھئے اب کیا دکھائے قسمتِ بد بعدِ مرگ
رنج و اندوہ و الم تو عمر بھر دیکھا کئے

خوابِ غفلت سے نہ چونکے اہلِ عالم ہی غضب
گو بہت نیرنگیِ شام و سحر دیکھا کئے

حسرت و حرمان و اندوہ و غم و رنج و الم
جو دکھایا آسماں نے عمر بھر دیکھا کئے

وعدۂ شب پر گمانِ صدق ہی سوئے نہ ہم
راہ اُس پیماں شکن کی رات بھر دیکھا کئے

یاد میں رخسارِ تابانِ صنم کی رات بھر
دیدۂ حسرت سے ہم سوئے قمر دیکھا کئے

پیدا وہ جفا کے جو نئے ڈھنگ کرینگے
تیغِ نگہِ ناز سے جو رنگ کرینگے

کافی ہیں وہ مستانہ نگاہیں وہ خطِ سبز
اب ہم نہ کبھی شوقِ مے و بنگ کرینگے

ان کے دہنِ تنگ کا مضموں نہیں بندھتا
اب قافیۂ شعر کو ہم تنگ کرینگے

کرلے گا جگہ مثلِ شرر جذبۂ الفت
وہ سخت جو دل کو صفتِ سنگ کرینگے

دمسازوں سی ملتی بھی تو پائیں کبھی اسے چرخ
آراستہ پھر بزم نئے ڈھنگ کرینگے

نالے دلِ پرداغ کو سکھلائیں گے موزوں
طاؤس کو ہم مرغِ خوش آہنگ کرینگے

کچھ زمزمہ سنجی ہی پہ موقوف نہیں لطف
نالے بھی کریں گے تو خوش آہنگ کرینگے

اُن سے تو کوئی صلح کی صورت نہیں بنتی
غیروں ہی سے دل کھول کے اب جنگ کرینگے

میلے ہیں حسینوں کے پریزادوں کے جھمگھٹ
اب جا کے قیام اپنا لبِ گنگ کرینگے

راضی ہی نہ ہونگے وہ کسی طور تو کیا بس
تقدیر سے پھر کہئے تو کیا جنگ کرینگے

ارشاد جو ہوتا ہے کہ لکھو صفتِ دہن کچھ
معلوم ہوا آپ مجھے تنگ کرینگے

رنگینی مضمون جو دلِ صاف میں ہوگی
شیشہ میں گمانِ مئے گلرنگ کرینگے

اکبر نہ ہو دمسازِ بتان بہر خدا تم
دل دوگے تو وہ جان کا آہنگ کرینگے

جب عشق کے نشہ میں چور ہوئے کیونکر نہ نیک انجام رہے
مستوں کی طرح گلیوں میں پھرے رندی میں کچھ نام رہے

اب ہم تو خدا کی عنایت سے ای عہد شکن آزاد ہوئے
پھنس جائینگے پھر نہ طائرِ دل زلفوں کا سلامت دام رہے

ملنا جو تھا قسمت میں لکھا بیرون سے کچھ حاصل نہ ہوا
ناموں کی ہوئی تحریر بہت اک مدت تک پیغام رہے

منہ ترا دیکھ کے فق رنگِ گلستاں ہو جائے
دیکھ کر زلف کو سنبل بھی پریشاں ہو جائے

یادِ قامت میں جو میں نالۂ و فریاد کروں
پیشتر حشر سے یاں حشر کا ساماں ہو جائے

جلوۂ مصحفِ رُخسار جو آجائے نظر
حسرتِ بوسہ میں کافر بھی مسلماں ہو جائے

آپ کے فیضِ قدم سے ہو بیاباں گلزار
باغ میں جائیے تو گلشنِ رضواں ہو جائے

ناز و انداز و ادا سے جو چلیں چال حضور
جس جگہ پاؤں پڑے گنجِ شہیداں ہو جائے

آفتِ گردشِ افلاک سے پاؤں جو نجات
گردشِ چشم مجھے گردشِ دوراں ہو جائے

آپ دکھلائیں جو اپنے رخِ رنگیں کی بہار
بو کے مانند ہوا رنگِ گلستاں ہو جائے

لاغر اس درجہ ہوا ہوں کہ جو لیٹوں میں کبھی
تارِ بستر مجھے وسعت میں بیاباں ہو جائے

حسرتیں اسمیں ہوا کرتی ہیں اکثر مدفوں
کیا عجب خانۂ دل گورِ غریباں ہو جائے

شباب جوش پہ ہے ولولے ہیں جوبن کے
کبھی وہ جھوم کے چلتے ہیں اور کبھی تن کے

جب اُن کو رحم کچھ آیا حیا نے سمجھا یا
بگڑ بگڑ گئی تقدیر میری بن بن کے

مریضِ غم کو ڈرایا کرے نہ پھر اتنا
قضا جو دیکھ لے تیور تمھاری چتون کے

نگاہِ ناز سے سارا زمانہ بسمل ہے
ہمیں شہید نہیں تیری ترچھی چتون کے

کمر پہ یار کی رہتا ہے قبضۂ خنجر
شہید ہم تو ہوئے رشکِ تختِ آہن کے

ان دنوں یار کے کچھ ذہن نشیں اور بھی ہے
جانتا ہے کہ نشست انکی کہیں اور بھی ہے

ایک دل تھا سو دیا اور کہاں سے لاؤں
جھوٹ کہئے تو نہیں کہہ دوں کہ نہیں اور بھی ہے

نازِ بیجا نہ کیا کیجئے ہم سے اتنا
اسی انداز کا اک یار حسیں اور بھی ہے

غمِ فرقت میں بھی آتی نہیں اے چرخ جو موت
کیا کوئی صدمہ پئے جانِ حزیں اور بھی ہے

کیوں اس غیرتِ لیلےٰ سے یہ پیغام صبا
پہلوئے قیس میں اک ہم نشیں اور بھی ہے

جان دیتا جو ہو لازم ہے اُسے دم دینا
تمھیں بتلاؤ یہ دستور کہیں اور بھی ہے

میرے بلوانے کا احسان جتاؤ نہ بہت
مہرباں ایک بتِ پردہ نشیں اور بھی ہے

ان ردیفوں میں غزل کیوں نہ ہو دشوار اکبر
ناتراشیدہ کوئی ایسی زمیں اور بھی ہے

اے خوفِ مرگ دل میں جو انساں کے تو رہے
پھر کچھ ہوس رہے نہ کوئی آرزو رہے

فتنہ رہے فساد رہے گفتگو رہے
منظور سب مجھے جو مرے گھر میں تو رہے

زلفیں ہٹانی چہرۂ رنگیں سے کیا ضرور
بہتر ہے مشک کی گلِ عارض میں بو رہے

ق

ہنگامِ نزع روح نے قالب سے یہ کہا
اس خاکدانِ تیرہ میں بے آبرو رہے

اب تک ترے سبب سے رہے ہم بلا نصیب
اب تا بہ حشر گور کے پہلو میں تو رہے

یہ اشکِ انفعال نہ خالی اثر سے ہوں
یا رب ہمارے موتیوں کی آبرو رہے

بلبل رہا ہے طائرِ دل اس میں عمر بھر
سر سبز حشر تک چمنِ آرزو رہے

اے چشم عین بزم میں رونا نہیں ہے خوب
وہ بات کر کہ جس میں تری آبرو رہے

پیرِ مغاں کا سلسلہ دیکھے جو محتسب
امیدوار بیعتِ دستِ سبو رہے

ہر دم یہ انتظار کا ایما ہے ہجر میں
آنکھوں میں جائے اشک جگر کا لہو رہے

احباب کیا کریں گے ٹھہر کر مزار پر
بالیں پہ خاک اُڑانے کو ہاں آرزو رہے

خاطر تو تم نے آج بہت کی مگر حضور
کل پھر بھی نگاہ یہی گفتگو رہے

ہر چند دل سے یار کے جاتا نہیں غبار
رونے سے عاشقوں میں مری آبرو تو ہے

ہوں میں تو رند مجھ کو تکلف سے کام کیا
پیمانہ ساقیا جو نہیں ہے سبو تو ہے

ہر چند میں غریب ہوں گو کچھ نہیں ہے پاس
لیکن ہزار دولتوں سے بڑھ کے تو تو ہے

ہم خوش رہیں بھلا دلِ نالاں سے کس طرح
ہو آپ کا یہ دوست ہمارا عدو تو ہے

زندہ جو تیرے ہجر میں ہوں ہیں تو کیا عجب
گو تو نہیں ہے پاس تری آرزو تو ہے

مجھ کو تو دیکھ لینے سے مطلب ہے ناصحا
بدخو اگر ہے یار تو ہو خوب رو تو ہے

جذبۂ دل نے مرے تاثیر دکھلائی تو ہے
گھنگروؤں کی جانب در کچھ صدا آئی تو ہے

عشق کے اظہار میں ہر چند رسوائی تو ہے
پر کروں کیا اب طبیعت آپ پر آئی تو ہے

آپ کے سر کی قسم میرے سوا کوئی نہیں
بے تکلف آیئے کمرے میں تنہائی تو ہے

جب کہا میں نے تڑپتا ہی بہت ہے دل مرا
ہنس کے فرمایا تڑپتا ہو گا سودائی تو ہے

دیکھئے ہوتی ہے کب راہی سوئے ملکِ عدم
خانۂ تن سے ہماری روح گھبرائی تو ہے

دل دھڑکتا ہے مرا لوں بوسۂ رخ یا نہ لوں
نیند میں اس نے دلائی منہ سے سرکائی تو ہے

دیکھئے کب تک نہیں آتی گلِ عارض کی یاد
سیرِ گلشن سے طبیعت ہم نے بہلائی تو ہے

میں بلا میں کیوں پھنسوں دیوانہ بنکر اسکے ساتھ
دل کو وحشت ہو تو ہو کمبخت سودائی تو ہے

خاک میں دل کو ملایا جلوۂ رفتار سے
کیوں نہ ہو اے نوجواں اک شانِ رعنائی تو ہے

یوں مروت سے تمھارے سامنے چپ ہو رہیں
کل کے جلسوں کی مگر ہم نے خبر پائی تو ہے

بادۂ گلرنگ کا ساغر عنایت کر مجھے
ساقیا تاخیر کیا ہے اب گھٹا چھائی تو ہے

جسکی الفت پر بڑا دعویٰ تھا کل اکبر تمھیں
آج ہم جا کر اسے دیکھ آئے ہرجائی تو ہے

کیا ہی رہ رہ کے طبیعت مری گھبراتی ہے
وہ بھی چپ بیٹھے ہیں اغیار بھی چپ میں بھی خموش
کیوں نہ ہو اپنی لگاوٹ کی نظر پر نازاں

موت آتی ہے شبِ ہجر نہ نیند آتی ہے
ایسی صحبت سے طبیعت مری گھبراتی ہے
جانتے ہو کہ دلوں کو یہ لگا لاتی ہے

بزمِ عشرت کہیں ہوتی ہے تو رو دیتا ہوں
کوئی گذری ہوئی صحبت مجھے یاد آتی ہے

رباعیات و قطعات وغیرہ

کھولی ہے زباں خوش بیانی کیلئے
آیا ہوں میں کوچۂ سخن میں اکبرؔ
اُٹھا ہے قلم گہر فشانی کیلئے
نظارۂ شاہدِ معانی کیلئے

تائیدِ وضعِ ملت و دیں کی کروں گا میں
ہوتا نہیں طبیبِ مداوا سے دست کش
اہلِ زمانہ لاکھ ہنسیں مجھ غریب پر
سچ ہے اجل تو ہنستی ہے سبھی طبیب پر

جب لطف و کرم سے پیش آئے محبوب
جب مثلِ نسیم وہ گلے سے لگ جائے
اگلے رنجوں کو بھول جانا اچھا
مانندِ کلی کے پھول جانا اچھا

کیا تم سے کہیں جہاں کو کیسا پایا
آنکھیں تو بیشمار دیکھیں لیکن
غفلت ہی میں آدمی کو ڈوبا پایا
کم تھیں بخدا کہ جن کو بینا پایا

اونچا نیت کا اپنی زینا رکھنا
غصہ آنا تو نیچرل ہے اکبرؔ
احباب سے صاف اپنا سینا رکھنا
لیکن ہے شدید عیب کینا رکھنا

غفلت کی ہنسی سے آہ بھرنا اچھا
اکبرؔ نے سنا ہے اہلِ غیرت سے یہی
افعالِ مضر سے کچھ نہ کرنا اچھا
جینا ذلت سے ہو تو مرنا اچھا

رشوت ہے گلوئے نیکنامی کا چھرا
ہر چند کہ بے محل خوشامد ہے بُری
عیاشی ہے بدی کے پہئے کا دُھرا
گستاخ مگر خوشامدی سے بھی بُرا

گذرا ہے مری نظر سے سب کا جلوا
کہتا ہے عجم عجم میں جم ہے موجود
سب سے ہے بہتر روز و شب کا جلوا
کہدو کہ عرب میں دیکھ رب کا جلوا

وفا میں ثابت قدم رہنے کی ترغیب

ہر چند محلِ انقلابات رہا
چھوڑیں نہیں منزلیں قمر نے اپنی

گھٹنے بڑھنے کا پیچ دن رات رہا
ذی رتبہ و صاحبِ مقامات رہا

آزاد سے دین کا گرفتار اچھا
ہر چند کہ زور بھی ہے اک خصلتِ بد

شرمندہ ہو دل میں وہ گنہگار اچھا
واللہ کہ بے حیا سے مکار اچھا

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
پوچھا جو اُن سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا

اکبرؔ زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

انقلابِ جہاں کو دیکھ لیا
کل کلی کھل کے ہو گئی تھی پھول

حبِ دنیا سے قلب پاک ہوا
پھول کُھملا کے آج خاک ہوا

تھا سر میں کمال وہ تو سلطان بنا
لذت طلبی سے نفس رندی پہ جھکا

تھا دل میں جمال وہ مسلمان بنا
تھا پیٹ بہت حریص شیطان بنا

مذہب کو لیا تو بحث میں سر ٹوٹا
شکوہ ہم غیر کا کریں کیا اکبرؔ

[illegible]

چاہی اصلاح تو خدا ہی چھوٹا
قسمت ہی نے ہمکو ہر طرح سے لوٹا

رسوا وہ ہوا جو مستِ پیمانہ ہوا
انگلینڈ سے اپنا دل جو لایا نہ درست

لپکا جو سایے پر وہ دیوانہ ہوا
محروم اُدھر ادھر سے بیگانہ ہوا

کرمِ حق پہ رکھ نظر اپنی
آسرا سب کا چھوڑ دے اکبرؔ

جو عقیدہ ترا نہ ہو ڈھیلا
وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيلًا

مجلس میں خیالِ بادہ نوشی، پایا
مسجد میں اگرچہ امن تھا اے اکبرؔ

مکتب میں سرِ سخن فروشی پایا
لیکن اک عالمِ خموشی پایا

کہنے کو تو شاہ سب ہیں مہراج ہیں سب
لیکن کھولو جو چشمِ تحقیق اکبرؔ

مالک دولت کے۔ مالکِ تاج ہیں سب
بے بس ہیں سب۔ خدا کے محتاج ہیں سب

جلوۂ ارض و سماد کھلا کے ہے نیچر بھی چپ
بحث اُسکی ذات میں کیوں کر رہا ہے فلسفی

لامذہبی سے ہو نہیں سکتی فلاحِ قوم
کعبے سے بت نکال دیئے تھے رسولؐ نے

کامل کم ہیں اور اہلِ ارشاد بہت
ہے بزمِ سخن کا حال یہ اے اکبرؔ

بندوں نے بھلا دیا ہے وہ عہدِ الست
کیا زید بکر یہ معترض ہوتا ہے

پیری آئی ہوئی جوانی رخصت
ہے اب تو اسی کا انتظار اے اکبرؔ

تری معین فقط ہے خدا کی ذات ایدوست
طلب مدد کی نہیں اُنسے جو ہیں خود محتاج

تحریکِ ضرورتِ معیشت ہے بہت
خالق کے جمال کا تو سودا کم ہے

دنیا کرتی ہے آدمی کو برباد
دو ہی چیزیں ہیں بس محافظ دل کی

حق نے جنھیں دی ہے فہمِ قرآنِ مجید
بدلے سو رنگ انقلابِ دُنیا

کس نماندست کہ در بیشہ شکارے بکند
ایں زماں ہمتِ مرداں یہ ہیں محدود دست

چھوڑ دہلی لکھنؤ سے بھی نہ کچھ امید کر

لا الٰہ اور قل ہو اللہ کہہ کے پیغمبر بھی چپ
ایسے ایسے چپ ہیں حق ہوتا نہیں اسپر بھی چپ

ہرگز گذر سکیں گے نہ ان منزلوں سے آپ
اللہ کو نکال رہے ہیں دلوں سے آپ

ساحر کم ہیں ملیں گے صیاد بہت
شاعر کم ہیں مگر ہیں استاد بہت

نافہمی و حرص میں ہیں اکثر بدمست
اک گور پرست ہے تو اک زر پرست

ساتھ اسکے وہ لطفِ زندگانی رخصت
ہمکو بھی کرے جہانِ فانی رخصت

خدا گواہ کہ یکی یہی ہے بات ایدوست
طلب مدد کی ہے بالصبر و الصلوۃ ایدوست

خرقے کو بھی اب خیالِ خلعت ہے بہت
اللہ کے نام کی تجارت ہے بہت

افکار سے رہتی ہے طبیعت ناشاد
عقبیٰ کا تصوّر اور اللہ کی یاد

ہونیکے نہیں وہ پیر گردوں کے مرید
ہر حال میں ان کو ہے خدا ہی سے امید

تیغ گیرد بہ کف و فتح دیارے بکند
زنے از پردہ بر دل آید و کارے بکند

نظم میں بھی وعظ آزادی کی اب تائید کر

صاف ہے روشن ہے اور ہے صاحبِ سوز و گداز
شاعری میں بس زبانِ شمع کی تقلید کر

فرمانِ اجل کا آگیا وقتِ صدور
دیکھیں منکر نکیر کیا کہتے ہیں
ہوں گے کوئی دم میں شاملِ اہلِ قبور
یاں سب مجھے کہتے ہیں خداوند حضور

دیکھے اکبر کے آج کچھ اشعار
تجربہ خود نے گا واعظ دیں
آئی ہے حد پسند یہ گفتار
لیک بعد از خرابیٔ بسیار

بے سود ہے یہ شکوہ و لفاظی و سیر
چلئے ابجد سے رب بستر کہہ کر
افسوس ہے مخلصو نکو اور سنتے ہیں غیر
ہو سکتی ہے تب امیدِ تمت بالخیر

منکر ہیں بعث کے جو یہ اہلِ غرور
ہے فہم و خرد کا تم کو دعویٰ یہ کہو
اک امر ہے پوچھنا ہمیں اُن سے ضرور
پیدا ہوا مادّے میں کیونکر یہ شعور

سیّد صاحب سکھا گئے ہیں جو شعور
سوتوں کو جگا دیا انھوں نے لیکن
کہتا نہیں تم سے میں کہ ہو اس سے نفور
اللہ کا نام لیکے اُٹھنا ہے ضرور

لیجاؤں لحد میں اپنا اسلام بخیر
اسلام سے جس نے بیوفائی کی ہے
لکھیں یارب ملک مرا نام بخیر
پایا نہیں ہیں نے اسکا انجام بخیر

ہو علم اگر نصیب تعلیم بھی کر
اللہ عطا کرے جو عظمت تجھ کو
دولت جو ملے تو اس کو تقسیم بھی کر
جو اہل ہیں اسکے ان کی تعظیم بھی کر

یہ تھی غلطی دیا جو معبود کو چھوڑ
زعمِ ملت کا عافیت جو ہے اگر
اصلاح یہ ہے بنو بے سود کو چھوڑ
اللہ کے آگے جھک اہل کود کو چھوڑ

کہدو کہ میں خوش ہوں کہوں آپ کو خوش
سیکھوں ہر علم و فن مگر فرض یہ ہے
بجلی چمکاؤں اور کروں بھاپ کو خوش
ہر حال میں رکھوں اپنے ماں باپ کو خوش

بے سود ہے گنج و مال و دولت کی تلاش
اکبر تو سرورِ طبع کو علم میں ڈھونڈھ
ذلت ہے دراصل جاہ و شوکت کی تلاش
محنت میں کر سکون و راحت کی تلاش

غالب انسان پہ خود پسندی ہے فقط
ہر ذرۂ دہر سے یہ آتی ہے صدا

مذہب کیا ہے گروہ بندی ہے فقط
نعمت ہے اگر تو عقلمندی ہے فقط

ہے ماہِ صیام کی نہایت تعریف
نا اہلوں کو یہ کبھی لگاتا نہیں منہ

بے شبہ یہ ہے مہذب و پاک و لطیف
کہتے ہیں اسی سبب سے رمضان کو شریف

تکمیل میں اُن علوم کے ہو مصروف
لیکن تم سے امید کیا ہو کہ تمہیں

نیچر کی جو طاقتوں کو کر دیں مکشوف
عہدہ مطلوب ہے وطن ہے مالوف

دیکھا مناظروں کا بہت اُنسے رنگ ڈھنگ
کہتے بہت صحیح تھے یہ حضرتِ مذاق

اکبر کے دل میں اب نہ رہی بحث کی امنگ
ایماں برائے طاعت و مذہب برائے جنگ

اہلِ حرص و طمع جو ذلیل ہوتے ہیں اُن پر طعن

ہے حرص و ہوس کے فن کی مجھ کو تکمیل
ہیں نفس کی خواہشیں بہت مجھ کو عزیز

غیرت نہیں میری بزمِ دانش میں دخیل
جب چاہیں کریں خوشی سے مجھ کو وہ ذلیل

بے غیرت و خود فروش و جاہل سے نہ مل
یک جا کر دیں حوادثِ دہر اگر

حق سے جو ہو غافل ایسے غافل سے نہ مل
جائز ہے کہ اُن سے مل مگر دل سے نہ مل

دل ہو جو وسیع اور روشن ہو خیال
ساری دنیا ہے اس کو پیاری اکبرؔ

ہر رنگ دکھائے تجھ کو خالق کا جمال
کہتا ہے کم آلِ حسن کو حاصل ہے کمال

جب علم گیا تو شوقِ عزت معدوم
مسجد سے یہ آئی گوشِ اکبرؔ میں صدا

دولت رخصت تو ذوقِ زینت معدوم
مذہب جو مٹا تو زورِ ملت معدوم

خواہانِ عمل نہ طالبِ گنج ہیں ہم
لغزش ہو کوئی تو دوست فرمائیں معاف

بے کینہ و بے ریا و بے رنج ہیں ہم
آزاد ہیں مست ہیں سخن سنج ہیں ہم

انوار اس دور کے دل افروز ہیں کم
ہر چرب زباں نہیں ہے شمعِ اخلاص

گویا کہ شبیں بہت ہیں اور روز ہیں کم
جلنے والے بہت ہیں دل سوز ہیں کم

ابتک کوئی بہتری تو ظاہر نہ ہوئی
شاید کہ یہی ترقیِ قومی ہے

گذرے جاتے ہیں ہم پہ سال و مہ و یوم
ہر شخص بجائے خود بنا ہے اک قوم

دیکھو جو مقابل اس کے سارا عالم
ہُں اک ذرے میں ہے ہماری کیا اصل

دینا بخدا ہے اک ذرے سے بھی کم
ناتھم ہیں کر رہے ہیں تا حق ہم ہم

مخلوط کرو نہ نفس و نیچر کو بہم
جو بھوک لگی زباں کو وہ ٹھیک نہیں

گو نفس نے بھی لیا ہے نیچر سے جنم
نافع وہ طعام ہے کہ طالب ہو شکم

پڑتا ہے بتوں سے ساعت چند کا کام
اللہ سے ہر نفس کا رہتا ہے لگاؤ

تمہید میں اسکی دولت و عمر تمام
دشوار ہے نفس پر عبادت کا نام

علم و حکمت میں ہو اگر خواہشِ قسم
شادی نہ کر اپنی قبل تحصیلِ علوم

سرکار کی نوکری کو ہرگز نہ کر ایکم
بت ہو کہ پری ہو خواہ وہ ہو کوئی میم

بھولے جاتے ہیں ہسٹری بھی اپنی
ہے دولت و جاہ بھی کمی پر ہر روز

مذہب کو بھی ضعیف پاتے ہیں ہم
ظاہر یہ ہے کہ مٹتے جاتے ہیں ہم

اس بزم سے سب کے سب اُٹھے جاتے ہیں
اک قوت مذہبی عقیدوں سے تھی

تسکین کے جو تھے سبب اُٹھے جاتے ہیں
وہ بھی تو دلوں سے اب اُٹھے جاتے ہیں

گر جیب میں زر نہیں تو راحت بھی نہیں
گر علم نہیں تو زور و زر ہے بیکار

بازو میں سکت نہیں تو عزت بھی نہیں
مذہب جو نہیں تو آدمیت بھی نہیں

دنیا سے میل کی ضرورت ہی نہیں
در پیش ہے منزلِ عدم اے اکبرؔ

مجھ کو اس کھیل کی ضرورت ہی نہیں
اس راہ میں ریل کی ضرورت ہی نہیں

توحید ان کے دلوں میں محفوظ نہیں
اس فرقہ کو میں نے دیکھا اکبرؔ

اللہ کے ذکر سے یہ محظوظ نہیں
اسلام ان کی نظر میں ملحوظ نہیں

تجھ کو بھی جہاں میں کچھ شرف ہے کہ نہیں
کوئی طاقت تری طرف ہے کہ نہیں

داخل ہے نمازیوں میں یا فوج میں ہے
آخر تری بھی کوئی صف ہے کہ نہیں

وہ رنگ کسن تمہارے عاشق میں نہیں
الجھا ہوا اب وہ طرزِ سابق میں نہیں
الفت ثابت کرو عمل سے صاحب
واللہ کو دخل میری منطق میں نہیں

اُردو میں جو سب شریک ہونیکے نہیں
اس ملک کے کام ٹھیک ہونیکے نہیں
ممکن نہیں شیخ امراء القیس بنیں
پنڈت جی والمیک ہونے کے نہیں

کہا احباب نے یہ دفن کے وقت
کہ ہم کیونکر وہاں کا حال جانیں
لحد تک آپ کی تعظیم کر دی
اب آگے آپ کے اعمال جانیں

دلکش نہیں وہ حسیں جسے شرم نہیں
رونق نہیں اسکی جس کا دل گرم نہیں
سختی میں بھی ہو گداز طینت بجو صاف
پگھلی ہے برف گو کہ وہ نرم نہیں

مجھے جو کوئی بُرا یہ مضمون نہیں
کوئی پہلو خلافِ قانون نہیں
ہر چند کہ یہ مزے چکھاتا ہے بہت
شیطان کا کوئی شخص ممنون نہیں

وہ غیرتیں وہ صبر وہ ایمان ہیں کہاں
حسن عمل کے دل میں وہ ارمان ہیں کہاں
اک غل مچا ہوا ہے کہ مسلم ہیں خستہ حال
پوچھے ذرا کوئی کہ مسلمان ہیں کہاں

الفت اور ادب نہیں تو انسان نہیں
بے صبر و سکوں جو ہو تو ایمان نہیں
جو غیرِ خدا کو مانتا ہو قادر
اکبر بخدا کہ وہ مسلمان نہیں

بیخود ہیں وہ جو دل سے ہیں اللہ کے خواہاں
ہیں مست نگاہِ بتِ دلخواہ کے خواہاں
آسودہ ہیں علم و ہنر و فن میں جو ہیں محو
چکر میں ہیں بس جاہ کے اور شاہ کے خواہاں

ہے صبر و قناعت اک بڑی چیز اکبر
لذت کبھی اسکی تو نے چکھی ہے کہاں
دنیا طلبی کے وعظ میں محو ہے تو
یہ بھی تو ذرا سمجھ کہ رکھی ہے کہاں

مشکل ہے یہ حالتیں سہی جاتی ہیں
پھانسیں ہیں کہ قلب میں رہی جاتی ہیں
تفصیل نہ پوچھ ہیں اشارے کافی
یوں نہیں یہ کہانیاں کہی جاتی ہیں

گردن خالق کے آگے جھکتی ہی نہیں
ہوتی نہیں انہیں کچھ بھی غیرت پیدا

اب ابتری سے یہ قوم رکتی ہی نہیں
اور بات اکبر کی ہے کہ چلتی ہی نہیں

چٹکیاں اکدوسری کی وقت پر جڑتے بھی ہیں
ہندو و مسلم ہیں پھر بھی ایک اور رکھتے ہیں بیچ

ناگہاں غصہ جو آجاتا ہے لڑپڑتے بھی ہیں
ہیں نظر آپس کی ہم تے بھی ہیں لڑتے بھی ہیں

اوروں کی کہی ہوئی جو دہراتے ہیں
خود سوچ کے حسب حال مضمون نکال

وہ فوٹو گراف کی طرح گاتے ہیں
انسان یونہیں ترقیاں پاتے ہیں

کہنے سننے کی گرم بازاری ہے
ایسا سنئے کہ کہنے والا ابھرے

مشکل ہے مگر اثر پرائے دل میں
ایسی کہئے کہ بیٹھ جائے دل میں

لفظوں کے چمن بھی اسمیں کھل جاتے ہیں
دل کو مطلق نہیں ترقی ہوتی

بے ساختہ قافئے بھی مل جاتے ہیں
تعریف میں سر اگرچہ ہل جاتے ہیں

خاطر مضبوط دل تو انا رکھو
ہو جائینگی مشکلیں تمھاری آساں

امید اچھی خیال اچھا رکھو
اکبر اللہ پہ بھروسا رکھو

اعمال کے حسن سے سنورنا سیکھو
مرنے سے مفر نہیں ہے جب اے اکبر

اللہ سے نیک امید کرنا سیکھو
بہتر ہے یہی خوشی سے مرنا سیکھو

تہذیب وہ ہے کہ رنگِ مذہب بھی ہو
تزئین وہ ہے کہ خاکساری بھی ہو ساتھ

آزاد وہ ہے کہ جو مودب بھی ہو
اسپیچ وہ ہے کہ اُس میں یارب بھی ہو

اللہ کا صدق دل سے جو طالب ہو
ہرگز نہ بڑھیں گے اس سے نیچر کے مرید

حیرت نہیں گر ملک کا ہم قالب ہو
ممکن نہیں جسم روح پر غالب ہو

بھولتا جاتا ہے یورپ آسمانی باپ کو
برق گر جائیگی اکدن اور اڑ جائیگی بھاپ

بس خدا سمجھا ہے اسنے برق کو اور بھاپ کو
دیکھنا اکبر بچائے رکھنا اپنے آپ کو

اسلام ہی کو بس اپنی ملت سمجھو

بیگانہ روش میں اپنی ذلت سمجھو

جو اس کے خلاف رائے رکھے اکبر
خاموش رہو سمجھ کی قلت سمجھو

جس بات میں تم شکست ملت سمجھو
اس میں شرکت کو اپنی ذلت سمجھو
جو بندۂ نفس ہو مخالف اس کا
قومی غیرت کی اس میں قلت سمجھو

کچھ منع نہیں ہر اک کی تحریر پڑھو
لیکن قرآن کی بھی تفسیر پڑھو
عظمت دنیا کی جب دبائے دل کو
خالق کا کرو خیال تکبیر پڑھو

حاصل کرو علم طبع کو تیز کرو
باتیں جو بُری ہیں اُن سے پرہیز کرو
قومی عزت ہے نیکیوں سے اکبرؔ
اس میں کیا ہے کہ نقل انگریز کرو

دنیائے دنی کی یہ ہوس جانے دو
گلچیں ہو اگر تو خار و خس جانے دو
مالک کے بغیر گھر کی رونق نہیں کچھ
اللہ کو اپنے دل میں بس جانے دو

شیطانِ لعین سے پنبہ در گوش رہو
غالب ہے اسی کی بات خاموش ہو
بدلا یا تا ہوں مجلس دہر کا رنگ
مستی کی ہوس نہ ہو تو بیہوش ہو

کہتا ہوں میں ہندو و مسلماں سے یہی
اپنی اپنی روش پہ تم نیک رہو
لاٹھی ہے ہوائے دہر پانی بن جاؤ
موجوں کی طرح لڑو مگر ایک رہو

اے جدّ بزرگ کے تواسو پوتو
تزئین کو تہ کرو زمینیں جوتو
کیا سُنتے ہو اپنی ہسٹری کو ہر وقت
اللہ مدد کرے گا ویسے ہو تو

شہوات کی پیروی کا منصوبہ نہ ہو
دولت تری خادمہ ہو محبوبہ نہ ہو
شہرت جو کمال سے ہویدا ہو جائے
لیکن یہ تکلفات مطلوبہ نہ ہو

لوگ سنتے ہیں جو پیش آتی ہے یہ حالت کبھی
من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو
لیکن اخلاق نظر میں اس سے تو بہتر ہے وہ
من ترا پاجی بگویم تو مرا پاجی بگو

ہوتی ہے نصیب تلخ کامی تم کو
محسوس نہیں ہے اپنی خامی تم کو
اغیار نہیں بنا سکے تم کو غلام
ہے اپنی ہی نفس کی غلامی تم کو

تدبیر کریں تو اس میں ناکامی ہو
القصہ عجیب ضیق میں ہیں ہندی
تقدیر کا نام لیں تو بدنامی ہو
یورپ کا خدا کہاں ہے جو حامی ہو

مغوی کو بھی بدنہ کہئے ترغیب ہی یہ
شیطان کو رجیم کہدیا تھا اک دن
کس سے میں کہوں کہ دلکی تخریب ہی یہ
اک شور مچا خلاف تہذیب ہے یہ

ہے عقلِ بشر بھی تابعِ حکم خدا
تدبیر کے باب میں ہے ان کو شبہہ
بیفائدہ سب میں بحث و تقریر ہے یہ
کہدو اکبر کہ جز و تقدیر ہے یہ

مرد کو چاہیئے قائم رہے ایمان کے ساتھ
میں نے مانا کہ تمھاری نہیں سنتا کوئی
تا دمِ مرگ رہے یادِ خدا جان کے ساتھ
مُلّا نا تمھیں کیا غرض شیطان کیساتھ

مسکین گدا ہو یا ہو شاہِ ذیجاہ
آہی جاتا ہے زندگی میں اک وقت
بیماری و موت ہے کہاں کس کو پناہ
کرنا پڑتا ہے سب کو اللہ اللہ

خوبی طاعت کی ہے مسلّم اب بھی
خود بین و حریص و جنگ جو ہو نہ اگر
عزت اسکی نہیں ہوئی کم اب بھی
واقف کی نظر میں ہی مکرم اب بھی

رغبت جو دلائی وسعتِ مشرب کی
لیکن تبدیل وضع و نقلِ مناح
شامل اسمیں غرض تھی بیشک سب کی
ہے بعض کی بات اور اپنی ہی مطلب کی

مذہب ہے کم ترقیِ یورپ کے سامنے
لیکن وہ آفتاب ہے اور یہ ہے مثل ابر
معذور خاکسار بھی ہی اور جناب بھی
ابرِ غلیظ سے ہے نہاں آفتاب بھی

راحت کا سماں نہ تھا تو غفلت بھی ہوئی
دنیا میں جسے جو پیش آیا اکبر
حسرت کا کھنچا جو سین عبرت بھی ہوئی
بس اسکے مطابق اسکی حالت بھی ہوئی

تحصیل علوم کر کہ دولت ہے یہی
اکبر کی یہ بات یاد رکھ لے عشرت
اخلاق درست کر کہ زینت ہے یہی
محفوظ ہو معصیت سے عزت ہے یہی

تسبیح و دعا میں جس نے لذت پائی
اور ذکر خدا سے دل نے راحت پائی

کوئی نہیں خوش نصیب اس سے بڑھ کر
بس دونوں جہاں کی اسنے نعمت پائی

روزی ملجائے مال و دولت نہ سہی
راحت ہو نصیب شان و شوکت نہ سہی
گھر بار میں خوش رہیں عزیزوں کے ساتھ
دربار میں باہمی رقابت نہ سہی

رازِ بتِ شوخ کی خبر ہی نہ ملی
دل کیا ملتا کبھی نظر ہی نہ ملی
کیا وصل کا حوصلہ کریں پیش رقیب
جن کو اس وقت تک کمر ہی نہ ملی

کمیٹیوں سے نہو گا کچھ بھی غرض اگر مشترک نہ ہوگی
خیال ملت نہو گا جبتک مفید ہرگز یہ بک نہو گی
بہت بجا نوٹ لکھ گئے ہیں اپنی پوتھی میں بھائی مانک
غذا نہو گی تو کیا جیو نگا دیا کرو تم ہزار ٹانک[1]

خواہش ہے اگر تجھے غنی بننے کی
دولت کی ہوس ہے اور دھنی بننے کی
شخصی حالت کو چھوڑ کر اے ہندی
کوشش لازم ہے کمپنی بننے کی

گو لگ رک سکتی نہیں یہ نقلِ وضعِ مغربی
پھر بھی کامل طور پر ممکن نہیں ہمغالبی
اپنی تاریخ اپنی ملت سے رہو تم باوفا
بندگی تم کو مبارک صاحبو نکو صاحبی

دیکھے جو حوادثِ سماوی ارضی
قائم کرلیں ہیں تونے باتیں فرضی
بھولا ہے خدا کو تو ذرا غور تو کر
زندہ رکھتی ہے تجھ کو کس کی مرضی

وہ شوکت و شانِ زندگانی نہ رہی
غیرت کی حرم میں پاسبانی نہ رہی
پردہ اُٹھا تو کھل گیا اے اکبر
اسلام میں اب وہ لن ترانی نہ رہی

حصہ حریص کا ہے بیدینی و غلامی
قانع کیواسطے ہے اعزازِ نیک نامی
محنت ہی کیلئے ہی تفریحِ قلب و دزی
مقبولِ دوستاں ہی اکبر کی خوش کلامی

ہر ایک کو نوکری نہیں ملنے کی
ہر باغ میں یہ کلی نہیں کھلنے کی
کچھ پڑھ کے تو صنعت و زراعت کو دیکھ
عزت کیلئے ہے کافی ایدل نیکی

بارہا جوشِ جنوں میں مجھے آیا ہے خیال
کہ تماشا ہے یہ ہنگامۂ نیکی و بدی
نظرِ عشق میں ہے زندگی و موت اکبر
اضطرابِ نفسِ چند و سکونِ ابدی

یہ زینتِ دنیا ہے کہ مٹی پہ ہے پتی
گوشِ شنوا ہو تو سنو اس کے ترانے
بچوں کے سوا کون ہو اس کا متمنی
اس بزم میں اکبر سا نہیں کوئی مغنی

اس عہد میں یہی ہے بس داخلِ نکوئی
شوقِ عمل نہیں ہے فکرِ اجل نہیں ہے
مذہب پہ نکتہ چینی ملت کی عیب جوئی
ناصح بنے ہیں اکثر عابد نہیں ہے کوئی

منظور ہے دل ہماری عرضی ہوگی
اس دورِ فنا میں ہوگی لیکن جو بات
اس وقت کہ جب خدا کی مرضی ہوگی
وہ صرف برائے نامِ فرضی ہوگی

تاثیر ہوائے باغِ ہستی نہ گئی
ہوتے ہی رہے جمالِ دلکش پیدا
صورت کی ادا النظر کی مستی نہ گئی
طبعِ انساں سے بت پرستی نہ گئی

سوچو کہ آگے چل کر قسمت میں کیا لکھا ہے
ہشیار رہ کے پڑھنا اس جال میں نہ پڑنا
دیکھو گھر دل میں کیا تھا اور آج کیا رہا ہے
یورپ نے یہ کہا ہے یورپ نے وہ کہا ہے

رکتا نہیں انقلاب چارا کیا ہے
تسکین کیلئے مگر ہے کافی یہ خیال
حیراں ہیں ملک و بشر بیچارا کیا ہے
جو کچھ ہے خدا کا ہے ہمارا کیا ہے

غنچہ رہتا ہے دل گرفتہ پہلے
کہتی ہے نسیم آ کے رازِ فطرت
رنگِ چمن فنا سے گھبراتا ہے
سنتے ہی پیامِ دوست کھل جاتا ہے

ہنگامۂ شکر و شکوہ دنیا میں ہے گرم
کھلتا نہیں رازِ دہر شکوہ ہے تو یہ
لیکن مرے دل سے یہ صدا آتی ہے
اور شکر یہ ہے کہ موت آجاتی ہے

انساں یا بت سے دلوں کو ملا سکے
ہم تو اسی کو علم سمجھتے ہیں کام کا
یا کوئی شے مفید خلائق بنا سکے
پڑھنے کو مستعد ہیں جو کوئی پڑھا سکے

تو نے دل دہر سے ملا رکھا ہے
کیا خود زندہ ہے اپنی طاقت ہی تو
قائم غفلت کا سلسلہ رکھا ہے
آخر کس نے تجھے جلا رکھا ہے

قرآں میں ہمیں خدا نے سمجھایا ہے
شیطاں نے فلسفے میں الجھایا ہے

قسمت اب دیکھنی ہے دل کی اکبرؔ
معلوم نہیں کہ یہ کدھر آیا ہے

دنیا نے دین کو بھلا رکھا ہے
اس دور میں خوش نصیب وہ ہے اکبرؔ
غفلت کی نیند میں سلا رکھا ہے
جس نے قرآن کو کھلا رکھا ہے

ہر حال میں بہر روح انسب وہ ہے
قرآن کو غور سے پڑھو اور سمجھو
اللہ و رسول کا بھی مطلب وہ ہے
اکبرؔ بخدا اچھا مذہب وہ ہے

۱۸۷۶ء

پگڑے سے نہ ہے نہ کچھ خیالات سے ہے
اکبرؔ بخدا یہ کامیابی ہماری
تہذیب سے ہے نہ ترک عادات سے ہے
تقدیر سے اور اتفاقات سے ہے

دنیا ہے دنی محل آفات بھی ہے
طرہ پھر اس پہ یہ کہ مرنا بھی ضرور
فکر روزی مخل اوقات بھی ہے
جیتا رہے آدمی تو اک بات بھی ہے

انساں میں معتبر لیاقت بھی ہے
انداز سخن سے بھی ہے اندازۂ طبع
محبوب اس وزن میں وجاہت بھی ہے
اک جزو قوی مگر شرافت بھی ہے

دولت وہ ہے جو عقل و محنت سے ملے
ایماں کا ہو نور دل میں وہ راحت ہے
لذت وہ ہے کہ جوش صحت سے ملے
عزت وہ ہے جو اپنی ملت سے ملے

آپس میں موافق رہو طاقت ہے تو یہ ہے
صحت بھی ہو روزی بھی ہو دل کو بھی ہو تسکین
دیکھو نہ بہم عیب محبت ہے تو یہ ہے
دنیا میں بشر کے لئے نعمت ہے تو یہ ہے

حاسد تجھ پر اگر حسد کرتا ہے
اپنی پستی کو کر رہا ہے محسوس
کر صبر کہ خود وہ کار بد کرتا ہے
اور تیری بلندیوں سے کد کرتا ہے

انبساط نفس الگ ہے روح کا وجد اور ہے
ہو جو باطن کی ترقی تجھ کو منظور نظر
دشت وحشت اور ہے اور وادیٔ نجد اور ہے
یاد رکھ اکبرؔ تکبر اور ہے مجد اور ہے

ارماں نہ شراب و بزم شاہد کا ہے
ساماں نہ محافل و مساجد کا ہے

اکبر کو ہے اُنس کنجِ تنہائی سے
دھیان اسکو فقط خدائے واحد کا ہے

کچھ ننگ نہیں کہ خلق سے ملنا ضرور ہے
لیکن خدا کیواسطے خلقِ خدا سے مِل
جو اس سے اختلاف کرے حق سے دور ہے
سمجھے گا اس کو وہ کہ جو اہلِ شعور ہے

انسان جو عمر ختم کر چکتا ہے
فانی دنیا کا دیکھ لیتا ہے رنگ
خوش ہو چکتا ہے آہ بھر چکتا ہے
زندہ جو رہا بھی وہ تو مر چکتا ہے

سنئے حکمت جو میری گفتار میں ہے
پروانے نے شمع سے لپٹنا چاہا
اک حدِ ادب ہر ایک سرکار میں ہے
پہلے تھا نور میں اور اب نار میں ہے

شیطان سے دل کو ربط ہو جاتا ہے
حد سے جو سوا ہو حرص یا خود بینی
دشوار انسان کو ضبط ہو جاتا ہے
اکثر ہے یہی کہ خبط ہو جاتا ہے

جسکو خدا سے شرم ہے وہ ہی بزرگ دیں
جسکو کسی کی شرم نہیں اسکو کیا کہوں
دنیا کی جس کو شرم ہے مردِ شریف ہے
فطرت میں وہ رذیل ہے دل کا کثیف ہے

اللہ کا حق اگر تلف ہوتا ہے
دنیا طلبی میں ہے یہ ہنگامہ و شور
اس کے لئے کون سر بکف ہوتا ہے
حاصل پھر اس سے کیا شرف ہوتا ہے

خلقت جو کہیں ذلیل ہو جاتی ہے
گو جسم میں ظاہرا توانائی ہو
بے غیرت و بے دلیل ہو جاتی ہے
اخلاق میں وہ علیل ہو جاتی ہے

دنیا کو بہت ذلیل پایا میں نے
اخلاقی پہلوؤں سے جانچا اکبر
بے غیرت و بے دلیل پایا میں نے
شدت سے اسے علیل پایا میں نے

افسوس سفید ہو گئے بال ترے
تو زلفِ بتاں بنا ہوا ہے ابتک
لیکن ہیں سیاہ اب بھی اعمال ترے
دنیا پہ ہنوز پڑتے ہیں جال ترے

ہیں وعدۂ خالقِ دو عالم سچے
اے منکرِ دیں قیامت آنی ہے ضرور
قرآن سچا رسولِ اکرم سچے
کہدیں گے وہاں کہ دیکھ لے ہم سچے

جب واقعات اصلی پیشِ نظر نہ آئے
الفاظ نے سنور کر اپنے قدم جمائے

شاعر نے کام رکھا تحسین و آفریں سے
نیچر نے کی گذارش رخصت ہو نہیں یہیں سے

ایسے بھی ہیں خلق جن کو فرعون کہے
میں نام بنام تم سے کہتا اکبرؔ

ایسے بھی جنھیں محمّد و عون کہے
نازک ہے مگر معاملہ کون کہے

ہر چند کہ کوٹ بھی ہے پتلون بھی ہے
لیکن یہ میں تجھ سے پوچھتا ہوں ہندی

بنگلہ بھی ہے پاٹ بھی ہے صابون بھی ہے
یورپ کا تری رگوں میں کچھ خون بھی ہے

دولت بھی ہے فلسفہ بھی ہے جاہ بھی ہے
سب سے قطع نظر ہے مشکل لیکن

لطف حسنِ بتانِ دل خواہ بھی ہے
اتنا سمجھے رہو کہ اللہ بھی ہے

مذہب کی کہوں تو دل لگی میں اڑ جائے
باقی سرِ قوم میں ابھی ہے کچھ ہوش

مطلب کی کہوں تو پالسی میں اڑ جائے
غالب ہے کہ یہ بھی اس صدی میں اڑ جائے

اعلیٰ مقصود چاہیئے پیشِ نظر
فرہاد پہاڑ پر عمل کرتا تھا

کوشش تری گو ہو لطف ذاتی کیلئے
شیریں کیلئے کہ ناشپاتی کے لئے

مذہب قانون و قوم کا بانی ہے
توہین باکدوسرے کی کرتے ہیں جو لوگ

خالص طاعت عروجِ روحانی ہے
یہ جہل ہے یا ہوائے نفسانی ہے

ہمدرد ہوں سب یہ لطف آبادی ہے
تسکین ہے جب کہ ہو خدا پر تکیہ

ہمسایہ بھی ہو شریک تب شادی ہے
قانون بنا سکیں تب آزادی ہے

آگاہ ہوں معنی خوش اقبالی سے
شرطیں عزت کی اور ہیں اے اکبرؔ

واقف ہوں بنائے رتبۂ عالی سے
چلتا نہیں کام صرف نقالی سے

ایمان و حواسِ حق پرستی کیا ہے
لاریب یہ سب ہے ایک ہستی کا ظہور

یہ غفلت و کفر و جوشِ مستی کیا ہے
یہ مجھ سے نہ پوچھ پھر وہ ہستی کیا ہے

جینا تھا جس قدر ہمیں دنیا میں جی لئے
ساغر کسی طرح کے ملے اور پی لئے

غم بھی رہا خوشی بھی تحیّر بھی فکر بھی
جاتے ہیں اب کہ آئے تھے ہم بس اسی لئے

طاقت وہ ہے باثر جو سلطانی ہے
تعلیم وہ خوب ہے جو سکھلائے ہنر

اس جا ہے چمک جہاں زرافشانی ہے
اچھی ہے وہ تربیت جو روحانی ہے

انسان چاہیے جو بات اچھی چاہیے
شیطان سے وہ فلاسفی ہے منسوب

بدیوں سے محترز ہو نیکی چاہیے
جس کا مطلب ہے کر وہ جو جی چاہیے

پاکیزگیٔ نفس کی دشمن سے ہے
شیطان کی ہے پرائوٹ سکریٹری

انسان کو خراب کرنیوالی شے ہے
مسلم اور اس کو منہ لگائے ہے ہے

یہ دربار ہے خالقِ دوجہاں کا
نہ سمجھو کہ حاضر نہیں حق تعالیٰ

ادب اپنا سکہ بٹھلائے ہوئے ہے
یہ عالم خود آنکھیں جھکائے ہوئے ہے

اوہام کے ہاتھ سے نہ ایذا سہیئے
ہے پیشِ نگاہ جلوۂ ارض و سما

بندوں کے نہیں خدا کے ہو کر رہیئے
سبحان اللہ جوشِ دل سے کہیئے

چیخے۔ چلائے۔ کودے۔ اچھلے ٹہلے
حالت تو وہی ہے بلکہ اس سے بدتر

ہر پھر کے وہیں رہے جہاں تھے پہلے
یوں منہ سے جو جس کے دل میں آئے کہہ لے

غلط فہمی بہت ہے عالمِ الفاظ میں اکبر
یہ روشن ہے کہ پروانہ ہے اسکا عاشقِ صادق

بڑی مایوسیوں کیساتھ اکثر کام چلتا ہے
مگر کہتی ہے خلقت شمع سے پروانہ جلتا ہے

تعلیم بھی پائی سب کے پیارے بھی ہوئے
لیکن جو یہ نورِ طبع پایا نہ گیا

دنیا کو بھی خوش کیا ہمارے بھی ہوئے
پھر کیا تم عرش کے جو تارے بھی ہوئے

پیسنزیعنی قطعات

جلوۂ دربارِ دہلی

سر میں شوق کا سودا دیکھا
دہلی کو ہم نے بھی جا دیکھا
جو کچھ دیکھا اچھا دیکھا
کیا بتلائیں کیا کیا دیکھا

نظم ہے مجکو بادہ صافی
شغل یہی ہے دل کو کافی
مانگتا ہوں یاروں سے معافی
خیر اب دیکھئے لطف قوافی

جمنا جی کے پاٹ کو دیکھا
اچھے ستھرے گھاٹ کو دیکھا
سب سے اونچے لاٹ کو دیکھا
حضرت ڈیوک کناٹ کو دیکھا

پلٹن اور رسالے دیکھے
گورے دیکھے کالے دیکھے
سنگینیں اور بھالے دیکھے
بینڈ بجانے والے دیکھے

خیموں کا اک جنگل دیکھا
اس جنگل میں منگل دیکھا
برمھا اور درنگل دیکھا
عزت خواہوں کا دنگل دیکھا

سڑکیں تھیں ہر کمپ سے جاری
پانی تھا ہر پمپ سے جاری
نور کی موجیں لمپ سے جاری
تیزی تھی ہر جمپ سے جاری

کچھ چہروں پر مردی دیکھی
کچھ چہروں پر زردی دیکھی
اچھی خاصی سردی دیکھی
دل نے جو حالت کر دی دیکھی

ڈالی میں نارنگی دیکھی
محفل میں سارنگی دیکھی
بے رنگی بارنگی دیکھی
دہر کی رنگا رنگی دیکھی

اچھے اچھوں کو بھٹکا دیکھا
منہ کو اگرچہ لٹکا دیکھا

بھیڑ ہیں کھانے جھٹکا دیکھا
دل دربار سے اٹکا دیکھا

ہاتھی دیکھے بھاری بھر کم
زریں جھولیں نور کا عالم

ان کا چلنا کم کم تھم تھم
میلوں تک وہ چم چم چم چم

پُر تھا پہلوئے مسجد جامع
کوئی نہیں تھا کسی کا سامع

روشنیاں تھیں ہر سو لامع
سب کے سب تھے دید کے طامع

سرخی سڑک پر کٹتی دیکھی
آتشبازی چھٹتی دیکھی،

سانس بھی بھیڑ میں گھٹتی دیکھی.
لطف کی دولت لٹتی دیکھی

چوکی اک چوکھی دیکھی
ہر سو نعمت رکھی دیکھی

خوب ہی چکھی پکھی دیکھی
شہد اور دودھ کی مکھی دیکھی

ایک کا حصہ من و سلوا
ایک کا حصہ بھیڑ اور بلوا

ایک کا حصہ تھوڑا حلوا
میرا حصہ دور کا جلوا

اوج برٹیش راج کا دیکھا
رنگ زمانہ آج کا دیکھا

پرتو تخت و تاج کا دیکھا
رخ کرزن مہراج کا دیکھا

پہونچے پھاند کے سات سمندر
حکمت و دانش اُن کے اندر

تخت میں ان کے بیسوں بندر
اپنی جگہ ہر ایک سکندر

اوج بخت ملاقی اُن کا
محفل ان کی ساقی اُن کا

چرخ ہفت طباقی اُن کا
آنکھیں میری باقی اُن کا

ہم تو ان کے خیر طلب ہیں
ان کے راج کے عمدہ ڈھب ہیں

ہم کیا ایسے ہی سب کے سب ہیں
سب سامان عیش و طرب ہیں

اگزبیشن کی شان انوکھی

ہر شے عمدہ ہر شے چوکھی

اقلیدس کی نابی جو کھی،
من بھر سونے کی لاگت سو کھی

جشنِ عظیم اس سال ہوا ہے
شاہی فورٹ میں بال ہوا ہے
روشن ہر اک ہال ہوا ہے
قصۂ ماضی حال ہوا ہے

ہے مشہورِ کوچۂ دبرزن
بال میں ناچیں لیڈی کرزن
طائرِ ہوش تھے سب کے برزن
رشک سے دیکھ رہی تھی ہر زن

ہال میں چمکیں آ کے یکایک
زریں تھی پوشاک جھکا جھک
محو تھا ان کا اوج سما تک
چرخ پہ زہرہ ان کی تھی گاہک

گو رقاصۂ اوجِ فلک تھی
اس میں کہاں یہ نوک پلک تھی
اندر کی محفل کی جھلک تھی
بزمِ عشرت صبح تلک تھی

کی ہے یہ بندش ذہنِ رسا نے
کوئی مانے خواہ نہ مانے
سنتے ہیں ہم تو یہ افسانے
جس نے دیکھا ہو وہ جانے

خدا جانے کہا کس نے یہ کس دن عقلِ مسلم سے
کہ مشرق کو نظر آتا نہیں مغرب سے چھٹکارا
گئی دنیا تو پھر ہم دین کو اب کیوں لگا رکھیں
بُرا معلوم ہوتا ہے مسائل کا یہ پشتارا
مضر ہیں یہ بھی قیدیں مناسب ہے شکست انکی
مزاحم ہیں مگر یہ مولوی ان کا نہیں چارا
وہ پھینٹے دیجئے ان کو حکیمانہ طریقوں سے
کہ بجھ کر راکھ ہی ہو جائے مذہب کا یہ انگارا
چلے مقراض تدبیر ایسے پیچیدہ طریقوں سے
کہ جز کٹ جائے مذہب کی یہ پھر ہو منہدم سارا
عمل جاتا رہے بالکل فقط الفاظ رہ جائیں
انھیں بھی پست کر دے مغربی حکمت کا نقارا
ترقی پائیگی قوم آپ کی پھر دورِ گردوں میں
عجب کیا ہے کہ پھر بہنے لگے اقبال کا دھارا
قیامت کر گئی قومی ترقی گوشِ مسلم میں
لگا کہنے زہے نعمت اگر حاصل شود مارا
اگر آں شاہدِ مغرب بدست آرد دلِ مارا
بچشمِ مست او بخشیم تسبیح و مصلیٰ را
مصلے کو غرض تہ کر کے اٹھا عابدِ مشرق
جو طاقت آ گئی تھی دل میں اس طاقت سے للکارا

اِدھر تحریر اُدھر اسپیچ اِدھر سازش اُدھر بندش
نتائج پر نظر کب ہو عاشق تن کی ہوتی ہے
وو روزہ پالسی نے اسطرف تقویت دیدی
ڈنر عہدے۔ تبسم مشورے وعدے بنے گیسو
حواسِ ظاہری کے دام سے بچنا ہوا مشکل
وہ ٹوٹے یہ گرے وہ پھسلے یہ چت ان کو غش آیا
حریفانِ طرب آگیں نے چھیڑا ساز عشرت کو
بتوں کے عشق میں تڑپی چکے تھے عقل پر پتھر
عزیزوں دردمندوں بیکسوں نے دل کی کیا ہستی
نہ حالی کی مناجاتوں کی پروا کی زمانے نے
زبانِ حال سے فریاد تھی یہ اہل تمکیں کی
فغاں ہیں سحر فن دلکش ساں آفتِ ایماں
ہوا سب کو تعجب کیوں ہوئیں یہ حالتیں پیدا
وہ پردے کے بڑے حامی تھے طاعت کے موید تھے
حباب آسا جو آسانی سے ٹوٹا گنبدِ مذہب
مناسب کچھ مگر دیکھا جو بالآخر تو کیا دیکھا
اِدھر شیرازۂ قومی کو ہم ہیں توڑتے جاتے
نتیجے ہمنے خود آنکھوں سے دیکھے روز روشن میں
کہیں تحقیر مذہب کی کوئی تعظیم کرتا ہے
بہت ہی غفلت و ترک عمل دنیا میں یہ مانا
مدارِ خیر خواہی ترک مذہب پر نہیں ہرگز

لے جھڑ کا اُٹھے انڈا اسے گانٹھا اُسے مارا
وہ سمجھے میں نئی اک قوم کا نجاؤں گا دارا
اِدھر بجنے لگا فتح و ظفر کا پھر تو نقارا
وہ گیسو جس سے پھیلی بوئے مستِ عنبر سارا
کجا موہوم حوریں اور کجا پریوں کا نظارا
نہ ایماں میں رہی طاقت نہ دل میں ضبط کا یارا
بجایا سب نے مضرابِ ہوس سے دار دادارا
مسوں کا بھی تکلف چڑھ گیا ہر قلب پر پارا
وہ حالت پیش آئی تھی کہ جس سے موم ہو خارا
نہ اکبر کی ظرافت سے رُکے یارانِ خود آرا
کہ اے نظم جہاں را حافظ و اے عرش را دارا
چناں بردند صبر از دل کہ ترکان خوانِ یغمارا
نہ تھا یہ مطلب سید کہ اس رخ پر چلے دھارا
وہ خواہاں تھے کہ چمکے اوج پر اسلام کا تارا
تو کیا اقبال و عزت کا اِدھر بہنے لگا دھارا
وہی نیٹیں وہی پتھر وہی چونا وہی گارا
اِدھر بازی حریفوں کی ہی ہاتھ لگے ہی لوپارا
فلک نے سرکشوں کو خاکِ ناکامی پہ دے مارا
بجھا کر نور دل کو کب ہی چمکا بخت کا تارا
عقیدہ اصل ہے لیکن وہ ہونا چاہیئے پیارا
ہر اک نے دل سے انگلش کی ہی لائلٹی کا دم مارا

نہ تھا یہ مطلب سارا کہ اسمٰعیل کافر ہو
حریفانہ نہ ہو انداز مطلب تھا یہی سارا

جب اپنی ہسٹری ہم بھول جائیں گے تو کیا ہوگا
خدارا اک نظر اس سین کا کرنے تو نظارا

صلوٰۃِ بے وضو سے ہو رہی ہے اطراف مسجد
ادھر قرآنِ بے رغبت سی دل مذہب کا بیپارا

مشینیں چل رہی ہیں اور کسی کی کچھ نہیں چلتی
ادھر ہیں بی چھلے کندی ادھر ہی برق وش آرا

خود اپنی قوم کی تحقیر کرنا اس کے کیا معنی
یہ کس جادو نے بچوں کو کیا خود بین و خود آرا

کہیں اطفال ناداں ہیں کہیں پیران بے طاقت
یہ غوطے کھاتے ہیں فقرے ہیں آتا ہے وہ بیچارا

یہ اخلاقی یہ روحانی بنائیں ٹوٹتی کیوں ہیں
یہ نفسِ مطمئنہ پر ہوا کیوں غالب امارا

یہ کس کل کے بنینگے جزو کھو کر دینی ملت کو
مگر ہاں اپنے بیلوں میں ملالے کوئی نیارا

ہمارے حکمراں تو حج میں سرگرم طاعت ہوں
تو ہم سد بے پھریں کیوں دشت بیدینی میں آوارا

عمل مطلوب ہے بیشک مگر نور اپنا کیوں کھوئیں
زمانے کو ہے گردش ہم نہیں ثابت ہے سیارا

ہو الاول ہو الآخر یہ شہد روح پرور ہے
پھرو آزاد ہو کر یہ ہے بالو کا شکر پارا

بٹھایا کیوں نہیں جاتا یہ نقشِ جانفزا دل پر
کہ روحانی ترقی میں ہو اللہ کا عرش کا تارا

بہت نکلا کئی ہی دن رات گو قومی بزرگوں کو
مگر کمزور یہ موجیں ادھر غفلت کا ہے دھارا

مہین پیچیدہ بحثیں پیش کرنے کو تھا آمادہ
کہ اتنے میں جنابِ حضرتِ حافظ نے للکارا

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معمارا

قدیم وضع پہ قائم رہوں اگر اکبر
تو صاف کہتے ہیں سید یہ رنگ ہے میلا

جدید طرز اگر اختیار کرتا ہوں
خود اپنی قوم مچاتی ہے شور و واویلا

جو اعتدال کی کہئے تو وہ ادھر نہ اُدھر
زیادہ حد سے دئے سب نے پاؤں ہیں پھیلا

ادھر یہ ضد ہے کہ لیمنڈ بھی چھو نہیں سکتے
اُدھر یہ دھن ہے کہ ساقی صراحی مے لا

ادھر ہے دفتر تدبیر و مصلحت ناپاک
اُدھر ہے وحیِ ولایت کی ڈاک کا تھیلا

غرض دوگونہ عذاب است جانِ مجنوں را
بلائے صحبتِ لیلیٰ و فرقتِ لیلیٰ

یہ تسبیح و تکبیر و حمد و دعا
ہے نورِ دلِ بندگانِ خدا
یہ پلٹن کے گورے ہر اتوار کو
سجاتے ہیں گرجا کے دربار کو
اگر یہ کہو ہیں وہ بالکل وحوش
تو دیکھو کہ عابد ہیں حضرت لٹیوش
جب اڈورڈ ہفتم ہوئے تھے علیل
تو کی قوم نے یادِ ربِّ جلیل
کمی کی نہ اسٹیٹ نے خرچ میں
دعائیں ہوئیں دھوم سے چرچ میں
وہ جنرل کہ دبتی تھی جن سے زمیں
ہیں گرجا میں راکع مع الراکعین
ہوئے جنگ سے زار اندیشہ ناک
گرے سجدے میں پیشِ اللہ پاک

سرِ بادشاہانِ گردن فراز
بدرگاہِ او بر زمینِ نیاز

ہمنشیں کہتا ہے کچھ پروا نہیں مذہب گیا
میں یہ کہتا ہوں کہ بھائی یہ گیا تو سب گیا
نیشنل فیلنگ تو ہم میں کبھی تھی ہی نہیں
اتحادِ دیں فقط باقی رہا تھا اب گیا
ہے عقیدوں کا اثر اخلاقِ انساں پر ضرور
اس جگہ کیا چیز ہوگی وہ اثر جب دب گیا
پیٹ میں کھانا زباں پر کچھ مسائل ناتمام
قوم کے معنی گئے اور روح کا مطلب گیا
منقلب ہوتے ہیں ہم طالب العلموں کی کورس
کورس بھی رخصت ہوا اسکا زمانہ جب گیا
اتحادِ معنوی ان میں برائے نام ہے
دیکھتے ہو اک گروہ اک راہ ہو کر کب گیا
بعد ازیں کیا حشر ہوگا یہ تو سوچو دوستو
جو اٹھا بہرِ ہلاکِ ملت و مشرب گیا
اس سے نفرت انکو ایسی مستقل تازی زباں
حیف!! مسلم سے خیالِ مبنی و معرب گیا
مجلسِ دنیا میں کس صنف کے ہو گے مستحق
دور ہوا و لارڈ سے اور پرتوِ یارب گیا
نوکری کے باب میں وہ پالسی قائم نہیں
ہوش میں آؤ وہ رنگِ روز و رنگِ شب گیا

ہم یہی کہتے ہیں صاحب سچ لو انجام کار
دوسرا پھر کیا ٹھکانا ہے اگر مذہب گیا

اک لعبت چین کو لندن سے جو بیاہ کے لائے منالئین
احباب نے تیرِ مطاعن سے انکے دل کو مجروح کیا
باپ انکے بولے کشتی مری اللہ ڈبودی ہائے غضب
اس لڑکے نے صحبت بد پاکر یہ کارِ ابنِ نوح کیا
تعلیم کو میں نے بھیجا تھا ترویج کی اس نے ٹھکرائی
ممدوح تو بنتا بھول گیا بس اپنے تئیں منکوح کیا
لڑکے نے جواب میں عرض کیا ای قبلہ و کعبہ سنیئے تو
یہ کون برائی میں نے کی جو فاتح کو مفتوح کیا

مسان خود فروش آخر فرستادند ایں بلہا
طلب کردند زر چنداں کہ خون افتاد در دلہا
نشاطِ طبع برہم شد شکست آن رنگِ محفلہا
الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا

کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

ادھر بے علم دیں ہے نورِ ایماں قلب سے زائل
ادھر کالج کا بیڑا پار کرنے پر ہے دل مائل
ادھر ہے نوکری دشوار جگر میں ہے ہر سائل
شبِ تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حائل

کجا دانند حالِ ما سبکساران ساحلہا

نہ قیدِ شرع باقی ہے نہ آزادی کی ہے کچھ حد
نہیں کچھ گفتگو اس باب میں یہ نیک ہی یا بد
بزرگوں کا بھی فتویٰ ہے کہ ٹوٹے قانونِ سر سید
بمی سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید

کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

کہاں کی شیخ جی جب طبیعت ہی نہ تھی حاضر
مقیم دیر تھے دلچسپ تھی بزم بت کافر
نہ تھا کچھ پاسِ ایماں دل کی تھی مدِ نظر خاطر
ہمہ کارم ز خود کامی بہ بدنامی کشید آخر

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

جو ہونا چاہتا ہے بدر بن جا ماہ نو حافظ
نہ کر آرام رہِ راہِ طلب میں تیز رو حافظ
لگائے رہ اسی سے رات دن تو اپنی لو حافظ
حضوری گر ہمی خواہی ازو غافل مشو حافظ

متی ما تلق من تہوی دع الدنیا و اہملہا

آئینہ لفظِ خدا ہے بیسیوں مفہوم کا
اور ازاں جملہ مرادف ہے یہ نامعلوم کا

سب کا حصہ قوتِ حالت کی لائق ہے یہاں
بس یہی مطلب تو ہے اے مہرباں تقسیم کا

پیر و مرشد نے کیا قوم میں بچپن پیدا
وہ یہ سمجھے تھے کہ ہو جائیگا جوبن پیدا

وہ تو پیدا نہ ہوا ہاں یہ لڑکوں کے مگر
ہو چلے دین کی دیوار میں روزن پیدا

پستیٔ قوم کے جب آ گئے دن اے اکبر
اونچے درجوں میں ہوئے عقل کی دشمن پیدا

دین کیا چیز ہے شیرازۂ قومی ہے فقط
جس سے ملت کی ہے اک صورتِ احسن پیدا

آج ہوتا نہیں اس کا ضرر ان کو محسوس
ہو رہی ہیں ابھی کچھ لالہ و سوسن پیدا

بالیقیں آئیگا اس باغ پہ ایسا اک وقت
کر چلیں گی روشیں نشتر و سوزن پیدا

صورتِ برگِ خزاں دیدہ بکھرینگے اڑتے
نہ بہار آئے گی پھر ہوگا نہ گلشن پیدا

باپ کے خون سے ہوگی جو حمیت زائل
ہونگے اطفال بھی بے غیرت و کودن پیدا

کاہ کی طرح سے اڑ جائیں گے دینی اعمال
اختلافات کے ہو جائینگے خرمن پیدا

ظلمتِ جہل سے گھر جائینگے دل کے اطراف
سینوں میں ہو نہ سکیں گے دلِ روشن پیدا

کون کہتا ہے کہ انگلش کا نہ ہو دل سے مطیع
کون کہتا ہے نہ کر الفتِ ولسن پیدا

کون کہتا ہے تکلف سے نہ کر زیست بسر
کون کہتا ہے نہ کر وضع میں جوبن پیدا

کون کہتا ہے کہ تو علم نہ پڑھ عقل نہ سیکھ
کون کہتا ہے نہ کر حسرتِ لندن پیدا

بس یہ کہتا ہوں کہ ملت کی معانی کو نہ بھول
راہِ قومی کا تو خود ہی نہ ہو رہزن پیدا

قوم قوم آٹھ پہر سنتے ہیں ہم قوم کہاں
تار باقی نہیں تو کرتا ہے دامن پیدا

مذہبی شاخ فقط ہے تری قومی ہستی
یہ جو ٹوٹی تو نہیں کوئی نشیمن پیدا

کچھ گھروندا نہیں خشتن کہ بنا لیں لڑکے
فطرتی طور پہ خود ہوتی ہے نیشن پیدا

سلف ریسکٹ کا پھر یاد رہے گا نہ سبق
پھر نہیں ہونگی یہ بحث تو دمن پیدا

بزمِ تہذیب سے ہو جائیں گے قطعاً خارج
حس ہی باقی نہ رہیگا کہ ہو شیون پیدا

بیشک نئی روشنی سے بہتر ہے کہیں
انساں کے لئے کرسچین ہو جانا

یزداں کا خیال تو دلاتا ہے وہ دیں
ہے کفر صریح اہرمن ہو جانا

مرشد کہتے ہیں تو ہے نادان اے دوست
بات اور ہے صاحب سخن ہو جانا

میری چالیں بھی ہیں اسی کی تمہید
سکھلاتے ہیں پہلے بیدسن ہو جانا

ساکت کردیگی ان کو جب بے علمی
آسان ہوگا اُدھر وطن ہو جانا

۱۸۷۷ء

سید سے آج حضرتِ واعظ نے یہ کہا
چرچا ہے جا بجا ترے حالِ تباہ کا

سمجھا ہے تو نے نیچر و تدبیر کو خدا
دل میں ذرا اثر نہ رہا لا الٰہ کا

ہی تجھ سے ترکِ صوم و صلوٰۃ و زکوٰۃ و حج
کچھ ڈر نہیں جنابِ رسالت پناہ کا

شیطان نے دکھا کے جمالِ عروسِ دہر
بندہ بنا دیا ہے تجھے حبِّ جاہ کا

اس نے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج
راحت میں جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا

افسوس ہی کہ آپ ہیں دنیا سے بے خبر
کیا جانئے جو رنگ ہے شام و پگاہ کا

یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر
گذرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا

وہ آب و تاب و شوکتِ ایوانِ خسروی
وہ محکموں کی شان وہ جلوہ سپاہ کا

آئے نظر علومِ جدیدہ کی روشنی
جس سے تجلی ہو نورِ رخِ مہر و ماہ کا

دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی
کمسن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا

نوخیز دلفریب گل اندام نازنین
عارض پہ جن کے بار ہو دامن نگاہ کا

رکئے اگر تو ہنس کے کہے اک بتِ حسیں
دل مولوی یہ بات نہیں ہے گناہ کا

اس وقت قبلہ جھک کے کریں آپ کو سلام
پھر نام بھی حضور جو لیں خانقاہ کا

پتلون کوٹ و نیکر و بسکٹ کی ہو پسند ہے
سودا جناب کو بھی ہو ٹرکی کلاہ کا

ممبر یوں تو بیٹھ کر گوشے میں اے جناب
سب جانتے ہیں وعظ ثواب و گناہ کا

گرمیِ بحث میں آ کے انہوں نے یہ اکبر سے کہا
کہ رہِ احمدِ مرسل یہ تو قائم نہ رہا

رہ گئی ہے فقط اوہام پرستی تجھ میں
بادۂ جہل کی بس آگئی مستی تجھ میں

نہ مقاصد میں بلندی نہ خیالات صحیح
بحر عصیان و تعصب میں تو ڈوبا ہے صریح

سخت ناعاقبت اندیش ہیں شیخ و مُلّا
قوم برباد ہوئی جاتی ہے کھلم کھلا

کہا اکبر نے یہ الزام ہے بے شبہ درست
تو ہے مجھ سے بھی زیادہ مگر اس راہ میں سست

کبر و تزئین و تحمل سے تجھے ہے بس کام
دل میں انکار ہے اور لب پہ ہے نام اسلام

طاعتِ حق کی ترے قافلہ میں گرد نہیں
نفس سرد نہیں ہے دل پُر درد نہیں

ہم اگر پختگی سے جاتے ہیں خامی کی طرف
ترا میلان ہے الحاد و غلامی کی طرف

تو بھی اُس رنگ سے محروم ہے ہم بھی محروم
صادق آتا ہے یہی قول شہیدِ مرحوم

اے صہبا مایۂ سودا نہ تو داری و نہ من
بوے آں زلفِ چلیپا نہ تو داری و نہ من

نامہ بنام اودھ پنچ ۱۸۷۷ء

اے گوہر مخزنِ ظرافت
وے جوہر معدنِ لطافت

سرمایۂ انبساط خاطر
تسکین دل و نشاط خاطر

دیباچۂ دفتر فصاحت
عنوان صحیفۂ بلاغت

خلاق معانی طرب خیز
کشاف رموز عشرت انگیز

ہادی و ادیب و دانش آموز
گوہر افشاں و گوہر اندوز

زینت دہ شاہد تکلم
آئینۂ خندہ و تبسم

سرچشمۂ قول وعظ و گفتار
گنجینۂ وعظ و پند و اسرار

اے فخر دہِ زبان اُردو
وے اوج دہ نشانِ اُردو

رنگینی میں غیرت گلستاں
شوخی میں حریف برقِ تاباں

کیا خوب ہے نسخۂ اودھ پنچ
محبوب ہے نسخۂ اودھ پنچ

دن رات یہی ہیں اتو چرچے
ہے خلق خدا قتیل اس کی
معقول مزاح ہے تو یہ ہے
ہر چند کہ زجر بیشتر ہے
لیکن وہ قند میں گھلا ہے
وہ شربت حفظ عقل و ایماں
بگڑے ہوئے بن گئے ہنسی میں
ہر کس کہ بدید گفت خوب است
رندوں کی زباں ہیں پند دل خواہ
ہر چند کہ طرز ہیچ لندن
لیکن وہ نقشِ اولیں ہے
ماشاء اللہ یہ نقش ثانی
وہ پیر معمّر دکہن سال
وہ اک گل صد بہار دیدہ
مولود سعید مریم طبع،
لطف شام اودھ ہے اس سے
اک نور ہے مہر لکھنؤ کا
وہ سرد برنگِ آتش گل
بحث مضموں میں وہ اگر ہیچ
واں بازوئے کار سست بنیاد
کیسا خامہ زبان معنی

پرچاتے ہیں دل کو اس کے پرچے
حاسد کا حسد دلیل اس کی
شرعاً جو مباح ہے تو یہ ہے
گو فقرۂ طعن نیشتر ہے
یہ آب حیات میں بجھا ہے
یہ مردہ دلوں کو ہے رگ جاں
حکمت ہے تو ایسی دل لگی میں
باللہ مفرح القلوب است
سبحان اللہ واہ وا واہ
بے شبہ ہے دل پسند و پر فن
نسبت اس سے اسے نہیں ہے
بہتر ہے بصورت و معانی
یہ خیبر ہے نونہال اقبال
یہ غنچۂ تازہ نو دمیدہ
عیسیٰ دم دگوہر یم طبع،
روشن نام اودھ ہے اس سے
اختر ہے سپہر لکھنؤ کا
یہ گرم بسان آہ بلبل
یہ حل نکات میں ہے سر پیچ
یہاں خامۂ نیزۂ چمن زاد
کیا ذکر زباں کہ جانِ معنی

اٹھنے میں نگاہِ چشم جادو چلنے میں حریف تیغ ابرو
مفتاح خزینۂ تصور نقاش نگینۂ تصور
کہنا اسے شمع کب روا ہے اوصاف میں شمع سے سوا ہے
وہ چہرہ نمائے بزم صورت یہ پردہ برافگن حقیقت
ہر چند کہ سرمہ در گلو ہے تاہم سرگرم گفتگو ہے
رعنا و لطیف و شوخ و بیباک سرگرم و حریف و چست و چالاک
مشاطۂ شاہد معانی بانیِ بنائے خوش بیانی
پیچیدگیوں میں حرف زن ہو شانہ کشِ گیسوئے سخن ہے
آزادی کا فخر اسے اگر ہے یہاں فخر اس سے زیادہ تر ہے
یعنی کہ وہ مطلق العناں ہے بے قید ہر ایک سو رواں ہے
وہاں طبع کو زور لاتحف ہے دقت تو جو ہے وہ اس طرف ہے
زنجیر خرد کی پائے بندی باقاعدہ شرح دردمندی
تا ہر نظر حسود بد کیش ہر گام پہ مثل دام در پیش
کوتہ نظراں پست فطرت سرگرم شرارت و عداوت
واں شاخ شجر پہ ہے ترانہ یاں دیدۂ دام آشیانہ
کیونکر نہ ہوا دعائے اعجاز کھولے ہیں قفس میں بال پرواز
کی سیر دو عالم اک نفس میں پھر دیکھئے تو اسی قفس میں
دریا قطرے میں موجزن ہے غنچے میں بہار صد چمن ہے
ہے نوک سناں پہ نقش پرواز رقصاں دم تیغ پر بصد ناز
شعلوں کے ہجوم میں سمندر امواج میں ماہی تو ہی پر
کیا کثرت خار سے خطر ہے یاں دوش نسیم پر سفر ہے

پابندی کا کب ہے یاں تاسف
یوسف زنداں میں بھی ہے یوسف

جلوہ ہے وہی وہی تجلّی
شوکت ہے وہی وہی تعلّی

پابند جو یوسفِ سخن ہے
پھیلی ہوئی بوئے پیرہن ہے

ہر رنگ میں ہے بہارِ معنی
ہر لفظ ہے پردہ دارِ معنی

ہر نقطہ ہے نکتۂ بصیرت
ہر حرف ہے کاشفِ حقیقت

صرصر کے جور سے بری ہے
یہ شاخ خزاں میں بھی ہری ہے

وہ مہرِ فلک سے منفعل ہے
یاں روشنیِ دماغ و دل ہے

دریوزہ گری پہ اُس کی اوقات
یاں قطب صفت ثباتِ ذرات

جن سے آسیب کا تھا کھٹکا
ان دیوؤں نے خوب سر کو پٹکا

غالب تھا اثر میں اسم اس کا
ٹوٹا نہ کبھی طلسم اس کا

ہوتے نہ جو رشک سے وہ بیچین
حسّاد بھی صاد کرتے بالعین

سنئے اِک اور نکتۂ خوب
آزادیٔ گفتگو ہے معیوب

لاتا ہوں دلیلِ شاعرانہ
دیکھو قدرت کا کارخانہ

منہ کے اندر زباں جڑی ہے
دانتوں کے حصار میں پڑی ہے

بتیسؔ جوان سخت طینت
اِستادہ ہیں مائلِ اذیت

ہیں مثلِ سفید دیو بیباک
طامع جابر حریص سفاک

حد سے جو بڑھے زبانِ گفتار
دوڑیں اسے کاٹنے یہ خونخوار

پہلو میں جوان کے ہمنشیں ہو
وہ نوکِ خلال سے حزیں ہو

کتنا ہی وہ ہو ملائم و تر
دانہ پستا ہے اُن میں آکر

لوہے کے چنے کہاں سے لائیں
سختی کا انھیں مزا چکھائیں

اس قید میں جب کہ یہ زباں ہے
آزادیٔ گفتگو کہاں ہے

باریک ہے گو یہ نکتہ اے دل
لازم ہے سمجھ لیں اس سے عاقل
مرضی تھی خدائے جسم و جاں کی
محدود ہوں شوخیاں زباں کی
دل میں جو آئے بک نہ جاؤ
ہشیار چلو بہک نہ جاؤ
دریائے خیال، موج زن ہے
وقفِ یزدان و اہرمن ہے
ہے شارعِ عام حق و باطل
ناظر اس کی ہے فکرِ عاقل
گذرے جو خیالِ بد بلا کد
بازوئے خرد سے بس کرو رد
باطل پہ نہ جاؤ حق کو سن لو
کانٹوں کو ہٹا کے پھول چن لو
خاموش بس اے زبانِ خامہ
منظور نظر ہے ختم نامہ
ہر چند یہ عالم سخن ہے
یاں فیضِ ازل ضیا فگن ہے
ہر گوشے میں وسعتِ فلک ہے
ہر ذرّہ میں مہر کی چمک ہے
ہر گام پہ ہیں چمن ہزاروں
اِک اِک میں گلِ سخن ہزاروں
ہر برگِ گلِ سخن میں سو رنگ
ہر رنگ میں لاکھ لاکھ نیرنگ
نیرنگ ایسے کہ عقل حیراں
حیرت ایسی کہ نورِ عرفاں
ہر سمت ہزار میکدے ہیں
ہر ایک میں لاکھ خم بھرے ہیں
ہر خم میں شرابِ ارغوانی
یعنی رنگینیٔ معانی
اک قطرہ سے طبع ہو جو ممتاز
سینہ بن جائے مخزنِ راز
وہ راز کہ دل ہو محوِ مستی
مائل ہو سوئے سخن پرستی
ہو طول جو سلسلہ سخن کا
ہمسر ہو زلفِ پرشکن کا
پر طولِ بیاں سے فائدہ کیا
اس صرفِ زباں سے فائدہ کیا
بس بس اب روک لے زباں کو
کافی ہے اشارہ نکتہ داں کو
ہو کر آمادہ جان و دل سے
ہو محوِ دعا زبان و دل سے

جب تک ہے رباعیٔ عناصر
جب تک کہ یہ نظمِ بیت ہستی
جب تک ہے مسدسِ جوانب
جب تک کہ ہے روح کا لطیفہ
یہ پرچۂ دل فریب و زیبا
تحریک سے مس کو زر بنائے
ہر جامے میں لاجواب نکلے
ہو سوزِ دلِ یگانہ و غیر
جبتک کہ اثر ہے کاف و نون کا
پروانہ اسے چراغ سمجھے
خورشید کا نور میں طرف ہو
اے حافظ و خالقِ ادو ہینچ
اپنی اپنی مراد پائیں
ہر مشتریٔ بلند فطرت
محتاج ہو سیم کا نہ زر کا
احباب جو اس کے ہیں معاون
ظراف و مصنفِ لطائف
سرسبز ہوں گلشنِ جہاں میں
رنگین طبعی سے گل کھلائیں
پیدا ہوں وہ گوہرِ مضامیں
بیساختہ بول اٹھیں سخنور

رنگینیٔ نقشِ لوحِ خاطر
موزوں ہے برائے خود پرستی
برہان مشارق و مغارب
انفاس کا ہر نفس وظیفہ
ہو مونسِ جانِ ناشکیبا
ٹھہرے تو دل کو گھر بنائے
ہر رنگ میں انتخاب نکلے
بن جائے چراغِ کعبہ و دیر
مفتوں ہو ہر ایک اس فسوں کا
بلبل دیکھے تو باغ سمجھے
ذروں کی کشش اسی طرف ہو
خوشدل رہیں عاشقِ ادو ہینچ
دیکھیں جب دل کو شاد پائیں
پائے دورِ قمر میں رفعت
مورد ہو بلندیٔ نظر کا
عالی منشانِ نیک باطن
طباع و مصورِ کوائف
خرم پھریں باغ و بوستاں میں
چشم بد بیں کو خوں رلائیں
دریا کے ہو لب پہ شورِ تحسیں
اللہ رے طبع و فکرِ اکبر

(اودھ پنچ ۔ سبحان اللہ ۔ سبحان اللہ)

گفتمش تارکِ مذہب شوم و خوش باشم
منصبے چند ہوس دارم و انعامے چند

خلق را فائدۂ نیست ازیں جنگ و جدال
یک دو عاہست دریں محفل و دشنامے چند

گفت خاموش کہ دیں است مدارِ ملت
ترک ایں راہ مکن از پئے خود کامے چند

عیب مذہب ہمہ گفتی ہنرش نیز بگو
نفی حکمت مکن از بہرِ دلِ عامے چند

سنہ ۱۹۰۷ء

برق کلیسا

رات اس مِس سے کلیسا میں ہوا میں جو دوچار
ہائے وہ حسن وہ شوخی وہ نزاکت وہ ابھار

زلفِ پیچاں میں وہ سج دھج کہ بلائیں بھی مرید
قدِ رعنا میں وہ چم خم کہ قیامت بھی شہید

آنکھیں وہ فتنۂ دوراں کہ گنہگار کریں
گال وہ صبحِ درخشاں کہ ملک پیار کریں

گرم تقریر جسے سننے کو شعلہ لپکے
دلکش آواز کہ سنکر جسے بلبل جھینپے

دلکشی چال میں ایسی کہ ستارے رک جائیں
سرکشی ناز میں ایسی کہ گورنر جھک جائیں

آتشِ حسن سے تقوے کو جلانے والی
بجلیاں لطفِ تبسم سے گرانے والی

پہلوئے حسنِ بیاں شوخیٔ تقریر میں غرق
لڑکی وہ مصر و فلسطین کے حالات میں برق

پس گیا لوٹ گیا، دل میں سکت ہی نہ رہی
مرغِ تمکین کے جس گت میں وہ گت ہی رہی

ضبط کے عزم کا اس وقت اثر کچھ نہ ہوا
یا حفیظ کا کیا ورد مگر کچھ نہ ہوا

عرض کی میں نے کہ اے گلشنِ فطرت کی بہار
دولت و عزت و ایماں ترے قدموں پہ نثار

تو اگر عہدِ وفا باندھ کے میری ہو جائے
ساری دنیا سے مرے قلب کو سیری ہو جائے

شوق کے جوش میں میں نے جو زباں یوں کھولی
ناز و انداز سے تیوری کو چڑھا کر بولی

غیر ممکن ہے مجھے اُنس مسلمانوں سے
بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

لن ترانی کی یہ لیتے ہیں نمازی بنکر
حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بنکر

کوئی بنتا ہے جو مہدی تو بگڑ جاتے ہیں
گل کھلائے کوئی میداں میں تو اترا جائیں
مطمئن ہو کوئی کیوں کر کہ یہ ہیں نیک نہاد
دشمنِ صبر کی نظروں میں لگاوٹ پائی
غرض کی ہیں ذکرِ لذتِ جان راحتِ روح
شجرِ طور کا اس باغ میں پودا ہی نہیں
اب کہاں ذہن میں باقی ہیں براق و رفرف
ہم میں باقی نہیں اب خالدِ جانباز کا رنگ
یاں نہ وہ نعرۂ تکبیر نہ وہ جوشِ سپاہ

آگ میں کودتے ہیں توپ سے لڑ جاتے ہیں
پائیں سامان اقامت تو قیامت ڈھائیں
ہے ہنوز ان کی رگوں میں اثرِ حکمِ جہاد
کامیابی کی دلِ زار نے آہٹ پائی
اب زمانے پہ نہیں ہے اثرِ آدم و نوح
گیسوئے حور کا اس دور میں سودا ہی نہیں
ٹکٹکی بندھ گئی ہے قوم کی انجن کی طرف
دل پہ غالب ہے فقط حافظِ شیراز کا رنگ
سب کے سب آپ ہی پڑھتے ہیں سبحان اللہ

جو سرِ تیغِ مجاہد ترے ابرو پہ نثار
اٹھ گئی صفحۂ خاطر سے وہ بحثِ بد و نیک
موجِ کوثر کی کہاں اب ہے مرے باغ کے گرد
مجھ پہ کچھ وجہِ عتاب آپ کو ایجان نہیں
جب کہا صاف یہ میں نے کہ جو ہو صاحبِ فہم

نورِ ایماں کا ترے آئینۂ رو پہ نثار
دو دلے ہو رہے ہیں کہتے ہیں اللہ کو ایک
میں تو تہذیب میں ہوں پیرِ مغاں کا شاگرد
نام ہی نام ہے ورنہ میں مسلمان نہیں
تو بکا تو دلِ نازک سے یہ شبہہ یہ وہم

میرے اسلام کو اک قصۂ ماضی سمجھو
ہنس کے بولی کہ تو پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو

ڈال دے جان معانی میں وہ اردو یہ ہے
کروٹیں لینے لگے طبع وہ پہلو یہ ہے

ایک بوڑھا نحیف و خستہ و زار
ضعفِ پیری سے خم ہوئی تھی کمر
چند لڑکوں کو اس پہ آئی ہنسی
کہا اک لڑکے نے یہ اس سے کہ بول

اک ضرورت سے جاتا تھا بازار
راہ بیچارہ چلتا تھا جھک کر
قد پہ پھبتی کمان کی سوجھی
تو نے کتنے کو لی کمان یہ مول

پیر مرد لطیف و دانشمند
پہونچو گے میری عمر کو جس آن

ہنس کے کہنے لگا کہ اے فرزند
مفت مل جائے گی تمھیں یہ کمان

میں نے اکبر سے کہا آئیے حجرے میں مرے
چھوڑیئے آپ یہ ہنگامۂ تعلیم جدید
بولا جھنجھلا کے کہ ہے سہل جہنم مجھ پر

اس چٹائی پہ نمازیں پڑھیں حسب دستور
کاٹ ہی دے گا کسی طرح خداوند غفور
اسکی نسبت کہیں کالج میں ہوں احمق مشہور

انگلش فرس انور کا جو کل بزم میں دیکھا
معنی میں بھی ہو جائے گا آخر کو تغیر
خالق کی عبادت سے حجاب آنے لگے گا
بیگانہ وشی ہو گی عزیزان وطن سے
فلتح سے مساوات کی اٹھیں گی امنگیں
آپس میں بھی تم لوگ موافق نہ رہو گے
آخر کو رہو گے نہ ادھر کے نہ ادھر کے
انور نے کہا حسن علی واہ بہت خوب
لیکن جو یہ تعمیم ہے حضرت کے سخن میں
ہر مذہب و ملت میں ہیں اچھے بھی برے بھی
ملبوس و مکاں کا جو کیا آپ نے مذکور
باطن سے ہے اخلاق حمیدہ کا تعلق
اوضاع زمانہ تو بدلتے ہی رہیں گے
ہے جس کو ضرورت وہ ضرورت سے ہے مجبور
مقصود جو اصلی ہے وہ ہے دل کی درستی
شبہہ ہے اس قول کی صحت میں اگر ہو

اکبر نے کہا یہ تو خرابی کے ہیں آثار
تبدیلی صورت کے رہے گر یہی اطوار
شرماؤ گے کرتے ہوئے اسلام کا اظہار
بنگلے میں نہاں ہو گے کہیں چھوڑ کے گھر بار
وہ زیست جو آسان تھی ہو جائیگی دشوار
ایک ایک کو دیکھے گا بہ اکراہ و بہ انکار
انگریز بھی کھنچتے رہیں گے قوم بھی بیزار
شک اسمیں نہیں مدح کے قابل ہے یہ گفتار
اس کو تو نہ تسلیم کرے گا یہ گنہ گار
وہ کونسا فرقہ ہے کہ سب جسمیں ہوں ابرار
اسکے بھی بجا ہونیکا مجھ کو نہیں اقرار
فطرت میں جو ہے نیک وہ بد ہو گا نہ زنہار
رکتی نظر آتی نہیں دنیا کی یہ رفتار
ہے شوق جسے کیوں نہ کیا جائے وہ مختار
یا ہیٹ و اوور کوٹ ہو یا جبہ و دستار
سن لیجئے سعدی کا یہ ارشاد گہربار

حاجت بہ کلاہِ برکی داشتنت نیست
درویش صفت باش و کلاہِ تتری دار

سنہ ۱۸۹۹ء

بہار آئی کھلے گل زیبِ صحنِ بوستاں ہوکر
عنادل نے مچائی دھوم سرگرمِ فغاں ہوکر

بچھا فرشِ زمرد اہتمامِ سبزۂ تر میں
چلی مستانہ وش بادِ صبا عنبر فشاں ہوکر

عروجِ نشۂ نشو و نما سے ڈالیاں جھومیں
ترانے گائے مرغانِ چمن نے شادماں ہوکر

بلائیں شاخ گل کی لیں نسیمِ صبح گاہی نے
ہوئیں کلیاں شگفتہ روئے رنگیں بتاں ہوکر

جوانانِ چمن نے اپنا اپنا رنگ دکھلایا
کسی نے یاسمن ہوکر کسی نے ارغواں ہوکر

کیا پھولوں نے شبنم سے وضو صحنِ گلستاں میں
صدائے نغمۂ بلبل اٹھی بانگِ اذاں ہوکر

ہوائے شوق میں شاخیں جھکیں خالق کے سجدے کو
ہوئی تسبیح میں مصروف ہر پتّی زباں ہوکر

زبانِ برگِ گل نے کی دعا رنگیں عبارت میں
خدا سرسبز رکھے اس چمن کو مہرباں ہوکر

نگاہیں کاملوں پر پڑ ہی جاتی ہیں زمانے میں
کہیں چھپتا ہے اکبر پھول پتّوں میں نہاں ہوکر

قطعہ

میں نے کہا بہت سی زبانیں ہوں جانتا
مدت تک امتحان دیئے امتحان پر

جرمن، فرنچ، لیٹن و انگلش پہ ہے عبور
ثابت مرا کمال ہے سارے جہان پر

اک شوخ طبع مس نے دکھائی زباں مجھے
بجلی تھی ابر میں کہ قمر آسمان پر

بولی رہو گے زیست کی لذت سے بے خبر
قدرت نہ پائی تم نے اگر اس زبان پر

ہوئی جو مجھ سے یہ فرمائشِ بتِ طنّاز
کہ فنِ شعر میں تو آج ہے بہت ممتاز

لگادے اس پہ کوئی مصرعۂ حسین و نفیس
زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز

کہا یہ میں نے کہ ہے قیدِ حسن و خوبی کی
تو سن یہ شعر نشاط آور و نگاہ نواز

بہن لے سایہ مری جاں اتار کر یشواز
زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز

ناخوش جو ہوا میں اپنی بے قدری پر
عزت کا تو کچھ بھی تجھ میں باقی نہیں وصف

اِک ناز سے مسکرا کے بولی وہ مِس
افسوس کہ رہ گیا ہے تحقیر کا حس

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبرؔ
یہ عاشق شاہدِ مقصود کے ہیں
سناؤں تم کو اک فرضی لطیفہ
کہا مجنوں سے لیلیٰ کی ماں نے
تو فوراً بیاہ دوں لیلیٰ کو تجھ سے
کہا مجنوں نے یہ اچھی سنائی
کجا یہ فطرتی جوشِ طبیعت
بڑی بی آپ کو کیا ہو گیا ہے
یہ اچھی قدردانی آپ نے کی
دل اپنا خوں کرنے کو ہوں موجود
یہی ٹھہری جو شرطِ وصل لیلیٰ

مجھے تو ان کی خوشحالی سے ہے یاس
نہ جائیں گے ولیکن سعی کے پاس
کیا ہے میں نے جس کو زیبِ قرطاس
کہ بیٹا تو اگر کر لے ایم اے پاس
بلا دقت میں تجاؤں تری ساس
کجا عاشق کجا کالج کی بکواس
کجا ٹھونسی ہوئی چیزوں کا احساس
ہرن پر لادی جاتی ہے کہیں گھاس
مجھے سمجھا ہے کوئی ہر حرن داس
نہیں منظور مغزِ سر کا آماس
تو استعفا مرا باحسرت و یاس

اگرچہ پولٹیکل بحث میں ہوئے ہیں شریک
مگر ہمیں تو ہے بالکل سکوت اس مد میں
رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند

جناب پنڈتِ جے چند و بابو آشو توش
سمجھ گئے ہیں یہ مضمون سیدِ ذی ہوش
گدائے گوشہ نشینی تو حافظا مخروش

اک مِس سیمیں بدن سے کر لیا لندن میں عقد
کوئی کہتا ہے کہ بس اس نے بگاڑی نسل قوم
دل میں کچھ انصاف کرتا ہی نہیں کوئی بزرگ
ہوتی تھی تاکید لندن جاؤ انگریزی پڑھو
جگمگاتے ہوٹلوں کا جا کے نظارہ کرو

اس خطا پر سن رہا ہوں طعنہ ہائے دلخراش
کوئی کہتا ہے کہ یہ ہے بدخصال و بدمعاش
ہو کے اب مجبور خود اس راز کو کرتا ہوں فاش
قوم انگلش سے ملو سیکھو وہی وضع و تراش
سوپ کاری کے مزے لو چھوڑ کر یخنی و آش

لیڈیوں سے ملکے دیکھو ان کے انداز و طریق
بال ہیں ناچو کلب میں جا کے کھیلو اُن سے تاش

بادۂ تہذیب یورپ کے چڑھاؤ خم کے خم
ایشیا کے شیشۂ تقوی کو کر دو پاش پاش

جب عمل اس پر کیا پریوں کا سایہ ہو گیا
جس سے تھا دل کی حرارت کو سراسر انتعاش

سامنے تھیں لیڈیاں زہرہ وش جادو نظر
یاں جوانی کی امنگ اور اُن کو عاشق کی تلاش

اسکی چتون سحر آگیں اسکی باتیں دل ربا
چال اسکی فتنہ خیز اسکی نگاہیں برق پاش

وہ فروغ آتش رخ جس کے آگے آفتاب
اس طرح جیسے کہ پیش شمع پروانیکی لاش

جب یہ صورت تھی تو ممکن تھا کہ اک برق بلا
دست سیمیں کو بڑھاتی اور میں کہتا دور باش

دونوں جانب تھا رگوں میں جوش خون فتنہ زا
دل ہی تھا آخر نہیں تھی برف کی یہ کوئی قاش

بار بار آتا ہے اکبر میرے دل میں یہ خیال
حضرت سیّد سے جا کر عرض کرتا کوئی کاش

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردہٗ
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

۲۷ اگست ۱۸۹۱ء مقام کانپور

بٹھائی جائیں گی پردے میں بیبیاں کب تک
بنے رہو گے تم اس ملک میں میاں کب تک

حرم سرا کی حفاظت کو تیغ ہی نہ رہی
تو کام دیں گی یہ چلمن کی تیلیاں کب تک

میاں سے بی بی ہیں پردہ ہے ان کو فرض مگر
میاں کا علم ہی اٹھا تو پھر میاں کب تک

طبیعتوں کا نمو ہے ہوائے مغرب میں
یہ غیرتیں یہ حرارت یہ گرمیاں کب تک

عوام باندھ لیں دوہر کو تھرڈ و انٹر میں
سکنڈ و فرسٹ کی ہوں بند کھڑکیاں کب تک

جو منہ دکھائی کی رسموں پہ ہے مصر ابلیس
چھپیں گی حضرت حوا کی بیٹیاں کب تک

جناب حضرت اکبر ہیں حامی پردہ
مگر وہ کب تک اور ان کی رباعیاں کب تک

وہ سودی سخنگوئے شیریں مقال
جو انگریزی شاعر تھا اک بےمثال

بفرمائش دخترِ بائینز:
لکھی اُس نے ہے نظم اک لاجواب
جو بہتا ہے پانی میانِ لوڈور
مناسب جو انگلش مصادر ملے
یہ جمعیت افعال کی خوب کی
یہ اصرار کرتے ہیں بھائی حسن
دکھاؤں روانیٔ دریائے فکر
عجب ہے نہیں ان کی اسپر نظر
سوا اس کے ہیں اور بھی مشکلیں
میرے پاس سرمایہ کافی نہیں
زباں میں نہ وسعت نہ ویسا مذاق
اگر ترجمہ ہو تو مطلب ہو خبط،
موانع ہیں جن سے ڈرتا ہوں میں
جو تھیں دقتیں کہہ چکا برملا
اُچھلتا ہوا اور اُبلتا ہوا
یہ نبتا ہوا اور وہ تنتا ہوا
روانی میں اک شور کرتا ہوا
پہاڑوں کے روزن زمیں کے مسام
ادھر پھوٹتا اور بھکتا ادھر
پہاڑوں پہ سر کو پٹکتا ہوا
وہ پہلوئے ساحل دباتا ہوا

کہ رکھتا تھا جس کو وہ دل سے عزیز
دکھائی ہے شکلِ روانیٔ آب
اُسی کا دکھایا ہے شاعر نے زور
مقفٰے کئے اُن کے سب سلسلے
کہ دریں بھی ہے اور دلچسپ بھی
کہ میں بھی ہوں اس بحر میں غطازن
کہ گوہر شناسوں میں ہو جس کا ذکر
کجا میں کجا سودیؔ نامور
نہیں سہل اس راہ کی منزلیں
وہ مصدر نہیں وہ قوافی نہیں
ادھر تو ہے کچھ اور ہی طمطراق
معانی میں پیدا نہ ہو ربط و ضبط
مگر خیر کچھ فکر کرتا ہوں میں
غرض دیکھئے اب یہ پانی چلا
اکڑتا ہوا اور مچلتا ہوا
ٹپکتا ہوا اور چھنتا ہوا
رکاوٹ میں اک زور کرتا ہوا
یہ ہے کر رہا ہر طرف اپنا کام
رُخ اس سمت کرتا کھسکتا ادھر
چٹانوں پہ دامن جھٹکتا ہوا
یہ سبزہ پہ چادر بچھاتا ہوا

بھٹکتا ہوا غل مچاتا ہوا
وہ گاتا ہوا اور بجاتا ہوا
ادھر جھومتا اور مٹکتا ہوا
بپھرتا ہوا جوش کھاتا ہوا
وہ اونچے سروں میں تموج کا راگ
سدھرتا ہوا اور سنورتا ہوا
ادھر گونجتا گنگناتا ہوا
لپٹتا ہوا اور جھپٹتا ہوا
سماتا ہوا اور پلٹتا ہوا
یہ گھٹتا ہوا اور وہ بڑھتا ہوا
یہ ہٹتا ہوا اور وہ بچتا ہوا
پھسلتا ہوا ڈگمگاتا ہوا
وہ روئے زمیں کو چھپاتا ہوا
گل وخار یکساں سمجھتا ہوا
بہاتا ہوا اور بہتا ہوا
لرزتا ہوا تلملاتا ہوا
بلندی سے گرتا گراتا ہوا
اُچکتا ہوا اور اگرتا ہوا،
وہ کھیتوں میں راہیں کترتا ہوا
یہ تھالوں کی گودوں کو بھرتا ہوا
یہ پھولوں کے گجرے بہاتا ہوا

وہ جل تھل کا عالم رچاتا ہوا
یہ لہروں کو پیہم نچاتا ہوا
ادھر گھومتا اور اٹکتا ہوا
بگڑ کر وہ کف منھ پہ لاتا ہوا
وہ خود جوش میں آکے لانا یہ جھاگ
تھرکتا ہوا رقص کرتا ہوا
اُدھر خود بخود بھنبھناتا ہوا
یہ بھٹتا ہوا وہ سمٹتا ہوا
سرکتا ہوا اور ملتا ہوا
اترتا ہوا اور چڑھتا ہوا
دباتا ہوا اور لچکتا ہوا.
لچکتا ہوا لڑکھڑاتا ہوا
وہ خاکی کو سیمیں بناتا ہوا
ہر اک سے برابر الجھتا ہوا
ہوا کے طمانچوں کو سہتا ہوا
بلکتا ہوا بلبلاتا ہوا
نشیبوں میں بھرتا بھراتا ہوا
اٹکتا ہوا اور مڑتا ہوا
زمینوں کو شاداب کرتا ہوا
وہ دھرتی پہ احسان دھرتا ہوا
وہ چکر میں. بجرے پھنساتا ہوا

لپکتا ہوا وندناتا ہوا امنڈتا ہوا سنسناتا ہوا
چمکتا ہوا اور جھلکتا ہوا سنبھلتا ہوا اور چھلکتا ہوا
ہواؤں سے موجیں لڑاتا ہوا حبابوں کی فوجیں بڑھاتا ہوا
تڑپتا ہوا جگمگاتا ہوا شعاعوں کا جوبن دکھاتا ہوا
یونہیں الغرض ہے بیابان دواں بس اب دیکھ لیں شاعرِ نکتہ داں

وہ سودے کا سیلانِ آب لُو ڈُور
یہ بحرِ خیالاتِ اکبرؒ کا زور

برق و نجارات کا زور اے حکیم کب ہے پئے روح رہِ مستقیم
تار پہ جلتے نہیں اہلِ نظر ریل سے کھنچتا نہیں قلبِ سلیم

سب جانتے ہیں علم سے ہے زندگی روح بے علم ہے اگر تو وہ انسان ہے ناتمام
بے علم و بے ہنر ہے جو دنیا میں کوئی قوم نیچر کا اقتضا ہے رہے بن کے وہ غلام
تعلیم اگر نہیں ہے زمانہ کے حسبِ حال پھر کیا امیدِ دولت و آرام و احترام
سید کے دل میں نقش ہوا اس خیال کا ڈالی بنائے مدرسہ لیکر خدا کا نام
صدمے اٹھائے رنج سہے گالیاں سنیں لیکن نہ چھوڑا قوم کے خادم نے اپنا کام
دکھلا دیا زمانہ کو زورِ دل و دماغ بتلا دیا کہ کرتے ہیں یوں کرنے والے کام
نیت جو تھی بخیر تو برکت خدا نے دی کالج ہوا درست بصد شان و احتشام
سرمایہ میں کمی تھی سہارا کوئی نہ تھا سید کا دل تھا درپئے تکمیل انتظام
آخر اٹھا سفر کو وہ مردِ خجستہ پے احباب چند ساتھ تھے ذی علم و خوش کلام
قسمت کی رہبری سے ملی منزلِ مراد فرماں روائے ملکِ دکن کو کیا سلام
حالت دکھائی اور ضرورت بیان کی خوبی سے التماس کیا قوم کا پیام
رحم آگیا حضور کو حالت پہ قوم کی پھر کیا تھا موجزن ہوا دریائے فیضِ عام

مانا نہ دو ہزار کیا اک ہزار سے

اکبر کی یہ دعا ہے خدا کی جناب میں
امید سے زیادہ عطا تھی یہ لا کلام

کیا وقت پر ہوئی ہے یہ بے احتیاج فکر
تا حشر اِن رئیس و ریاست کو ہو قیام

تاریخ اپنی آپ ہے فیاضیِ نظام

کہا کسی نے یہ سیّد سے آپ اے حضرت
نہ پیر کو نہ کسی پیشوا کو مانتے ہیں

نہ آپ عالمِ برزخ سے مانگتے ہیں مدد
نہ فاتحے کے طریقِ ادا کو مانتے ہیں

نظر تو کیجیے اس بات پر جو ہیں ہندو
بہ صد خلوص ہر اک دیوتا کو مانتے ہیں

بہت وہ ہیں جو عناصر پرست ہیں دل سے
وہ آگ پوجتے ہیں یا ہوا کو مانتے ہیں

کرسچین بھی فدائی ہیں نام مریم کے
بہ دل مسیح علیہ الثنا کو مانتے ہیں

خود آپ ہی میں جو ہیں شیعیانِ باتمکین
وہ اہلِ بیت کو آلِ عبا کو مانتے ہیں

وہ لوگ جو ہیں ملقب بہ صوفیانِ کرام
فدا قبور پہ ہیں اولیا کو مانتے ہیں

مرادیں مانگتے ہیں لوگ پاک روحوں سے
کسی بزرگ کو یا مقتدا کو مانتے ہیں

پھر آپ میں یہ ہوا کیا سما گئی ہے کہ آپ
نہ دستگیر نہ مشکل کشا کو مانتے ہیں

جواب انھوں نے دیا ہم ہیں پیروِ قرآں
ادب ہر اک کا ہے لیکن خدا کو مانتے ہیں

سند ہماری ہے ایاک نستعین اید وست
اسی یگانۂ حاجت روا کو مانتے ہیں

اسی کا نام زباں پر ہے حیّ اور قیوم
اسی کی قدرتِ بے انتہا کو مانتے ہیں

یہ بوئے شرک ہی ہے جنگ و اختلاف کی جڑ
تو عقلمند کب ایسی بلا کو مانتے ہیں

جوابِ حضرتِ سیّد کا خوب ہے اکبرؔ
ہم ان کے قولِ درست و بجا کو مانتے ہیں

ولیکن اس نئی تہذیب کے بزرگ اکثر
خدا کو اور نہ طریقِ دعا کو مانتے ہیں

زبانی کہتے ہیں سب کچھ مگر حقیقت میں
وہ صرف قوتِ فرماں روا کو مانتے ہیں

پوچھا پروانے سے کہ اے ناداں
آگ میں گر کے کیوں گنواتا ہے جاں

جل کے بولا کہ اے خرد دشمن
سن لے مجھ سے یہ معنیِ روشن
شعلے سے طالبِ وصال اچھا
یا اندھیرے میں پائمال اچھا

کیا وجہ ہے قومی جو ترقی نہیں ہوتی
ہر چند کہ ہے شورِ ترقی کی صدا میں
یہ مسئلہ مشکل ہے وہی سمجھیں گے جن کو
ہے نشو و نما پولٹیکل آب و ہوا میں
اک بات تعجب ہے مگر میں نے سنی تھی
کل رات کو ایک انجمنِ ذکرِ خدا میں
اسپیچ ترقی میں تو آندھی ہے یہ فرقہ
لگتا نہیں دل انکا ترقی کی دعا میں

بنائے ملت بگڑ رہی ہے لبوں پہ ہی جان مر رہی ہیں
مگر طلسمی اثر ہے ایسا کہ خوش ہیں گویا ابھر رہے ہیں
ادھر ہے قوم ضعیف و مسکیں ادھر ہیں کچھ مرشدِ خود بیں
یہ اپنی قسمت کو رو رہی ہے یہ نام پر اپنے مر رہے ہیں
ہوئی گرِہ اتحادِ ملت رواں ہیں حسنِ دل کی موجیں
ہم اسکو سمجھے ہیں آبِ صافی نہار ہی ہیں نکھر رہے ہیں
صدائے الحاد اٹھ رہی ہے خدا کی آیت دبا اٹھ رہی ہے
دلوں سے فریاد اٹھ رہی ہے کہ دین سے ہم گذر رہے ہیں
قفس ہے کم ہمتی کا جس میں پڑے ہیں کچھ دو انسانے شیریں
اسی کا حامل ہے طبعِ شاہی تبال میں اب نہ پر رہے ہیں
اگرچہ یورپ بھی مبتلا ہے وہاں بھی پھیلی یہی بلا ہے
خیال مسٹر کا بڑھ چلا ہے خدا کا انکار کر رہے ہیں
مگر وہاں کی بنا ہی نیشن گری کا ہے ملحد کا آپریشن
نہیں ہے گم لفظ سالویشن خدا سے بھی وہ ڈر رہے ہیں
یہاں بجائے نماز گپ ہے وہاں وہی عزتِ بشپ ہے
یہاں مساجد اجڑ رہی ہیں وہاں کلیسا سنور رہے ہیں

جنابِ اکبر سے کوئی کہہ دے کہ لوگ بیٹھے ہیں ہر طرح کے
اس انجمن میں اور ایسی باتیں یہ آپ کیا قہر کر رہے ہیں

جو اشارہ کرد ناصح کہ بیا و بشنو از من
ہمہ طرزِ حیلہ جستن ہمہ فنِ ساز کردن
گہہ امیرِ گبر بودہ بہ یہود عہدِ یاری
گہ آئینِ دیر بودہ بہ حرم نماز کردن
بجدائی عزیزاں ہمہ امتیاز جستن
بمرادِ غیر بودہ ہمہ عیش و ناز کردن
نظرے فگند چشمم بہ حقارتے بہ درویش
کہ حرام باد دستے بہ تو دراز کردن
ہمہ اول تو دیدم ہمہ آخرِ تو دیدم
نہ خوش است شرحِ احوال و بیانِ راز کردن

توبہ خویشتن چہ کردی کہ بما کنی نظیری — بخدا کہ واجب آمد ز تو احتراز کردن

کیا شک ہے آفتاب کے شان و جلال میں — روشن تر اس سے کونسی شے ہے خیال میں
لیکن نہیں وہ کچھ بھی موثر بس از غروب — لازم ہے غور کیجیے اس مسئلہ پہ خوب
ہر چند تم خیال کرو آفتاب کا — گوشہ بھی اُٹھ سکیگا نہ شب کی نقاب کا
پوجوگے اس کو تب بھی وہ پھیرا نہ جائیگا — اس کو پکارنے سے اندھیرا نہ جائے گا
انساں کا حال بھی مرے نزدیک ہے یہی — تحقیق کی نظر جو کرو ٹھیک ہے یہی
کتنا ہی کوئی صاحبِ اوجِ کمال ہو — کتنا ہی با اثر ہو کہ عالی خیال ہو
جب کر گیا جہان سے وہ ملکِ عدم کو کوچ — پھر اس سے کچھ مدد کا تصور ہے ہیچ و پوچ
قیوم و حی ذات ہے اللہ کی فقط — زندہ ہمیشہ بات ہے اللہ کی فقط
سن لو کہ اتباع و ادب اور چیز ہے — مطلب کی لیکن ان سے طلب اور چیز ہے

آزردہ کوئی شیخ ہو یا برہمن خفا
حقانیت یہی ہے یہی ٹھیک فلسفا

کر چکا کالج میں جب تکمیلِ فن — تب یہ بولے مجھ سے مسٹر مارلین
گو کہ شہرت ہے تمہاری دور دور — مجھ سا تم رکھتے نہیں عقل و شعور
عرض کی میں نے کہ اے روشن ضمیر — ہے یہی تو جس کو روتا ہے بشیر
آپ نے سیکھا ہے اپنے باپ سے — اور میں نے جو پڑھا وہ آپ سے

یہ طفل ماداں غریب غفلت حوالے ذلت میں تن رہے ہیں — سمجھ نہیں ہے نظر نہیں ہے بنائے جاتے ہیں بن رہے ہیں
ہماری ہے جو نہیں ہیں واقف خرابی ظلم کو کیا وہ سمجھیں — یہ داغ تو ہیں انھیں کی دل پہ جو محوِ رنگِ چمن رہے ہیں
نیا فلک ہے نئے ستارے یہ شوق ہی کر دئیے نظارے — انھیں کو کچھ حس ہے گردشوں کا جو زیرِ چرخِ کہن رہے ہیں
یہ آخری صف میں اگلے دالے بہشت سمجھی ہیں اپنی تھالے — محلِ حسرت ہیں انکے سینے جو زینتِ انجمن رہے ہیں
ہے ہمیں جو برگ و خس کی خو گر انھیں ہو کیوں خار انکا منظر — نگاہ تو ہے انھیں کی مضطر جو مست سرو و سمن رہے ہیں

بہت خفا تھی مسائل پر کسی ہو رہی ہے ہماری تو ہیں
اب انکو منطق سنا رہی ہے وہ سر جھکائے ہیں من ہی من میں

اگرچہ لفظوں کی بدلیوں میں چھپا ہے معنی کا چاند اکبر
مگر معانی ہیں ایسے روشن کہ نور کیطرح چھن رہے ہیں

مزے کا جشن تھا کل اک شراب خانے میں
خدا کے فضل سے ہم نام کے مسلماں ہیں

کسی نے خوب یہ گایا کسی ترانے میں
وگرنہ چین سے رہتے نہ اس زمانے میں

ہستی کے شجر میں جو یہ چاہو کہ چمک جاؤ
میں نے کہا قائل میں تصوف کا نہیں ہوں
میں نے کہا کچھ خوف کلکٹر کا نہیں ہے
میں نے کہا ورزش کی کوئی حد بھی ہے آخر
میں نے کہا افکار سے پیچھا نہیں چھٹتا

کچے نہ رہو بلکہ کسی رنگ میں پک جاؤ
کہنے لگے اس بزم میں آؤ تو تھرک جاؤ
کہنے لگے آجائیں ابھی وہ تو دبک جاؤ
کہنے لگے بس اسکی یہی حد ہے کہ تھک جاؤ
کہنے لگے تم جانب میخانہ لپک جاؤ

میں نے کہا اکبر میں کوئی رنگ نہیں ہے
کہنے لگے شعر اسکے جو سن لو تو پھڑک جاؤ

کر چکا ختم جب میں اسپنسر
پوچھا استاد نے کہ سمجھے بھی
کہدیا میں نے اس کا کل مطلب

مجھ پہ پڑنے لگی ہر اک کی نگاہ
ان دقایق نے دل میں کی کچھ راہ
صاف ہے لا الہ الا اللہ

ماسٹر نے کہا تو کودن ہے
حق پکارا کہ واہ اکبر واہ

سنا کہ چند مسلمان جمع تھے یک جا
کہا کسی نے یہ ان سے کہ یہ تو بتلاؤ
نظر کرو طرفِ اقتدارِ اہل فرنگ
انھیں کا سکہ ہے جاری یہاں سے لندن تک

خدا پرست خوش اخلاق اور بلند نگاہ
تمھاری عزت و وقعت کا کسطرح ہے نباہ
کہ انکے قبضہ میں ہے ملک و مال و گنج و سپاہ
انھیں کی زیر نگیں ہے ہر اک سفید و سیاہ

کلیس بنائی ہیں وہ وہ کہ دیکھ کر جن کو
تمھارے پاس بھی کچھ ہے کہ جس پہ تم کو ہے ناز

زبانِ خلق سے بیساختہ نکلتی ہے واہ
کہا انھوں نے کہ ہاں لا الہ الا اللہ

نہ وہ بک رہ گئے نہ سر سید
ذاتِ محمود سے تسلی تھی
بولی عبرت کہ ہوش میں آؤ
مٹ گیا نقشِ احمد و محمود

دلِ احباب سے نکلتی ہے آہ
لی انھوں نے بھی آج خلد کی راہ
اے حریصانِ شان و شوکت و جاہ
رہ گیا لا الہ الا اللہ

بنام ایڈیٹر رسالہ یدِ بیضا

علم اسرارِ دل و حق معما داری
تو چہ حاجت بہ جمالِ سخن آرا داری

برتر از نظم دکن نظم ثریا داری
حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

مسلمانوں میں اب تعلیمِ انگلش رک نہیں سکتی
وہ نزلہ رک نہیں سکتا یہ پیچش رک نہیں سکتی

کسی سے مشرق و مغرب کی سازش رک نہیں سکتی
بڑے بوڑھوں کی لیکن یہ بھی خواہش رک نہیں سکتی

مذاقِ قوم بیگانہ نہ ہوا اللہ اکبر سے
یہ نقشِ جانفزا اٹھنے نہ پائے دل کے دفتر سے

اہلِ یورپ کے ساتھ ہوٹل میں
خانساماں نے کان میں یہ کہا
پڑھیے کوئی دعائے اکلِ طعام
تب یہ اشعارِ حضرتِ سعدی
اے کریمے کہ از خزانۂ غیب

چکھی سید نے ایک دن کاری
آپ تو علم سے نہیں عاری
دین سے بھی رہے وفاداری
ہوئے ان کی زبان پر جاری
گبر و ترسا وظیفہ خور داری

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

نظم مذہبی حسب فرمائش اڈیٹر دکن ریویو برائے نیشنل انتھم شروع سنہ ۱۹۰۶ء

جو دل کرتے ہیں حق کی پاسبانی
سمجھتے ہیں جو قرآں کے معانی

خدا کا ان پہ ہے لطفِ نہانی
سُنا ہے میں نے یہ ان کی زبانی

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است
خم و خمخانہ بامہر و نشاں است

سرورِ قلب و حرزِ جاں ہے اسلام
جہاں میں باسروساماں ہے اسلام

معینِ شاہی و شاہاں ہے اسلام
ابھی تک حافظِ ایماں ہے اسلام

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است
خم و خمخانہ بامہر و نشاں است

مساجد میں وہی شورِ اذاں ہے
وہی جوشِ دلِ اسلامیاں ہے

وہی اللہ اکبر برزباں ہے
وہی رت ہے وہی ابتک سماں ہے

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است
خم و خمخانہ بامہر و نشاں است

دلوں میں ہے خدا کی یاد ابتک
بہت ہیں صاحبِ ارشاد ابتک

طبیعت ذکر سے ہے شاد ابتک
بہت ہیں باغ دیں آباد ابتک

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است
خم و خمخانہ بامہر و نشاں است

عیاں ہے پرتوِ روئے محمدؐ
رواں ہیں قافلے سوئے محمدؐ

مشامِ جاں میں ہے بوئے محمدؐ
وہی ہے رونقِ کوئے محمدؐ

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشاں است
خم و خمخانہ بامہر و نشاں است

دلوں میں کیوں تمھارے ہے یہ خامی
ابھی تک یادِ حق ہے دل کی حامی
نہیں فطرت میں کچھ بد انتظامی
سنو یہ نغمۂ استاد جامی

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است
خم و خمخانہ با مہر و نشاں است

یہ برٹش سلطنت کے ہیں عواطف
تو کیوں ہوتے نہیں تم اس سے واقف
کہ مذہب کی نہیں ہے وہ مخالف
کہ کہتی ہے نگاہِ چشمِ عارف

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است
خم و خمخانہ با مہر و نشاں است

رسول اللہ کو دنیا نے مانا
نہیں اسلام سے خالی زمانا
زبانوں پر ہے اب تک وہ فسانہ
سنو اکبرؔ کا یہ قومی ترانہ

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است
خم و خمخانہ با مہر و نشاں است

خدا علی گڈھ کے مدرسے کو تمام امراض سے شفا دے
بھرے ہوئے ہیں رئیس زادے امیر زادے شریف زادے

لطیف و خوش وضع و چست و چالاک و صاف و پاکیزہ شاد و خرم
طبیعتوں میں ہے انکی جودت دلوں میں انکی ہیں نیک ارادے

کمال محنت سے پڑھ رہے ہیں کمال غیرت سے بڑھ رہے ہیں
سوار مشرق کی راہ میں ہیں تو مغربی راہ میں پیادے

ہر اک ہے ان میں کا بیشک ایسا کہ آپ اسے جانتے ہیں جیسا
دکھائے محفل میں قدِ رعنا جو آپ آئیں تو سر جھکا دے

فقیر مانگیں تو صاف کہدیں کہ تو ہے مضبوط جا کما کھا
قبول فرمائیں آپ دعوت تو اپنا سرمایہ کل کھلا دے

بتوں سے انکو نہیں لگاوٹ مسوں کی لیتے نہیں وہ آہٹ
تمام قوت ہے صرفِ خواندن نظر کے بھولے ہیں دل کے سادے

نظر بھی آئے جو زلفِ پیچاں تو سمجھیں یہ کوئی پالسی ہے
الکٹرک لائٹ اسکو سمجھیں جو برق وش کوئی مسکرا دے

نکلتے ہیں کر کے غول بندی بنامِ تہذیب و درد مندی
یہ کہہ کے لیتے ہیں سب سے چندے ہمیں جو تم دو تمھیں خدا دے

انھیں اسی بات پر یقین ہے کہ بس یہی اصل کار دیں ہے
اسی سے ہوگا فروغِ قومی اسی سے چمکیں گے باپ دادے

مکانِ کالج کے سب مکیں ہیں ابھی انھیں تجربہ نہیں ہے
خبر نہیں ہے کہ آگے چلکر ہے کیسی منزل ہیں کیسی جادے

دلوں میں انکے ہے نورِ ایماں قوی نہیں ہے مگر نگہباں
ہوائے منطق ادائے طفلی یہ شمع ایسا نہو بجھا دے

فریب دیکر نکالے مطلب سکھائے تحقیرِ دینِ مذہب
مٹا دے آخر کو وضعِ ملت نمودِ ذاتی کو گر بڑھا دے

یہی بس اکبر کی التجا ہے جنابِ باری میں یہ دعا ہے
علوم و حکمت کا درس انکو پروفیسر دیں سمجھ خدا دے

سنہ ۱۸۹۰ء

ترجمہ قولِ یکے از اکابرِ یورپ

یہ شیخ اکبر سے اتنا کیوں خفا ہے
یہ کیوں غیظ و غضب جور و جفا ہے

نہیں ہے اس میں جھگڑے کی کوئی بات
یہ اک قولِ حکیم باصفا ہے

نہ ہو مذہب میں جب زورِ حکومت
تو وہ کیا ہے فقط اک فلسفہ ہے

بلبل ہیں آج ہم چمنستان کمپ کے
پروانہ کل نہیں گے کلیسا کے لمپ کے

فکرِ بہشت و کوثر و تسنیم ہو چکی
اب پارک کا خیال ہے چرچ میں لمپ کے

رکھتی تھی جو بزرگ قدم پھونک پھونک کر
خوگر ہوئے ہیں لیپ کے ہاٹ کے چپ کے

نہ نماز ہے نہ روزہ نہ زکوٰۃ ہے نہ حج ہے
تو خوشی پھر انکی کیا ہے کوئی جنٹ کوئی جج ہے

جو خیال ہیں نرالے تو مذاق ہیں انوکھے
نہ وہ وضع قوم کی ہے نہ وہ شان ہے نہ دھج ہے

کوئی انمیں ہے جو ایسا کہ جو دن کی ہے لیتا
جو اسے بھی چھیڑ دیکھا تو وہ کمتر از کھرج ہے

جو کہ آئے سیرِ لندن میں اسیرِ کبر و فیشن
جو بن گئے ہیں بن ٹھن انھیں اینڈ ہے گرج ہے

نہیں کوئی صاف سینہ ہم انہیں بھی ہے کینہ
یہ انہیں کہیں کمینہ وہ انھیں کہیں اپج ہے

کہیں سیم کا ہے پھندا کوئی دخترِ رز کا بندہ
ہے پھر اس پہ ناز و خندہ کہ دل انمیں کیا عوج ہے

پاتی ہیں قومیں تجارت سے عروج
بس یہی ان کے لئے معراج ہے

ہے تجارت واقعی اک سلطنت
زور یورپ کو اسی کا آج ہے

لفظ تاجر خود ہے اے اکبر ثبوت
دیکھ لو تاجر کے سر پر تاج ہے

تمھاری اصل خدا کا کلام واضح ہے
عبث یہ ولولۂ نقلِ قومِ فاتح ہے

سنو یہ بات جو مجموعۂ نصائح ہے
وہی ہے باعثِ عزت عمل جو صالح ہے

نہ ہو جو مذہب و ملت کیساتھ ہمدردی
زمانہ صاف کہیگا کہ ہے یہ نامردی

انھیں کے واسطے کا سرور زیبا ہے
انھیں کے دل میں طرب کا وفور زیبا ہے

انھیں کو روئے زمیں پر غرور زیبا ہے
مرے لئے فقط امیدِ حور زیبا ہے

اسی امید میں ساری ترقیاں سمجھیں
جو آپ حور کے معنی کی خوبیاں سمجھیں

کرزن سبھا

سبھا میں دوستو کرزن کی آمد آمد ہے
گلوں میں غیرتِ گلشن کی آمد آمد ہے

رئیس و راجہ و نواب منتظر ہیں بہ شوق
کہ نائبِ شہِ لندن کی آمد آمد ہے

وہ ہو کے آتے ہیں قائم مقامِ قیصرِ ہند
ستاروں میں مہِ روشن کی آمد آمد ہے

ہیں انکے ساتھ میں اتنے اکابرِ یورپ
کہ گویا دلی میں لندن کی آمد آمد ہے

غرض یہ ہے کہ ہو تکمیلِ زینت و رونق
ہر ایک علم کی ہر فن کی آمد آمد ہے

کمر بندھی نظر آتی ہے آب و آتش کی
ادھر سے نل ادھر انجن کی آمد آمد ہے

دکھا رہے ہیں ہنر مندِ خوابِ مقناطیس
دلوں میں حالتِ روشن کی آمد آمد ہے

امنڈ رہی ہے ہر اک سمت سے فراوانی
ہر ایک جنس کے خرمن کی آمد آمد ہے

ورد و فوج سے ہے زرق برق کا عالم
جدھر کو دیکھئے پلٹن کی آمد آمد ہے

چمک ہے کرچوں کی ہر سو گمک ہے توپوں کی
چھما چھم اور دنا دن کی آمد آمد ہے

چہل پہل ہے امنگیں ہیں جوشِ مستی ہے
بہارِ عیش پہ جوبن کی آمد آمد ہے

جو پیر ہیں انھیں ہیں ولولے جوانی کے
جوان ہیں تو لڑکپن کی آمد آمد ہے

تمام مذہب و ملت میں ہے کشش پیدا
مغان و شیخ و برہمن کی آمد آمد ہے

گرہ میں زر نہیں اور ہیم تمام لازم و فرض
اسی سبب سے مہاجن کی آمد آمد ہے

ابھارے رکھتا ہے اکبر کے دل کو فیضِ سخن
اگرچہ پیری و پنشن کی آمد آمد ہے

آمدِ اقبال پری

اقبال پری آئی جو انداز بدل کر
دنیا کی ہوا ساتھ ہوئی سانبدل کر

غزل زبانی اقبال پری

ہوں نازشِ مسرورِ حکومت سے بھری ہوں
زریں مرادامن ہے میں اقبال پری ہوں

ہر شعلہ مقابل مرے چہرے کے ہے بے نور
کہتا ہے کہ ہوں میں بھی تو چراغِ سحری ہوں

ہر ڈھنگ سے دکھلاتی ہوں شان اپنی جہاں کو
ہر رنگ میں ہیں مست نئے جلوہ گری ہوں

انگلینڈ پہ ہوں سایہ فگن حکمِ خدا سے
شاہنشہ ایڈورڈ کی صورت پہ مری ہوں

مبارکباد پنچ کی طرف سے

قومِ انگلش کو یہ دربار مبارک ہووے
لارڈ کرزن سا یہ سردار مبارک ہووے

ہو مبارک شہِ انگلینڈ کو تخت و دیہیم
مجھکو یہ طبعِ گہربار مبارک ہووے

نصیحت اخلاقی

بیٹے کو لوگ کہتے ہیں آنکھوں کا نور ہے
ہے زندگی کا لطف تو دل کا سرور ہے

گھر میں اسی کے دم سے ہے ہر سمت روشنی
نازاں ہے اسپہ باپ تو ماں کو غرور ہے

خوش قسمتی کی اسکو نشانی سمجھتے ہیں
کہتے ہیں یہ خدا کے کرم کا ظہور ہے

اکبر بھی اس خیال سے کرتا ہے اتفاق
اس کا بھی ہے یہ قول کہ ایسا ضرور ہے

البتہ شرط یہ ہے کہ بیٹا ہے ہونہار
مائل ہے نیکیوں پہ برائی سے دور ہے

سنتا ہے دل لگا کے بزرگوں کی پند کو
وقتِ کلام لب پہ جناب و حضور ہے

برتاؤ اس کا صدق و محبت سے ہے بھرا
افکارِ والدین میں ہے دل سے وہ شریک
راضی ہے اپنے باپ کی جو کچھ ہو مصلحت
رکھتا ہے خاندان کی عزت کا وہ خیال
کسبِ کمال کی ہے شب و روز اسکو دھن
لیکن جوان صفات کا مطلق نہیں پتا

اس میں نہ ہے فریب نہ کچھ مکر و زور ہے
ہمدرد ہے معین ہے اہلِ شعور ہے
صابر ہے با ادب ہے عقیل و غیور ہے
نیکوں کا دوست صحبتِ بد سے نفور ہے
علم و ہنر کے شوق کا دل میں وفور ہے
اور پھر بھی ہے خوشی تو خوشی کا قصور ہے

نظم قومی حسب فرمایش نواب محسن الملک بہادر

مسلمانو بتاؤ تو تمھیں اپنی خبر کچھ ہے
اگر کچھ ہے تو سوچو دل میں بھی اسکا اثر کچھ ہے

تمھارے کیا مدارج رہ گئے اس پر نظر کچھ ہے
حریفوں کی تعلّی باعثِ سوزِ جگر کچھ ہے

تمھیں معلوم ہے کچھ رہ گئے ہو کیا سے کیا ہو کر
کدھر آنکلے ہو راہِ ترقی سے جدا ہو کر

کوئی آگے نہ تھا تم سے ترقی کی تگ و دو میں
تمھیں نے فرق تبلایا تھا سب کو گندم و جو میں

کوئی دس میں چمکتا تھا تو تم ممتاز تھے سو میں
تمھیں سے سیکھ کر بنتی تھیں عالم مغربی قومیں

شرف پایا تھا تم نے امتیازِ حق و باطل سے
مخالف بھی تمھاری قدر دانی کرتی تھی دل سے

تمھاری سرزمیں تھیں اوج تھا رتبہ تھا شانیں تھیں
تمھارے ذکر میں سرگرم دنیا کی زبانیں تھیں

تمھاری بات تھی احکام تھے کہنا تھا آئیں تھیں
تمھیں تم تھے زمانہ میں تمھاری داستانیں تھیں

غرور و ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو
سرِ تسلیم خم کرنا پڑا تھا ایک عالم کو

تمھارا اتفاقِ باہمی دیوار آہن تھا
تمھاری ہمتوں کا عرشِ اعظم پر نشیمن تھا

مخالف ایک کا جو تھا وہ گویا سب کا دشمن تھا
تمھارے ہاتھ میں آفاق کا ہر علم و ہر فن تھا

تم اپنی حق پرستی سے دبا لیتے تھے دنیا کو
خدا کے سامنے جھک کر جھکا دیتے تھے عدا کو

نہ یہ آپس کے جھگڑے تھے نہ یہ ناحق پرستی تھی
نہ دل میں بدگمانی تھی نہ ہمت میں یہ پستی تھی

طبیعت پر نہ دیو نفس کی یہ چیرہ دستی تھی
نظر میں مظہرِ نورِ حقیقت ساری ہستی تھی

تمہاری وضع دلکش تھی تمہاری شان عالی تھی
خوش اخلاقی تمہاری مظہرِ شانِ جمالی تھی

نہیں ہے ہائے افسوس اب تمہارا وہ چلن باقی
نہ وہ ذوقِ ہنرمندی نہ شوقِ علم و فن باقی

نہ وہ حسنِ عمل باقی نہ اب وہ حسنِ ظن باقی
نہ دل میں ہے وہ جوشِ حبِ یارانِ وطن باقی

جو فکریں ہیں تو اپنے نفس کو راحت رسانی کی
توقع کیا اسی پر ہے خدا کی مہربانی کی

غضب ہے حبِ اسلامی سے خالی سب کا سینا ہے
بس اپنے ہی مزے کے واسطے ہر اک کا جینا ہے

حسد ہے ناتوانِ بینی ہے بے مہری ہے کینا ہے
یہی قومی ترقی کا ذرا سوچو تو زینا ہے

کہاں ہے اب مسلمانوں میں باہم بے غرض اُلفت
جو باقی شاعروں میں ہے تو ہے وہ اک مرض اُلفت

میں تم سے کیا کہوں اس وقت دل پر کیا گذرتی ہے
طبیعت بات کرنے کو بھی مشکل سے ٹھہرتی ہے

تصور دل میں آتا ہے تو آنکھ اشکوں سے بھرتی ہے
خلش سینے میں ایسی ہے کہ وہ بے چین کرتی ہے

مرا دردیست اندر دل اگر گویم زباں سوزد
وگر دم در کشم ترسم کہ مغزِ استخواں سوزد

وہ باتیں جن سے قومیں ہو رہی ہیں نامور سیکھو
بڑھاؤ تجربے اطرافِ دنیا میں سفر سیکھو

اٹھو تہذیب سیکھو صنعتیں سیکھو ہنر سیکھو
خواصِ خشک و تر سیکھو علومِ بحر و بر سیکھو

خدا کے واسطے اے نوجوانو ہوش میں آؤ

دلوں میں اپنے غیرت کو جگہ دو جوش میں آؤ

سخن معقول و موزوں ہو تو سب کا دل بہلتا ہے
زباں سے نغمۂ مدح و ثنا ہر دم نکلتا ہے

کلام خوش نکلا ماں رنگ با معنی بدلتا ہے
مگر شوقِ عمل ہو واقعی تب کام چلتا ہے

توجہ گر نہ ہو دل سے تو پھر تاثیر کیونکر ہو
کلام دلکش اکبر ہو یا مہدی کا لکچر ہو

ڈارون صاحب حقیقت سے نہایت دور تھے
اپنی حالت کے مطابق چاہیئے طرزِ عمل
اس تقرب پر ہمیں کچھ فخر کا موقع نہیں

میں نہ مانونگا کہ مورث آپ کے لنگور تھے
اس سے کیا ہوتا ہے دادا قیصر و فغفور تھے
پاس گو بیٹھے تھے لیکن انکے دل سے دور تھے

ہوائے الحاد رنگ ملت کو ہر روش پر بدل رہی ہے
ہمیں نے دریں ہوا پہ کھولا کیا اسے جو چپ کوئی بولا
نہ عاقبت کا کسی کو ڈر ہے نہ عزت قوم پر نظر ہے
جو پیشوا خود ہوں نہ مشرب ہے کیا عجب رنگ وعظ مذہب
کریمیں خبر ہیں ہر جا نہیں ہے جو ہمیں اس کا چرچا
جو قوم ہمسایہ ہی ہماری نہیں ہے اسکے بدلا طاری
ہم اپنی صورت بگاڑتے ہیں نہ رہی ہے وہ اپنے گھر کو
خدا کی ساعت مری طرف کی ہمیدان آپکی نہیں ہیں ہماری زباں

جو بات بگڑی نہ دو کیونکر جو چل گئی ہے وہ چل رہی ہے
ہمیں ہے خود اب دوا اسکا طبیعت لے ہاتھ مل رہی ہے
سر دشمن ہے دامار ہا ہے دلوں کی غیرت نکل رہی ہے
قلوب شیطاں کی متبع ہیں زباں قرآں پہ چل رہی ہے
ہمیں نے سمجھا ہی جہد اسکو ابھی تو پل پل رہی ہے
ہم اپنی مستی میں گر رہے ہیں ہوش میں وہ سنبھل رہی ہے
ہم اپنا نقشہ مٹا رہے ہیں وہ اپنے سانچے میں ڈھل رہی ہے
بلائیں آئیں اور آرہی ہیں کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے

زبان اکبر میں کب یہ قدرت کہ کہہ سکے راز سوز حسرت
وہ شمع اسکو بیاں کریگی جو گور سید پہ جل رہی ہے

چاہا جو میں نے ان سے طریق عمل پہ وعظ
پیدا ہوئے ہیں ہند میں اس عہد میں جو آپ
بے انتہا مفید ہیں یہ مغربی علوم

بولے کہ نظم ذیل کو ارقام کیجئے
خالق کا شکر کیجئے آرام کیجئے
تحصیل ان کی بھی سحر و شام کیجئے

یورپ میں پھریے پیرس و لندن کو دیکھیے
ہو جائیے طریقۂ مغرب پہ مطمئن،
پیرانِ بے فروغ کا گل ہو چکا چراغ
رکھیے نہ دل کو دیر و کلیسا سے منحرف
الفاظ کفر و فسق کو بس بھول جائیے
رہیے جہاں میں وسعتِ مشرب سے نیکنام
رکھیے نمود و شہرت و اعزاز پر نظر
سامان جمع کیجیے کوٹھی بنائیے
آرائشوں سے گھر کو مہذب بنائیے
یارانِ ہم مذاق سے ہم بزم ہو جیے
چشم و لبِ بتاں سے بھی غافل نہ ہو جیے
نظارۂ بتاں سے تر و تازہ رکھیے آنکھ
مذہب کا نام لیجیے عامل نہ ہو جیے
طرزِ قدیم پر جو نظر آئیں مولوی
زنجیرِ فقہ توڑیے کہہ کر خلافِ شرع
ممنوع ہے تعددِ ازواج خاص کر
قومی ترقیوں کے مشاغل بھی ہیں ضرور
لڑکے نہ ہوں تو ہو نہیں سکتی چہل پہل
تحصیل چندہ کیجیے لڑکوں کو بھیج کر
بے رونقی سے کاٹیے کیوں اپنی عمر کو
جو چاہیے وہ کیجیے بس یہ ضرور ہے

تحقیقِ ملک کا شغفِ شام دیکھیے
خاطر سے محو خطرۂ انجام کیجیے
ناحق نہ دل کو تابعِ اوہام کیجیے
متروک قیدِ جامۂ احرام کیجیے
ہر ملت و طریق کا اکرام کیجیے
مجھ کو مرید ہندوؤں کو رام کیجیے
دولت کو صرف کیجیے اور نام کیجیے
باصد خلوص دعوتِ حکام کیجیے
تزئینِ طاق و سقف و در و بام کیجیے
موقع ملے تو شغلِ مے و جام کیجیے
تکمیلِ شوقِ پستہ و بادام کیجیے
تفریحِ پارک میں سحر و شام کیجیے
جو متفق نہ ہو اسے بدنام کیجیے
پبلک میں ان کو موردِ الزام کیجیے
مضمون لکھیے دعوئ الہام کیجیے
یوں گھوم پھر کے تنقیۂ عام کیجیے
اس مد میں بھی ضرور کوئی کام کیجیے
فکریں پئے وظیفہ و انعام کیجیے
سارا علاقہ ہند کا اب خام کیجیے
کیوں انتظارِ گردشِ ایام کیجیے
ہر انجمن میں دعوئے اسلام کیجیے

لیکن نہ بن پڑیں جو یہ باتیں حضور سے
مُردوں کے ساتھ قبر میں آرام کیجیے

میں دیکھتا ہوں صلح و محبت ہے اُٹھ گئی
ہر دل سے ہر گروہ سے ہر خاندان سے
اس کا سبب نہیں ہے سوا اس کے اور کچھ
یعنی کہ اٹھ گیا ہے خدا درمیان سے

تعجب سے کہنے لگے بابو صاحب
گورنمنٹ سید پہ کیوں مہرباں ہے
اسے کیوں ہوئی اس قدر کامیابی
کہ ہر بزم میں بس یہی داستاں ہے
کبھی لاٹ صاحب ہیں مہمان اسکے
کبھی لاٹ صاحب کا وہ میہماں ہے
نہیں ہے ہمارے برابر وہ ہرگز
دیا ہم نے ہر صیغے کا امتحاں ہے
وہ انگریزی سے کچھ بھی واقف نہیں ہے
یہاں جتنی انگلش ہے سب بر زباں ہے
کہا ہنس کے اکبر نے اے بابو صاحب
سنو مجھ سے جو رمز اس میں نہاں ہے
نہیں ہے تمہیں کچھ بھی سید سے نسبت
تم انگریزی داں ہو وہ انگریز داں ہے

طبع سمجھی کہ بلندی میں بڑھی جاتی ہے
زلف خوش ہے کہ یہ پھانسی پہ چڑھی جاتی ہے
وہ ہے نافہم یہ عیار محل ہے نازک
اہل سینٹ میں یہ اک نظم پڑھی جاتی ہے

دارد آں آفت جاں حسن و جمالِ عجبے
چشم مست عجبے دارد و خالِ عجبے
او بتاراج دلم مائل و من مائلِ او
او بہ فکرِ عجبے من بہ خیالِ عجبے

شہ۱۸۷۰ء کے ایک گم شدہ مضمون کے چند اشعار

اک رنگ پہ پھریاں کوئی شے رہ نہیں جاتی
وہ شوکت و شانِ جم و کے رہ نہیں جاتی
یورپ کی ترقی کا چمکتا ہے ستارا
توقیرِ عرب عظمتِ رَے رہ نہیں جاتی
دلکش نظر آتا ہے بہت لفظِ نومبر
تزئینِ رخِ بہمن و دے رہ نہیں جاتی
گدبائی کا عل مچتا ہے اطرافِ جہاں میں
تسلیم نہیں رہتی ہے بجے رہ نہیں جاتی
عالم کو لبھاتی ہیں پیانوں کی صدائیں
بلبل کے ترانوں میں وہ لے رہ نہیں جاتی
آہنگ طرب کیلئے چھڑتے ہیں نئے ساز
دمسازیِ احباب کو نئے رہ نہیں جاتی

رندوں سے مل جاتی ہیں ساقی کی نگاہیں ۔۔۔ وہ گردشِ پیمانہ وہ مے رہ نہیں جاتی

ہوتی ہے بہت سخت یہ منزل مگر اکبرؔ
ہمت ہو تو پھر ناشدہ طے رہ نہیں جاتی

مواقع خاص

۱۹۰۷ءحسب فرمائش پنچ

زمزمہ اوج فلک پر ہے یہی ہر برڈ کا
ہے یہی مفہوم روئے ارض پر ہر ورڈ کا

زینت گیتی ہے ملک اعظم برطانیہ
سکہ بیٹھا ہے دلوں میں حضرت اڈورڈ کا

راجہ صاحب سے شیخ جی نے کہا
اب بھروسا حضور پر نہ رہا

مجھ کو چھوڑا امام باڑے میں
پہونچے خود نیچری اکھاڑے میں

جیب خالی پھرا کیا بندہ
لے گئے غیر اس قدر چندہ

راجہ صاحب نے ہنس کے فرمایا
کیوں مزاج آپ کا ہے گرمایا

بزم قومی میں میں شریک ہوا
جو ہوا ہر طرح سے ٹھیک ہوا

آپ پر بار صرف ڈاڑھی ہے
یاں ریاست کی فکر گاڑھی ہے

جب حکومت کرے خود اسکا ڈفنس
کیوں نہوں میں شریک کانفرنس

مجھ کو ہے شوق علم و دانش سے
کیوں میں رکتا بھر اپنی خواہش سے

نہ ہو تسکین وہ جو یہ توضیح
تو میں کر دوں گا دوسری تشریح

مجھ پہ کرتا تھا اعتراض حریف
دل میں آیا مرے یہ شعر لطیف

دفتر اعتراض سوختہ بہ
دہن او بہ چندہ دوختہ بہ

سن رہے تھے سماع مولانا
اسی حالت میں انتقال ہوا

واہ کیا خوش نصیب تھے حضرت
عالم وجد میں وصال ہوا

ہزار و نہ صد و شش از جہاں رفت
بیامد یک ہزار و نہ صد و ہفت

ممدوح خاص و عام ہیں لالہ نہال چند
در اُن کے فیض کا کبھی رہتا نہیں ہے بند

چندے وصول کرنے کو ہیں پیشوا بہت
لیکن دقیق و سخت جو ہوتا ہے کوئی کام
حکام کے حضور میں کرتے ہیں التماس
تقریر رِنٹ بل پہ جو کی ملک بول اٹھا

سب کرتے ہیں مباحثِ قرآن و وید و ژند
اس وقت میں جناب ہی ہوتے ہیں دردمند
قانون سے جو ہوتا ہے کچھ شبہہ و گزند
ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

سنہ ۱۹۰۷ء آغاز تشریف آوری میں کہا گیا تھا — سنہ ۱۹۰۷ء

خلافِ حق چو حریفاں زراہ میگردند
مکرم است بہ ہندوستاں شہِ کابل

زفیضِ حکمتِ او رو براہ میگردند
بتاں بہ گرد حبیب الٰہ میگردند

موت جلدی میری مشتِ استخواں کو سونگھ کر
یہ سمجھنا چاہیئے خالق نے جو صحت یہ دی

چونک اٹھا اکبر غرض خوابِ گراں سے اونگھ کر
بہر استغفار اپنے فضل سے مہلت یہ دی

بعلالت سنہ ۱۹۰۵ء

حضرت کی وفات سے ہے ہر اک دلریش
کیا کیا صفتیں تھیں جمع انھیں اکبر

رکھتے تھے عزیزاں کو بیگانہ و خویش
حافظ بھی، حاجی، طبیبِ عالم، درویش

طلعتے چوں فرستادی زراہِ لطف و مہر
بسکہ شوقِ دعوت و ایں ہیچ در دل داشتم
خادمِ خاص از پئے آوردنت رفتہ بریل
چوں شنیدم فسخ کردی عزم و رفتی بیدریغ

جوش زد از دل سرور و لطفہا اندوختم
محفلے ز ترتیب دادم شمعہا افروختم
نصف شب در انتظارت دیدہ بر در دوختم
شمع را خاموش کردم خود سراپا سوختم

سید جلال الدین طہرانی ایڈیٹر حبل المتین

تھا باعثِ الم مرضِ جانگزائے قوم
آخر اودھ نے کالجِ طبی بنا کیا

مدت سے سن رہی تھی علیگڈھ میں ہائے قوم
شکرِ خدا کہ ہو گئی پیدا دوائے قوم

ملال کا تو محل اے حضور کچھ بھی نہیں
برائے لطف و کرم لائیے یہاں تشریف

خدا گواہ ہے میرا قصور کچھ بھی نہیں
الہ آباد علی گڈھ سے دور کچھ بھی نہیں

محبت آپ کی ہے میرے دل میں مستحکم
وہ امرآپ کی جانب سی میں نہ سمجھا تھا

ہیں صاف لکھتا ہوں یہ مکر و زور کچھ بھی نہیں
یہ چاہیے کہئے کہ تجھ کو شعور کچھ بھی نہیں

بعد پنشن کے تقنع سے مجھے ساز نہیں
گو اب آزاد ہوں لیکن مری صحت ہی خراب

ہوں جو بے شغل تو اکبر یہ کوئی راز نہیں
پر کھلے ہیں مگر اب طاقتِ پرواز نہیں

ڈیپوٹیشن کی سرسبزی جو دیکھی اسنے تیلے میں
کہا مہدی نے بھائی تمکو کیوں اسدرجہ حیرت ہی
تعجب کیا ہی ہم اس بت کی پہلو میں جو لیٹے ہیں
برہمن نے کہا بس آپکی باتیں ہی باتیں ہیں
کہا مہدی نے ہم کو تو مزے ہی اپنے مطلب ہے
برہمن نے کہا ایسا مزا اعضا کا مضعف ہے

برہمن نے کہا یہ شاخ بید اور ایسے گملے ہیں
تمھاری واسطے یہ کیا محل آتشک و غیرت ہے
حرم کے محترم کیا دیر کے خادم سی بیٹھے ہیں
ابھی یہ وصل کی راتیں نہیں ہیں انکی گھاتیں ہیں
محبت ہو نہو انکو امید اسکی یہاں کب ہے
کہا مہدی نے ہاں اس بات سے بندہ بھی واقف ہے

وفات سرسید مرحوم

ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سید کام کرتا تھا
نہ بھولو فرق جو ہی کہنے والے کرنیوالے میں

کہے جو چاہے کوئی میں تو یہ کہتا ہوں اے اکبر
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنیوالے میں

سنہ ۱۹۰۶ء

دیکھی جو نمائشِ چکا گو
اتنے میں اجل پکاری سر پر

دل نے کہا دین سے کہ بھاگو
بس ہو چکا خوابِ زیست جاگو

شروع ستمبر میں آئی تکا واں تم اپنی ماں کو یہ لکھ چکی ہو
مجھی کو سمجھو تم اپنا قبلہ سر ادب کو یہیں کرو خم

تو دیر پھر کیوں لگا رہے ہو یہ کیا تامل ہی کیوں رکے ہو
وہاں کی حرچہ نہیں لطف کیا ہی جب اٹھانیکو تم جھکے ہو

علم باری میں یہ تپ موت کی تمہید نہ تھی
ورنہ ظاہر میں تو کچھ زیست کی امید نہ تھی

سنہ ۱۹۰۵ء میں مصنف کو باری سے تپ آئی تھی

مولوی محمد کریم صاحب تحصیلدار میجا ضلع الہ آباد ۳ر دسمبر ۱۹۰۵ء

عمدہ مچھلی مسلّم و خام ملی / تحفہ پایا مراد خدام ملی
ممنون کریم کیوں نہ ہوں اے اکبر / وہ دام میں لائے مجھکو بیدام ملی

اک دوست ہمارے ہیں تپ انکو شدید آئی / جھیلا کئے بیماری مدت میں شفا پائی
لاہور کے جلسے میں شرکت کو ہیں اب جاتے / حالانکہ ابھی قوت پاؤں میں نہیں پاتے
میں کہتا ہوں جاتے ہو لاہور بلا قوت / وہ اس کو سمجھتے ہیں لاحول ولا قوۃ
یہ میری غلط بندش وہ ان کی غلط فہمی / میں حد سے بڑھا شاعر وہ حد سے سوا وہمی

آتا نہیں مجھ کو مبتلہ قبلی / بس صاف یہ ہے کہ بھائی شبلی
تکلیف اٹھاؤ آج کی رات / کھانا یہیں کھاؤ آج کی رات
حاضر جو کچھ ہو دال دلیا / سمجھو اس کو پلاؤ قلیا

شبلی کا قدم علم کی منزل پہ جما ہے / رفتار یہ آخر کی قلم اس کا تھما ہے
چگی ہوئی ہے بزم سلف اسکی بیاں سے / روشن ہے یہ معنی کہ وہ شمس العلما ہے

یہ کیا سبب ہے جو رہ رہ کے جی بھر آتا ہے / یہ کیا ہوا جو مجھے شہر کاٹے کھاتا ہے
یہ خون ہوگئی کیوں میرے دل کی رنگینی / یہ داغ دینے لگی کیوں چمن کی گل چینی
اداس ہوگئی کیوں روح خانۂ تن سے / اچاٹ ہوگئیں کیوں بلبلیں یہ گلشن سے

بحمد اللہ کہ حاصل آپ کو ہر ایک نعمت ہے / ذہانت ہے سعادت ہے شرافت ہے لیاقت ہے
علوم مغربی میں نمبر اول آپ کا آیا / عزیز و دوست جو ہیں سب کو اس سے اک مسرت ہے
گورنمنٹ آپ کی مداح ہے اس قابلیت پر / اکابر قوم کے خوش ہیں ہر اک کو فخر و عزت ہے
پئے تکمیل دانش قصد ہے اب ملک مغرب کا / مبارک ہو کہ لندن کا سفر ہے وقت رخصت ہے
مبارک آپ کے احباب کو یہ جلسۂ رخصت / حقیقت میں مبارک وقت ہے اور عمدہ ساعت ہے
بخیر و کامیابی آپ واپس آئیں لندن سے / یہی سب کی دعا اسدم بصد جوش طبیعت ہے

زباں پر سب کی جاری ہے یہ شعرِ حضرتِ اکبر
کہ جنکی نظم پر نظمِ ثریّا کو بھی حیرت ہے

عطا کر قسمتِ تصنیفِ سعدی یارب اس گل کو
پھلے پھولے زمانے میں گلستاں بوستاں ہو کر

گو دلِ بیتاب امیدِ وطن پر شاد ہے
شاق لیکن فرقتِ منشی جگن پرشاد ہے

سنہ ۱۹۰۲ء

خوش ہو رہی ہے خلقِ خدا صبحِ عید ہے
ہر سمت زیب و زینتِ دنیا کی دید ہے

ہے جشنِ تاجپوشیِ قیصر بھی آج ہی
یہ اتفاق باعثِ لطفِ مزید ہے

بازارِ دہر پر ہے متاعِ سرور سے
با منفعت فروخت ہے دلکش خرید ہے

کشتہ ہے کوئی طرزِ مسِ خوش خرام کا
کوئی نگاہِ نازِ بتاں کا شہید ہے

صوفی کی انجمن میں بھی شاہی کا ہے سماں
لطفِ نوائے مطرب و نذرِ مرید ہے

مست اپنے رنگ میں ہیں نئی روشنی کے دوست
اظہارِ جوشِ طبع یہ طرزِ جدید ہے

ڈالی کسی نے بھیجی ہے حکام کے حضور
بیتاب دل میں شوقِ صدورِ رسید ہے

جنکے سبوئے دل میں ہے کچھ مایۂ نشاط
اُس سے شرابِ طولِ امل کی کشید ہے

مجھ کو خموش دیکھ کے پوچھا یہ چرخ نے
تو بھی اس آب و رنگ سے کچھ مستفید ہے

میں نے کہا کہ حالتِ عشاق ہے کچھ اور
پروانہ ہو وفا کی یہ ان سے بعید ہے

پیشِ نظر ہمارے ہے شامِ شبِ فراق
اس کی جو ہو سحر تو ہماری بھی عید ہے

لندن کو چھوڑ لڑکے اب ہند کی خبر لے
بنتی رہیں گی باتیں آباد گھر تو کر لے

راہ اپنی اب ٹل دے بس پاس کر کے چل دے
اپنے وطن کا رخ کر اور رخصتِ سفر لے

انگلش کی کر کے کاپی دنیا کی راہ ناپی
دینی طریق میں بھی اپنے قدم کو دھر لے

نیچر پکارتا ہے اصل نسل تیری
کہتی ہے ہسٹری بھی بس جا اور اپنا گھر لے

واپس نہیں جو آتا کیا منتظر ہے اس کا
ماں خستہ حال ہو لے بیچارہ باپ مر لے

مغرب کے مرشدوں سے تو پڑھ چکا بہت کچھ
پیرانِ مشرقی سے اب فیض کی نظر لے

میں بھی ہوں اک سخنور آسن کلام اکبر
ان موتیوں سے آکر دامن کو اپنے بھر لے

کانفرنس احباب سے پُر ہے
سب کو یادِ استاد کا گر ہے
جو صف ہے وہ سلکِ دُر ہے
دلکش ہر اسپیچ کا سُر ہے

قومی ترقی کی راد ھا پیاری
نو من تیل کی فکر ہے طاری
بیٹھی ہیں پہنے جوڑا بھاری
چندے کی تحصیل ہے جاری

قوم پہ غالب کورٹ کے عملے
پھر یہ چندہ کیونکر دم لے
عملے ٹھہرے پارک کے گملے
کتنا ہی لے کوئی پھر بھی کم لے

لائی ہیں سکھیاں بھر کر جھولی
رنگ میں ڈوبی ہی سب کی چولی
خوب کھلی ہے برج میں ہولی
سب نے زباں اس گیت پہ کھولی

شیخ کو الفت ہو گئی مِس کی
اگلی دنیا دہر سے کھِس کی
خوب پیئے اب شوق سے وہسکی
بیٹھا کون ہے شرم ہے کس کی

جمع ہیں ممبر بھولے بھالے
آنکھیں پھاڑے دانت نکالے
جاڑوں کا موسم پھولے پھالے
چندہ دیکر پھنسنے والے

بعض ہیں بادہ و جام کے خواہاں
بعض فقط آرام کے خواہاں
بعض نمود و نام کے خواہاں
کم ہیں فیضِ عام کے خواہاں

مدعیانِ رونقِ دیں ہیں
واقفِ فن و ہنر سے نہیں ہیں
لیکن باہم برسرِ کیں ہیں
کم ہیں اُن میں جو آخر بیں ہیں

ہر دم قوم کا رونا کیا ہے
مفت میں روپیہ کھونا کیا ہے
ان باتوں سے ہونا کیا ہے
شور زمیں میں بونا کیا ہے

دیکھ کے اک باضابطہ بھپکی
آپ نے سب کی دولت ہپ کی
دنیا آپ کی جانب لپکی
بزم جمالی خالی گپ کی

یہ وادی ہے طور سے خالی
یہ جنّت ہے حور سے خالی
یہ محفل ہے نور سے خالی
پاس سے خالی دور سے خالی

دیکھتا ہے اک عمر سے بندا
ہوتا ہے کچھ کام نہ دھندا
بس یہی باتیں اور یہی پھندا
لاؤ چندا لاؤ چندا

سید کا جو عہدِ مشن تھا
حسب ضرورت طرز سخن تھا
اُس سکّے کا ٹھیک چلن تھا
وقت وہ اور تھا اور ہی سن تھا

بگڑا دیکھا بیٹا بھتیجا
دل کہتا ہے بات کوئی جا
ایک کا چہلم ایک کا تیجا
ساکت ہو دکھلا کے نتیجا

بھائیوں پہ منھ آئے جانا
اگلا قصہ سنائے جانا
گائے گیت کو گائے جانا
اُترا ڈھول بجائے جانا

بیٹھے روتے ہیں جن کے لڑکے
دل میں یہی رہتے ہیں دھڑکے
دوڑتے ہیں بنگلوں پر تڑکے
مار نہ بیٹھے کوئی بگڑ کے

کیوں رنگ حق پوش میں آؤ
مذہب کے آغوش میں آؤ
غیرت پکڑو جوش میں آؤ
غافل بندو ہوش میں آؤ

اک انگریز نے بات یہ کہدی
اس بازی کی ہمیں نے شہ دی
جس نے ترقی وہ دی یہ دی
کیسے سید کیسے مہدی

گرمیوں میں بچوں کو تھکانا
اور اس پر یہ بات بنانا
شہروں شہروں بھیک منگانا
مفلس لڑکوں کا ہو گا ٹھکانا

آپ کہیں معیوب نہیں ہے
ہم کو تو مرغوب نہیں ہے

عمدہ یہ اسلوب نہیں ہے
ہاں یہ طریقہ خوب نہیں ہے

اس سے بگڑتی ہے قومی حالت
جاتی رہتی ہے شرم کی خصلت

کہتے ہو ہو گی جو یہ جمیعت
ہو گا میل بڑھے گی اُلفت

تڑپو گے جتنا جال کے اندر
جال گھسے گا کھال کے اندر

کیا ہوا تیس ہی سال کے اندر
غور کرو اس حال کے اندر

کام بہت ہیں لوکل و ذاتی
ان کی فکر تو کی نہیں جاتی

مفت میں بچوں کو کر کے براق
قوم کی گاتے ہیں بھائی وفاتی

کینہ ہم کو ہے نہ حسد ہے
دل میں ضد ہے نہ کوئی کد ہے

لیکن یہ ارشاد خرد ہے
بھائی ہر شے کی اک حد ہے

آزادی کی پی کے برانڈی
آپ چلاتے ہیں ڈنڈا بانڈی

گاتا ہے قومی کشتی کا ڈانڈی
مکتب گرم ہے سرد ہے ہانڈی

بزم عزا میں کیوں نہ ہو شرکت
جس سے ہو دل میں پیدا عبرت

صوفیوں کی کیوں ڈھونڈیں نصیحت
قلب کو جس سے پہونچے فرحت

یہ بے معنی مجلس کیسی
یہ ناحق کی گھس گھس کیسی

یہ بے حکم کی آفس کیسی
بات یہ سٹرم پوئیس کیسی

ہو گیا عقل میں کون اضافہ
خوشبو پھیلی نہ دیکھا نافہ

دیکھ لیا یاروں کا قیافہ
پایا بس خوش رنگ لفافہ

قوم سے اس کی گاڑھی کمائی
آپ نے فقرہ دے کے اڑائی

اور وہ یوں بے سود گنوائی
شاہ لندن تیری دہائی

دوڑاؤ تدبیر کے ریشے
قوم میں پھیلیں فن اور پیشے

صناعی کے چلاؤ تیشے
تاکہ کٹیں افلاس کے بیشے

تم ہو فکرِ جاہ میں اُلجھے
نافہموں کی واہ میں اُلجھے

شہرت و شان کی چاہ میں اُلجھے
دل کیوں کر اللہ میں اُلجھے

خالق کی توحید سکھاؤ
ملحد کی تردید سکھاؤ

عقبیٰ کی تمہید سکھاؤ
روحانی امید سکھاؤ

مذہب کی تعلیم زبانی
مُلّا خود جو نہ ہو حقانی

طوطا مینا کی ہے کہانی
پھر تو مکتب ہے شیطانی

جب ہوں گرو جی خود البیلے
راہ پر آئیں کیونکر چیلے

خوب رچائیں میلے ٹھیلے
مندر میں کیوں جائیں اکیلے

اگوا خود جب حق سے ہو غافل
ساتھی کیوں نہ چلیں رہِ باطل

دنیا ہی دنیا دل میں ہو داخل
کیونکر دین ہو اُن کو حاصل

جس نے خیمہ یہاں پر گاڑا
لیکن قوم کو کیوں ہے بچھاڑا

اس کو مبارک ہو یہ اکھاڑا
اس نغمے پہ گلا کیوں پھاڑا

عشرتِ گھر کی محبت کا مزا بھول گئے
کھا کے لندن کی ہوا عہدِ وفا بھول گئے

پہونچے ہوٹل میں تو پھر عید کی پروا نہ رہی
کیک کو چکھ کے سوئیوں کا مزا بھول گئے

بھولے ماں باپ کو اغیار کے چرچوں میں وہاں
سایۂ کفر پڑا نورِ خدا بھول گئے

موم کی پتلیوں پر ایسی طبیعت پگھلی
چمنِ ہند کی پریوں کی ادا بھول گئے

کیسے کیسے دلِ نازک کو دکھایا تم نے
خبرِ فیصلۂ روزِ جزا بھول گئے

بخل ہے اہلِ وطن سے جو وفا میں تم کو
کیا بزرگوں کی وہ سب جود و عطا بھول گئے

نقلِ مغرب کی ترنگ آئی تمھارے دل میں
اور یہ نکتہ کہ مری اصل ہے کیا بھول گئے

کیا تعجب ہے جو لڑکوں نے بھلایا گھر کو
جب کہ بوڑھے روشِ دین خدا بھول گئے

بنام منشی نثار حسین صاحب مہتمم پیام یار لکھنؤ

نامہ کوئی نہ یار کا پیغام بھیجئے
اس فصل میں جو بھیجئے بس آم بھیجئے
ایسے ضرور ہوں کہ انھیں رکھ کے کھا سکوں
پختہ اگر ہوں بیس تو دس خام بھیجئے
معلوم ہی ہے آپ کو بندے کا ایڈرس
سیدھے الٰہ آباد مرے نام بھیجئے
ایسا نہ ہو کہ آپ لکھیں جواب میں
تعمیل ہوگی پہلے مگر دام بھیجئے

مرثیہ

دھرم پور آج کیوں اس درجہ وقفِ حسرت و غم ہے
یہ کیا باعث کہ برپا ہر طرف اک شورِ ماتم ہے
الٰہی کیا قیامت آگئی ہے کیا یہ عالم ہے
کہ جس کو دیکھئے مغموم ہے با چشمِ پرنم ہے
یہ ماتم ہو رہا ہے کس کی مرگِ ناگہانی پر
گری برقِ اجل یہ وقت کس کی نوجوانی پر
کنور عبد العزیز اک نوجواں ماں باپ کا پیارا
گلِ باغِ ریاست اور ہر اک کی آنکھ کا تارا
اسے دورِ فلک نے ناگہاں تیرِ اجل مارا
کسی کا بس نہیں اللہ کی مرضی میں کیا چارا
تلاطم ہے ریاست میں عزیزوں کا جگر خوں ہے
ہوا خواہوں کو صدمہ ہے دلِ احباب محزوں ہے
تماشے دیکھتے ہیں آپ اس دنیائے فانی کے
ابھی ہے بات کل کی غلغلے تھے شادمانی کے
امنگیں تھیں مزے تھے ولولے تھے نوجوانی کے
عیاں تھے ہر طرف اسباب عیش و کامرانی کے
ابھی یہ دیکھئے آہ و بکا ہے شور و شیون ہے
جنازہ اٹھ رہا ہے اہتمامِ گور و مدفن ہے
رہو خاموش اکبر شور و فریاد و فغاں تا کے
یہ آہِ آتشیں یہ قصۂ سوزِ نہاں تا کے
سمجھ لو خود تمھیں کب تک یہ غم کی داستاں تا کے
اگر سارا جہاں بھی ہو تو پھر سارا جہاں تا کے

اگر تاریخ رحلت تم کو لکھنی ہے صفائی سے
رہو ساکت ملا دو صبر کو داغِ جدائی سے
۲۹۲ ۱۰۲۳ ۱۳۱۵ھ

قصیدہ مبارک باد جشن جوبلی ملکہ معظمہ قیصر ہند دام اقبالہا

حسب ایمائے مسٹر ہاول صاحب جج ۱۸۸۷ء

زمانے میں خوشی کا دور ہے عشرت کا ساماں ہے
برنگ گل ہر اک باغ جہاں میں آج خنداں ہے

کوئن وکٹوریہ کی جوبلی کی دھوم ہے ہر سو
ادھر ہے نغمۂ عشرت ادھر نور چراغاں ہے

جدھر دیکھو کھلی پڑتی ہیں کلیاں صحن گلشن میں
بھرا جوش مسرت سے ہر اک مرغ خوش الحاں ہے

بسان بوئے گل ہر اک ہی باہر اپنے جامے سے
نسیم گلشن عیش و مسرت عطر افشاں ہے

چمک کر ہو گیا زیر فلک رشک قمر ہر گھر
یہی شب ہے کہ جس کا نور رشک مہر تاباں ہے

فروغ اپنا جو دکھلاتی ہیں آتش بازیاں ہر سو
کواکب مضمحل ہیں دیدۂ افلاک حیراں ہے

کہیں ہے رقص کی محفل کہیں ہے جلسۂ دعوت
کہیں تصویر بنتی ہے کہیں سیر چراغاں ہے

کہیں خیرات خانے جاری ہوتے ہیں کہیں مکتب
کہیں تقسیم کپڑوں کی پئے فصل زمستاں ہے

اثر جوش مسرت کا ہے ہر ادنیٰ و اعلیٰ پر
کوئی فرمانروا ہے یا کوئی کم مایہ دہقاں ہے

کوئی ہے محو آسائش کوئی مصروف آرائش
شگفتہ مثل گل چہرے ہیں دل شاداں و فرحاں ہے

تعجب کیا اگر ایسی خوشی ہے اہل عالم کو
یہ حیرت کیا جو قیصر کا ہر اک دل سے ثناخواں ہے

سر آرائی پنجاہ سالہ خیر و خوبی سے
محل لطف باری ہے مقام شکر یزداں ہے

یہی ہندوستاں سب کہتے ہیں جنت نشاں جس کو
کوئن وکٹوریہ کے عہد میں رشک گلستاں ہے

رئیس امن و اماں سے ناظر حال ریاست ہیں
ہری کھیتی زمینداروں کی ہے سرسبز دہقاں ہے

کمی بیشی کرے گر قطرہ افشانی میں کیا پروا
کہ فیض نہر داماں زمیں پر گوہر افشاں ہے

نظر سلطان کی ہے خاص تعلیم رعایا پر
اشاعت علم کی یہ ہے کہ سب کی عقل حیراں ہے

ہزاروں مدرسے قائم ہوئے ہیں سیکڑوں کالج
جہاں فکر ارسطو بھی بس اک طفل دبستاں ہے

جہاں چلتا نہ تھا کچھ زور اب ریل چلتی ہے
میسر خاکساروں کو بھی اب تخت سلیماں ہے

نہ کچھ کھٹکا ہے چوروں کا نہ قزاقوں کی ہے دہشت
رواں بے زحمت و خوف و خطر ہر سمت انساں ہے

تجارت کی بھی ایسی ہو رہی ہے گرم بازاری ۔ کہ سامانِ معیشت جنس سے بھی اب ارزاں ہے
طلسمِ تازہ دیکھا کارخانہ تار برقی کا ۔ زبانِ تار پر وہ بات ہے جو دل میں پنہاں ہے
شبِ تیرہ میں بھی وہ نور ہے اقبالِ قیصر کا ۔ کہ ہر ذرہ نگاہِ دزد میں مہرِ درخشاں ہے
رعایا کے حقوق اب ہر طرح محفوظ رہتے ہیں ۔ ادھر قانون حامی ہے ادھر حاکم نگہباں ہے
محبت بڑھ رہی ہے فاتح و مفتوح میں باہم ۔ گرہ جو دل میں تھی وہ اب مثالِ دُرِ غلطاں ہے
پریس کو بھی ہے عہدِ امپرس میں کامل آزادی ۔ زبانِ خامۂ مضموں نگاراں سیفِ براں ہے
توجہ ہے مفیدِ عام کاموں کی طرف سب کی ۔ کوئی ہے علم کا طالب ہنر کا کوئی خواہاں ہے
شفاخانوں نے ثابت کر دیا ہے اس مقولے کو ۔ پئے ہر رنج راحت ہے پئے ہر درد درماں ہے
خلوص و صدقِ دل سے ہے دعا ہندو مسلماں کی ۔ کہ یارب جب تلک یہ گردشِ گردونِ گرداں ہے
فروغِ مہر و مہ سے جب تلک ہے زینتِ عالم ۔ نشاط انگیز جب تک انتظامِ باد و باراں ہے
دلِ اہلِ جہاں ہے جب تلک مرکز تمنا کا ۔ ہوائے آرزو جب تک محیطِ قلبِ انساں ہے
خدا کے نام کی عزت ہے جب تک اہلِ دانش میں ۔ تجلی علم کی جب تک چراغِ راہِ عرفاں ہے
ہماری حضرتِ قیصر رہیں اقبال و صحت سے ۔ کہ جن کا آفتابِ عدل اس کشور پہ تاباں ہے

خدائے عشرتی تم کو ہمیشہ شادماں رکھے ۔ خلائق سے تمھیں خوش اُن کو تم پہ مہرباں رکھے
کرے مملو تمھاری طبع کو رنگیں خیالی سے ۔ تمھارے دفترِ دل کو گلستاں بوستاں رکھے

ہند میں ہے جسم مرا نورِ نظر لندن میں ہے ۔ سینۂ پر غم ہے یاں لختِ جگر لندن میں ہے

دفترِ تدبیر تو کھولا گیا ہے ہند میں
فیصلہ قسمت کا اے اکبر مگر لندن میں ہے

اک نونہال خوبی ماہِ دو ہفتۂ من ۔ در نو بہارِ عمرش رفت از فضائے ہستی
پیمانۂ غم سرشار و بیہشم کرد ۔ رفتم سرِ مزارش در بیخودی و مستی
آہے ز دل کشیدم گفتم کہ اے مہِ من ۔ با ایں کمال و رفعت حیف است میلِ پستی

اخر چہ پیشت آمد اے شمعِ محفلِ من　　در گوشہ نشستی وز انجمن گسستی
آخر چہ شد کہ رفتی اے رونقِ گلستاں　　در موسمِ بہاراں رنگِ چمن شکستی
اے برق وش چہ داری نسبت بگورِ تیرہ　　اے شعلہ رو بخاکِ تربت چرا نشستی
اے خوش نگاہ واکن چشمانِ سحر آگیں　　چیزے بگو بہ عاشق بہا چرا بہ بستی
ناگہ ندائے ازغیب آمد بگوش جانم　　کاے بیخبر ز ایماں اے محوِ بت پرستی
آں راکہ شعلہ خوانی وآں راکہ برق دانی　　آں جملہ بود رنگِ نقشِ طلسمِ ہستی
آں رنگہا پرید و بوئش بماند رازے　　رازے کہ کس نداند در بندِ خود پرستی
عبرت کشود چشمم حیرت بہ ہوشم آورد　　در سینہ دفن کردم جوش و خروش و مستی

تاریخِ فوت گفتم در صنعتِ عجیبے
بوٹا یوں شد اکبر ادگرد باغِ ہستی
سنہ ۱۲۹۳ء　　۱۲۰۷　۴۰۹　　۴۰۹

بیکار جگر ہے مضمحل گردہ ہے　　جس دوست کو دیکھئے وہ افسردہ ہے
گو نبض زباں سے زندگی ہے ظاہر　　دل کو جو ٹٹولئے تو وہ مردہ ہے

بہتر ہے یہی کہ اب علیگڑھ چلئے　　رکئے نہ کسی کے واسطے بڑھ چلئے
جس فن کا ہو درس ہو جیے اسمیں شریک　　جو پیش آئے سبق اسے پڑھ چلئے

مہدی سا بزرگ صاحبِ جاہ تو ہے　　سنجیدہ کلام کے لئے واہ تو ہے
منزل کا اگر پتا نہیں ہے نہ سہی　　دلکش روشیں ہیں دلکشا راہ تو ہے

یہ نظم ایک لمبی تمہید و تحسین کے ساتھ ۱۶ مئی سنہ ۱۹۰۸ء کے انسٹیٹوٹ گزٹ میں چھاپی گئی میں نے پرائیویٹ خط لکھا تھا

’مولانائے کڑوی‘

پھرے اک مولوی صاحب جو کل دربارِ دہلی سے　　یہ پوچھا میں نے کچھ لائے بھی تم سرکارِ دہلی سے

وہ بولے ہنس کے اے اکبر کہوں کیا تجھ سے حال اپنا
ادھر سرخی منہ گلگونی کی تھی انڈے کی زردی تھی

اسی مطلع سے بس کرتا ہوں اظہارِ خیال اپنا
ادھر ریشِ سپید اپنی تھی اور شدت سے سردی تھی

مولانا[1] محو عشق یزدانی تھے
بھولیں نہ کبھی انہیں محبانِ رسول

بیشک اس عہد میں وہ لاثانی تھے
یعنی رجبی شریف کے بانی تھے

مقام آگرہ

ڈپٹی صاحب جو یہ ہیں زینتِ عباد جہاں
للو تیو سے الگ اور زود لے بری
ساز پر ہاتھ پڑا اور ہوئے رخصت آپ
انسپکٹر ہیں جو یہ خان بہادر صاحب
نج کے جلسوں میں بھی تہذیب کی تصویر ہیں آپ
دوستوں کیلئے بازو کا ہیں تعویذ جناب
شان اللہ کی ہیں برکت[2] و اسرار[3] و مجید[4]
فیض ان کا سببِ رونقِ عیشِ احباب

پختہ وضعی کے ہیں انداز دکھانے والے
بس مصلے ہی پہ ہیں چھائی چھلانے والے
رہ گئے کھول کے منہ بین بجانے والے
رعبِ حاکم دلِ دنیا پہ بٹھانے والے
اگلے اسلام کے ہیں یاد دلانے والے
رہزنوں کو یہ ہیں سولی پہ چڑھانے والے
اُن کے اخلاق کے قائل ہیں نہ ماننے والے
تاجِ زریں سرِ عشرت[5] پہ اڑھانے والے

[1] خان بہادر مولانا شاہ محمد حسین صاحب۔ [2] مولوی برکت اللہ صاحب رئیس غازی پور [3] اسرار حسین خاں صاحب مدار المہام ریاست بھوپال [4] خان بہادر عبد المجید خاں صاحب مرحوم۔
[5] سید عشرت حسین ۱۲

متفرقات

الف

ترے پرتوِ ایجانِ جہاں ظلمت میں نور آیا
ترے فیضِ تجلّی سے یہ ذرّوں میں شعور آیا

لطافت کو نہ چھوڑے رنگ تیری شادی و غم کا
ہنسی آئے تو پھولوں کی جو رونا ہو تو شبنم کا

ترا چہرہ ہے منظر چشمِ شوقِ نورِ عرفاں کا
ترا عشوہ ہے مصدر جلوہ ہائے فیضِ یزداں کا

شباب عمر نے کھویا طمع نے دین لیا
فلک نے ہم سے بڑی ہمتوں کو چھین لیا

ہوائے دہر بھی ہے عنبر افشاں عروج بھی ہے مہ مبیں کا
نثار ہونیکی دو اجازت محل نہیں ہے نہیں نہیں کا

تا چند پرسی اے خرد ایں از کجا دیں از کجا
تو از کجائی ایں بگو تا گویمت دیں از کجا

مزے سے زندگی کٹتی جو دل قابو میں آجاتا
مگر ایسا تو جب ہوتا کہ وہ پہلو میں آجاتا

مرتبہ اس کو بھی دنیا میں سوا ہو آپ کا
یاد رکھئے گا کہ میں بھی ہوں دعا گو آپ کا

نہ ہو یادِ خدا تو نورِ باطن ہو نہیں سکتا
نہ ہو طالع اگر خورشید تو دن ہو نہیں سکتا

بنگالی ہاتھ میں قلم لے تو کیا
ہندی کی نجات ہے نہایت مشکل
مسلم جو مثالِ بزمِ جم لے تو کیا
سو مرتبہ مر کے وہ جنم لے تو کیا

نہیں ہے رحم قاتل میں یہی ہوتا تو پھر کیا تھا
کہاں ہے صبر یاں دل میں یہی ہوتا تو پھر کیا تھا

ہجوم بلبل ہوا چمن میں کیا جو گل نے جمال پیدا
کمی نہیں قدرداں کی اکبر کرے تو کوئی کمال پیدا

آپ کا برتاؤ موسم کے موافق تھا حضور
واقعی اسکے اثر سے دل بخوبی پک گیا

کدھر ہے رنگِ مخالفت اب زمانہ بالاتفاق بدلا
خود اپنے نورِ نظر کو دیکھو نگاہ بدلی مذاق بدلا

تری ترچھی نظر سے ہم کو ڈر کیا
محبت کی تو پھر دل کیا جگر کیا

اک فلسفہ ہے تیغ کا اور اک سکوت کا
باقی جو ہے وہ تار ہے بس عنکبوت کا

باہم شبِ وصال غلط فہمیاں ہوئیں
مجھ کو پری کا شبہہ ہوا اُن کو بھوت کا

ہنگام نزع ہوش جو غائب ہوئے تو کیا
اس وقت وہ غرور سے تائب ہوئے تو کیا

مناسب ہے یہی دلبر جو کچھ گذرے اسے سہنا
نہ کچھ قصہ نہ کچھ جھگڑا نہ کچھ سُننا نہ کچھ کہنا

تماشا دیکھ اکبر دیدۂ عبرت سے دنیا کا
اجل کی نیند جب آئے لحد میں جلکے سو رہنا

بت نہ کہتے ہوں جسے ہے یہ ہمارا بندا
ہے بھی ایسا کوئی اللہ کا پیارا بندا

انھیں غمزوں میں آساں ہی معانی کا ادا کرنا
مجھے لفظوں میں مشکل ہی بیانِ مدعا کرنا

عشوہ و ناز و ادا سے مسکرانا آگیا
چشم بددور آپ کو بجلی گرانا آگیا

سراسر جلوۂ حسن متاعِ زلف لیلےٰ تھا
محل رشک اس بازار میں مجنوں کا سودا تھا

سمجھے تھے لوگ جس کو ہمارا انھیں کا تھا
کچھ غل مچا تو یہ بھی اشارہ انھیں کا تھا

اب بانس بھی نہ لیں گے دبائیں گلا وہ کیوں
ہم کو تو زندگی میں سہارا انھیں کا تھا

اٹھنے دیا نہ کیوں مرے ذرّاتِ خاک کو
اے چرخ اوج پر تو ستارا انھیں کا تھا

آزادیوں کے شوق میں ابھرا تھا دل اگر
اُنکی خطا نہ تھی وہ ابھارا انھیں کا تھا

خضر سمجھے ہو جسے غول بیابانی ہے
غلط امید کے جنگل میں تھکا ماریگا

جانستانی میں نہ چھوڑے گا دقیقہ باقی
دلستانی کے لئے لافِ وفا ماریگا

کفر ہے معنی میں تیرے لفظ ہے اسلام کا
نفس نے اک حیلہ پایا ہے خدا کے نام کا

کہتے ہیں مغلوب ہے اکبر خیالِ حور سے
کہدو نہ بہتر ہی جھوٹے بسکٹوں کی چور سے

راہ وحشت میں اگر قیس سے لغزش ہو جائے
جیف لیلیٰ پہ جو آمادۂ کاوش ہو جائے

وہ دست درازیوں سے کب ہیں تائب
ہے حافظِ دیں یہ شمع فکرِ صائب

رخصت ہو جو علم دیں تو پھر دین بھی جائے
گل ہو جو چراغ ابھی ہو پگڑی غائب

عفو کن یارب اگر تقویٰ نہ ماند بر قرار
دل بہ پہلو ہست و کارم با شباب افتادہ است

چراغ دیر بھی دلکش حرم کی شمع بھی دوست
اسی سے چشم بصیرت نے کہدیا ہمہ اوست

ہیں تو سِ دماغ میں مرے سہم بہت
قومی مجلس میں اب سخن فہم ہیں کم

سنیئے یہ خیال جس میں ہے وہم بہت
دربار میں گو کہ ہیں گزٹ فہم بہت

دیکھ کاریگریٔ حضرتِ سیّد اے شیخ
بحرِ ہستی کا یہی دور چلا جاتا ہے

دیکھئے لوچ وہ مذہب میں کمانی کی طرح
برف کی طرح جمے بہہ گئے پانی کی طرح

پھر دسا انیہ کرکے مجھ کو پچھتانا پڑا آخر
بڑا دعویٰ کیا تھا میں نے شرمانا پڑا آخر

دلوے اٹھتے ہیں دل میں دیکھ کر انکا جمال
حوصلے ہوتے ہیں پست انکی نظر کو دیکھ کر

مقابل کفر کے بھی وہ نمود اسلام کی اکبر
نصاریٰ قبلۂ مقصود ہیں ہندو "برادر" ہیں

مگر اب انقلاب دہر سے باقی کہاں کافر
زمینِ شعر ہی میں رہ گئی زلفِ بتاں کافر

زن زمین زر تو ہے فساد کا گھر
زن منکوحہ دشریف و غریب
ہو جو بس آمدِ زرِ تنخواہ
ہو جو تھوڑی سی باغ ہی کی زمیں

لیکن اتنا کہوں گا اے اکبر
کیا عجب ہے کرے جو امن نصیب
تو نہیں حاجت وکیل و گواہ
تو کلکٹر کا ڈر زیادہ نہیں

شرابِ دولت سی ست ہیں وہ ہم قناعت سی ہم ہیں سرخوش
نہیں ہے کچھ باہمی تعلق وہ اپنے گھر خوش ہم اپنے گھر خوش

سخن شناس سے میں چاہتا ہوں دادِ سخن
سوسائٹی نہیں ملتی کہ جس سے دل بہلے
شرف ہی جبۂ بیرسٹری سے جن کو یہاں
بیاضِ شعر سے مطلب نہیں کلرکوں کو

خوشی کے واسطے کافی ہی مجھ کو واہ فقط
جو کوئی مونس و ہمدم ہے اب تو آہ فقط
مقدموں ہی کی وہ دیکھتے ہیں راہ فقط
رجسٹروں ہی کو کرتے ہیں وہ سیاہ فقط

رزق مایحتاج جب دیدے تجھے اللہ پاک
پالسی مسلم کی دیکھی اور ہندو کی ترنگ

کر عبادت میں بسر اور سر کو رکھ بالائے خاک
اُس میں ہی اکثر رکاوٹ یہ ہی اکثر خوفناک

بیٹھا رہا میں صبح سے اس در پہ شام تک
افسوس ہے ہوا نہ میسّر سلام تک

دلوں پر مارتے جاتے ہیں چھاپہ شکسپیر
پڑھو گے حضرتِ سعدی کی بوستاں کب تک

تمھیں سے اٹھ گیا مردی کی شرم کا پردہ
اس انقلاب کا اب انقلاب ہے دشوار

نہ تو سلاونٹ ہو نہ ہو گبلڈ اگ
چال ہے اعتدال کی اچھی

جس نے دیکھا ہو گیا عاشق

فیضِ کالج سے جوانی رہ گئی بالائے طاق
وہ چراغوں سے ہیں جلتے ایسے ہیں روشن ضمیر

اپنی زباں میں شمع یہ کہتی ہے رازِ دل

کیوں کرنے لگے وہ مجھ گدا سے باتیں
میں سجدے میں کہہ رہا ہوں سبحان اللہ

یہی کافی ہے مجھ کو اہلِ ایماں باصفا سمجھیں

رقیبوں نے بہت نظمیں پڑھیں اور درفشانی کی

کوئی کہتا نہیں سیاح ہوں فطرت کا ماہر ہوں
میں اپنی نوکروں کو ڈھونڈتا پھرتا ہوں بنگلے میں

جو محو ہیں کبر و زینت کی عقبےٰ و خدا سے غافل ہیں

ممکن نہیں ہم ان کی کوئی بات ٹال دیں

طاعتِ حق پردہ میدانِ دل قوم اب کہاں

پیتا ہوں ابھی ہے منزلِ مستی ہی اے اکبر

بصارت نے کمی کی انحطاطِ عمر میں اکبر

مرے سازِ سخن سے پست فطرت کو تنغص ہے

جو بات مناسب ہے وہ حاصل نہیں کرتے

تو پھر بقائے حجابِ رخِ زناں کب تک
رہو گے منتظرِ مہرِ آسماں کب تک

نہ تو مٹی ہی ہو نہ تم ہو آگ
سازِ حکمت کا جوڑ ہے یہ راگ

واہ رے صورت واہ رے خالق

امتحاں میں نظر اور عاشقی بالائے طاق
کہتے ہیں رکھئے پرانی روشنی بالائے طاق

روشن نفس نہیں نہ ہو جس میں گدازِ دل

زوروں پہ ہیں کرتے ہیں ہوا سے باتیں
بیٹھلون میں وہ کریں خدا سے باتیں

نہیں پروا منافق بد کہیں مرتد برا سمجھیں

مرا اشک آنکھ میں بھر لایا لغت اسکو کہتے ہیں

یہیں تک فخر کی حد ہے کہ میں ڈپٹی ہوں میں ناظر ہوں
کوئی ہے لاکھ کہئے کون کہتا ہے کہ حاضر ہوں

اربابِ بصیرت کی آگے حشرات الارض میں داخل ہیں

دیں حکم اگر تو سینہ سے دل کو نکال دیں

وہ نمازِ صبحدم خیر من النوم اب کہاں

مریدِ حضرتِ دل ہوں مقیمِ خانۂ تن ہوں

بصیرت ہی تو آنکھیں مجھ سا اب آنکھیں چرا تی ہیں

بیاں تو بے سر سمجھا گیا بزمِ شغالاں میں

جو اپنی گرہ میں ہے اسے کھو بھی رہے ہیں

بے علم بھی ہم لوگ ہیں غفلت بھی ہے طاری
افسوس کہ اندھے بھی ہیں اور سو بھی رہے ہیں

چہرۂ یورپ کا میں پروانہ ہوں
شب میں پیدائش ہوئی پیشِ شمع
اس کی ہر اک بات کا دیوانہ ہوں
جلوۂ خورشید سے بیگانہ ہوں

جو حسرتِ دل ہے وہ نکلنے کی نہیں
یہ بھی ہے بہت کہ دل سنبھالے رہیے
جو بات ہے کام کی وہ چلنے کی نہیں
قومی حالت یہاں سنبھلنے کی نہیں

حواس وفہم میں ابھی ہوئے ہیں
خدا تک ہے رسائی سخت دشوار
برات وہم میں اُلجھے ہوئے ہیں
سب اپنے وہم میں اُلجھے ہوئے ہیں

سنہ ۱۸۷۵ء

دنی پہلو کو اے برادر دیکھو
نظمِ اکبر ہوئی ہے منقوشِ قلوب
کانٹوں سے ہو محترز گلِ تر دیکھو
آنکھیں ہوں اگر خدا کا دفتر دیکھو

قرآں سے نہ واقف ہیں نہ انجیل کے پیرو
بایں ہمہ ہے شوقِ ترقی ہیں تگ و دو

ادبار کے ہیں یہ دن اولوالعزم نہ ہو
رونقِ محفل کی اب نہیں ہے تجھ سے
خدا رکھے سلامت اس نظر کو
ہونی ہے شکست مائلِ رزم نہ ہو
گوشے ہی میں بیٹھ عازمِ بزم نہ ہو
کہ جس نے سیم کو چھوڑا نہ زر کو

مرشد کی کمائی گھٹے حضرتِ معنی نہ سہی صورت تو وہ ہو
اس نقش کی کر دو خانہ پری تقدیر رہیگی پھر نہ بُری
گھر چھوڑ کے بسیئے بنگلے میں طاقت نہ سہی نیت تو وہ ہو
راس آئیگی تم کو بادہ خوری مجلس تو وہ ہو صحبت تو وہ ہو

تصدیق تو ہم شوق ادھر بالا رادہ جھوٹھ
عارض نہ انکا گل ہے نہ دل میرا آئینہ
اس سے زیادہ مگر نہ اُس سے زیادہ جھوٹھ
رنگین جھوٹھ وہ ہے اگر یہ ہے سادہ جھوٹھ

ہوا ہوں میں مخنی نہایت دبا رہا ہے فلک کا غمزہ
عرب تصرف کریں تو شاید الف کی صورت میں آئے ہمزہ

ملکی ترقیوں میں دوا نے نکالئے
کافی ہی بہر شغل کلیسائے فکرِ رزق
پلٹن نہیں تو خیر رسالے نکالئے
اب دل سے مسجد اور شوالے نکالئے

سراسر نورِ تقویٰ سایہ پر قربان کر آئے

فرق کیا واعظ و عاشق میں بتائیں تم سے

یہی فتوائے نیچر ہے کہ ہم ہی ہو رہے اُن کے
ملائیں کس طرح سر صدؔ پہ نزلہ ہے مذہب کا
مگر قومی اطبا دور ہی کر دیں گے یہ نزلہ

تھا شوق ادائے مطلب اک حسن کیساتھ
دیوانہ تھی قوم عشق میں پریوں کے

جب تک ہم میں ہی قومی خصلت باقی
چالیس برس کی بات ہے یہ شاید

زاہد کی طبع دیکھ کے اس بت کو جچ گئی
اکبر ہی تھا کہ دین میں دل کو چھپا لیا

شیخ و سید سے تو خالی نہیں ذکرِ شاعر

طبع مجنوں مری ہے عاشقِ ملت ابدوست

راہ دشت میں اگر قیس سے لغزش ہو جائے

رہ گئے کم عربی شعر سمجھنے والے

فتوئے کفر دینا واعظ کی بے حسی ہے

یہ بزم ساقی عجب جگہ ہے کہ روح بیخود پڑی ہوئی ہے

خبر دل کی مس دِ نخواہ جانے
رہی اب عاقبت کی بحث اکبرؔ

شوقِ شہرت بھی برا زر کی بری چاہ بھی ہے
ہاں مگر حسنِ بتانِ زہرہ جبیں آفتِ دیں

یہ کیا اچھا کیا تم نے اگر زر کھو کے مس لائے

اس کی حجت میں کٹی اسکی محبت میں کٹی

زر انکا زور انکا علم انکا سلطنت ان کی
بہت اونچی سر زمیں بج رہی ہے اب تو گت انکی
قومی اطفال کو کر دے گی آخر تربیت انکی

اکبر نے جو فکر کی تو وہ بات بنی
بگڑی گئی اور غلام جنات بنی

بیشک پردے کی ہے ضرورت باقی
بعد اس کے رہیگی پھر نہ حجت باقی

وہ کیا تمام ملک میں اک دھوم مچ گئی
وہ بھی کہاں بچا یہ کہو جان بچ گئی

ذات سی انکی مخاطب نہیں فکرِ شاعر

کیوں روا رکھتا ہے ناحق مری ذلت ابدوست

حیف لیلیٰ پہ جو آمادۂ کاوش ہو جائے

چل بسے گیسوئے لیلیٰ میں الجھنے والے

یہ عشقِ بت نہیں ہے اکبر کی پالسی ہے

حواس منطق کی عقل گم ہے دلیل حیراں کھڑی ہوئی ہے

خبر ایماں کی حبِ جاہ جانے
تو اس کا حال تو اللہ جانے

نفرت انگیز نظر میں ہوس جاہ بھی ہے
اس سے مجبور تو یہ بندۂ درگاہ بھی ہے

کمال شوق میں صرف اک نظارہ کافی ہے
کہ حسن خود ہی ہے عاقل اشارہ کافی ہے

حسنِ نورِ شمع ہر محفل میں ہر شب ہے وہی
موسمِ باراں میں لیکن کثرتِ پروانہ ہے

بچشمِ غور دیکھو بلبل و پروانہ کی حالت
وہ اپچیں دیا کرتی ہے اور وہ جان دیتا ہے
وہ پھنستی ہے قفس میں اور اس کا نام روشن ہے
ہوا پر خیمۂ معنی کو اکبر تان دیتا ہے

حالت پہلی سی اب کہاں میری ہے
حیرت انگیز داستاں میری ہے
سینہ میرا ہے دل نہیں ہے میرا
میری نہیں بات گو زباں میری ہے

واعظ کا دل بھی سوزِ محبت سے گرم ہے
چپ رہنے پر نہ جاؤ یہ دنیا کی شرم ہے
اڑائی خودنمائی میں اگر دولت تو کیا اکبر
خدا کو مان کر جو دیں وہی اہلِ کرم اچھے

فیضِ حضرت بہر نمط ہوتا ہے
دل کو مرے حظ یہیں فقط ہوتا ہے
ہر امر غلط کی ہوتی ہے یاں تصحیح
اور لطف یہ ہے کہ ختم غلط ہوتا ہے

میں نے اکبر سا بھی وہمی نہیں دیکھا کوئی
کہتا ہے ان کی کمر مجھ کو نظر آتی ہے

مایوس کر رہا ہے نئی روشنی کا رنگ
اس کا نہ کچھ ادب ہے نہ کچھ اعتبار ہے
تقدیس ماسٹر کی نہ لیڈر کا فاتحہ
یعنی نہ نورِ دل ہے نہ شمعِ مزار ہے

بوڑھے ہوئے کتاب سے بوس و کنار ہے
اپنے لئے الف ہی بس اب قدِ یار ہے
اپنی جبیں سے چین کے مالک اگر ہو تم
میں بھی ہوں شاہ روس کہ دل میرا زار ہے

زندگی سے اب طبیعت سیر ہے
موت کیوں آتی نہیں کیا دیر ہے
کون و مکاں ظہورِ جمالِ حضور ہے
غافل اسیرِ دامِ فریبِ شعور ہے

یا ایٹیشن کے صدقے چائے دودھ اور کھانڈ لے
یا ایجیٹیشن کے بدلے تو چلا جا مانڈ لے
یا قناعت اور طاعت میں بسر کر زندگی
رزق کی کشتی کو کھے پتوار لے اور ڈانڈ لے

دنیا کی حرص و آز کا واعظ شہید ہے
گو پیر ہو گیا ہے مگر زن مرید ہے
جب تک ہے زندہ آرزو مند رہے
جب مر گئے ہم تو قبر میں بند رہے

اب حشر میں خلد و نار کا ہے جھگڑا
دیکھیں یہ امید و بیم تا چند رہے

حاصل ہو کچھ معاش یہ محنت کی بات ہے
لیکن سرورِ قلب یہ قسمت کی بات ہے

اسپیس کی واہ واہ لیاقت کی بات ہے
سرکار کی قبول یہ حکمت کی بات ہے

وہ مخبرِ رقیب ہے میں ہوں شہیدِ عشق
یہ اپنی اپنی ہمت و غیرت کی بات ہے

جاپان و روس سے نہیں کچھ واسطہ ہمیں
خرچے کی یاں تو بحث ہی تبت کی بات ہے

بی اے بھی پاس ہوں ملے بی بی بھی دلپسند
محنت کی ہے وہ بات یہ قسمت کی بات ہے

تہذیبِ مغربی میں ہے بوسے تلک معاف
اس سے اگر بڑھو تو شرارت کی بات ہے

بچانا نشۂ طولِ امل سے دل کا مشکل ہے
سرورِ بادۂ امید فردا آ ہی جاتا ہے

مان اس بت نے اڑائی ہمیں بلما بھولے
ہم تو کیا شیخ بھی توحید کا کلمہ بھولے

صنمِ ہند کو ہم یاد رہیں اے اکبر
غم نہیں ہے جو عرب میں ہمیں سلما بھولے

جان آچکی ہے لب پر ہیں منتظرِ فنا کے
اب تک ہے وہاں تغافل قربان اس ادا کے

فغاں کرنے کا بھی یارا نہیں ہے
سوا افسوس کے چارہ نہیں ہے

ہمنشیں ظلمِ بتاں پر چپ نہ رہنا چاہیئے
بات جب کچھ بن نہ آئے شعر کہنا چاہیئے

ہوا بدل گئی ہے ایسی کچھ زمانے کی
دعائیں مانگتا ہوں ہوش ہیں نہ آنیکی

مجنوں کی پیاس کو بجھاتی
لیلےٰ کچھ باؤلی نہیں تھی

عمر ۲۲ سال

طے ہوئی بات نہ قیمت ابھی اسکی ٹھہری
دل مرا لے کے چلے آپ یہ اچھی ٹھہری

مشتاق تو ہستم کہ عزیزی چیبی
لیکن چہ تواں کرد کہ مہمان رقیبی

دستِ فلک سے ہند کی خلقت بہت پٹی
جو کچھ تھی اسکی عظمت و وقعت وہ سب مٹی

اسکی دوا قناعت و نیکی ہے بس فقط
ہاں مشغلے کے واسطے ہو یونیورسٹی

باقی نہیں رہی وہ دنیا سے گرم جوشی
اب میں ہوں اور عزلت اور عالمِ خموشی

اپنے ہی دل کے ہاتھ میں بک گیا ہوں اکبر
سر میں نہیں رہا وہ سودائے خود فروشی

حسب فرمایش عالی جناب خان بہادر شیخ احمد حسین صاحب مذاق تعلقدار پریانواں ضلع پرتاب گڈھ

کچھ اپنا سمجھا نہ کام آیا دہی ہوا جو خدا نے چاہا
خدا سے بیگانہ تھی طبیعت دلی ارادہ تھا بھروسہ
عجب ہی تسلیم و صبر کی خو اگر نہ پیدا ہو دلمیں اب بھی
عزیمتیں فسخ ہو گئیں جب عرفت ربی عرفت ربی

تاثیر ہوائے باغ مستی نہ گئی
ہوتے ہی رہے جمالِ دلکش پیدا
نہ گئی دل سے مرے حسن پرستی نہ گئی
صورت کی ادا نظر کی مستی نہ گئی
طبعِ انسان سے بت پرستی نہ گئی
بجھ گیا خون مگر روح کی مستی نہ گئی

شاخ میں پھل کا لگا رہنا ہے خامی کی دلیل
ہوئی جو عمر انکی مجھ سے سنئے کہ پندرہ میں ہے ایک باقی
موت کو دیکھا تو دنیا سے طبیعت پھر گئی
دنیا سے تعلق رکھنے میں ہرگز نہیں ہے تمہید بری
عقل پختہ ہوکے میرے سر سے زائل ہو گئی
عجب ہی بخبری کی اقتضا ہی جو رکھے نیت کو نیک باقی
اٹھ گیا دل دہر سے دولت نظر سے گر گئی
کیا خوب کہا ہے اکبر نے احسان اچھا امید بری

فلسفہ حریف کا دین کا ہے عدو بنا
صبح و شام صدق سے کر دعا کہ ربنا
اسطرف ہے کید سخت اور ترا ہے بچپنا
لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا

متعلق رڑکی

متضاد گئے جو دو طرف سے دو تار
لیکن اس بات کا سمجھنا تو ہے سہل
کیا جانئے کس کو اس نے اچھا سمجھا
سرکار نے کس کو ان میں سچا سمجھا

بد بو مرے گھر نہ اے شرابی پھیلا
ہر لحظہ طلب شراب کی ہے تجھ کو
ہے تیرا دہن نجاستوں کا تھیلا
ہر دم ترے منہ سے ہی نکلتا ہے لا

مصحف مسلم نے کھولنا چھوڑ دیا
حاکم نے کہا نہ بولو ان سے ہرگز
بنئے نے ٹھیک تولنا چھوڑ دیا
ہم نے بھی سب سے بولنا چھوڑ دیا

پیچ مذہب کا کسی صاحب نے ڈھیلا کر دیا
سادہ طبعوں کو بھی بالآخر رنگیلا کر دیا

شوق پیدا کر دیا بنگلے کا اور پتلون کا
وہ مثل ہے مفلسی میں آٹا گیلا کر دیا

تھا بنارس پہلے ہی سے اے صنم رس میں بھرا
چشم مس اینی ؔنے اور اس کو رسیلا کر دیا

مرے نزدیک پنجاب کا بلوا بھی بُرا
ساتھ ہی اسکے علیگڈھ کا یہ حلوا بھی بُرا

ایسے اظہارِ وفا کیجئے تمکین کے ساتھ
لپٹ جانا بھی بُرا ناز کا جلوا بھی بُرا

جب اپنے ہاتھ میں لی غیر نے عنانِ سمند
تو پھر سوار سے اکبرؔ پیادہ پا اچھا

سر رشتۂ اتحاد ہم سے چھوٹا
آپس ہی کی خانہ جنگیوں نے لوٹا

قرآن کے اثر کو روک دینے کیلئے
ہم لوگوں پہ راویوں کا لشکر ٹوٹا

یہ قومی ترقی بھی ہے پریوں کا فسانہ
کانوں سے سنا سب مگر آنکھوں سے نہ دیکھا

اٹھانا پڑتا تھا دن رات بارِ الفتِ خوباں
جوانی کیا تھی نیچر نے مجھے بیگار پکڑا تھا

اب ان قصوں کا کیا حاصل اب ان باتوں کا کیا رونا
یہی مرضی خدا کی تھی یہی قسمت میں تھا ہونا

کہاں کی دولت و ثروت کہاں کی عزت و حشمت
میسر ہیں تجھے دو روٹیاں بس گھر کا اک کونا

ہنگامۂ ترقیِ قومی کو دیکھ کر،
اور اک حال کے لئے میں ہو گیا کھڑا

کوئی ہوا نہ مجھ سے مخاطب وہاں مگر
چپکے سے میرے کان میں اک غیر نے کہا

اکثر وہی بزرگ ہیں جو ہیں پیئے ہوئے
باہوش کم ہیں انکے بھی منہ ہیں بیئے ہوئے

ہرگز کوئی کہے گا نہ اس انجمن کا راز
کیوں اپنے آپ کو ہے پریشاں کئے ہوئے

پہلے تھا قوم میں سب کچھ مگر اب کچھ نہ رہا
کسی شاعر نے ہے واللہ یہ کیا خوب کہا

شیخ کے پاس ہے اب صرف مصلےٰ باقی
اور مرے پاس ہے اردوئے معلیٰ باقی

معانیِ قرآں کا لو کچھ مزا
پڑھو لن تُضی و کم الاذی

نہ حرفِ شکوہ بہتر ہے نہ اچھا اشک کا بہنا
ہمارے دن یہی ہیں رنج سہنا اور چپ رہنا

خدا کے واسطے اکبرؔ کوئی ذکر اور ہی چھیڑو
سنی باتوں کا کیا سننا کہی باتوں کا کیا کہنا

کالج میں کسی نے کل یہ نغمہ گایا
قومی خصلت کا سہرے اُٹھا سایا

کہتے تھے ولد کو لوگ سٹر لا بیہ
سٹر للما سٹر کا اب وقت آیا

بڑھا پاتا ہوں بنگالی کا درجہ ہر طرف صاحب
زمانے میں نیا یہ دور ہے ماہی مراتب کا

تیر دلہ نے غم کے قلب کو کمبخت کردیا
سوزِ دروں نے سینہ کو دم پخت کردیا

طفلِ دل محوِ طلسمِ رنگ کالج ہوگیا
ذہن کو تپ آگئی مذہب کو فالج ہوگیا

سعادت روح کی کس بات میں ہے آپ کیا جانیں
کہ کالج میں کوئی اس علم کا ماہر نہیں ہوتا

واہ اے سید پاکیزہ گہر کیا کہنا
یہ دماغ اور یہ حکیمانہ نظر کیا کہنا

قوم کے عشق میں یہ سوزِ جگر کیا کہنا
ایک ہی دھن میں ہوئی عمر بسر کیا کہنا

قوم کا اوج ہو منظور خدا خواہ نہ ہو
غیر ممکن ہے کہ دنیا میں تری واہ نہ ہو

قوم کی تاریخ سے جو بیخبر ہو جائیگا
رفتہ رفتہ آدمیت کھو کے خر ہو جائیگا

بھلائے جو نگاہ کو وہی رنگ اچھا
لائے جو راہ پر وہی ڈھنگ اچھا

قرآن و نماز سے اگر دل نہ ہو گرم
ہنگامۂ رقص و مطرب و چنگ اچھا

میرے منصوبے ترقی کے ہوئے سب پائمال
بیج مغرب نے جو بویا وہ اُگا اور پھل گیا

بوٹ ڈاسن نے بنایا میں نے اک مضموں لکھا
ملک میں مضموں نہ پھیلا اور جوتا چل گیا

ساتھ ان کے مرا شیخ تو چل ہی نہیں سکتا
بندر کی طرح اونٹ اچھل ہی نہیں سکتا

پوچھا کہ شغل کیا ہے کہنے لگے گرو جی
بس رام رام جپنا چیلوں کا مال اپنا

کیا شور و فغاں نے میری اسکو مضمحل کتنا
بہت شوخی شرارت تھی مگر عورت کا دل کتنا

خواہش الواں نہ شد واعظ اسلام را
حاجتِ مشاطہ نیست روئے دلا رام را

جو پاس بھی ہو صد فضیلت تو نفس میں کچھ نہیں فضیلت
اگر ہو طالب کمال کے تم تو چھوڑ دو امتحان ایسا

پیری سے کمر خم ہے وہ فرماتے ہیں تن جا
قابو میں نہیں ہاتھ تو کیا ہو ہیکے پنجا

وسعت ہے درِ علم میں ہے راہ عمل بند
ہے صاف سڑک پاؤں بج لیکن ہے شکنجا

کیا کہوں اسکو میں بدبختی نیشن[1] کے سوا
اس کو آتا نہیں اب کچھ اٹیشن[1] کے سوا

اسقدر تھا کھٹملوں کا چارپائی میں ہجوم
وصل کا دل سے مرے ارمان رخصت ہوگیا
لات دنیا نے جو ماری بنگیا دیندار وہ
تھی بری ٹھوکر مگر شیطان رخصت ہوگیا

مری تقریر کا اس پہ کچھ قابو نہیں چلتا
جہاں بندوق چلتی ہے وہاں جادو نہیں چلتا
کمر باندھی بھی یاروں نے جو راہِ حبِ قومی میں
وہ بولے تو نہیں چلتا وہ بولے تو نہیں چلتا
کہا پیرِ طریقت نے اکڑ کر اپنی ٹمٹم پر
یہی منزل ہے جسمیں شیخ کا ٹٹو نہیں چلتا
لطیف الطبع ساتھی چاہئے فیاضِ طینت کا
چمن سے بے ہوا کے کاروانِ بو نہیں چلتا

درس تھا یکساں مگر وہ تو میمی ہی رہے
تجربہ مذہب کے عوض شیطان کا قابو ہوگیا
ایک ہی بوتل سے پی ہوٹل میں دونوں نے شراب
لطفِ مستی اُن کو آیا اور تو اُلّو ہوگیا

ہر قدم ان کا شہیدِ لغزشِ مستانہ تھا
سر میں تھا سید کے قرآں زیرِ پا میخانہ تھا

مجھے انگلش سے جب موقع نہیں ہے گرم جوشی کا
تو پھر کیا لطف ہے اے ہم نفس ان بادہ نوشی کا
تکلف سے جواب انسنے دیا سنکر کہ اے اکبر
ادا کرتا ہوں میں یہ حق فقط پتلون پوشی کا

چھوڑ کر رنج اپنے سٹنے کا
منتظر ہوں اب ان کے پٹنے کا

سر سید کو فلک نے تننے نہ دیا
تہذیب کو پھر دوبارہ جننے نہ دیا
ملت کی شکست میں مدد دی کال
بننے لگی قوم جب تو بننے نہ دیا

گھر میں ہمیں چرخ نے ٹہلنے نہ دیا
باہر کی طرف چلے تو چلنے نہ دیا
کالج نے بٹھا دیا جو مانند شجر
کچھ پھول چلے تھے اس نے پھلنے نہ دیا

کچھ بھی نہیں چاہتے وہ چندے کے سوا
اس باغ میں کیا دھرا ہے پھندے کے سوا
گلچیں ہے ہر اک نہیں ہے بلبل کوئی
اس نکتے کو کون سمجھے بندے کے سوا

لچ ہے یہ رئیسوں کی ترانہ ہے نہ علّے کا
نہ یہ پودا ہے گلشن کا نہ یہ بوٹا ہے گملے کا
ہمارے حضرتِ شیخ مہذب کی ذہانت ہے
خدا اسمیں چمک دے یہ بھی اک طرح ہے قشلے کا

دل چھوڑ کر زبان کے پہلو پہ آپڑے
ہم لوگ شاعری سے بہت دور جا پڑے

معنی کے ساتھ ہو تو مزہ ہے زبان کا
انجم نہوں تو لطف نہیں آسمان کا

ہے صاف عیاں حرم سرا کا مطلب
ممکن ہو اگر تو اس کو قائم رکھو
بیگانوں کے واسطے ہی اک حدِ ادب
عزت کے نشان اب تو مٹ گئے سب

پنڈت نے خوب بات کہی جوشِ طبع میں
پتھر کے بدلے اب تو دھرم ٹوٹنے لگا
ناحق گذشتہ عہد پہ یوں طعنہ زن ہیں آپ
محمود بت شکن تھا برہمن شکن ہیں آپ

محتاجِ درِ وکیل و مختار ہیں آپ
آوارہ و منتشر ہیں مانند غبار
سارے عملوں کے ناز بردار ہیں آپ
معلوم ہوا مجھے زمیندار ہیں آپ

جاتی رہی وعظ مذہبی کی قوت
اطفال کو ناز ہے مگر قومی آنکھ
ہر سر میں سمائی خود سری کی قوت
روتی ہے کہ ہے یہ خود کشی کی قوت

حاضر ہوا میں خدمتِ سید میں ایک رات
بولے کہ تجھ کو دین کی اصلاح فرض ہے
افسوس ہے کہ ہو نہ سکی کچھ زیادہ بات
میں چل دیا یہ کہہ کے کہ آداب عرض ہے

مہمان آئے تو اس کو گھیرو نہ بہت
مجلس ہوئی ختم اب میں گھر جاتا ہوں
اسکی راہو نے اس کو پھیرو نہ بہت
بھائی مجھے میرا حصہ دے رو نہ بہت

عینک آنکھوں پہ منہ میں مصنوعی دانت
اب تک ہے مگر دہی ہوس حضرت کی
نیچر نے سکھا کے کر دیا جسم کو تانت
ہے طولِ امل ہنوز شیطان کی آنت

عزیزوں کی اعانت گم بزرگوں کا ادب رخصت
جو دل بدلا تو سب بدلا خدا رخصت تو سب رخصت

ڈپٹی گیٹوں نے جو شملے میں بہم کی ہے صلاح
بعد عمدہ کھانیکے ایسی مکاریں ہیں مباح

سنٹرل بھی ہو کمیٹی اور پراونشل بھی ہو
حامیٔ پبلک بھی ہو رخ جانبِ کونسل بھی ہو

بابوؤں کی طرح لیکن عمل سے کچھ مطلب نہ ہو
کردیں بس توضیح جزو و کل ہی کچھ مطلب نہ ہو

دلوے ایسے نہیں محتاج کچھ تصریح کے
کیوں نہ ہو دانے تو ہیں ٹوٹی ہوئی تسبیح کے

گندھ کے اب قومی گلے کا ہار ہوجائیں گے یہ
پالسی کے طرۂ دستار ہوجائیں گے یہ

بحث ملکی میں تو پڑتا ہے نری دیوانگی
پالسی ان کی رہے قائم ہماری دل لگی

ہم یہ کہتے ہیں کرو جو استخارہ راہ دے
تم فقط پتلے بنا سکتے ہو جان اللہ دے

طفل مکتب کہ سخنہا زباں میگوید
طبع او فونوگراف است و سر دش سبقش

شکوہ کم کن کہ چنیں گفت و چناں میگوید
آنچہ بستند بر و نقش ہماں میگوید

یہ بات غلط کہ ملک اسلام ہے ہند
ہم سب ہیں مطیع و خیر خواہ انگلش

یہ جھوٹ کہ ملک لچھمن و رام ہے ہند
یورپ کے لئے بس ایک گودام ہے ہند

گفتم ایران را سر جنگ نہ ماند
آغا خندید گفت رنجے دگر است

اس مروی م اس ہوا و آں رنگ نہ ماند
کا روز برائے ساغرم بنگ نہ ماند

شکر چشم و گوش کرتا ہوں مگر یارب یہ کیا
آنکھ ٹھینگے کے حوالے کان مچھر سے سپرد

افسوس ہے بدگماں کی آزادی پر
طاعون سے کیوں ہے اتنی وحشت اکبر

خالق کبھی خوش نہ ہوگا بربادی پر
یہ تو اک ٹیکس ہے اس آبادی پر

پنڈت بیٹھا ہے اپنی پوتھی لیکر
سودا اس کو ہے جو سدھارا لندن

بنیا بیٹھا ہے موٹھ موتھی لیکر
وہ دولت و جنس گھر میں جوتھی لیکر

یہ وقت شکست قوم کا ہے بخدا
ایسی مسجد ہو جس پہ اطلاق ضرار

کرتا ہوں میں تجھ کو اسکی تنبیہ اکبر
قرآن کو مان لاتقم فیہ اکبر

کرو نہ تعمیر گھر کی ہکبر حدود میونسپل کے اندر
یہ اہلکاران بد دیانت بنینگے جوڑا الخل کے اندر

ہوئے اسقدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے اسپتال جا کر

میں رعیت ہوں وہ شاہانہ دلیری ہے کہاں
مجھ کو کیوں نہ شک آئے وضع ملت انگریزیہ

کلنٹے بچہ جاتے ہیں ان لوگوں کی راہ رزق میں
خوف آتا ہے چھری چلتی ہے انکی میز پر

مُعمّا

ممکن نہیں عبور مرے ان کے راز پر
بالفعل ہے مقامِ عدالت جہاز پر

کیا اسکی خوشی کہ تم کو ہے عقل کثیر
ہرگز یہ نہیں ہے حسنِ قانونِ خدا
ہمکو تو اسی سے کر دیا تم نے فقیر
کہتے ہیں حضور اس کو حسنِ تدبیر

تہذیبِ نو کی رنگ پہ بلبل بنی ہیں سب
واللہ کیا بہار ہے اس سبز باغ پر

تیغ ملتے ہی رہیں گے تجھ سے بہر اخذِ زر
دین خود تجھ کو نہ چھوڑیگا جو تو دینا نہ چھوڑ

جس طرح ہے تجھے المِ جسم کی تمیز
دیکھے گا دردِ جان کو بھی اکدن تو ای عزیز

ہرگز نہیں ہم کو سلطنت کا افسوس
انگریزوں پہ ہے بہت کم الزام اسکا
ہے ابتریِ معاشرت کا افسوس
ہے اپنے ہی میل معصیت کا افسوس

سیاہ کرنا دلوں کا اسے ہے کیا مشکل
تمھارا علم لگاتا ہے آفتاب میں داغ

یار نے پوچھا کدھر جاتا ہے تو
پوچھا اس جانب سے جاتا ہے کون
عرض کی میں نے ہلاکت کی طرف
میں نے دیکھا اسکی صورت کی طرف

بن گئی ہے خضرِ راہ دوستاں کیدِ حریف
ہم کو یہ سجدہ ملایا چاہتا ہے خاک میں
ہے نماز گریۂ زاہد سے خوش کبک نحیف
کون سمجھے شاعروں کے یہ اشارات لطیف

ہم کو نہیں انکے عیش و راحت پر رشک
کافی ہے ہمیں عبادتِ حق کے لئے
بے غیرت دکو دن اسپہ برساتے ہیں اشک
ایک اونٹنی ایک پال پانی اک مشک

کونسل میں شریک ہوگا کل ملک
یارب کل سلطنت ہے تیری
اونچا سنتی ہے کیا گورنمنٹ
گائیں ناحق بھڑک رہی ہیں
ہوتی ہے روش جو سلطنت کی
اب تیکس کا باندھ دیگا پل ملک
تؤتی الملک اور تنزع الملک
کیوں کرتا ہے اتنا شور و غل ملک
ویراں نہ کریں گے جان گل ملک
جاتا ہے اسی طرف کو ڈھل ملک

زندہ جس سے ہے بزمِ قومی
غنچے کی طرح سمٹ کے ابھرو

وہ کون ہے صرف محسن الملک
اسوقت کھلیگا مثل گل ملک

اکبر اس اندیشہ میں رہتا ہے غرق
کافری کا ہے علاج ایماں سے

کافر و نیٹو میں ہے تھوڑا ہی فرق
نیٹویت تو ہے لپٹی جان سے

بنام خیالات پاٹ آفریں

زبانوں پہ بسکٹ کی چاٹ آفریں

اس قوم کو یکدلی کی رغبت ہی نہیں
اکبر کہتا ہے میل رکھو باہم

جو ایک کرے ادھر طبیعت ہی نہیں
وہ کہتے ہیں میل کی ضرورت ہی نہیں

کیسا اسلام ان میں غیرت ہی نہیں
طرز تعلیم پر ہے لیکن الزام

ایمان کہاں کہ جب بصیرت ہی نہیں
وہ علم نہیں تو وہ طبیعت ہی نہیں

واں شوکت و زینت کے جو اسباب بہت ہیں
صاحب کی سی محفل تو میسر نہیں لیکن

معنی کے یہاں گوہر نایاب بہت ہیں
صد شکر کہ اکبر کے بھی احباب بہت ہیں

ترقی پاتے ہیں لڑکے ہمارے نور دیں کھو کر

یہ کیا اندھیر ہی بجھ لیتے ہیں یہ تب چمکتے ہیں

دنیا میں ضرورت زور کی ہے اور آپ میں مطلق زور نہیں
تاریخ ہم اپنی جانتے ہیں اور آپ کو بھی پہچانتے ہیں
ای بھائیو بابو صاحب سے کھنچنے کا نہیں ہے کوئی محل

یہ صورت حال ہی قائم تو ان کی جا جز گور نہیں
کب آپکی باتیں مانتے ہیں کچھ فہم تو ہے گو زور نہیں
گو نسل علاء الدین ہیں ہو مسکن تو تمھارا غور نہیں

مشتاق لقا ہوں در پہ حاضر ہوں میں
حضرت کو جو فرصتِ ملاقات نہ ہو

ق

منظور نہیں کہ بار خاطر ہوں میں
بوسے بر آستاں کے شاکر ہوں میں

ہوئے منطوبی ہوا نے سیر میں موج کوثر ہے اب نظر میں

ہوس اگر ہے تو بس یہی ہے کہ ہم بھی چھپ جائیں پانیر میں

دلچسپ ہوائیں سوئے گلشن پہونچیں
درگا بائی سے راجہ جی جب روٹھے

زلفیں تیلے سے تا بہ دامن پہونچیں
صدقے ہونے کو بی نصیبن پہونچیں

جھنجھلا کے بولی اُنسے جو لپٹا اندھیر میں

اندھیرا اس طرح کا تو دیکھا کہیں نہیں

آغاز تحریک سودیشی میں یہ نظم کہی گئی تھی مصنف شور و شر سے متفق نہیں

داخل مری دانست میں یہ کام ہے پن میں
پہونچائے گا قوت نئی ملک کی بن میں
تحریک سودیشی پہ مجھے وجد ہے اکبر
کیا خوب یہ نغمہ ہے چھڑا دیس کی دھن میں

عنایت مجھ پہ فرماتے ہیں شیخ و برہمن دونوں
موافق اپنے اپنے پاتے ہیں میرا چلن دونوں
ترانے میرے ہم آہنگ دیر و کعبہ میں یکساں
زباں پر میری موزوں ہیں گی حمد اور بھجن دونوں
مجھے الفت ہے سنی سے بھی شیعہ سے بھی یاری ہے
اکھاڑے میں دکھا سکتے ہیں دلکش بانکپن دونوں
مجھے ہولی بھی خوش آتا ہے اور ٹھاکر دوارا بھی
تبرک ہیں مرے نزدیک پرشاد اور ملن دونوں

ایک سید کیا کریں یا بیٹھ کر دس کیا کریں
حضرت حالی کے اشعار مسدس کیا کریں
سچ تو یہ ہے مہربانی آپ کی درکار ہے
ہم غریب و ناتوان و زار و بیکس کیا کریں

روشنی سر میں گداز غم دل مایوس میں
شمع ساں ہم جل رہے ہیں مغربی فانوس میں
روکتا زور دریا سے ہوں تو فرماتے ہیں وہ
آجکل برکت بڑی ہے خرقۂ سالوس میں

گولیوں کے زور سے کرتے ہیں وہ دنیا کو ہضم
اس سے بہتر اس غذا کیواسطے چورن نہیں

ہم نیک خصال ہیں یہ تسلیم نہیں
دنیا میں اس روش کی تکریم نہیں
لیکن یہ ہیں طریق و عادات عجم
واللہ کہ یہ عرب کی تعلیم نہیں

چو مسٹر نہ باشد ترا میہماں
چہ بر میز خوردن چہ بر روے خواں

مہدی نے گھر کیا ہی دل شیخ و رند میں
سید کا جانشین ہے وہ آج ہند میں

یہ بولے رو کے پیرو اور گیا دین
دھرم دنیا سے اٹھا اور گیا دین

نوکر کو سکھاتی ہیں میاں اپنی زباں
مطلب یہ ہے کہ سمجھے ان کے فرماں
مقصود نہیں میاں کی سی عقل و تمیز
اس نکتہ کو کیا وہ سمجھیں جو ہیں ناداں

نیچریت جیست از دیں گم شدن
نے قمیص و کوٹ و پتلون و بٹن

بھوک سے زاید ہو جسکے پاس کھانا اسکے پاس
اتنی دولت ہے کہ رکھنے کی جگہ ملتی نہیں

ناصح نے کہا کہ جلد مذہب چھوڑ دو
مذہب نے کہا کہ مجھکو چھوڑ وگے تو وہ

ورنہ سائنس یہیں ڈالے گا تمھیں
کیا گود میں اک طرف بٹھالیگا تمھیں

پورا سائنس تم کو آنے کا نہیں
وہ کمپنیاں نہ ہیں نہ کوئلے کی وہ کاں

کچھ آیا تو پیشوا بنانے کا نہیں
بے ختم ہوئے یہ دور جانے کا نہیں

سوجھا نہیں خود غرض کو آئین صواب
واللہ یہی نتیجہ ہوگا پیدا

جتنا چھوڑو گے ہم کو تم ہوگے خراب
دنیا میں حقارت اور عقبیٰ میں عذاب

اب قوم میں زندگی کے آثار نہیں
حکام کی ہے یہ صرف عیسیٰ نفسی

جو اہل نظر ہیں اس سے شرمندہ ہیں
اعضا کالج کے کچھ اگر زندہ ہیں

سدیں قوموں کی قسمت کی کیا کرتا ہی یہ قائم
محبت کس طرح اس قوم میں باہم رہے قائم

زمانہ دیکھ کر چلئے طریق زندگانی میں
زبانیں صرف غیبت دل ہیں ڈوبے بدگمانی میں

میں نے کہا کہ اپنا سمجھئے مجھے غلام
بولا وہ بت یہ ہنس کے فرنگی نہیں ہوں میں

ہندو و مسلم ایک ہیں دونوں
ہم وطن ہم زباں و ہم قسمت

یعنی یہ دونوں ایشیائی ہیں
کیوں نہ کہدوں کہ بھائی بھائی ہیں

پڑھتے نہیں نماز یہ خود ہی کیا کروں
قوم نہیں تو قوم نہیں ہائے کیا کروں

باپ سے مانگو نہ عشرت نہ چچا سے مانگو
حسن تدبیر بڑی چیز ہے اس دنیا میں

سعی بازو پہ کرو تکیہ خدا سے مانگو
مدد اس کام میں تم عقل رسا سے مانگو

دل سے دھرم اٹھا ہی تو اب ذات بھی توڑ دو
برباد کرو خوب منوجی کے چمن کو

ویراں ہوئی کھیتی تو عمارات بھی توڑ دو
باقی نہ رہے پھول تو اب پات بھی توڑ دو

یا کس کے کمر پئے خوشامد باندھو
کیا فائدہ بے قرینگی سے اے شیخ

یا حجرے میں گھس کی بیٹھو تہمد باندھو
بہتر ہے یہی کہ اپنی اک حد باندھو

پانیر کے صفحۂ اول میں جس کا ذکر ہو
میں وہ لی سمجھوں جو اسکو عاقبت کی فکر ہو

شملہ بمقدارِ علم

افسوس ہے کہ مرگئے بگ* اب نہیں کوئی
شملے پہ جان دی تو تعجب ہے اسمیں کیا

اس درجہ جسمیں علم ہو اس درجہ حلم ہو
لازم تھی وہ جگہ جو بمقدارِ علم ہو

زندگی اور قیامت میں ریلیشن سمجھو
ہو جنھیں مقدرتِ وضع نفاذِ قانون
آہ و فریاد سے قابو میں نہ آئیگا وہ یار

اس کو کالج اور اسے کانووکیشن سمجھو
بس انھیں کو صفِ اقوام میں نیشن سمجھو
طپش قلب کو بنگال ایجی ٹیشن سمجھو

دین دار ہو درست دیں ہو کہ نہ ہو
مذہب پہ جمے رہو یہ ہے شیخ کا قول

قدر اس کی زمانے میں کہیں ہو کہ نہ ہو
کہدو کہ یقیں ہے یقین ہو کہ نہ ہو

افسوس ان پر فلک نے پایا قابو
شیخی کو چھوڑ میرزا پہلے سینے

مطلق نہیں انہیں رنگ ڈھونڈو یا بو
بنتے جاتے ہیں اب یہ مسلم بابو

لطفِ سخن تو ہی ہے اس بھی ہو وٹی بھی ہو

ذہن کا وصف ہی بھی اور بجنیلٹی بھی ہو

مرشدِ نئی روشنی کا ہے قابلِ قدر
طالب جمے کا لیکن اس سے رہے دور

تزئین بھی خوشنما ہے تنویر کے ساتھ
الوار لگا ہوا ہے اس پیر کے ساتھ

عقل بتیدلو واز انوار حکمت بافتہ
مشکلے در پیش ہست اورا اگر گویم بنی

نور یا ندیش عدورا تنہا بر تافتہ
زا بنیا ہرگز کسے نگذشت نیشن یافتہ

پردہ اٹھ جانے سے اخلاقی ترقی قوم کی
سن چکا ہوں نہیں کہ کچھ بوڑھے بھی ہیں اسمیں شریک

جو سمجھتے ہیں یقیناً عقل سے فارغ ہیں وہ
یہ اگر سچ ہے تو بیشک پیر نابالغ ہیں وہ

اکبر کو ہے العنتِ بتانِ گمراہ
احباب سنیں جو اس سے ایسے اشعار

کرتا ہے انھیں کے وصف میں نامہ سیاہ
تردید کریں کہیں کہ سبحان اللہ

سب لیکے قلم کے لوگ بھالے نکلے
افسوس کہ مفلسی نے چھاپا مارا

ہر سمت سے بیسیوں رسالے نکلے
آخر احباب کے دوالے نکلے

سچ ہے کہ انھوں نے ملک لے رکھا ہے
لیکن ہے ادائے شکر ہم پر لازم
ہم لوگوں سے کمپ کو پری رکھا ہے
کھانے بھر کو ہمیں بھی دے رکھا ہے

پوچھتے کیا ہو مسلمانوں کا حال
معتصم کب ہیں یہ حبل اللہ سے
منتشر اجزا سب ان کے ہو گئے
دیکھ لو جھاڑو کے تنکے ہو گئے

غضب ہی وہ ضدی بڑے ہو گئے
نہیں ان کو کچھ شرم لاحول قوم
میں لیٹا تو اٹھ کر کھڑے ہو گئے
یہ ملحد تو چکنے گھڑے ہو گئے

ہر ایک کو ایک دن اجل آنی ہے
لیکن مرنا جو عالمِ وجد میں ہو
دنیا گزراں ہے ہیچ ہے فانی ہے
گویا کہ شعاعِ نور یزدانی ہے

تم کتنے ہی محوِ کج ادائی رہتے
صد شکر تم آئے بڑھ گئی لذتِ طبع
تم پر دل و جاں سے ہم فدائی رہتے
لیکن جو نہ ملتے تب بھی بھائی رہتے

مسلمانوں نے کالج کی بُری کیا راہ پکڑی ہے
وہی تو اک ٹھکانا ہے وہی اندھے کی لکڑی ہے

نہ گئی دل سے مرے حسن پرستی نہ گئی
بجھ گیا خون مگر روح کی مستی نہ گئی

مجھ کو کچھ حیرت نہ ہوگی تم کو ہو جائے گا فخر
مغربی تہذیب میں کس کو میں سمجھوں مستند
کہہ دو اک بدست گوری کو کہ بندہ زادہ ہے
اس تماشا گاہ میں جو ہے وہ صاحبزادہ ہے

اسیرِ دامِ زلفِ پالسی مدت سے بندہ ہے
فصاحت نذرِ لکچر ہے۔ ریاست نذرِ چندہ ہے

ان کی سب باتوں کو اکبر سیکھ لے
خود وہ فرمائیں گے پھر آ بھیک لے

جو لوگ طرفدارِ علی گڑھ کے رہیں گے
مفلس ہیں گمنام رہیں خیر جو کچھ ہو
اس دور میں بیشک وہی بڑھ چڑھ کے رہیں گے
کالج کے یہ سب علم تو ہم پڑھ کے رہیں گے

واد قرآں کی نہ دو بھائی عمل اس پہ کرو
پیشِ درگاہِ خداداہ کی حاجت کیا ہے

ظاہر میں اگرچہ راز سربستہ ہے
پودا نہیں پھول کا علیگڈھ کالج
مضمون لطیف و خوب برجستہ ہے
گلدان میں مسلموں کا گلدستہ ہے

سرحد پہ باغیوں کو سکھ ماریں گے
گودن اردو کی رام رکھ ماریں گے
قائم ہے البشیر کا یہ پرچہ
ہم بھی مضمون کوئی لکھ ماریں گے

کونسل سے ہر طرح کا قانون آرہا ہے
مطبع سے ہر طرح کا مضمون آرہا ہے
لیکن بڑھوں میں کیونکر آنکھوں کی ہے یہ حالت
اشک آ رہے تھے پہلے اب خون آرہا ہے

باغوں میں تو بہار درختوں کی دیکھ لی
کالج میں آکے کانووکیشن کو دیکھئے
لیموے کاغذی تو بہت دیکھے آپ نے
اب کاغذی ترقیٔ نیشن کو دیکھئے

اپنے بھائی کے مقابل کبر سے تن جائیے
غیر کا جب سامنا ہو بس قلی بن جائیے
فلسفۂ الحاد کا کر لیجئے فوراً قبول
دین کی ہو بات تو ابطال پر ٹھن جائیے
چندے کی مجلس میں پڑھیے روکی قرآن مجید
مذہبی محفل میں لیکن مثل دشمن جائیے
شیخ صاحب ہی یہی قومی ترقی کی شناخت
روٹھنے سے کچھ نہیں ہے فائدہ من جائیے

پڑا ہے قحط بشر مر رہے ہیں فاقوں سے
خوشی ہو کیا مجھے شبرات میں پٹاقوں سے
بجھی ہوئی ہے طبیعت یہ روشنی ہے فضول
اتار لیجئے صاحب چراغ طاقوں سے

دنیا ہی اب درست ہے قائم نہ دین ہے
زر کی طلب میں شیخ بھی کوڑی کا تین ہے

اک دن وہ تھا کہ دب گئے تھے لوگ دین سے
اک دن یہ ہے کہ دین دبا ہے مشین سے

گذرے مری نگاہ سے یاروں کے جمگھٹے
مطلب یہ تھا سرور بڑھے اور غم گھٹے
کھانے بھی خوب کھائے اڑیں گلچھنیں بھی خوب
لیکن ہوا یہی کہ بڑھے آپ ہم گھٹے
ہم تو اسی کو بات سمجھتے ہیں کام کی
عشق صمد زیادہ ہو عشق صنم گھٹے

جس سے جو بن پڑے وہی کام کرے
صاحب بنے کھائے کھیلے آرام کرے
لیکن رہے قومی بھائیوں کا ہمدرد
ہر حال میں ادعائے اسلام کرے

چرچے ہیں نہ مذہب کی نہ وہ قصۂ دل ہے
پرچے ہیں اب اخبار کے اور آرٹیکل ہے
اس عہد میں مائل سوئے الحاد جو دل ہے
اس کی تو گورنمنٹ ہی رسپانسبل ہے

تل کمیت میں ملجائے تو گودام میں بیجائیں
تنخواہ کے بل سے ہمیں ہوتی ہے مسرت
غزالی و رومی کی بھلا کون سنے گا

کیا فائدہ عارض پہ کسی بت کے جو تل ہے
اور شیخ یہ کہتا ہے کہ یہ سانپ کا بل ہے
محفل میں چھڑا نغمۂ اسپنسر و مل ہے

سالِق کے طریقوں پہ عمل کر نہیں سکتے
الزام کہیں مشقِ قواعد کا نہ لگ جائے

کل آج نہ تھا آجکو کل کر نہیں سکتے
صوفی بھی بہت کو داخل کر نہیں سکتے

تائید کانفرنس

جمعیتِ عاقلانِ قوم اچھی ہے
کہتا ہے یہ معترض کہ ملنا کیا ہے

گلہائے سخن کی باغ کھل جائیں گے
کچھ اور نہیں تو دل ہی مل جائیں گے

چالیس سال سے ہے نئی روشنی کا دور
البتہ ایک عرض کروں گا دبی زباں

کیونکر اسے کہوں کہ سراسر فضول ہے
گو خوشنما بہت ہے مگر بے اصول ہے

دنیا کی ہوا اس جو آئی بھڑک اُٹھے
کمزور کی ہانڈی جو زبردست نے دیکھی

انگارے ہوئے جاتے ہیں اب کوئلے کالے
دل نے کہا بے پوچھے ہوئے کھول کے کھالے

تسبیح مری تو ہے عطا کردۂ مرشد

ان برہمنوں کے پاس تو ہیں مُول کے ملے

ترکیب تو دیکھو یہ زمانے کے چلن کی
گرجا میں تو کرنیل و کمشنر بھی ہیں موجود

افسوس کہ اس سے کوئی واقف بھی نہیں ہے
مسجد میں کوئی ڈپٹی و منصف بھی نہیں ہے

بزمِ اکبر دانش آموز و نشاط انگیز ہے
بالارادہ اس سے جو کرتا ہے اعراض و گریز

ہر سخن اس کا لطیف و خوب و معنی خیز ہے
ناتواں ہیں وہ ہے یا کودن ہے یا انگریز ہے

سخن بازی کی چالوں میں تو خامہ انکا شاطر ہے

مگر جو حالتِ اصلی ہے وہ پبلک پہ ظاہر ہے

اس زمانے میں جو دل ہے ہر سے پھر جاتا ہے

آدمی پایۂ تہذیب سے گر جاتا ہے

میں کچھ واقف نہیں آرام وہ اب کون سندر ہے

کہ پل موہوم امیدوں کا لفظوں کا سمندر ہے

معاملہ تھا عرب کا خدائے واحد سے

عجم نے واسطہ رکھا شراب و شاہد سے

ادھر تھی حمد خدا ہی سے آشتی دل کی
ادھر تھی بحث نزاع حمید و حامد سے

ہے نئی روشنی اک لوکل و ذاتی ترکیب
لفظ ہی لفظ ہیں جتنے ہیں زوائد اسکے
لمپ بجلی کا ہے یہ مہر جہانتاب نہیں
جب اندھیرا ہو تو ظاہر ہوں فوائد اسکے

بے علم اگر عقل کو آزاد کریں گے
دنیا تو گئی دین بھی برباد کریں گے
جب خود نہیں رہنے کے کسی اصل پہ قائم
کیا خاک وہ قائم کوئی بنیاد کریں گے
پارک کوئی کردیگی عطا اُن کو گورنمنٹ
یا کالونی اپنی کوئی آباد کریں گے

صوت ہزار طائر بد لحن نے سنی
کہنے لگا کہ بھاڑ میں بلبل کی چونچ جائے
اُسنے کہا مقابلہ کا کب تھا یاں خیال
یہ تو وہی مثل ہے کہ کانہو کو نچ جائے

مسجد کا ہے خیال نہ پروائے چرچ ہے
جو کچھ ہے اب تو کالج و ٹیچر میں خرچ ہے

عزت کا ہے نہ اوج نہ نیکی کی موج ہے
حملہ ہے اپنی قوم پہ لفظوں کی فوج ہے
اس طرز تربیت پہ ہیں اغیار خندہ زن
لاحول باپ کی ہے تو ماؤں کی نوج ہے

اسلام کی بو وہاں نہیں ہے مطلق
مسجد بھی ہے مولوی بھی ہیں ٹاٹ بھی ہے
دریا میں نہیں ہیں جوہر تیغ اکبر
گو آب بھی اسمیں دھار بھی کاٹ بھی ہے

پیری نے دانت مجھ پہ لگایا ہے گھات سے
بائیں طرف کی ڈاڑھ میں ہے درد رات سے
بارہ مسالے ایک طرف درد اک طرف
پیپل سے فائدہ ہے نہ کچھ تیج پات سے

نہ یہ قید شریعت ہی نہ یہ غفلت کا پردہ ہے
رواج و مصلحت کی بات ہے حکمت کا پردہ ہے
ہمیں دھوکے میں ڈالا ہے مثال اہل یورپ نے
ادھر سایہ حکومت کا ہے یاں عزت کا پردہ ہے

کہتے ہیں ترک ملت انسان کو بات کیا ہے
تحقیق تو کرو تم حضرت کی ذات کیا ہے

خوب فرمایا یہ شاہ جرمنی نے پوپ سے
وعظ ہم بھی کہتے ہیں لیکن دہانِ توپ سے
جد امجد خود میں کرتے تھے یہ موسم بسر
ہم کو اپنے عہد میں پالا پڑا کنٹوپ سے

رہ گئے نا آشنا احباب غائب ہو گئے
ہم نفس دو اک جو باقی تھے وہ صاحب ہو گئے

وقت بد میں کون رکھتا ہے رفاقت کا خیال ہم نشیں اپنے رقیبوں کے مصاحب ہو گئے

کدھر جاتی ہے طبع قوم اسکو کوئی کیا جانے بصیرت جنکو ہے وہ جانیں اکبر یا خدا جانے

طریق حق میں بھی بہر خدا ذرا چلئے فٹن کی راہ نہیں ہے پیادہ پا چلئے

کہا جب غیر کو کیوں تو نے گرد پھنسایا ہے تو بولا دل لگی کے واسطے اُلّو پھنسایا ہے
ادھر چاہِ ذقن ہے اس طرف ہیں جال گیسو کے ہمارے دل کو اسنے کرکے بے قابو پھنسایا ہے

گلوں کو دیکھ کر کہتا ہے وہ شوخ ہمارا رنگ بھی پھیکا نہیں ہے

عاشقوں کے بھی معین ہوگئے ہیں اب حقوق عہد انگریزی ہے یہ ایجان جاں شاہی گئی

قوم اور سلطنت ہیں دو چیزیں نیچرل وہ ہے یہ ہے مصنوعی
نیچرل چیز بن نہیں سکتی آئیں کیونکر صفات مجموعی

نہ رنگِ انجمن وہ ہے نہ وہ میکش نہ وہ ساقی یہ دعوت کیا ہے بس ہے اک ادائے فرض اخلاقی
نہ وہ مکتب نہ وہ مُلّا نہ وہ صورت نہ وہ سیرت سوا نامِ خدا کے اب رہا کیا قوم میں باقی
کہاں وہ دعوتِ احباب کی طیاریاں اکبر خموشی سے ادا کرتا ہوں بس اک فرض اخلاقی

بے بصیرت ہے مگر تو منکرِ شیخ دو لی ناشگفتہ رہ گئی بیشک ترے دل کی کلی
چشم پیدا کن کہ بینی آشکارو ہم نہاں در قبائے گل رخاں رنگِ نبی بوئے علی

بلا طاقت تہِ افلاک انساں کی نہیں چلتی وہاں تو ریل چلتی ہے یہاں روٹی نہیں چلتی

پہلے تو دکھاتی تھی چمک اپنی گنی اب پیش نگاہ ہیں فقط پنس و پنی
کہتے ہیں حریف ہنس کے اب از رہِ طعن جب دین کو کھو دیا تو دنیا بھی چھنی

ہمنے واعظ کی خوب ڈاڑھی نوچی یہ بات مگر نہ اپنے دل میں سوچی
مذہب کو شکست دیکے کیا پائیں گے آخر کو رہیں گے موچی ہی کے موچی

فضلِ خدا سے عزت پائی آج ہوئے ہم سی ایس آئی شیخ نہ سمجھے لفظ انگریزی بولے ہوئے ہیں عیسائی

ابتک جو کہیں ہماری قسمت نہ لڑی ناحق تجھے ہم نشیں ہے فکر اسکی پڑی

انگریز کے ملک میں لڑائی کیسی ،
یہ ہند ہے یہاں خوش انتظامی ہے بڑی

روشنی جن میں نئی ہے وہ مری سنتے نہیں
انجم و شمس و قمر لیکن ہیں میرے ہم طریق
لاکھ سمجھاؤ کہ صاحب ہی یہ فانی روشنی
وضع پر قائم ہیں ان میں ہے پرانی روشنی

انگریزوں میں عادتِ سحر خیزی تھی
مشرق کی ہوا سے وضع اب ہے بدلی
انداز و روش میں اک دلآویزی تھی
پہلے اچھی تھی خالص انگریزی تھی

کٹ کیک کی فکر میں سو روٹی بھی گئی
واعظ کی نصیحتیں نہ مانی آخر
چاہی تھی شے بڑی سو چھوٹی بھی گئی
پتلون کی تاک میں لنگوٹی بھی گئی

مہدی کو بُرا بھلا جو چاہو وہ کہو
لاکھوں ہی کے ڈھیر کردیئے کالج میں
لیکن وکھلادی اسنے بیوٹی اپنی
پوری کردی یہ اس نے ڈیوٹی اپنی

حقیقت میں تو سب جلوہ تھا ان کا
خدا ہی سے دعا پر تھا بھروسا
خدا سے جب کہا مرتا ہے اکبر
رہی اک حالتِ فرضی ہماری
کہیں گذری نہیں عرضی ہماری
کہا ہم کیا کریں مرضی ہماری

اقبال کے ساتھ اے خرد تو بھی گئی
سچ کہتے ہیں حضرتِ کرامتؔ اکبرؔ
غیرت کے ساتھ مذہبی بو بھی گئی
رخصت ہوئی فارسی تو اردو بھی گئی

کیا پوچھتا ہے حکمتِ مغرب کا واہ واہ
سمجھے تھے یہ کہ ایک ہیں ہم اور ہماری جاں
فطرت بھی اس کو دیکھ کے حیران رہ گئی
دیکھا مگر کہ ہم نہ رہے جان رہ گئی

قطعہ

جو پائی ترکِ عبادات میں مثال بُری
جنابِ حضرتِ سیّد یہ کھل گیا ہو گا
یہ بحث جانے دے اکبر کچھ اور باتیں کر
شروع ہی نے پکارا کہ ہے یہ فال بُری
کہ ہو ہی جاتی ہے بے قیدیوں سی چال بُری
عبث ہے جب تو یقیناً یہ قیل وقال بُری

خواہاں نوکری نہ رہیں طالبانِ علم
قائم ہوئی ہے رائے یہ اہلِ شعور کی

کالج میں دھوم مچ رہی ہے پاس پاس کی
عہدوں سے آرہی ہے صدا دور دور کی

پاؤں کو بہت جھٹکا پٹکا زنجیر کے آگے کچھ نہ چلی
تدبیر بہت کی ای اکبر تقدیر کے آگے کچھ نہ چلی
یورپ نے دکھا کر رنگ اپنا سید کو مرید بنا ہی لیا
سب پیروں سے تو وہ بچ نکلے آن پیر کے آگے کچھ نہ چلی

جہاں نے ساز بدلا ساز نے نغمو نکی گت بدلی
گتوں نے رنگ بدلا رنگ نے یاروں کی مت بدلی
فلک نے دور بدلا دور نے انساں کو بدلا
گئے ہم تم بدل قانون بدلا سلطنت بدلی

عجب حیرت انگیز ہے یہ انقلاب
ہماری سمجھ کیا سے کیا ہو گئی
سمجھتے تھے سب جسکو بیجا صریح
وہی بات بالکل بجا ہو گئی

جو کام تھا گھنٹے کا نکلتا ہے وہ پل سے
خوش کیوں نہ رہیں لوگ فرنگی کے عمل سے
تاریخ تو خالہ کی پڑھو رات کو گھر پر
اور دن کو کچہری میں دلو نبل کمل سے

تماشا دیکھئے بجلی کا مغرب اور مشرق میں
کلوں میں ہے وہاں داخل یہاں مذہب پہ گرتی ہے

ایماں کی ہے تاک کافری ہے تو یہ ہے
تقوی بے دم ہے ساحری ہے تو یہ ہے
نظم اکبر ہے دافع جادو و کفر
ماشاء اللہ شاعری ہے تو یہ ہے

ظرافت

الایا ایہا الطفلک بجو راحت بہ نادلہا — کہ قرآں سہل بود اول و لے اعتماد مشکلہا
بکن تزئین پائے خود بہ بوٹ ڈاسن پتلوں — کہ سر سید خبر دارد زراہ و رسم منزلہا

دیکھئے قوال بیچارے کا اب کیا حشر ہو — شیخ صاحب کو تو لکچر پر بھی وجد آنے لگا
کیوں کریگا پیش ہم پر جلوۂ حور بہشت — جب تھیٹر کا سماں واعظ کو تڑپانے لگا

پردے کا کیا ہے خود اڑنگا پیدا — خود ہم نے کیا ازار اور انگا پیدا
کیا خوب کہا ہے مولوی مہدی نے — نیچر نے کیا ہے ہم کو ننگا پیدا

دیگر

مس کو دیکھا عاشق زلفِ چلیپا ہو گیا — ست تھا دل پھول کر وسکی کا پیپا ہو گیا

مخمس

بکری کو ساگ پات کا سودا نہیں رہا — بنگالیوں کو بھات کا سودا نہیں رہا
چوروں کو اپنی گھات کا سودا نہیں رہا — اور شاطروں کو مات کا سودا نہیں رہا
اچھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

بنیوں کو اخذ سود کی فرصت نہیں رہی — منعم کو داد و جود کی فرصت نہیں رہی
لڑکوں کو کھیل کود کی فرصت نہیں رہی — کودن کو غت ربود کی فرصت نہیں رہی
اچھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

گاہک کو مول بھاؤ کی پروا نہیں رہی — مانجھی کو اپنی ناؤ کی پروا نہیں رہی
دل کو کہیں لگاؤ کی پروا نہیں رہی — چوہوں کو نان پاؤ کی پروا نہیں رہی
اچھا ہوا ہے چندۂ اسکول میں ہر ایک

بچے فراغِ طبع سے اب کھیلتے نہیں
عشاق رنجِ ہجرِ بتاں جھیلتے نہیں
ابھرے ہوئے جوان بھی ڈنڈ پیلتے نہیں
پاپڑ فروش پاپڑوں کو بیلتے نہیں

اچھا ہوا ہے چندۂ داسکول میں ہر ایک

لیتا ہے کون گرمیِ دل سے خدا کا نام
مذہب کو دور ہی سے کیا جاتا ہے سلام
اب کون دھیان باندھ کے کرتا ہے رام رام
کوٹھی کو ہے فروغ نہ رونق پہ ہے گدام

اچھا ہوا ہے چندۂ داسکول میں ہر ایک

کم ہو گیا ہے لوگوں میں آپس کا میل جول
تاشے نہ شادیانے کے بجتے کہیں نہ ڈھول
وہ ٹولیاں نظر نہیں آتیں نہ اب وہ غول
مخبوط بدحواس پریشان گول مول

اچھا ہوا ہے چندۂ داسکول میں ہر ایک

اسکول ہی میں علم ہے جس سے کہ ہے شرف
لیکن کچھ اور دھندے بھی ہیں پیش صف بہ صف
لڑکا نہ سیکھے علم تو کہتے ہیں ناخلف
یہ کیا کہ ساری قوم ہی جھک جائے اک طرف

اچھا ہوا ہے چندۂ داسکول میں ہر ایک

پنڈت پراجما کے بنارس پہ آ رہے
حالیؔ غزل کو چھوڑ مسدس پہ آ رہے
مرکٹ کے شیخ شہر بھی تولیس پہ آ رہے
ہم فرد تھے سو ہم بھی مخمس پہ آ رہے

اچھا ہوا ہے چندۂ داسکول میں ہر ایک

کونسل میں نکتہ چینوں کی ٹولی بہت پٹی
بیکار کالجوں سے بھریگا نہ ہر سٹی
اچھا ہوا سنبھل گئی اب یونیورسٹی
اس بل سے یہ شکایتِ احباب بھی مٹی

اچھا ہوا ہے چندۂ داسکول میں ہر ایک

مری نظروں میں یکساں ہیں شتر ہوں یا گئو ماتا
مجھے کرتے جو وہ مدعو کتھا میں بھی جھوم آتا
ہم میں کیوں ضعف ہو جب دین سے یورپ پھرا
مسجدیں کیوں جھکیں جب توپ سے گرجا نہ گرا
پیرِ مغاں سے رات کیا میں نے یہ گلا
مغموم تھی یہاں بھی مزا کچھ نہیں ملا

اس نے یہ مسکرا کے کہا از رہِ مزاح
جینے کی کس نے تم کو بڑھاپے میں دی صلاح
میں نے کہا کہ بعض نود سالہ پیر مرد
ابتک اڑا رہے ہیں درِ میکدہ کی گرد
کہنے لگا کہ ان پہ عبث ہے تری نظر
غفلت کا ہے وہ نشۂ جوانی سے تیز تر

زمانہ کہہ رہا ہے سب سے پھر جا
نہ مندر جا نہ مسجد جا نہ گرجا

ایسا شوق نہ کرنا اکبر
گورے کو نہ بنانا سالا
بھائی رنگ یہی ہے اچھا
ہم بھی کالے یار بھی کالا

کرتے تھے بتوں سے خوب جوڑا مانجھا
رہتے تھے مشیر برہمن اور اوجھا
برکت ہے اسی کی اس صدی میں حضرت
بیٹھے ہوئے کر رہے ہیں چاچھا جا جھا

رحیمن پکاری کہ بیدھا ہوا
عجب جانور ہے یہ کاکا توا
بتاؤ ذرا عقل ہے میری گم
کدھر چونچ ہے اور کدھر اسکی دم

کرزن و کچنر کی حالت بد جو کل
وہ صنم تشریح کا طالب ہوا
کہدیا میں نے کہ ہے یہ صاف بات
دیکھ لو تم زن پہ نر غالب ہوا

بات سید کی کچھ ایسی تھی کہ جس سے اسکو
کاٹنا چاہا زمانے میں وہ بس آپ کٹا
کہتے پھرتے ہیں یہ اب کانگرسی ہر سو
مرگیا کوں کا بوڑھا یہ چلو پاپ کٹا

پانی پینا پڑا ہے پائپ کا
حرف پڑھنا پڑا ہے ٹائپ کا
پیٹ چلتا ہے آنکھ آئی ہے
شاہ ایڈورڈ کی دہائی ہے

نیچر نے دیدیا ہے پٹہ رجولیت کا
کیونکر نہ ہوں بتوں سے طالب قبولیت کا

پرچہ رکھا جو اس نے ہیں یہ سمجھا
پاکٹ میں یہ بیس روپیہ کا نوٹ گیا
گھر پر کھولا تو بس یہی لکھا تھا
کیا شعر تھے واہ واہ میں لوٹ گیا

اسمال نہیں گر یٹ ہونا اچھا
دل ہونا برا ہے پیٹ ہونا اچھا
پنڈت ہو کہ مولوی ہو دونوں بیکار
انسان کو گریجوایٹ ہونا اچھا

بن پڑے تو قبلہ ہی بننا مناسب ہے تجھے
دقتوں میں وہ پھنسا جو اسکوائر ہو گیا

دیدنی ہے یہ تماشائے مشینِ انقلاب
باپ تو قبلہ تھے بیٹا اسکوائر ہو گیا

شیخ صاحب تو اپنے اپنے موقع کی ہے بات
آپ قبلہ بن گئے میں اسکوائر ہو گیا

تخلیے میں آج میں نے ان کا بوسہ لیا
دیکھئے ڈگری جو ہو دعویٰ تو دائر ہو گیا

اب تو مجھ کو بھی مناسب ہے کہ پٹواری بنوں
یار کو شوقِ حسابِ مال و سائر ہو گیا

فکرِ دنیا نے بھلایا سب وہ قرآن و حدیث
مولوی بھی محوِ قانون و نظائر ہو گیا

دکھائی فلسفۂ مغربی نے وہ مردی
کہ پردہ کھل گیا اس قوم میں زنانوں کا

پری کی زلف میں الجھا نہ ریشِ واعظ میں
دلِ غریب ہوا لقمہ امتحانوں کا

وہ حافظہ جو مناسب تھا ایشیا کیلئے
خزانہ بن گیا یورپ کی داستانوں کا

یہی سبب ہے اب انکی بات پہ کان دھرتے نہیں ہیں لڑکے
کھنچا نہ دستِ مولوی سے نہ تھا یہاں کوئی کان ایسا

مچائی سینوں میں اس نے سوزش اٹھائے اس نے زباں کے ٹکڑے
میں جلد رخصت ہوا وہاں سے کہ حد ایسا تھا پان ایسا

وہ ہنس کے بولا جگہ کہاں ہے دکھاؤں کاریگری جو اپنی
کہا تھا انگریز نے میں اک دن بنا تو لے آسمان ایسا

عہدِ اسلام و عہدِ انگلش میں
سنئے قولِ اکبرِ سخن گو کا

پہلے توحید تھی تو اب تحصیل
آگے غل ایک کا تھا اب دو کا

بچالیں ہیں کر دو روٹیاں تھوڑے سے جولانا
ہماری کیا ہے اے بھائی نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

ممکن نہیں ان کے حکم سے سر پھیر دوں
دل میں مرے اب تو انکا ڈر بیٹھ گیا

ان کو یہ خوشی کہ اب رہے گا یہ غلام
مجھ کو یہ خوشی کہ قافیہ بیٹھ گیا

سنتا نہیں کچھ کسی سے بڑھ بڑھ کے سوا
کہتا نہیں کوئی کچھ بھی پڑھ پڑھ کے سوا

پڑھنے کا نہ ٹھیک اصول پڑھنے کی نہ راہ
اور قبلہ کوئی نہیں علیگڑھ کے سوا

ہر ایک کو خوش کرو دل میں کیونکہ صاحب
اپنے ہی طرف بلاتے ہیں ہر صاحب

آسائش عمر کے لئے کافی ہے
بی بی راضی ہوں اور کلکٹر صاحب

تم نے جو سنا صحیح ہے ہاں صاحب
سچ کہتے ہیں وہ کہ ہمکو اس سے کیا کام

عربی سے گریز کرتے ہیں خانصاحب
ہیں کیمپ میں ہمتو خانساماں صاحب

اندھیر مچا ہے زیرِ فلک خلقت بھی ہے چپ اور راج بھی چپ
صاحبزادی نشہ میں ہیں اور بیٹ کنور جی کی ہے ٹنٹن

ہم دیکھ رہے ہیں آنکھوں سے پر کل بھی تھی چپ اور آج بھی چپ
ہیں محو لوی صاحب قبلہ بھی چپ اور پنڈت جی مہراج بھی چپ

سکۂ زر بابوے در دعویِ زر تار داشت
گفتمش در عینِ وصل ایں نالہ و فریاد چیست

باوجودش نالہائے زار در اخبار داشت
گفت مارا خوفِ فیس و ٹکس در ایں کار داشت

اسلام کو جو کہتے ہیں پھیلا بزورِ تیغ
می دمد آں بت کنارِ گنگ ناقوسِ طرب

یہ بھی کہیں گے پھیلی خدائی بزورِ موت
ندد و شنجم مگر در گومتی افتادہ است

در پسِ ہر گریہ آخر خندہ ایست
یاد دار ایں قولِ مولانائے روم

بعد ہر ابسیچ آخر چندہ ایست
مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

پشہ بیدار است و نیکھا کش بخواب افتادہ است

اکبرِ بیچارہ امشب در عذاب افتادہ است

رز قوم سے لے کے ایسا سامان کرو
حلوے مانڈے سے کام رکھو بھائی

جس سے کہ تمھاری نرم بنجائے بہشت
مردہ دوزخ میں جائے یا پائے بہشت

پردہ میں ضرور ہے طوالت بیحد
تشبیہہ بری نہیں اگر میں یہ کہوں

انصاف پسند کو نہیں چاہیئے ہٹ
بیگم ہے بیچوان لیڈی سگرٹ

ہر رنگ کی باتوں کا مرے دلمیں ہے جھرمٹ
پابند کسی مشرب و ملت کا نہیں ہوں

اجمیر میں کلچا ہوں علیگڈھ میں ہوں بسکٹ
گھوڑا مری آزادی کا اب جاتا ہے بگٹٹ

شیطان نے دیا یہ شیخ جی کو دشنام
استدہ پڑھیں گے آپ لاحول اگر

بالکل ہی گیا ہے زور اب آپ کا ٹوٹ
فوراً داغوں گا ایک ڈفیمیشن سوٹ

شیطان کا سنا جو شیخ صاحب نے یہ قول
میں خود ہوں بدل گیا زمانے کے ساتھ

بیلے کر فضول تجھ کو آتا ہے یہ ہول
پڑھتی ہے مجھی پہ اب تو دنیا لاحول

حضرت اکبر سے سنکر یہ لطیفہ بزم میں
سب ہنسے پر کچھ رہ گئے خونِ جگر کے پیکے گھونٹ

شیخ جی رفرف بنے پھرتے تھے پہلے چرخ پر
چشم بد دور اب بنے ہیں آپ کمسریٹ کے اونٹ

کودتے پھرتے ہیں بیج باغ میں ملھو کی طرح
باغباں دبکے ہوئے بیٹھے ہیں اُلّو کی طرح

ان نئی روشنی والوں سی نہیں ہے کچھ فیض
شبِ تاریک میں چمکا کریں جگنو کی طرح

آگئی زلفِ مساں زلفِ بتاں پر غالب
پیچ ہوتے تھے بہم افعی و راسو کی طرح

اکبر اس عہد میں لو صبر و تحمل سے جو کام
اس سے بہتر ہے کہ غصہ کرد بابو کی طرح

سید کی طرف تو چندہ لانیکی ہے بیخ
اور شیخ کے گھر میں پنجگانے کی ہے چیخ

بہتر ہے یہی کہ بت پرستی کیجیے
گو اس میں بھی صبح کو نہانے کی ہے بیخ

سحر مسلم شکایت با خدا کرد
کہ تفسیرش بمادیدی چہا کرد

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن انچہ کرد آں آشنا کرد

اکبر اگرچہ موسمِ باراں خوش است خوب
لیکن چہ گوش و چشم دریں فصل واکنید

مچھر دود کہ گوش بفریاد بندہ نیز
بھنگا رسد کہ گوشۂ چشمے بما کنید

بگو بہ سیٹھ کہ اورا اھبرم نخواہد ماند
بگو بہ برہمن اورا دھرم نہ خواہد ماند

من ارچہ در نظرِ یار شرمسار شدم
رقیب نیز چنیں محترم نہ خواہد ماند

تہمد پہ ہے شیہہ و حقارت کی نظر
پتلون پہ غصہ و شرارت کی نظر

بہتر ہے یہی برہنہ پھریئے اکبر
شاید پڑجائے ان کی رغبت کی نظر

جو دونوں ساتھ پڑیں تو یہی مناسب ہے
کہ اپنے گھر میں کرسمس بھی کر تو عید بھی کر

خدا کرے کوئی بت آکے یہ کہے مجھ سے
بٹھا بھی لے مجھے گھر میں مجھے مرید بھی کر

جو سن چکے مری غزلیں تو بولے لاچندہ
جو ہنہنا یا ہے اتنا تو آج لید بھی کر

اس بت کے لئے ہے دہر میں فصلِ بہار
اک تختِ رواں پہ پھرتا ہے لیل و نہار

کہتا ہے اٹھاؤ اس کو یہ ہے مرا عرش
کہدو اکبر کہ میں فرشتہ نہ کہار

انھیں شوقِ عبادت بھی ہے اور گانیکی عادت بھی
تعلق عاشق و معشوق کا تو لطف رکھتا تھا
نہ تھی مطلق توقع بل بنا کر پیش کر دو گے
حقیقت میں میں بلبل ہوں مگر چارہ کی خواہش میں
نکالا کرتی ہیں گھر سے یہ کہہ کر تو تو مجنوں ہے
رقیبِ سفلہ خو ٹھہرے نہ میری آہ کے آگے

نکلتی ہیں دعائیں ان کے منہ سے ٹھمریاں ہو کر
مزے اب وہ کہاں باقی رہی بی بی میاں ہو کر
مری جاں لٹ گیا میں تو تمھارا میہماں ہو کر
بنا ہوں ممبر کونسل یہاں مٹھو میاں ہو کر
ستا رکھا ہے مجھ کو ساس نے لیلیٰ کی ماں ہو کر
بھگایا مچھروں کو ان کے کمرے نے دھواں ہو کر

پائے در پتلون و دل در پیشواز
چند روزے باہمیں حالت بساز

سنتا ہوں محال ہے خدائی سے گریز
تم مانگ لو اپنے شاعروں سے گھوڑا

لیکن کہتا تھا مجھ سے کل اک انگریز
فطرت کے حدود سے زیادہ ہے وہ تیز

آگے انجن کے دین ہے کیا چیز
بھینس کے آگے بین ہے کیا چیز

ہند میں شیخ رہ گیا افسوس
دیکھ کر ہم کو ایسے دلدل میں

اونٹ گنگا میں بہہ گیا افسوس
راہ چلتا بھی کہہ گیا افسوس

عاشق کا خیال ہے بہت نیک معاش
کیوں وصل میں جستجو کمر کی وہ کرے

ہونے نہیں دیتا حسن کے راز کو فاش
حاضر میں نہ حجت اور نہ غائب کی تلاش

بی شیخانی بھی ہیں بہت ذی ہوش
خواہ لنگی ہو خواہ ہو تہمد

کہتی ہیں شیخ سے بجوش و خروش
در عمل کوش و ہر چہ خواہی پوش

دل نے یہ کہا کہ دین کے جو نہوں دوست
میں نے یہ کہا کہ خیر بہتر ہے مگر

ہر گز رکھوں گا میں نہ ایسوں سے غرض
اب شیخ کو بھی ہے چار بیبیوں سے غرض

مذہب کے جو ہو رہیں تو سرکار کا خوف
دونوں سے اگر بچیں تو احباب کو ہے

مذہب سے اگر پھریں تو پھٹکار کا خوف
بیرونقی دکان و دربار کا خوف

او نچے ہیں رذیل اور ہیں زیر شریف
قسمت کا یہ دیکھتے ہیں اب پھیر شریف

اکبر کو یہ مبتلیٰ نے دی خوب صلاح
چل دیجئے بھائی صاحب اجمیر شریف

پنشے نے کہا سبک نشینی میری
ہے قابل داد اگر کریں آپ انصاف

میں نے یہ کہا بجا ہے لیکن یہ نشس
ہے بار گراں دتلخ تقصیر معاف

فرمائیں مرا قصور حضرت جو معاف
جو امر ہے واقعی گذارش کروں صاف

انکار نہیں نماز روزے سے مجھے
لیکن یہ طریق اب ہے فیشن کے خلاف

عالم بنئے تو کیجئے مات کا شوق
مسٹر بنئے تو ہو مساوات کا شوق

چکر ہی میں آپ کو پھنسا رکھونگا
مجھ کو بھی ہوا ہے اب اسی بات کا شوق

شمع سے تشبیہ پا سکتے ہیں یہ عیاش امیر
رات بھر پگھلا کریں دن بھر رہیں بالائے طاق

ہندو تنتے ہیں تھام کر گائے کی سینگ
آنکھا گرمی دکھاتے ہیں بیچ کے ہینگ

لیکن حضرت کو ہے کیس چیز پہ ناز
کالج میں ڈٹے ہوئے اڑاتے ہیں جو ڈینگ

کیسی ترقی کیسا میل
ہم سے سن لو اس کا کھیل

جس کی لاٹھی اس کی بھینس
فعلُ فعلُ فعلُ فعل

اکابر سے حساب دوستانہ تجھ نہیں سکتا
غلط فہمی بہت ہوتی ہے پڑ ہی جاتی ہے مشکل

یہ کہہ کر پیش کردے فرد اخراجات ای اکبر
حسابِ دوستاں در دل حساب خادماں در بل

کہتی ہے زراہِ کبر مجھ سے وہ گرل
کیا تجھ سے ملوں کہیں کا تو ڈیوک نہ ارل

اکبر نے کہا دکھا کے داغ دل و اشک
ہے میری گرہ میں بھی یہ روبی یہ پرل

خوشی سے میں نے کئے یہ نفیس آم قبول
ادائے شکر میں اب ہو مرا سلام قبول

نہ میں سخن کا ہوں تاجر نہ طالبِ شہرت
اسی سے کرتی ہے پبلک مرا کلام قبول

زمانہ دیکھئے کہتے ہیں پنڈت از رہِ طعن
میاں ہماری بھی ہو جائے رام رام قبول

وحید صبح بنارس کی موج میں ہیں پڑے
بھلا وہ کرنے لگے کیوں اودھ کی شام قبول

ستی جو ہوں بت کم سن کی بول اٹھے آغا
کہ معتبر نہ شماریم نا تمام قبول

مسوں کے ہوتے ہوئے کیوں تو نکو میں دل دوں
منیر صورت مہر منیر تاباں ہوں
نہ ہو جو وہ بھی پسند ان تو گھر کا ٹھرتا ہو

ملے حلال تو پھر کیوں کروں حرام قبول
کریں خواص و عوام ان کا احترام قبول
نہیں ہے بنگ کا مجھ کو تو کوئی جام قبول

سنہ ۱۸۱۷ء

اس قدر رنگ اڑا ہو گئے رنگیں اوراق
سنکے اکبر نے کہا رنج نہیں کچھ اس کا

چوک میں پادری صاحب نے جو کھولی بیبل
ہو گئی اب تو تحقیقت میں یہ ہوئی بیبل

شیخ صاحب کو نہیں شاعروں کی بات سے کام
یاں تو بربانی کے افسانوں سے دل بریاں ہے
کہتے ہیں ہم کو جو چندے سے مہذب ہی وہی

حسن کی قید نہیں بس ہے مسماۃ سے کام
بالو ہی اچھے کہ ان کو ہے فقط بھات سے کام
اس کے افعال سے مطلب ہے نہ عادات سے کام

ماسٹر صاحب کا علم اسوقت گو ہے بینک نام
بات بالکل صاف ہے پیچیدگی کچھ بھی نہیں

اہل دانش ہیں مگر میرا فزوں ہے احترام
میں ہوں سعدی کا بھتیجا وہ ہیں ملٹن کے غلام

مذہب نے کر دیا تھا ہراک کو غریق نوم
دنیا و دیں کا فیصلہ آخر کو یہ ہوا

تھے مبتلائے حج و صلواۃ و زکواۃ و صوم
عشق بتاں شباب میں پیری میں عشق قوم

من العلم قلیلاً، کو بھی دیکھو بعد اُوتیتم
نہ مانو گے تو اک دن بھائیو کھاؤ گے جوتی تم

تجھ کو کیا کسی کی ہوا نے فدائے گل
اے عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں

مجھ کو کیا کسی کی ادا نے فدائے قوم
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے قوم

آپ کی فرقت میں میں کل رات بھر سویا نہیں
نوش جاں فرمائیں حضرت شوق سے یہ ناشتا

لیکن اتنی بات تھی گا تار ہار و یا نہیں
چھ بجے ہیں میں نے تو منہ بھی ابھی دھویا نہیں

بو سا کیسا کہ گلوری بھی نہیں پاتا ہوں
وہ یہ فرماتے ہیں کیا خوب کہا ہے واللہ

بس کلام اپنا انھیں جا کے سنا آتا ہوں
میں یہ کہتا ہوں کہ آداب بجا لاتا ہوں

ہم کیا خالی ہوائی گولا چھوڑیں گے
کس جوگ کے بل پر اپنا چولا چھوڑینگے

حضرت نے تو چھاؤنی میں رکھی ہے دکان — ہم کیوں اپنا محلہ ٹولہ چھوڑیں
خلاف شرع کبھی شیخ تھوکتا بھی نہیں — مگر اندھیرے اُجالے یہ چوکتا بھی نہیں

سوپ کا شایق ہوں یخنی ہوگی کیا
لیتھرج کی چاہیئے ریڈر بے مجھے
کھینچتے ہیں ہر طرف تانیں حریف
ڈاکٹر سے دوستی لڑنے سے بیر
چاند میں آیا نظر غارِ مہیب

چاہیئے کٹلٹ یہ قیما کیا کروں
شیخ سعدی کی کریما کیا کروں
پھر میں اپنے سر کو دھیما کیا کروں
پھر میں اپنا جان بیما کیا کروں
ہائے اب اے ماہ سیما کیا کروں

زور پر ہے شہر میں طاعون چارا کیا کروں — لاٹ صاحب تک ہیں چپ پھر میں بچارا کیا کروں

نیچری وعظ مہذب کو لئے پھرتے ہیں — شیخ صاحب ہیں کہ مذہب کو لئے پھرتے ہیں
ہم کو ان تلخ مباحث سے سروکار نہیں — ہم تو اک شوخ شکر لب کو لئے پھرتے ہیں

بے سود اشعار اور کبت ہوتے ہیں — مفلس سے کہاں وہ ملتفت ہوتے ہیں
کر پیچ تو عشق کے اکھاڑے میں ہزار — یہ بت تو بزور زر ہی چت ہوتے ہیں

سچ کہا اکبر نے ہاتھا پائی کا ہے کیا علاج — زورِ منطق سے تو ممکن ہے انھیں ساکت کریں
بدگماں ہرگز نہ ہوں وہ ہم جواں کو چت کریں — ہے فقط یہ مدعا ان کی کمر ثابت کریں
شیخ جی فربہ تھے ان کی طبع میں جدت کہاں — مغربی جو ہیں مگر بلغم کو چاہیں پت کریں

چھپکوں دنیا سے کس طرح میں
قومی چندے کدھر سمائیں

عورت نے کہا کہ گو ند میں ہوں
کالج نے کہا کہ تو ند میں ہوں

ماشاء اللہ وہ ڈنر کھاتے ہیں
بس ہم ہیں خدا کے نیک بندے اکبر

بنگالی بھائی ان کا سر کھاتے ہیں
انکی گاتے ہیں اپنے گھر کھاتے ہیں

یورپ والے جو چاہیں دل میں بھر دیں — جس کے سر پر جو چاہیں تہمت دھر دیں
بچتے رہو ان کی تیزیوں سے اکبر — تم کیا ہو خدا کے تین ٹکڑے کر دیں

کوٹھی میں جمع ہے نہ ڈپازٹ ہے بینکس میں
قلاش کردیا مجھے دو چار تھینکس نے

لذت چاہو تو وصل معشوق کہاں
شوکت چاہو تو زر کا صندوق کہاں
کہتا ہے یہ دل کہ خودکشی کی ٹھہرے
خیر اس کو بھی مان لیں تو بندوق کہاں

شیخ نیں کو رس دن میں غار مولا ورک کرتی ہیں
عدیم الفرصتی سے ان کی لعنت ترک کرتی ہیں

آپکی صورت بہت اچھی ہے اس میں شک نہیں
پھر مجھے کیا ذہن میں اسکا جواب اتبک نہیں
مجھ سے آخر آپ کو کیوں اسقدر وحشت یہ خوف
آپ بنگالی نہیں ہیں اور میں اَرنگ نہیں

گو کہ وہ کھاتے پڈنگ اور کیک ہیں
پھر بھی سیدھے ہیں نہایت نیک ہیں
جب میں کہتا ہوں کہ گیو می کس ڈیر
سر جھکا کر کہتے یو می ٹیک ہیں

تن رہے ہیں آپ فکرِ جاہ کے پتلون میں
میں گھلا جاتا ہوں فکرِ رزق کی افیون میں

حالِ دنیا سے بیخبر ہیں آپ
گو تقدس مآب بیشک ہیں
شیخ جی پر یہ قول صادق ہے
چاہ زمزم کے آپ مینڈک ہیں
شیخ جی کو جو آگیا غصہ
لگے کہنے یہ پھینک کر دُھسّا
تم ہو شیطان کے مطیع و مرید
تم کو ہر ایک جانتا ہے پلید
ہے تمھاری نمود بس اتنی
جس طرح ہو بڑی پر پڈّہ یہ لبد

کل مستِ عیش و ناز تھے ہوٹل کے ہال میں
اب ہائے ہائے کر رہے ہیں اسپتال میں
دنیا اسے قرار دو اور آخرت یہ ہے
سن لو کہ سازِ معنیِ اکبرؔ کی گت یہ ہے

سنا کے مصرع یہ شیخ صاحب بہت زیادہ ہنسا چکے ہیں
ہماری گردن وہ کیوں نہ ماریں جو ناک اپنی کٹا چکے ہیں

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبرؔ نام لیتا ہے خدا کا اس زمانے میں

مے کی طرف سے معذرت

قسمت وہ کہاں کہ اب وہ تقسیم نہیں
کیونکر وہ اثر ہو جب وہ تعلیم نہیں
لغزش پہ مری برا نہ مانو اے شیخ
وہسکی کی ہے لہر موج تسنیم نہیں

مچھروں نے بہت ستایا رات
میں نے کوسا کہ ہو تمھیں طاعون
بولے اُس کا ہمارا منبع ایک
کیوں وہ کرنے لگا ہمارا خون

گئے کول حافظ محمد حسین
تو مہدی سے بولے یہ حاجی مدن
کہ کر دیجئے ان کی دعوت ضرور
وہ ہیں صاحبِ دانش و علم و فن
وہ ہیں مولوی آپ بھی مولوی
ذرا دیکھ لیں رونقِ انجمن
وہ بولے مگر ان کا کیا جوڑ ہے
میں گلڈنگ[1] ہوں وہ ہیں اسٹیلین[2]

وہ لطف اب ہندو مسلمان میں کہاں
اغیار ان پر گذرتے ہیں خندہ زناں
جھگڑا کبھی گائے کا زباں کی کبھی بحث
ہے سخت مضر یہ نسخۂ گاؤ زباں

چندوں ہی کے سوجھتے ہیں ان کو مضموں
یہ ہیں نئی روشنی کے جینا مانوں
لڑکے انھیں دیکھ کر مچاتے ہیں دھوم
دل شاد ہوا اس سے قوم یا ہو محزوں

اعزازِ نسب کے مٹتے جاتے ہیں نشاں
اگلے سے خیال ہند میں اب وہ کہاں
سیّد بننا ہو تو بنو سرسیّد
ہونا ہو خان تو تم ہو انگریزی خواں

متفرق شعر ہیں قطعہ نہیں ہے

پردہ اٹھا ہے ترقی کے یہ سامان تو ہیں
حوریں کالج میں پہونچ جائینگی غلمان تو ہیں
کٹ گئی ناک حرم میں تو نہیں کچھ پروا
تھنینک یو دیریں سننے کیلئے کان تو ہیں
خاصدان آگے بڑھا کر مری باتوں پہ کہا
آپ کیوں جان مری کھا رہے ہیں پان تو ہیں
انسے ملنے میں ہے ایمان کا نقصان اکبرؔ
خیر جو کچھ ہو نکلتے مرے ارمان تو ہیں

وہ ایسی ریش والے کو بھلا کب پان دیتے ہیں
جنابِ شیخ ناحق اس ہوس میں جان دیتے ہیں

کیوں کرتا ہے اعتراض بے شرم
اس کا جو میں ہم زباں نہیں ہوں
گو ہوں نئی روشنی کا شیدا
گو میں شرعی جوان نہیں ہوں
کرتا نہیں لیکن اس کی عظمت
اُس کا افسانہ خواں نہیں ہوں

کرتا نہیں قوم پر اُسے پیش

عیاش ہوں قلتباں نہیں ہوں

فخریہ میں نے جو اشعار پڑھے سعدی کے
شیخ سعدی تو بزرگوں میں مرے تھے ابد وت

فخریہ آپ سنانے لگے نظم ملٹن
آپ کے کون تھے ملٹن یہ سنو حضرتِ من

بوسے جاڑوں میں لالہ گنگا دیں
ڈاڑھی سورج کی تھام لیتا ہوں

دھوپ سے مجھ کو ہوتی ہے تسکین
مدعا یہ کہ گھام لیتا ہوں

مذہب نے پکارا اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
ہر بات پہ تم قسمیں کھانا جب یاد کریں راجہ صاحب
ملنے کا کسی سے یہ مزا ایک جوشِ طبیعت ہو پیدا

یاروں نے کہا یہ قول غلط تنخواہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
دربار اودھ میں اے اکبر اللہ نہیں تو کچھ بھی نہیں
اس بزم میں سب سے پہونچنے پر آخاہ نہیں تو کچھ بھی نہیں

تھا تصورِ مالکِ آزادیِ رندانہ ہوں،
پہلے تھا اس بت کے گرداب ساتھ ہی جوگی فوج

لیکن اب بالکل اسیرِ انتظامِ خانہ ہوں
عشق میں دیوانہ تھا اب فکر میں دیوانہ ہوں

ہم ایسی کل کتابیں قابلِ ضبطی سمجھتے ہیں

کہ جن کو پڑھ کے لڑکے باپ کو خبطی سمجھتے ہیں

مذہب نے کہا کہ جان سے عاری ہیں
گویا قزاق تھے ہوئے ہیں اب اسیر

اکثر ہی کے لوگ باعثِ خواری ہیں
انہوں ہی میں کچھ گواہ سرکاری ہیں

حیران ہیں اس زمانے میں ہم جی کے کیا کریں
تعلیم اونچے درجہ کی ہوتی نہیں نصیب

جائز سہی شراب مگر پی کے کیا کریں
پھر گھر میں بیٹھ کر بجز اے۔ بی۔ سی کیا کریں

شیخ کی وہ دھج نہیں وہ شیخ کی ڈاڑھی نہیں

دوستی مذہب سے ہے پر اس قدر گاڑھی نہیں

اکبر مجھے شک نہیں تری تیزی میں
شیطان عربی سے ہند میں ہے بخوف

اور تیرے بیان کی دل آویزی میں
لاحول کا ترجمہ کر انگریزی میں

ہیں عمل اچھے مگر دروازۂ جنت ہے بند

کر چکے ہیں پاس لیکن نوکری ملتی نہیں

گورنمنٹ کی خیر یارو مناؤ
کہاں ایسی آزادیاں تھیں میسّر

گلے میں جو آئیں وہ تانیں اڑاؤ
انا الحق کہو اور پھانسی نہ پاؤ

شیخ اسدرجہ اناڑی ہے جو گھوڑے پہ چڑھے
لات دنیا پہ نہ مارو ابھی اے حضرت شیخ

شوق لیلائے سول سروس نے مجھ مجنوں کو
جامۂ مستی کے ٹکڑے اڑ رہے ہیں نزع میں

دقیانوسی طریق سے منہ موڑ دو
بھوکے سے کہو کہ حدِّ تہذیب میں رہ

فقط مذہب کے تم میں عزت و وقعت کی ہی یہ بو

بے ہنر ہو کر جو بیٹھو طعنۂ حالی سنو
ہمکو تو پیرِ طریقت نے یہی دی ہے صلاح

اونٹ نے گایوں کی ضد پر شیر کو ساجھی کیا
جس پہ رکھا چاہتے ہو باتی اپنی دسترس

تکلفات سے للہ اپنا سر نہ پھراؤ،
مجھے بھی چکھو گے کیا رکھ کے خوانِ نعمت پر

نیکی کے حق میں کج ادائی نہ کرو
نیٹو بھی رہو گے اور مرو گے بھی ضرور

صاحب کے اذن لیکے کروں گا میں عشقِ چشم

جب پڑی قومی مصیبت تو کسی نے کیا کیا
ہاں جو شاعر تھے انھوں نے نالۂ موزوں کیا تھا

پیتا ہوں شراب آبِ زمزم کے ساتھ
ہے عشقِ حقیقی اور مجازی دونوں

قوم سے مے کی سفارش کیا کروں

باگ گردن میں رکاب آکے پھنسی ران میں ہو
بیٹھکیں کرلو ذرا زور تو کچھ ران میں ہو

استاد وڑا یا لنگوٹی کردیا پتلون کو
پھینکئے اب کوٹ کو تہ کیجئے پتلون کو

شیرازہ مذہبی لغت کا توڑ دو
انتوں سے کہو کہ قل ہو اللہ چھوڑ دو

وگرنہ اور کیا نسبت کجا ولیم کجا کلو

باہنر ہو کر جو جگو قوم سے گالی سنو
قصۂ منصور دیکھو اور قوالی سنو

پھر تو مینڈک سے بھی بدتر سب تری پایا اونٹ کو
منہ میں ہاتھی کی کبھی اے بھائی وہ گنّا نہ دو

جو دال روٹی ہو موجود وقت پر وہ کھلاؤ
کباب کرتا ہے اب مجھ کو انتظار پلاؤ

اللہ کے ساتھ بے وفائی نہ کرو
کہتا ہوں کہ دعویٔ خدائی نہ کرو

لیسنس ہے ضرور ہرن کے شکار کو

سب ہوئے اندوہگیں خونِ جگر سب نے پیا
داغِ دل کو آسمانِ نظم پر چمکا دیا

رکھتا ہوں اک وٹنی بھی ٹم ٹم کے ساتھ
قوال کی بھی صدا ہے چھم چھم کے ساتھ

نیک کو شیطان کردیتی ہے یہ

ایک جوہر ہے فقط اس میں مفید
خودکشی آسان کر دیتی ہے یہ

غزل میری سنتے نہیں شیخ جی
تقدس کی بھی انتہا ہو گئی

تکلف کے پکوان میں دن ڈھلا
ہماری تو پوری سزا ہو گئی

اضافہ ہوئی مجھ سے گندم پہ مَے
یہ پوتے سے بھی اک خطا ہو گئی

یہ تھی قیمتِ رزق ٹوٹے جو دانت
غرض کوڑی کوڑی ادا ہو گئی

پیارا ہے ہم کو۔ شیخ ہمارا بُرا سہی
چاقو ولایتی نہیں دیسی چھرا نہیں

اکبر کا نغمہ قوم کے حق میں مفید ہے
دل کو تو گرم رکھتا ہے وہ بےسرا سہی

رہا کرتا ہے مرغِ فہم شاکی
نئی تہذیب کی انڈے ہیں خاگی

چھری سے انکی کٹوا کر فلک نے
خدا جانے ہماری ناک کیا کی

ابھی انجن گیا ہے اس طرف سے
کہے دیتی ہے تاریکی ہوا کی

رہی رات ایشیا غفلت میں سوتی
نظر یورپ کی کام اپنا کیا کی

ہے عجب انقلاب دنیا میں
کیا کہوں بات بھائی صاحب کی

اب وہ تسبیح پر بجائے درود
پڑھ رہے ہیں دہائی صاحب کی

ہوئی جب آمدِ پیری ہوا میں سر کہ پیشانی
ترشروی کی چٹنی جوڑ دی ڈاڑھی ہو جب کھچڑی

سوال اب عبث ہی جب ہے پتلونوں کی ارزانی
چو کفر از کعبہ بر خیزد کجا ماند مسلمانی

کچھ سلیم خوش آتے ہیں نہ بھاتے ہیں بنز جی
میں زیلی کا طالب ہوں نہ خواہان ازجی

سنتا نہیں لکچر میں پڑا رہتا ہوں دن رات
لگتا ہے فقط لیڈیوں میں وقت ڈنر جی

کمبِ میں محروم ہیں میں لطفِ خاطر خواہ سے
آگیا ہوں تنگ مذہب کی معاذ اللہ سے

وضعِ مغرب سیکھ کر دیکھا تو یہ کافور تھی
اب میں سمجھا واقعی ڈاڑھی خدا کا نور تھی

علم پر بھی عشق کی تاثیر آخر پڑ گئی
تخلیئے کی بات پبلک کے دلوں میں گڑ گئی

وصل کی شب میں ذرا اس بت سے لڑائی تھی زباں
یہ اثر اس کا ہوا اردو سے ہندی لڑ گئی

سائنس سے زیادہ ہے مذہب کی جڑ بڑی
توپوں کی مار سے بھی خدا کی پکڑ بڑی
بابو یہ کہتے ہیں کہ دھرم جیت جائے گا
اسوقت گو ملکش نے ڈالی ہے گڑبڑی

کچہریوں میں ہی پرسش گرہجویٹوں کی
سڑک پہ مانگ ہی قلیوں کی اور مٹیوں کی
نہیں ہے قدر تو بس علم دین و تقوے کی
خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

مقصود ہے شغل کوئی مضمون سہی
پیمانۂ مے نہیں تو افیون سہی
ہنگامۂ موت بھی ہے اک جشن اکبر
گر جنگ نہیں تو خیر طاعون سہی

لذتِ نانِ جویں تجھ کو مبارک اے شیخ
مجھ گنہگار کو ہے صرف متنجن کافی
حضرتِ خضر ٹکٹ مجھ کو دلا دیں اکبر
رہنمائی کے لئے ہے مجھے انجن کافی

وحشت نئی روشنی سے آخر کو گھٹی
فکر روزی میں شیخ کی طبع ڈٹی
کرکٹ جمناسٹک ٹریننگ کالج
مولانا سیکھتے ہیں بالفعل نٹی

امور ملکی کی بحث میں تم جو ہندوؤں کے ہو گے ساتھی
نہ لاٹ صاحب خطاب دینگے نہ راجہ جی سے ملیگا ہاتھی
نہ اپنا ممبر وہ تم کو دینگے نہ اپنی لوری وہ بانٹ دینگے
پڑیگا موقع جو کوئی اگر تو دونوں ہی تم کو چھانٹ دینگے
مگر وہ رہتے ہیں دور تم سے یہ لوگ ساتھی ہیں اور پڑوسی
ملی جلی ہیں سوسائٹی میں اسیر انہیں تو ہم میں گھوسی
نسل کو اپنی جو چھوڑ کر تم انھیں کی شرکت کرو کونسل میں
تو یہ تو کوئی نہ کہہ سکیگا تمہارے دشمن کہاں بغل میں
نہ ہوگی حکام کو بھی دقت جو ہوگی اک جا ہر اک کی خواہش
ضرورت انکو بھی یہ نہ ہوگی کریں ہر اک سے علحدہ عرضش
جو مانگو گے ایک بلِ مسلم وہ کاٹ کر ایک پھانک دیں گے
چلاؤ گے پھر بھی منہ تو سب کو وہ ایک لاٹھی سے ہانک دینگے

ان کے دستِ ناز میں ہے پالٹی
اب کہاں باقی ہے ہم میں پالٹی

آخر کو ہوئی وہ بات جو تھی ہونی
مذہب مٹی ہے یا ہے مٹی ڈھونی
جو سست تھے ہو گئے ہیں وہ شتر حلیم
جو تیز تھے بن گئے ہیں پولو پونی

مذہب اور مولوی پہ گالی ہولی
اسپیچ پہ انجمن میں تالی ہولی
دروازۂ منصفی ہے ہم پر کیوں بند
ہر بات تو اے جناب عالی ہولی

مسئلۂ جنگِ اردو و ہندی
یعنی ہے اس میں لطفِ وصلِ بتاں

میں یہ سمجھا یہ عالمِ رندی
خوب ملکر لڑی زباں سے زباں

اخلاق نکو و خوش تمیزی نہ سہی
میٹھے پانی سے ہے زبانِ شیریں کام

القاب حبیبی و عزیزی نہ سہی
جاں بخش حرارت عزیزی نہ سہی

بھائی مجھے کل یہ بات بی ممّنی کی
جیسا موقع ہو بس بتھا دو وہ نگیں

تفریق اڑا دو شیعہ و سنّی کی
ہیرے کی نہ شرط ہو نہ ضد حسنی کی

ملتا نہیں گوشت خیر بڈی ہی سہی
موقع جو پریڈ پر قواعد کا نہیں

کچھ کھیل ضرور ہے پھسڈی ہی سہی
چندہ تحصیل کر کبڈی ہی سہی

واہ کیا دھج ہے میرے بھولے کی
شکل کوے کی ہیٹ سولے کی

مری قبال پہ مسِ ناشناس بول اٹھی
بجائیں شوق سے ناقوس برہمن اکبر

کہ بابوؤں میں تو عادت ہے غل مچلنے کی
یہاں تو شیخ کو دھن ہے بگل بجانے کی

کوئی شورش نہیں ہے ہر طرح سے خیر سلا ہے
یہ کلکتہ کی شوخی اور یہ ڈھاکہ کی ادا سنجی
یہ دیسی دندشیں ہیں مغربی جمناسٹک ہے وہ

نہ سرگرمی پولس کی ہے نہ جاری مارشلا ہے
وہ اک فرشی کبڈی ہے یہ لفظی گیند بلا ہے
نئے سن کی طنابیں ہیں کرسمس کا پچھلا ہے

مہمانِ فلک کہاں سکون پاتا ہے
ہے ہضم کی فکر میں یہ نقل و حرکت

آسودہ جو ہیں انھیں بھی ٹہلاتا ہے
ظاہر ہے صریح پیٹ دوڑاتا ہے

در پر مظلوم اک پڑا روتا ہے
کہتا ہے وہ شوخ تال سم ٹھیک نہیں

بیچارہ بلا میں مبتلا روتا ہے
کیا اسکی سنوں کہ بے سرا روتا ہے

نہ وہ تحسین نہ وہ رسمیں نہ چٹیا ہے نہ لیٹا ہے

مگر ہیں مختنی کوئی قلی ہے کوئی میٹا ہے

اٹھا تو بقا و لو یہ لیں کہ صرف یادِ خدا کریں گے
کہاں کے قبلہ کہاں کی قبلی جنید کیسے کہاں کے شبلی

معاً مگر یہ خیال آیا ملی نہ روٹی تو کیا کریں گے
عوض تصوف کی ہمنے طب لی نہ سینگے سرجن فراک پہنیگے

اجل سی بھی پھر نہونگے خائف مزاج سی اپنی ہونگے واقف
اثر کریگی ہوا مخالف تو آپ اپنی دوا کریں گے

پوچھا میں نے کہ تیرا مذہب کیا ہے
کہنے لگا اس سے تیرا مطلب کیا ہے
میں نے یہ کہا کہ غول ہندی کے لئے
بولا کہ شکست کھا چکے اب کیا ہے

اپنی گرہ سے کچھ نہ مجھے آپ دیجئے
اخبار میں تو نام مرا چھاپ دیجئے

دیکھو جسے وہ پائنیر آفس میں ہے ڈٹا
بہر خدا مجھے بھی کہیں چھاپ دیجئے

چشم جہاں سے حالت اصلی چھپی نہیں
اخبار میں جو چاہیئے وہ چھاپ دیجئے

دعویٰ بہت بڑا ہے ریاضی میں آپ کو
طولِ شب فراق کو تو ناپ دیجئے

سنتے نہیں ہیں شیخ نئی روشنی کی بات
انجن کی انکے کان میں اب بھاپ دیجئے

اس بت کے در پہ غیر سے اکبر نے کہدیا
زر ہی میں دینے لایا ہوں جان آپ دیجئے

شیخ صاحب دیکھ کر اس مس کو ساکت ہوگئے
ماسٹر صاحب بہت کمزور تھے چت ہوگئے

نہ کچھ انتظار گزٹ کیجئے
جو افسر کہے بس وہ جھٹ کیجئے

بہت بھاتی ہے اسکی پھرتی مجھے
دعا ہے کہ لڑکی یہ نٹ کی جئے

کہاں کا حلال اور کیسا حرام
جو صاحب کھلائیں وہ چٹ کیجئے

سکھلاتے ہیں تقلید انگلش جو آپ
کہیں مفلسوں کو نہ پٹ کیجئے

بگڑ جائے گا میم سے سارا کھیل
بس ان لعنتوں پر نہ ہٹ کیجئے

بہت شوق انگریز بننے کا ہے
تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجئے

اجل آئی اکبر گیا وقت بحث
اب اُف کیجئے اور نہ بٹ کیجئے

نہایت حکمت آگیں آپکی اسپیچ ہوتی ہے
مزا شربت کا دیجاتی ہے گو وہ پیچ ہوتی ہے

نبض آپکی ہے سست بدن آپکا یخ ہے
شاید چلی بیگم سے کسی بات پہ چخ ہے

پہونچا ہیں فلک پہ جو نظر تم نے ملائی
شاید کہ ہیں تکل ہوں نظر آپ کی نخ ہے

اپنے تیرِ حسن کی وہ خیر منائیں
عشاق کی کثرت ہے کہ یہ فوج ملخ ہے

جزئیے کو سدھارے ہوئے مدت ہوئی اکبر
البتہ علی گڈھ کی لگی ایک یہ بیخ ہے

رندی و شراب و بزم شاہد بھی ہے
لیکن قربان حکمت پیر مغاں
منطق بھی ہے دلیل ملحد بھی ہے
دو مولوی بھی ہیں ایک مسجد بھی ہے

دھن نوکری کی ہے نہ پری ہے نہ حور ہے
آئین بھی بدلتے ہیں نیت کیساتھ روز
اب فکر پاس کی ہے قیامت تو دور ہے
امید بے اصول سے اب دل نفور ہے

دن تو جنات کی خدمت میں بسر ہوتا ہے
سلف ریسپکٹ کا وقت آئے کہاں سے اکبر
رات پریوں کی خوشامد میں گزر جاتی ہے
دیکھ تو غور سے دنیا کو کدھر جاتی ہے

نوکروں پر جو گذرتی ہے مجھے معلوم ہے
راہ میں لیسنس ہی کافی ہے عزت کیلئے
ڈاکٹر صاحب سے ملنا آپ کا اچھا نہیں
تیرئے مے کا اثر تھا نزع کی آمد نہ تھی
بس کرم کیجیے مجھے بیکار رہنے دیجیے
بس یہی لے لیجیے تلوار رہنے دیجیے
بیٹھے گھر میں مجھے بیمار رہنے دیجیے
خیر اُٹھیے تو یہ استغفار رہنے دیجیے

کامیابی کا سدیشی پر مہر اک در بستہ ہے
چونچ طوطا رام نے کھولی مگر پستہ ہے

مقام آگرہ

شومیکری شروع جو کی اک عزیز نے
پوچھا کہ بھائی تم تو تھے تلوار کے دھنی
کہنے لگے یہ اسمیں بھی اک بات نوک کی
جو سلسلہ ملاتے تھے بہرام گور سے
مورث تمہارے آئے تھے غزنین و غور سے
روٹی ہم اب کماتے ہیں جوتے کے زور سے

موکلی چھٹے لن کے پنجے سے جب
پپیہے پکارا کئے (P) پی کہاں
تو بس قوم مرحوم کے سر ہوئے
مگر وہ پلیڈر سے لیڈر ہوئے

پردے کے واسطے تو عبث بیقرار ہے
آغا تقی میں حسن نہ اب نہ سنگار ہے
ناہد ایسے بے خبر ہیں ابروئے خمدار سے
پردہ درد دل کا راز تو خود آشکار ہے
پردہ اُٹھا کے دیکھو تو کوتا اگھار ہے
جس طرح بابو کو ہے بیگانگت تلوار سے

پریوں کا شوق ہے نہ مجھے فکر حور ہے
کالج سے ہے نجات تو ذکرِ حضور ہے

بابو صاحب نے کہا اک باغ ہی میرا کلام
اسمیں کیا شک ہے مگر یہ باغ شالامار ہے

سوئے فلک چلے جو غبارے میں بیٹھ کر
منہ حاسدوں کے غصہ و غیرت سے مڑ چلے

احباب نے کہا کہ مبارک ہو یہ عروج
شکرِ خدا کہ اب تو یہ بابو بھی اُڑ چلے

سینۂ مس کا ابھار دل فساد انگیز ہے
لوگ سچ کہتے ہیں بادنجان باد انگیز ہے

عدل انگلش مین سے تو نیند آ ہی ہے شیخ کو
بابوؤں کی شورش البتہ جہاد انگیز ہے

علم کی حد تک عقیدے سب یقیں کیساتھ ہیں
اسکے آگے کی ہوس صرف اعتقاد انگیز ہے

شیخ جی گھر سے نہ نکلے اور مجھ سے کہدیا
آپ بی اے پاس ہیں اور بندہ بی بی پاس ہے

ممکن نہیں ہے مس ترانوٹس نہ لیا جائے
گال ایسے پریزاد ہوں اور کس نہ لیا جائے

کالج

لندن میں بگڑ جاؤ گے وسواس یہی ہے
تم پاس رہو میرے بڑا پاس یہی ہے

ہر اک ریمارک آپ کا عقرب کا نیش ہے
مجھ کو بھی رنجِ غیر کا سینہ بھی ریش ہے

مجھ سے کہا کہ گوز مشتر ہے تمام سخن
اُس سے یہ کہہ دیا کہ تو گوبر گنیش ہے

یاروں کو فکرِ روزِ جزا کچھ نہیں رہی
بس کام ہے انھیں رہ عیش و نشاط سے

کہتے ہیں حرج کیا ہے جو باریک ہی وہ پل
بائیسکل پہ گذریں گے ہم پل صراط سے

خلقت اسی سمت صف یہ صف جاتی ہے
یا عود و رباب و چنگ و دف جاتی ہے

ہے نورِ خدا بھی طالبِ رزق کا دوست
ڈاڑھی بھی تو پیٹ کی طرف جاتی ہے

کچھ شک نہیں کہ حضرتِ واعظ ہیں خوب شخص
یہ اور بات ہے کہ ذرا بیوقوف ہیں

اُردو کے تین ربع کے مالک ہیں خود ہنود
پھر کیا سبب جو اس سے انھیں انحراف ہے

یعنی اُردو ہے چیز انھیں کے مذاق کی
اردو کی تین جز وہی صاف صاف ہے

ذوقِ معنی نہیں بچے اکبر
سن لے یہ بات گر تجھے شک ہے

شیخ سے چھوٹے اُبھے انجن میں
اسمیں بک بک تھی اسمیں بھک بھک ہے

ہر چند کہ مجھکو اعتقاد اب تک ہے
تاہم بلحاظِ وقت دل میں شک ہے
بیٹھے تو بہت ہی سر جھکا کر ہیں حضور
کیا جانے مراقبہ ہے یا پینک ہے

کی ہے معدے نے کمیٹی پیٹ میں
بائی لاء ہر رگ کے اندر ٹھیک ہے
حضرتِ نزلہ ہیں صدرِ انجمن
دم بدم ان کی بھی اک تحریک ہے

تیرے قدم سے رونق شہرِ پراگ ہے
یعنی تیرے ہی دم سے بتوں کا سہاگ ہے
بھڑکی ہی دل کی آگ گوالن کے عشق میں
احباب ہنستے ہیں کہ یہ کنڈے کی آگ ہے

سب سمجھتے ہیں کہ یہ عشقِ بتاں اک روگ ہے
لیکن اسکو کیا کریں ملتا جو موہن بھوگ ہے
شاہدانِ مغربی کرتے نہیں مجھ کو قبول
ٹال دیتے ہیں یہ کہہ کر آپ کالا لوگ ہے

دیکھوں عروسِ دہر کو کیوں آنکھ کھول کے
بہتر یہی ہے کام نکالوں ٹٹول کے

جو مرد ہیں وہ پاک ہیں دنیا کے میل سے
سچ ہے خبیث ملتے ہیں ایسی چڑیل سے
چہرے کے نیچے تھرہی داڑھی کا جھول جھال
اس فرد کو بچائیے تفصیلِ ذیل سے

جب کہا گیسو کا بوسہ دیجئے دل لیجئے
ہنسکے بولے آپ کو سودا ہے سہل لیجئے

دل میں جو پڑ گئی ہے گرہ کھول ڈالئے
اک دم میں کل متاعِ سخن تول ڈالئے
ترکیب ہے ترقیِ اردو کی بس یہ خوب
جو آپ بول سکتے ہیں سب بول ڈالئے

واہ اکبر بس مقیم کول ہو کر رہ گئے
خود فروشی کی نہیں انمول ہو کر رہ گئے
عرض و طولِ ہند میں تم نے نہ دوڑائے خطوط
دل کشی مرکز میں پائی گول ہو کر رہ گئے

ہم سے شمال وہ بیمیل ہو گئے
افسوس انٹرنس میں ہم فیل ہو گئے
درگاہ کے چراغ کو چھوڑا برائے لیمپ
سب کی نظر میں گھی سے مگر تیل ہو گئے
بوڑھوں نے پہلے لڑکوں کو خود ہی بنایا کھیل
ان کی نظر میں آپ ہی اب کھیل ہو گئے
اے شیخ جب نکیل نہیں دستِ قوم میں
پھر کیا خوشی جو اونٹ ترے ریل ہو گئے
ہم بھی کلیل کرنے لگے گائے کی طرح
اس ملک میں بھی حضرت گو بیل ہو گئے

میں نے جو کہا کل انتظام آپ کا ہے
کہنے لگے مسکرا کے یہ سب ہے صحیح
بے فائدہ آپ کا یہ کام آپ کا ہے
لیکن خوش ہو جیئے کہ نام آپ کا ہے

مذہب جس کی نظر سے بالکل گم ہے
شایستہ جو ہو تو اس کو پوٹنی سمجھو
کیونکر میں کہوں وہ داخلِ مردم ہے
ایسا جو نہ ہو تو اک خرِ بے دم ہے

آئندہ اردو زبان کا نمونہ

بابو جی کا وہ بت ہوا نوکر
بابو کہتے ہیں وہ نہ جائے گا
غیرا اُس کو پیام دیتا ہے
میرے اندر میں کام دیتا ہے

واسطہ کم ہو گیا اسلام کے قانون سے
دب گئی آخر مسلمانی مری پتلون سے

اب کہاں تک بتکدے میں صرفِ ایماں کیجیے
تا کجا عشقِ بتانِ سست پیماں کیجیے
ہے یہی بہتر علیگڈھ جا کے سید سے کہوں
مجھ سے چندہ لیجیے مجھ کو مسلماں کیجیے

جب گلا کورس خارج ہو گیا تعلیمِ طفلاں سے
تو اب اعراض ہم کیونکر کریں تعلیمِ نسواں سے

ان کو کیا کام ہے مروت سے
اپنے رُخ سے یہ منہ نہ موڑیں گے
جان شاید فرشتے چھوڑ بھی دیں
ڈاکٹر فیس کو نہ چھوڑیں گے

اس اکھاڑے میں اُٹھ گئے دیکھ کر قانون کے
شیخ نے تہمد سے ہجرت کی طرف پتلون کے

نہیں کچھ گفتگو اس میں یقیناً شیر ہیں حضرت
چمک تیغوں کی ہاتھوں کی صفائی واہ کیا کہنا
مدارِ کار جب ہو اتفاق و عقل و حکمت پر
بس اتنی بحث باقی ہے یہ پھنسا ہے کہ انجن ہے
مگر یہ دیکھ لو گٹھا ربر کا ہے کہ گردن ہے
تو اس سے جو کرے غفلت وہ اپنا آپ دشمن ہے

راہ تو مجھ کو بتا دی خضر نے
اب تو جاگو ایشیائی بھائیو
ہو مبارک جستجوئے خضر انھیں
اب تھیٹر میں ہنسینگے جا کے خوب
اونٹ کا لیکن کرایہ کون دے
نیند میں غفلت کی صدیوں سو لئے
ہم تو اب انجن کے پیچھے ہو لئے
خانقاہوں میں تو برسوں رو لئے

ہوتا ہے نفع یورپین نان پاؤ سے
میں خوش ہوں ایشیا کے خیالی پلاؤ سے
ایمان بیچنے پہ ہیں اب سب تلے ہوئے
لیکن خرید ہو جو علیگڈھ کے بھاؤ سے
دھمکا کے بوسہ لوں گا رخِ رشک ماہ کا
چندہ وصول ہوتا ہے صاحب کے باؤ سے

چٹھی اُس مس کی ہے کہ یہ جادو ہے
دل جوش مفاخرت سے بے قابو ہے
ایسی پری اور مجھ کو پیارا لکھے
القاب میں دیکھئے ڈیر کلو ہے

ہندی مسلم میں ہند کی بو بھی ہے
افطار میں ہے کھجور تو سیو بھی ہے
اللہ اللہ ہے زباں پر بیشک
لیکن اک رنگ بم مہادیو بھی ہے

بُرا ہوا کہ رقیبوں میں بڑھ گئے بابو
ذرا سی بات ہوئی اور یہ سوئے تھانہ چلے

حریص زر کی میت پر یہ بولا طالبِ قوّت
جو ملجائے تو اسکو کھاؤں یہ سونے کا کشتہ ہے

ہیں لیمپ عزیز شمع بیگانہ ہے
جلتا ہے چراغ سے جو فرزانہ ہے
سبکی ہے مسوں کی روئے روشن پہ نگاہ
جو ہے نئی روشنی کا پروانہ ہے

عبث انکا گلہ ہے ستنیشہ بولتی کیوں ہے
کوئی پوچھے تو ناحق تمنے ڈالی اولتی کیوں ہے

آپ کی انجمن کی ہے کیا بات
آہ چپتی ہے واہ چپتی ہے
حکمتوں سے ہوئی ہے جزو شکم
روح بھی اب تو کور میں جیتی ہے
اس غرض سے کہ سینہ پوش نہ ہو
شیخ کی ریش روز نیتی ہے
پائے خامہ ٹھہر نہیں سکتا
کس قدر یہ زمین تپتی ہے

جو عقل کھری تھی کی وہ کھوٹی اُسنے
اچھے اچھوں سے چھینی روٹی اس نے
مستوں پہ شراب فاقہ مستی لائی
پتلون کو کر دیا لنگوٹی اس نے

کہا جو میں نے کہ ان کی ادا انوکھی ہے
کہا توں نے کہ اردو میاں کی چوکھی ہے

نکتہ یہ سُنا ہے ایک بنگالی سے
کرنا ہو بسر جو تم کو خوش حالی سے
خالی ہو جگہ تو اپنے بھائی کو دلاؤ
غصہ آئے تو کام لو گالی سے

ان کی تحریکوں سے یوں رہتی ہے دنیا بےچین
ممبری کے لئے پکارمی جانب دو غول

مارد کڑدم رہ گئے کیڑے مکوڑے رہ گئے
خضر عنقا ہو گئے موذی بنے ہیں سدِّ راہ

پردہ درکی رائے سنکر بیبیاں کہنے لگیں
شیخ صاحب چل بسی کالج کی لوگ ابھری ہیں اب

جو وقت ختنہ میں چیخا تو نائی نے کہا ہنسکر

عاشقی کا ہو برا اُس نے بگاڑے سارے کام

پردہ کا مخالف جو سنا بول اُٹھیں بیگم

کھائی مژگان و نظر کی جو قسم بولا وہ شوخ

دیکھ لو حال مرا آہ کی حاجت کیا

پیچھے انجمن کی بس اب ہو لیں مسلماں بھائی
دادِ قرآں کی نہ دو بھائی عمل اسپہ کرو

ناک رگڑی برسوں اس ارمان میں

قصۂ منصور سنکر بول اٹھی وہ شوخ مس
کاش لے اکبر وہی حالت مجھے بھی پیش آئے

کہتے ہیں اکبر یہ تیری عقل کا کیا پھیر ہے
عرض کرتا ہوں کہ میں بھی ہونگا حاضر عنقریب

ملتا نہیں گھی تو خشک روٹی ہی سہی
میں قوم کی فربہی کا مشتاق نہیں

نفرت تھی مجھ کو بیشک مچھر کے بولنے سے

جس طرح پیٹ میں بیمار کے بائی دوڑے
گلے سوئی نظر آئی تو قصائی دوڑے

صورتیں تو ہیں مگر انسان تھوڑے رہ گئے
گر گئے سنگِ نشاں سڑکوں پہ روڑے رہ گئے

اب ہمارے وارث ایسے ہی مگوڑے رہ گئے
اونٹ رخصت ہو گئے پولو کے گھوڑے رہ گئے

مسلمانی میں طاقت خون ہی بہنے سے آتی ہے

ہم تو لے بی ہیں رہے اغیار بی۔ اے ہو گئے

اللہ کی مار اسپہ علیگڈھ کے حوالے

اپ اب قسمیں بھی کھاتے ہیں چھری کانٹے سے

دوا دراک تین یہ دا اللہ کی حاجت کیلئے ہے
اب انھیں خضر کی اور راہ کی حاجت کیا ہے
پیش درگاہِ خدا واہ کی حاجت کیا ہے

سن لیں میری بات اک دن کالج میں

کیسا احمق تھے لوگ تھا پاگل کو پھانسی کیوں دیا
اور یہ کافر پکارے دربپنارہ من بیا

طبع تیری اس نئی تہذیب سے کیوں سیر ہے
ہو چکا ہوں پیر بس نابالغی کی دیر ہے

نعمت جو بڑی نہیں تو چھوٹی ہی سہی
بس جائیے میری عقل موٹی ہی سہی

کہتا تھا اپنے دل میں بیچارہ کیا بُرا ہے

آخر کھلا یہ عقدہ نفرت کا مجھ کو اکبرؔ
چند ذرّے کیمیا سے رنگ کی پڑیا بنے

آواز بے تکی ہے کمبخت بے سرا ہے
شیخ صاحب ہوش ہی کھو بیٹھے اور گڑیا بنے

مغربی کل نے مجھ کو پیسا ہے
آپ ہی گھ کے جھوم لیتے ہیں

میرا چونا ہے اور کلیسا ہے
بار بُد ہے نہ اب نکیسا ہے

نکالا شیخ کو مجلس سے اسنے یہ کہہ کر
یہ بیوقوف ہے مرنے کا ذکر کرتا ہے

تم ناک چڑھاتے ہو مری بات پہ اے شیخ
کھینچو نگا کسی روز میں اب کان تمھارے

عادت جو پڑی ہو ہمیشہ سے وہ دور بھلا کب ہوتی ہے
رکھی ہے جنوٹی پاکٹ میں پتلون کے نیچے دھوتی ہے

نہ تو انگریز بنے ہم نہ مسلمان رہے
طاقت اسلام کی کہتی تھی مسلمانوں سے
ان کی سب سنتے ہیں اپنی نہیں کہہ سکتے کچھ
تھی بہت انکو مسلمانوں کی تہذیب کی فکر
راحتِ جاں ہے تری نظم دلاویز اکبرؔ
ہم تو کالج کی طرف جاتے ہیں اے مولویو

عمر سب مفت میں کھویا کئے نادان رہے
جب میں جانوں کہ میرے بعد مرا دھیان رہے
کیا قیامت ہے زباں کٹ گئی اور کان رہے
لوٹے مسجد کے تلے مے کا بھی سامان رہے
تندرستی رہے ایمان رہے جان رہے
کس کو سونپیں تمھیں اللہ نگہبان رہے

انگریز میں عظمت جہانبانی ہے
لیکن تم لوگ تو کسی میں بھی نہیں

ہم میں اک شانِ علم روحانی ہے
بازو نہ قوی نہ قلب نورانی ہے
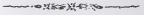
اِنَّ مِنَ الشِّعرِ لَحِکمَۃً وَّ اِنَّ مِنَ البَیَانِ لَسِحرًا

حصّۂ دوم

کلیات اکبر الہ آبادی

معروف بہ

لسان العصر

کلام بلاغت نظام عالیجناب خان بہادر سیّد اکبر حسین صاحب مرحوم

انڈکس

مضمون .... صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذہن میں جو گھر گیا لاانتہا کیونکر ہوا　　جو سمجھ میں آگیا پھر وہ خدا کیونکر ہوا
دل کو جو پہونچائے ایذا وہ نہیں ہے اہلِ دل　　ظلم کا باعث جو ہو درد آشنا کیونکر ہوا

طالبِ دنیا کو اکبر کس طرح سمجھوں میں خضر
خود جو گم ہے فکر میں وہ رہنما کیونکر ہوا

وقت طلوع دیکھا وقتِ غروب دیکھا　　اب فکرِ آخرت ہے دُنیا کو خوب دیکھا
اس نے خدا کو مانا وہ ہو رہا بتوں کا　　یا اِس نے خوب سمجھا یا اُس نے خوب دیکھا
نامِ خدا کو اکثر زیبِ زباں تو پایا　　عشقِ بتاں کو لیکن نقشِ قلوب دیکھا
اوروں پہ معترض تھے لیکن جو آنکھ کھولی　　اپنے ہی دل کو ہم نے گنجِ عیوب دیکھا

کوئی طاقت نہیں اب آپ کی طاقت کے سوا　　کچھ بچا ہی نہیں میرے لئے جنت کے سوا
ہر ادا سے میں نظر آتی ہے اک صورتِ یاس　　شغل اب کچھ بھی نہیں فسخ عزیمت کے سوا
اُس کو تھا ناز کہ حاصل ہے مجھے راحت و عیش　　میں نے جانچا تو نہ تھا کچھ بھی وہ غفلت کے سوا
سُکھ ملا جس کو زمانے میں مبارک ہو اُسے　　ہم نے تو کچھ بھی نہ پایا غم و حسرت کے سوا
مطمئن ہو کے لگاتا ہوں لحد میں بستر　　اب اُٹھاتا ہے مجھے کون قیامت کے سوا
عکس دنیا کے مرقع کا پڑا آنکھوں میں　　دل میں اُتری نہ کوئی شے تری صورت کے سوا

نہ یہ رنگِ طبع ہوتا نہ یہ دل میں جوش ہوتا　　یہ جنوں اگر نہ ہوتا تو کہاں یہ ہوش ہوتا

غم دہر سے بچاتا ہے بشر کو مست رہنا
مجھے شاعری نہ آتی تو میں بادہ نوش ہوتا

تمھیں دیکھ سن کے فطرت نے یہ نقش کھینچے ورنہ
نہ یہ ہوتی چشم نرگس نہ یہ گل کا گوش ہوتا

دل و دیں ہیں سب کے صدقے جو وہ خود نما بنا ہے
کوئی زندہ یوں نہ رہتا جو وہ خود فروش ہوتا

نہ ابھارتا جو گردوں تو وہ کیوں یہ ظلم کرتے
کچھ اثر فغاں میں ہوتا تو میں کیوں خموش ہوتا

حسن نظامی اکبر کا کلام سن کے بولے
میں تجھے ولی سمجھتا جو تو خرقہ پوش ہوتا

نہ کہو کہ شمع سے پروانہ دور ہی اچھا
اگر ہے عشق تو قرب حضور ہی اچھا

لبھا لیا مجھے اے شیخ چشم ساقی نے
غرور زہد سے مے کا سرور ہی اچھا

ہزار ہوش ہیں قربان ایسے جلوے پر
جناب حضرت موسیٰ کو طور ہی اچھا

رہے نہ دل کے لئے کوئی مستقل مرکز
یہی ہے عقل تو دل اس سے دور ہی اچھا

دل شکستہ میں رہتا ہے بادۂ عرفاں
سنا ہے میں نے کہ یہ شیشہ چور ہی اچھا

وہ مے نہیں رہی نہ وہ پیمانہ رہ گیا
دنیا میں بزم جم کا اک افسانہ رہ گیا

غائب ہوئی پری دل دیوانہ رہ گیا
افسوس شمع بجھ گئی پروانہ رہ گیا

سرور و نور تو وجد و حال ہو جائیگا سب پیدا
مگر لازم ہے پہلے تیرے دل میں ہو طلب پیدا

نہ گھبرا کفر کی ظلمت سے تو اے نور کے طالب
وہی پیدا کرے گا دن بھی کی ہے جس نے شب پیدا

فرقت یار میں جینے کا سہارا کیا تھا
خوب تھی موت سوا موت کے چارا کیا تھا

جان اللہ نے لی جسم ہوا داخل گور
ہم نے بھی دل میں یہ سمجھا کہ ہمارا کیا تھا

دنیا کا دیدنی وہ تماشا نکل گیا
اب گرد رہ گئی ہے یہ میلا نکل گیا

اب مادے کے چھاننے والے ہی رہ گئے
روحانیات کا وہ اکھاڑا نکل گیا

موت آئی عشق میں تو ہمیں نیند آ گئی
نکلی بدن سے جان تو کانٹا نکل گیا

میں خوش ہوا کہ آپ نے دیں مجھکو گالیاں
اچھا ہوا بخار تو دل کا نکل گیا

کیا دل لگاؤں موسم گل سے میں اے صبا
اس کو بھی کچھ ثبات ہے آیا نکل گیا

بازار مغربی کی ہوا سے خدا بچائے
میں کیا مہاجنوں کا دوالا نکل گیا

کام کوئی مجھے باقی نہیں مرنے کے سوا
کچھ بھی کرنا نہیں اب کچھ بھی نہ کرنے کے سوا

حسرتوں کا بھی مری تم کبھی کرتے ہو خیال
تم کو کچھ اور بھی آتا ہے سنورنے کے سوا

موت سے ڈرتے ہیں اب پہلے یہ تعلیم نہ تھی
کچھ نہیں آتا تھا اللہ سے ڈرنے کے سوا

محو حیرت ہی رہی بحر میں ہر چشم حباب
کچھ نہ تھی ہستیٔ امواج گذرنے کے سوا

میرے شکووں کو نہ پوچھیں رہیں خاموش حضور
کچھ نہ بن آئے گی واللہ مکرنے کے سوا

عشق کے فن میں ہے اکبر کا بھی درجہ عالی
عیب کچھ اس میں نہیں ضبط نہ کرنے کے سوا

نباشد معتبر دل را سکون و اضطراب اینجا
غم و شادی ست گردِ کاروانِ انقلاب اینجا

میا سادر ہجوم جلوۂ دنیا کہ می بینم
سکونِ یک نفس سرمایۂ صد اضطراب اینجا

فریبِ بحرِ ہستی مایۂ کبر است غافل را
بہ اوجِ چرخ خواہد سر کشیدن ہر حباب اینجا

ز قرآں بے خبر منشیں واز عقبیٰ مشو غافل
چہ خوش گفت اکبر خوشگو حساب آنجا کتاب اینجا

تونے جسے بنایا اُس کو بگاڑ ڈالا
اے چرخ میں نے اپنی عرضی کو پھاڑ ڈالا

برباد کیا اجل نے مجھ کو کیا؟ یہ کہئے
روحِ رواں نے اپنے دامن کو جھاڑ ڈالا

دستار و پیرہن گم اور جیب و کیسہ خالی
تہذیب مغربی نے ہم کو پچھاڑ ڈالا

بنیادِ دیں ہوائے دنیا نے منہدم کی
طوفان نے شجر کو جڑ سے اکھاڑ ڈالا

اچھا ملا نتیجہ مجھ کو مراسلت کا
قاصد کو قتل کر کے نامے کو پھاڑ ڈالا

پیغام آرہا ہے دلِ بیقرار کا
قائم ہے سلسلہ مرے اشکوں کے تار کا

شایق ہوا ہے بوسۂ دامانِ یار کا
اللہ رے حوصلہ مرے مشتِ غبار کا

باغِ جہاں میں کوئی روش بے خلش نہیں
دوڑاؤں گل پہ ہاتھ تو کھٹکا ہے خار کا

شمس و قمر کو دیکھتے ہیں تجھ کو بھول کر
آماجگاہِ تیر حوادث ہوں رات دن

کیا شعبدہ ہے گردشِ لیل و نہار کا
پتلا بنا ہوا ہوں غمِ روزگار کا

اے جنوں دَور ہے فطرت کی خود آرائی کا
بڑھتا جاتا ہے ادھر شوق خود آرائی کا
آپ کی یاد کو اللہ سلامت رکھے
سبز باغ آپ مرے اشکِ رواں کو نہ دکھائیں

دیدنی ہے یہ سماں لالۂ صحرائی کا
حوصلہ پست ہے یہاں ضبط و شکیبائی کا
مجھ پر احسان ہے اس مونسِ تنہائی کا
موج پر رنگ جمے گا نہ کبھی کائی کا

ایجاں شبِ فرقت میں میں سو ہی نہیں سکتا
اس بحر میں ہوں مثلِ حباب لے غمِ ہستی
ناکِ قدم اُس نے مری آنکھوں میں لگادی

تجھ بن مجھے نیند آئے یہ ہو ہی نہیں سکتا
طوفاں مری کشتی کو ڈبو ہی نہیں سکتا
اب اور مصیبت ہے کہ رو ہی نہیں سکتا

ہوائے دے بھی نہ ہے عنبر افشاں عروج بھی ہے مہ مبیں کا
نثار ہونے کی وہ اجازت محل نہیں ہے نہیں نہیں کا
اگر ہو ذوقِ سجود پیدا ستارہ ہو اوج پر جبیں کا
نشان سجدہ زمیں پر ہو تو فخر ہے وہ رُخِ زمیں کا
صبا بھی اس گل کے پاس آئی تو میرے دل کو ہوا یہ کھٹکا
کوئی شگوفہ نہ یہ کھلائے پیام لائی نہ ہو کہیں کا
نہ مہر و مہ پر مری نظر ہے نہ لالہ و گل کی کچھ خبر ہے
فروغِ دل کے لئے ہے کافی تصور اُس روئے آتشیں کا
نہ علم فطرت میں تم ہو ماہر نہ ذوقِ طاعت ہے تم سے ظاہر
یہ بے اصولی بہت بُری ہے تمھیں نہ رکھے گی یہ کہیں کا

جسے اپنے کام کا پاگئی اُسے اک نظر میں ملا لیا
وہ فلک کے رنگ سے خوش نہ تھا اُسے کب تھا میلِ شگفتگی

تری چشمِ مست ہے وہ غضب مرے شیخ کو بھی پلا لیا
یہ فریبِ لطفِ نسیم تھا کہ کلی کو جس نے کھلا لیا

یہ گہرفشانی متصل ہے فقط نتیجۂ جوشِ دل
نہ ہوا ہیں طالب انجمن نہ کسی سے میں نے صلا لیا

جو دیکھی ہسٹری اس بات پر کامل یقین آیا
اُسے جینا نہیں آیا جسے مرنا نہیں آیا

علیگڈھ کو شرف بخشا ہے اقبالِ نصاریٰ نے
کہ جو مسلم اُٹھا شوقِ ترقی میں یہیں آیا

وہ اک دن تھا میاں کو مار تھا صاحب بھی بننے میں
پڑا اب سایۂ مغرب تو بی بی بھی بنیں آیا

ترقی مستقل وہ ہے جو روحانی ہو اے اکبر
اُڑا جو ذرۂ عنصر وہ پھر سوئے زمیں آیا

چھا گئی زردی چمن پر جلوۂ گل ہو چکا
جور صرصر کے دن آئے دورِ بلبل ہو چکا

واعظا تجھ کو مبارک سنبلِ تقویٰ کے پیچ
اب تو دل میرا اسیرِ دامِ کاکل ہو چکا

بحرِ عرفاں کے لئے ہے کشتیٔ دل لازمی
سود منداس راہ میں الفاظ کا پُل ہو چکا

کیا دلِ آگاہ سینوں میں نہیں باقی رہے
سنتے ہیں سرمایۂ اہلِ توکّل ہو چکا

سانس لینے میں بھی اے اکبر کرو اب احتیاط
موقعِ فریاد و آہِ بے تامّل ہو چکا

یہ جلوۂ حق سبحان اللہ یہ نورِ ہدایت کیا کہنا
جبریل بھی ہیں شیدا اُن کے یہ شانِ نبوت کیا کہنا

وہ کفر کی ظلمت دور ہوئی اور محفلِ دیں پُر نور ہوئی
یہ مُہرِ ہدیٰ سبحان اللہ یہ صبحِ سعادت کیا کہنا

جس دل میں ہے پرتوِ کرسی و عرش اُس دل کی بلندی صلِّ علیٰ
جس سینے میں قرآں اُترا ہو اس سینے کی عظمت کیا کہنا

تسبیح سے دنیا گونج اٹھی تکبیر کا غل تا عرش گیا
تاثیرِ ہدایت صلِّ علیٰ یہ جوشِ عبادت کیا کہنا

نغمہ ہے ترا دلکش اکبر مضموں ہے ترا پاکیزہ و تر
بلبل کے ترانے صلِّ علیٰ پھولوں کی لطافت کیا کہنا

عمل اُن سے ہوا رخصت عقیدوں میں خلل آیا
کوئی پوچھے کہ ان کے ہاتھ کیا نعم البدل آیا

بیاں کرتا تھا بربادی کا اک برگِ خزاں دیدہ
رہا میں باغ میں دو دن کفِ افسوس مل آیا

محلے میں نہ کی جب شیخ کی وقعت عزیزوں نے
تو بیچارہ کمیٹی ہی میں جاکر کود اُچھل آیا

جہانِ بے بقا سے کیا لگائے دل کوئی اکبر
گیا وہ آج پر حسرت جو ارماں لے کے کل آیا

اشارہ ہے یہی بادِ صبا کا
نسیم صبح گاہی وجد میں ہے
چمن اک رنگ ہے اُس کی ادا کا
عجب مطلب ہے بلبل کی صدا کا

عجیب برق بلا تھا نظارہ اس مس کا
نسیم و گل کے تعلق پہ یہ نہیں غماز
وجود ہی نہ رہا دل میں دین کے حس کا
خدا زیادہ کرے نور چشم نرگس کا

خرد کی تفرقہ جوئی سے انتشار رہا
نشانِ شوکتِ انساں بنے تو مٹ بھی گئے
ہمیشہ مجھ پہ یہ کمبخت ہوش بار رہا
خدا کا نام ہی عالم میں برقرار رہا

بانکپن دل ہی عقیدوں پہ وہ جوبن نہ رہا
لان ٹینس کے لئے بن گئے شاہی گلزار
کی ترقی تو بہت پر وہ میاں پن نہ رہا
ساتھ سبزے کے ہجوم گل و سوسن نہ رہا

راز کھل جاتا ہمارے نالہ و فریاد کا
آپ سنتے ہی نہیں قصہ دلِ ناشاد کا
آسماں نے دل کی بربادی کی کچھ پروا نہ کی
کھیل تھا ویران کرنا خانۂ آباد کا
اس نگاہِ حسرت آگیں سے نہایت تنگ ہوں
ہاتھ اُٹھتا ہی نہیں مجھ پر کسی جلاد کا
بس ہوائے باغ کا ہے اب پروں کو ناگوار
اتنا خوگر ہو گیا ہوں پنجۂ صیاد کا
میری نظروں سے گری رہتی ہے دنیائے دنی
عرش منزل ہے یہ پہلو طبع کی افتاد کا

ان کے پیچھے کے لئے اکبر نے کہدی یہ غزل
شکر ہے اترا تقاضا حضرتِ آزاد کا

اب تو ہے عشقِ بتاں میں زندگانی کا مزا
جب خدا کا سامنا ہوگا تو دیکھا جائیگا
ہے سبب جوشِ جنوں کا رنجِ ہجراں اے حضور
آپ تو تشریف لائیں ہوش بھی آجائیگا

عشقِ بت میں کفر کا مجھ کو ادب کرنا پڑا
جو برہمن نے کہا آخر وہ سب کرنا پڑا
صبر کرنا فرقتِ محبوب میں سمجھے تھے سہل
کھل گیا اپنی سمجھ کا حال جب کرنا پڑا

تجربے نے حُبِّ دنیا سے سکھایا احتراز
پہلے کہتے تھے فقط مُنھ سے اور اب کرنا پڑا

شیخ کی مجلس میں بھی مفلس کی کچھ پرسش نہیں
دین کی خاطر سے دنیا کو طلب کرنا پڑا

کیا کہوں بے خود ہوا میں کس نگاہِ مست سے
عقل کو بھی میری ہستی کا ادب کرنا پڑا

اقتضا فطرت کا رکتا ہے کہیں اے ہمنشیں
شیخ صاحب کو بھی آخر کارِ شب کرنا پڑا

عالمِ ہستی کو تھا مدِّ نظر کتمانِ راز
ایک شے کو دوسری شے کا سبب کرنا پڑا

شعرِ غیروں کے اُسے مطلق نہیں آئے پسند
حضرتِ اکبر کو بالآخر طلب کرنا پڑا

تیغیں نیام میں ہیں انداز جنگ بدلا
خاموش ہیں زبانیں محفل کا رنگ بدلا

مائی کو پوت کی اب مطلق خبر نہیں ہے
اسٹیمروں سے مِلکر اندازِ گنگ بدلا

مجھ سے غمِ پنہاں کا بیاں ہو نہیں سکتا
دل سینے میں ہے منھ میں زباں ہو نہیں سکتا

تم غیر کے پہلو میں ہو میں بزم میں بیٹھوں
مجھ سے تو یہ اے جانِ جہاں ہو نہیں سکتا

آنکھوں نے جو دیکھا ہے ترے حسن کا عالم
واللہ زبانوں سے بیاں ہو نہیں سکتا

معنی کے شعاعوں سے جو لکھ جاتا ہے دل پر
سچ یہ ہے وہ لفظوں میں بیاں ہو نہیں سکتا

کس طرح کلیسا میں پڑھوں سورۂ اخلاص
ظاہر ہے کہ یہ کام یہاں ہو نہیں سکتا

بہتر ہے کہ ہو صبر کی قوت میں ترقی
اُن پر اثرِ آہ و فغاں ہو نہیں سکتا

اکبر تری باتیں کبھی ہوتی ہی نہیں ختم
کیا حال ہے تیرا کہ بیاں ہو نہیں سکتا

یقیں خدا کا بتِ نکتہ چیں نے کیوں نہ کیا
نہ پوچھ کار نہی دور بیں نے کیوں نہ کیا

جو دل میں آتی ہے اے واعظو نہیں رُکتی
سکوت خوب ہے لیکن تمھیں نے کیوں نہ کیا

اٹھائی میرے ڈرانے کو زحمتِ دشنام
یہ کام آپ کی چینِ جبیں نے کیوں نہ کیا

مجھے کوستے ہیں افشائے عشق کے طعنے
نہاں جمال کو اپنے انھیں نے کیوں نہ کیا

ہمیں ہنسے تھے زیادہ گناہ اکبر پر
ہمیں کو اب ہے یہ حسرت ہمیں نے کیوں نہ کیا

جان ہی لینے کی حکمت میں ترقی دیکھی
موت کا روکنے والا کوئی پیدا نہ ہوا

کوئی حسرت مرے دل میں کبھی آئی ہی نہیں
تھا ہی ایسا کہ یہ مقبولِ تمنّا نہ ہوا

اس کی بیٹی نے اُٹھا رکھی ہے دنیا سر پر
خیریت گذری کہ انگور کے بیٹا نہ ہوا

دلفریبی مری دنیا نے تو بیحد چاہی
میری ہی ہمت و غیرت کا تقاضا نہ ہوا

ضبط سے کام لیا دل نے تو کیا فخر کروں
اس میں کیا عشق کی عزت تھی کہ رسوا نہ ہوا

مجھ کو حیرت ہے یہ کس پیچ میں آیا زاہد
دامِ ہستی میں پھنسا زلف کا سودا نہ ہوا

بیدریغ آپ یہ دی جان کیا یہ میں نے
مرحبا منہ سے کہیں آپ سے اتنا نہ ہوا

جو ہنس رہا ہے وہ ہنس چکے گا جو رو رہا ہے وہ رو چکے گا
سکونِ دل سے خدا خدا کر جو ہو رہا ہے وہ ہو چکے گا

فلک پہ ظالمانہ چالیں مچائے اندھیر جتنا چاہے
زمانہ لے ہی گا کوئی کروٹ نصیب بیکس کا سو چکے گا

ہماری منزل کٹھن ہے وہ دشمن ہماری راہیں بگاڑتا ہے
کھلیں گے کچھ قدرتی شگوفے جب اپنے کانٹے وہ بو چکے گا

مراد اکبر بتان کافر سے مل ہی جائیگی شاید اک دن
مراد ملنے سے پہلے لیکن یہ امتیاز اپنا کھو چکے گا

حیا سے سر جھکا لینا ادا سے مسکرا دینا
حسینوں کو بھی کتنا سہل ہے بجلی گرا دینا

یہ طرز احسان کرنے کا تمھیں کو زیب دیتا ہے
مرض میں مبتلا کر کے مریضوں کو دوا دینا

بلائیں لیتے ہیں اُن کی ہم ان پر جان دیتے ہیں
یہ سودا دید کے قابل ہے کیا لینا ہے کیا دینا

خدا کی یاد میں محویتِ دل بادشاہی ہے
مگر آساں نہیں ہے ساری دنیا کو بھلا دینا

دنیا سے میں نے کچھ بھی نہ چاہا
دل ہی نہ اُبھرا جی ہی نہ چاہا

اس میں برائی کیا تھی جو میں نے
احیائے رسم دیرینہ چاہا

ہر اک کو موت کا اک دن پیام آئے گا
خدا کا نام لئے جاؤ کام آئے گا

ڈریں نہ حشر کی گرمی سے عاشقان رسولؐ — لگے گی پیاس تو کوثر کا جام آئے گا
رہے گا خوان فلک پر ضرر سے وہ محفوظ — جسے خیال حلال و حرام آئے گا
اگرچہ صبح کو پھیکے ہیں مثل مہ صائم — چمک اُٹھیں گے یہ جب وقت شام آئے گا

غالباً خاتمہ بالخیر سمجھ لو اُس کا — جس کے مرنے کا نئی روشنی نے غم نہ کیا
لاکھ روئے کہ رہے جاتے ہیں اللہ و رسولؐ — دیر کا کورس برہمن نے مگر کم نہ کیا

ایک اس عہد میں وہ دل ہی نہیں اے اکبرؔ
یہی باعث ہے کہ میں نے کبھی ہم ہم نہ کیا

یہ کیا صورت ہوئی پیدا یہ ان کا ادعا کیسا — بتانِ دیر کہتے ہیں ہمیں دیکھو خدا کیسا
ہمیں تو رنگ و بوئے گل پہ محویت ہی مستی ہے — مریضوں کو خبر ہو گی کہ ہے اس کا مزا کیسا
بس آنکھیں بند ہوئی تھیں کہ بدلا ہوش کا عالم — کسے اب یاد نقشہ عالم ہستی کا تھا کیسا

حلاوت زندگانی کی کہاں اس تلخ کامی میں
خدا کا حکم ہے جیتے ہیں اے اکبرؔ مزا کیسا

ای دورِ فلک دنیا میں مجھے اب لطف ذرا باقی نہ رہا — جب ہم نفس اپنے اٹھ گئے سب جینے کا مزا باقی نہ رہا
محرومی کا شکوہ بھول گئے یکتائی پر اپنی فخر ہوا — پیشِ درِ دولت میرے سوا جب کوئی گدا باقی نہ رہا

یہ پروانہ ہے جس نے دیدہ بازی کا ہنر جانا — اسی کا کام ہے ذوقِ نظر میں جل کے مر جانا
یہی باتیں ہیں جن کی یاد تڑپا دیتی ہے دل کو — مرا انگڑائیاں لینا اور اُس ظالم کا ڈر جانا
ہمارے دیر میں آکر کبھی اے شیخ بیٹھو تو — نظر بُت پر نہ کرنا اللہ ہی اللہ کر جانا
دلِ مشتاق اندیشوں سے کہتا ہے یہی ہر دم — اسی کو ڈھونڈھتے رہنا جہاں ہونا جدھر جانا

کھلے گل۔ بہار آئی۔ چمن کا۔ سماں بدلا — ادھر آ۔ میرے ساقی۔ پلا دے۔ مجھے صہبا
غموں سے۔ رہائی ہو۔ تردد۔ نہ رہ جائے — مزے میں غزل گاؤں کسی کا نہ ہو کھٹکا
سمجھ میں۔ مسرت ہے۔ مزا ہے جو مستی ہو — خدا پر بھروسا کر۔ عبث ہے۔ غم فردا

کہاں ہیں۔ جم وکسریٰ۔ کدھر ہے۔ وہ بزم انکی
فنا کا تسلسل ہے۔ کسی کو نہیں رہنا

زمزموں سے کیوں نہیں ہے تجھ کو سیری عندلیب
کون سنتا ہے صدا گلشن میں تیری عندلیب
پارک میں اُن کے دیا کرتا ہے اپنی سیچ وفا
زاغ ہو جائے گا اک دن آخر یری عندلیب

سب سے کر قطع نظر بہر خیالِ روئے دوست
یا ہر اک شے کو سمجھ عکسِ جمالِ روئے دوست
گوشِ عارف کے لئے قائم ہے صوتِ سرمدی
ذرہ ذرہ کہہ رہا ہے اس سے حالِ روئے دوست
گردشِ ارض وسما ہے خضرِ راہِ معرفت
مہر و مہ ہیں شاہدِ اوجِ کمالِ روئے دوست

صد ہزاراں گلشنِ معنی براہ افتادہ است
تا مرا بر صورتِ خویشِ نگاہ افتادہ است
خار از دستِ زلیخا را براہ افتادہ است
مژدہ باد لے عشق یوسف ہم بچاہ افتادہ است

بباغِ طبع زعشقِ تو رنگ و بوئے ہست
مرا بہ سینہ دلے ہست و آرزوئے ہست
زشورِ عالمِ ایجاد بے خبر ہستم
کہ حیرت ست و نگاہِ من ست و روئے ہست

شورِ بلبل جوشِ گل موجِ نسیم انوارِ صبح
اللہ اللہ کس قدر ہیں دل کشا آثارِ صبح
آفتابِ اوجِ سعادت کا ہے وہ روشن نفس
نورِ طاعت جس سے ظاہر ہو دمِ آثارِ صبح
جلوۂ حق کے مقابل روئے بت ہے بے فروغ
ہے پیامِ مرگ شمعوں کے لئے دیدارِ صبح
واہ کیا کہنا ہے تیرا اے نسیمِ صبح خیز
تیرے دم سے ہے چمن میں گرمئ بازارِ صبح
شب گذرتے ہی ہوئی برخاست بزمِ میکشی
گردنِ مینا سے شاید اُٹھ نہ سکتا بارِ صبح
مدتوں سے آج کل پہچانتے ہیں وہ مجھے
صبح کو اقرارِ شام اور شام کو اقرارِ صبح
عاشقِ دنیا کو کیوں آئے خیالِ آخرت
کس نے پروانے کو پایا شایقِ دیدارِ صبح
خوابِ نوشیں سے ترا بیدار ہونا الاماں
یہ خمارِ نرگسِ مستانہ یہ آثارِ صبح

عہدِ پیری آگیا اکبر سنبھالو اپنے ہوش
خوابِ غفلت سے اُٹھو پیدا ہوئے آثارِ صبح

کرو لسان کس طرح اس دورِ انقلاب کی مدح
ہنوز شرع میں جائز نہیں شراب کی مدح

مجال کیا کوئی کہہ دے خوشامدی مجھ کو
اسی سبب سے بہت سہل ہے جناب کی مدح

بقیہ مینے بھی ماضی بنیں گے حال کے بعد
رہا جو زندہ وہ دیکھے گا تیس سال کے بعد

نظارۂ بتِ بے دیں میں ہے بلا کی روح
اب اختیار ہے تم کو اس احتمال کے بعد

ہنسی خوشی سے ہے بہتر کنارہ کش ہونا
یہ لطف کیا کہ جدا ان سے ہوں ملال کے بعد

رہے نہ اہل بصیرت تو بے خرد چمکے
فروغ نفس ہوا عقل کے زوال کے بعد

خدا سے مانگ جو کچھ مانگنا ہو اے اکبر
یہی وہ در ہے کہ ذلت نہیں سوال کے بعد

رنج ہے زیر فلک عیش کی تمہید کے بعد
دیکھئے ماہِ محرم ہی پڑا عید کے بعد

جلوۂ حسن کچھ آساں نہیں اے دیدۂ شوق
حور کا ذکر بھی ہے حشر کی تمہید کے بعد

فریاد ہے اسی کی طپش سے زبان پر
پہلو میں دل نہیں ہے مصیبت ہے جان پر

دونوں کا ارتباط خدا ہی کے ہاتھ ہے
دانہ تو زیر خاک ہے ابر آسمان پر

دن کو بھی ان کے ملنے سے بہتر ہے احتراز
ملتے نہیں جو رات کو اپنے مکان پر

قبروں سے دوستوں کی بھرے ہیں سواد شہر
لوں کتنے نام روؤں میں کس کس نشان پر

بت سے مراسلت ہے تو عنوان سادہ چھوڑ
ناخوش کہیں نہ ہوں وہ ھوالمستعان پر

جو ہے زباں پہ دل کو نہیں اس سے فائدہ
جو دل میں ہے وہ لا نہیں سکتے زبان پر

شکر خدا کہ شرم کی تکلیف سے بچے
یاروں کی اب تو بھیڑ ہے مے کی دکان پر

افسانۂ بہار و زبانِ نسیم - واہ
گل جامہ چاک کرتے ہیں اس داستان پر

ہوش اس کو کہتے ہیں کہ جو پیری میں بھی رہے
تقویٰ وہ ہے کہ جس کا اثر ہو جوان پر

از جمالت می تراود ہر زماں شانے دگر
وز خیالت می دمد ہر دم گلستانے دگر

انقلابے ہست در ذرات و ہوشم ہر نفس
ہر زماں دارم ز تو جسمے دگر جانے دگر

دل عطا کردی بمن قربانِ احسانت شوم
درد بخشیدی بہ دل ایں باشد احسانے دگر

تہذیب کے خلاف ہے جو لائے راہ پر
اب شاعری وہ ہے جو اُبھارے گناہ پر

کیا پوچھتے ہو مجھ سے کہ میں خوش ہوں یا ملول
یہ بات منحصر ہے تمہاری نگاہ پر

چہرے نے دی شہادت غم زرد تر ہوا
سختی یہ کیوں ہوئی مرے سچے گواہ پر

جو دیکھا غور سے یہ بات ثابت ہو گئی آخر
وہی ظاہر وہی باطن وہی اوّل وہی آخر

وہی غالب رہے مجھ کو ہوئی شرمندگی آخر
نہ مانا آپ نے اور خاطرِ اغیار کی آخر

وہاں الفاظ خضرِ رہ ہیں یاں معنی ہیں منزل پر
زباں کا ان کو دعویٰ ہے تو مجھکو ناز ہے دل پر

سماعت گوشِ گل میں ہے نہ بینا دیدۂ نرگس
عجب کیا گریۂ شبنم جو ہے اس بزمِ غافل پر

مذہب کا ہو کیونکر علم و عمل دل ہی نہیں بھائی ایک طرف
کرکٹ کی کھلائی ایک طرف کالج کی پڑھائی ایکطرف

کیا ذوقِ عبادت ہو انکو جو بس کے لبوں کے شیدا ہیں
حلوائے بہشتی ایک طرف ہوٹل کی مٹھائی ایکطرف

طاعون و تپ اور کشتل مچھر سب کچھ ہے یہ پیدا کیچڑ سے
بمبے کی روانی ایک طرف اور ساری صفائی ایکطرف

مذہب کا تو دم وہ بھرتے ہیں بے پردہ بتوں کو کرتے ہیں
اسلام کا دعویٰ ایک طرف یہ کافر ادائی ایک طرف

ہر سمت تو ہے اک دام بلا ؤ سکتے ہیں خوش کس طرح بھلا
اغیار کی کاوش ایک طرف آپس کی لڑائی ایکطرف

کیا کام چلے کیا رنگ جمے کیا بات بنے کون اسکی سنے
ہے اکبرِ بیکس ایک طرف اور ساری خدائی ایکطرف

فریاد کئے جا اے اکبر کچھ ہو ہی رہے گا آخر کار
اللہ سے تو یہ ایکطرف صاحب کی دھائی ایکطرف

محفوظ ذہن رکھیں ہر دور ہم کہاں تک
اوراق ہسٹری میں نقشِ قلم کہاں تک

ہر قطرہ اور ذرہ ہے مورثِ حوادث
دفتر ترا کہاں تک تعدادِ رقم کہاں تک

شخصی ہوں خواہ قومی سب حالتیں ہیں فانی
کبر و غرور کبتک جاہ و حشم کہاں تک

دیکھیں جو کچھ تو سمجھیں پائیں جو کچھ تو جانیں
کبتک چناں چنیں یہ قول و قسم کہاں تک

فطرت دکھا ہی دے گی ملحد کی بے ثباتی
عجزِ عرب کہاں تک نازِ عجم کہاں تک

ناقص مقدموں سے نکلیں گے جو نتیجے
ان پر وثوقِ صحت اے محترم کہاں تک

اے چرخ بدماغی کی تجھ کو کیا ضرورت
ناکامیوں پر اپنی روئیں گے ہم کہاں تک

نعمت سمجھ بلا کو لے لذّتِ تماشا
آخر یہ مخزنِ اشک اے چشم نم کہاں تک

کہتے ہیں دوست اکبؔر کو دیکھ کر بحسرت
ہے اس کا دم غنیمت لیکن یہ دم کہاں تک

قربِ منزل کا مجھے دیتے ہیں مژدہ کیا خضر
ضعف سے یاں تو ہے وہ گام بھی چلنا مشکل

ناتوانی سے مٹا جاتا ہے اپنس کا وہ میل
نبض کے ساتھ ہے اب سانس کو چلنا مشکل

ہیں ہوا پر کفر کے گیسوئے پریشاں اندنوں
کوئے دل میں کیونکر آئے بوئے ایماں اندنوں

علم دیں مفقود ہے گم ہے صراطِ مستقیم
خضرِ رہ بنتا ہے ہر غولِ بیاباں اندنوں

اپنے اشتر کو یہ کیا لیجائے گا سوئے حجاز
مست خود ہے مینڈکی گت پر حدی خواں اندنوں

پڑھ رہا ہے کفر زلفِ علّت و معلول سے
حسنِ فطرت ہے حجابِ روئے یزداں اندنوں

شارحِ دیوانِ ہستی ہے قیاسِ مغربی
ہے ازل بھی تجربوں کے زیرِ فرماں اندنوں

یاد کرتا ہے گذشتہ باثرِ لاحول کو
شیخ کو طعنے دیا کرتا ہے شیطاں اندنوں

کفر نے سائنس کے پردے میں پھیلائے ہیں پاؤں
بے زباں ہے بزمِ دل میں شمعِ ایماں اندنوں

صورتِ امروز میں گم ہے نگاہِ ناتواں
نقشِ فردا چشمِ باطن سے ہے پنہاں اندنوں

زندگانی کی چمک سے دیدۂ عبرت ہے بند
کم نظر ہے جانبِ گورِ غریباں اندنوں

ہے اوولیوشن بس اک تفسیرِ ربّ العالمیں
کاش اس نکتہ سے واقف ہوں مسلماں اندنوں

مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ ہی پر ختم ہے قولِ فلسفیؔ
کیوں عبث برپا ہے اتنا شورِ طفلاں اندنوں

ہیں مشاغل محفلِ احباب کے ناگفتہ بہ
دم بخود بیٹھا ہے اکبؔر ساخنداں اندنوں

ہیں ترے ہی واسطے اکبؔر یہ سارے شعبدے
دیکھ تو ان کے یہاں مذہب کا ساماں اندنوں

جن کے جلوے نہ سما سکتے تھے ایوانوں میں
ان کی خاک آج پڑی پھرتی ہے ویرانوں میں

کان نے ہوش کو الجھایا ہے افسانوں میں
آنکھ نے دل کو پھنسا رکھا ہے ارمانوں میں

مسجدیں چھوڑ کے جا بیٹھے ہیں میخانوں میں
واہ کیا جوش ترقی ہے مسلمانوں میں

شیخ جی آپ کو اللہ سلامت رکھے
آپ کا دم بھی غنیمت ہے مسلمانوں میں

نام اللہ و رسول اب تو میں سنتا ہوں کم
پہلے رائج تھے یہ الفاظ مسلمانوں میں

پڑھ کے منصور کی حالت مجھے وجد آتا ہے
خوب مضمون ہیں اللہ کے دیوانوں میں

گرمیٔ دل جو ہے منظور تو منطق پہ نہ جا
عشق ہے آگ لگانے کے لئے جانوں میں

جس نے رکھا نہ فضولی سے سروکار اکبر
مردِ عاقل ہے وہی دہر کے مہمانوں میں

صاحبِ حسن مری آہ سے خوش رہتے ہیں
جس طرح اہل سخن واہ سے خوش رہتے ہیں

ہر مصیبت کی یہ توجیہ کیا کرتا ہے
اس لئے ہم دلِ آگاہ سے خوش رہتے ہیں

قابلِ قدر طبیعت ہے ہماری اکبر
ہیں مصیبت میں اور اللہ سے خوش رہتے ہیں

یہ نکتہ ہائے بصیرت افزا جمال معنی میں کم نہیں ہیں
کہ شکل ظاہر جو دیکھتے ہو ہمارا پر تو ہے ہم نہیں ہیں

کنارہ کش ہوگئے ہر اک سے نہ سو تعلق نہ سو تردد
خوشی نہیں ہے یہی ہے اک غم طرح طرح کے الم نہیں ہیں

کچھ آج علاجِ دلِ بیمار تو کرلیں
اے جانِ جہاں آؤ ذرا پیار تو کرلیں

منہ ہم کو لگاتا ہی نہیں وہ بُتِ کافر
کہتا ہے یہ اللہ سے انکار تو کرلیں

سمجھے ہوئے ہیں کام نکلتا ہے جنوں سے
کچھ تجربۂ سبحہ و زنّار تو کرلیں

سو جان سے ہو جاؤں نگار راضی میں سزا پر
پہلے وہ مجھے اپنا گنہگار تو کرلیں

حج سے ہمیں انکار نہیں حضرتِ واعظ
طوفِ حرم کوچۂ دلدار تو کرلیں

منظور وہ کیوں کرنے لگے دعوتِ اکبر
خیر اس سے ہے کیا بحث ہم اصرار تو کرلیں

یہ خیر اندیش بھی حاضر ہے مداحوں کے زمرے میں
تمہارے مصرعِ قامت کو لکھ کر کلکِ قدرت نے

ادھر بھی اک نظر اپنی خوش اخلاقی کے صدقے میں
دکھادی خوبیٔ انشائے ہستی ایک جملے میں

اگر ڈھونڈو تو اکبر میں بھی پاؤ گے ہنر کوئی
اگر چاہو نکالو عیب تم اچھے سے اچھے ہیں

کیا کہیں اوروں کو یہ لیسے ہیں وہ ایسے ہیں
جانتے ہیں کہ اجل سر پہ کھڑی ہے لیکن
عقل حیران ہے پروانوں کی اس حالت پر

سچ جو پوچھو تو ہمیں کون بہت اچھے ہیں
محو ہیں انجمنِ دہر میں خوش بیٹھے ہیں
شمع کو حس نہیں یہ جان دیے دیتے ہیں

منہ دیکھتے ہیں حضرتِ احباب پی رہے ہیں
میں نے کہا جو اس سے ٹھکرا کے چل نہ ظالم
احباب اٹھ گئے سب اب کون ہمنشیں ہو
پریوں کے عاشقوں کو سودا ہوا مسوں کا

کیا شیخ اسی لیے اب دنیا میں جی رہے ہیں
حیرت میں آکے بولا کیا آپ جی رہے ہیں
واقف نہیں ہیں جن سے باقی وہی رہے ہیں
جو پہنا کرتے تھے جامہ اب کوٹ سی رہے ہیں

دل کو خود چھیڑے جو وہ ترچھی نظر تو کیا کروں
جانتا ہوں میں کہ خواہش موت کی اچھی نہیں
سینے سے پرسوز آہیں اٹھتی ہیں اے ہمنشیں
ہے خطا میری جو نکلے منہ سے لفظِ آرزو
دیر کیسا دل ہی میں کر لیتے ہیں یہ بت گذر

چین سے رہنے نہ دے دردِ جگر تو کیا کروں
زندگی بے لطف ہو جائے مگر تو کیا کروں
لب پر آکر جو یہ نکلیں بے اثر تو کیا کروں
آنکھ سے نکلے محبت کی نظر تو کیا کروں
جلوہ گاہ ان کا خدا ہی کا ہو گھر تو کیا کروں

کھل گیا مجھ پر دلِ اے حضور
آگیا فضلِ خدا سے فنِ صبر

غم نہیں گر آپ کا دردِ انہیں
اب مصیبت کی مجھے پروا نہیں

کروں اُن سے اس کا میں کیا گلا کہ توجہ انکی ادھر نہیں
مرا حال تجھ سے یہ ہمنشیں کہ خود آپ اپنی خبر نہیں

گردشِ گردوں سے ہر دم وہم رنج افزا میں ہیں
یہ بھی اک سودا ہے ورنہ کیا ہمیں دنیا میں ہیں

ناصحِ ناداں نے مطلب میرا سمجھا ہی نہیں
کیا سمجھتا، عالمِ دل میں تو وہ تھا ہی نہیں

عالم ہے بیخودی کا سے کی دکان پر ہیں
ساقی پہ ہیں نگاہیں ہوش آسمان پر ہیں

دل اپنی ضد پہ قائم وہ اپنی آن پر ہیں
جتنی مصیبتیں ہیں سب میری جان پر ہیں

دُنیا بدل گئی ہے وہ ہیں ہمیں کہ اب تک
اپنے مقام پر ہیں اپنے مکان پر ہیں

میرا وہ دل نہیں ہے جو ہمنشینِ لب ہو
یہ آپ ہیں کہ ہر دم اپنی زبان پر ہیں

پامال ہیں مگر ہیں ثابت قدم وفا میں
ہم مثلِ سنگِ در کے اُس آستان پر ہیں

اب تک ہے یاد ہم کو اپنی بلند نامی
اب بھی مٹے ہوئے ہم مٹتے نشان پر ہیں

ہر در کو ہم نے پایا ہے جلوہ گاہ تیرا
نقشِ جبیں ہمارے ہر آستان پر ہیں

یہ صورتیں تمھاری یہ ناز یہ ادائیں
قربان اے بتو ہم خالق کی شان پر ہیں

اندازہ نظر کے جو آرزو کو روکیں
باتیں جو کردیں ساکت اُن کی زبان پر ہیں

شکرِ خدا کہ اُن کے قدموں پہ سر ہے اپنا
اس وقت کچھ نہ پوچھو ہم آسمان پر ہیں

یہ قطرہائے شبنم ہیں زینتِ گل تر
یا موتیوں کی لڑیاں اس گل کے کان پر ہیں

ہر ذرہ کوئے عشقِ احمدؐ کا کہہ رہا ہے
جو اس زمین پر ہیں وہ آسمان پر ہیں

اب تک سمجھ رہے ہیں دل میں مجھے مسلماں
قائم ہنوز یہ بُت اپنے گمان پر ہیں

اسلوب نظم اکبر فطرت سے ہے قریں تر
الفاظ ہیں محل پر معنی مکان پر ہیں

اک نقش مٹ گیا ہے ردتے نشان پر ہیں
دل میں ہیں داغ حسرت قصے زبان پر ہیں

خلقت میں جلوۂ حق پاتے ہیں اہلِ عرفاں
آنکھیں زمین پر ہیں دل آسمان پر ہیں

ہے دیدنی یہ گرمی بازار کافری کی
گاہک بنا ہے تقویٰ بُت بھی دُکان پر ہیں

کرتا ہوں میں جو آہیں کہتے ہیں یہ ہیں عمل
یہ اعتراض اُن کے دل کی زبان پر ہیں

کرتی ہے بیخودی میں سوزِ دروں کو ظاہر
اے شمع ہم تو عاشق تیری زبان پر ہیں

فریاد مُرغِ بسمل مجھو تڑپ کو اُس کی
اس وقت بے کسی میں گویا زبان پر ہیں

آزاد جب ہے تو ہیں کیسا مکان و مسکن
دیکھ اے نگاہِ حیراں یہ عشوۂ حوادث
مرحوم دل بھی کیا تھا کیا حسرتیں تھیں اُس میں
دنیا کی غفلتوں کی تصویر ہیں بگولے

بس جس نے دل میں جا دی اُس کے مکان پر ہیں
بے مول اے زلیخا یوسف دُکان پر ہیں
اب تک کچھ اُس کی باتیں میری زبان پر ہیں
بنیاد ہے ہوا پر سر آسمان پر ہیں

امید ہے دعا کی اہلِ سخن سے اکبر
میرے حقوق بھی کچھ اُردو زبان پر ہیں

وفا بتوں میں نہیں ہے خدا کو پائیں کہاں
سکونِ دل کی طلب میں اُٹھے ہیں گھبرا کر
جنون کی مشق بھی ہے عاقلی بھی آتی ہے
خرد نے رُخ تو کیا بحرِ معرفت کی طرف
یہ کہہ کے خونِ جگر مانگتا ہے غم دل سے
امید بوسۂ ابرو و زُلف و چشم کسے

اسی فراق میں کٹتے ہیں دن کہ جائیں کہاں
پہونچ رہیں گے کہیں تم سے کیا بتائیں کہاں
یہ سوچتے ہیں کہ کس فن کو آزمائیں کہاں
بشر کے دل میں یہ موجیں مگر سمائیں کہاں
کہ تیرے گھر میں رہیں اہلِ دل تو کھائیں کہاں
مرے نصیب کہاں اور یہ بلائیں کہاں

مفر نہیں ہے ہمیں خانقاہِ سیّد سے
قفس میں ہیں تو اس اڈّے کو چھوڑ جائیں کہاں

خدا کے واسطے دنیائے دوں سے منہ جو موڑے ہیں
مرے خطاب اثر ہیں اُس نگاہِ تیز کے آگے

وہی ہیں مستند انساں مگر افسوس تھوڑے ہیں
وہاں ہے تارِ بجلی کا یہاں کاغذ کے گھوڑے ہیں

بتوں پر دسترس آساں نہیں اے اکبرِ ناداں
چھوٹے ہیں پاؤں اُن کے جب کہ برسوں ہاتھ جوڑے ہیں

ہم کب شریک ہوتے ہیں دنیا کی جنگ میں
مفتوح ہو کے بھول گئے شیخ اپنی بحث
وِسکی کی بُو سے شیخ کی یہ چتون بدل گئی

وہ اپنے رنگ میں ہے ہم اپنی ترنگ میں
منطق شہید ہو گئی میدانِ جنگ میں
ان کی نظر بھی مل گئی ساقی کے رنگ میں

تحقیر مولوی کی نہ کر اے گریجویٹ
واللہ اب بھی فرد ہیں یہ اپنے ڈھنگ میں

بلبلِ دل کے لئے ہر داغ گلشن ہے یہاں　　ہر نفس راہِ جنوں میں گل بدامن ہے یہاں
ہے تجلی نور حیرت کی ہر آہِ شعلہ بار　　ہر طپش سینے کی برقِ طور ایمن ہے یہاں
شعلہ ہائے غم سے ہے نشو و نمائے باغِ دل　　دامنِ ابر کرم ہر برقِ خرمن ہے یہاں
راحت و آرام جاں پر ہے مقدم یادِ دوست　　راہ غفلت جو چلے وہ سانس دشمن ہے یہاں
منزلِ ذوقِ نظر ہے سالکوں کو پُر خطر　　عکسِ نقشِ عالم ایجاد رہزن ہے یہاں
شعلۂ غم سے دلِ سوزاں میں اک جان آگئی　　روح پرور اختلاط برق و خرمن ہے یہاں

کتابِ دل میں میرے عاشقانہ دیکھ کر مضموں　　کیا اُس چشم نے ایما کہ ہم بھی صاد کرتے ہیں
مری بیتابیٔ دل پر ادا سے مسکراتے ہیں　　قیامت کرتے ہیں بجلی یہ بجلی وہ گراتے ہیں

فانی ہے حسنِ بُت یہ میں کیا جانتا نہیں　　مشکل یہ آپڑی ہے کہ دل مانتا نہیں
فریاد ہی کے کاش طریقے ہوں منضبط　　یک لخت ظلم کی بھی تو وہ ٹھانتا نہیں
اس انقلاب پر جو میں روؤں تو ہے بجا　　مجھ کو وطن میں اب کوئی پہچانتا نہیں
کس رُخ چلوں رسول تو دنیا سے اُٹھ گئے　　اللہ ہے سو اُس کو میں پہچانتا نہیں
میرے لئے شراب یہاں بھی ہے کیا حرام　　اس شہر میں تو کوئی مجھے جانتا نہیں

اکبر ہنوز اُن سے ہے امیدوارِ لطف
بدلی ہوئی نگاہ کو پہچانتا نہیں

جب تقیہ ہے زباں بتوں ہی کی راہ میں　　دل بھی نہ رہ سکے گا خدا کی پناہ میں

بدلے ہی گا اک دن دورِ فلک مایوس یہ ناحق ہم تم ہیں
گلزار میں ہے پھولوں کی دمک افلاک پہ تاباں انجم ہیں
کیسا یہ اثر اس دور میں ہے ساقی کی نظر بھی غور میں ہے

جو مست ہیں ان کو ہوش نہیں جو ہوش میں ہیں وہ گُم صم ہیں
ہر حال میں ہے خالق پہ نظر ہم اُن میں نہیں ہیں اے اکبرؔ
جب نعمت ہو تو منطق ہے۔ جب آفت ہو تو گُم صم ہیں

ظلم جتنے ہیں ہمیں پردہ کئے جاتے ہیں　ہم بھی ایسے ہیں کہ اسیر بھی جئے جاتے ہیں
شیخ کے حق میں اُٹھا رکھا ہے کیا رندوں نے　ظرف انھیں کا ہے کہ سب کچھ یہ پئے جاتے ہیں

زبانِ حال ہیں اگلے فسانے امرِ ماضی ہیں　جو تلواریں چلاتے تھے وہ اب ٹھوکر پہ راضی ہیں
شراب اُڑتی ہے پبلک میں ہوا ہے خونِ تقویٰ کا　مزا ہے اب تو رندوں کو نہ مفتی ہیں نہ قاضی ہیں

وہ شرارت سے مرے گھر سرِ شام آتے ہیں　یہ دکھانا ہے کہ غیروں کے پیام آتے ہیں
غیر کے ذکر میں کرتے نہیں وہ میرا لحاظ　تذکرے آتے ہیں اور نام بنام آتے ہیں
اعتبار اُن کا کر اکبرؔ جو ہیں پابند نماز　ہیں یہی لوگ کہ جو وقت پہ کام آتے ہیں

وعظ کالج میں جو کہہ آتے ہیں اکثر اکبر
کیا یہ گرتی ہوئی دیوار کو تھام آتے ہیں

حورِ مسِ کو مئے گلگوں کو پری کہتے ہیں　شیخ خوش ہوں کہ خفا ہم تو کھری کہتے ہیں
اللہ اللہ یہ نورِ فلک ورنگ زمیں　سچ تو یہ ہے کہ اسے جلوہ گری کہتے ہیں

حسن کے باب میں اکبرؔ کی سند ٹھیک نہیں
یہ تو ہر اک بُتِ کمسن کو پری کہتے ہیں

میں نے دیکھی ہیں غزالوں کی بہت چالاکیاں　ہائے اُن آنکھوں کی سی ان میں کہاں بیباکیاں
روک دیں اُن میں حیا نے نشہ کی بیباکیاں　رہ گئیں میری تمنا کی وہ سب چالاکیاں
ایک گردش میں کیا خونِ دو عالم کو مباح　چشم مست ناز کی اللہ رے سفاکیاں
بجز غم کو کردیا افسردگی نے منجمد　ہو چکیں درد آشنا دل کی وہ سب تیراکیاں
دیکھ تو لے دست ساقی میں مئے گلگوں کا جام　شیخ کی نیت کی رہ جائیں گی ساری پاکیاں

عیش باغ اکبر کا جو تھا اب وہ اک غمخانہ ہے
ذکرِ مرگِ آرزو ہے اور وہ گروہِ باکیاں

کچھ غم نہیں اگر میں مایوس ہو گیا ہوں
کافی ہے سوزِ باطن انوارِ معرفت کو

اب یاس ہے بہت کچھ مانوس ہو گیا ہوں
اپنی ہی شمعِ دل کا فانوس ہو گیا ہوں

کتنی باتیں ہیم اس دورِ فنا میں ہو چکیں
سوچ تو دل میں تو اے مصروفِ حالِ صبح و شام

ابتدائیں کتنی داخل انتہا میں ہو چکیں
کتنی صبحیں ہو چکیں اور کتنی شامیں ہو چکیں

فکرِ دنیا انبساطِ دل سے ہے ناآشنا
آپ کی کلیاں شگفتہ اِس ہوا میں ہو چکیں

ہر اک یہ کہتا ہے اب کارِ دیں تو کچھ بھی نہیں
یہ سچ بھی ہے کہ مزا بے یقیں تو کچھ بھی نہیں

تمام عمر یہاں خاک اڑا کے دیکھ لیا
اب آسمان کو دیکھوں زمیں تو کچھ بھی نہیں

مری نظر میں تو بس ہے انھیں سے رونقِ بزم
وہی نہیں ہیں جو اے ہمنشیں تو کچھ بھی نہیں

حرم میں مجھ کو نظر آئے صرف زاہدِ خشک
مکان خوب ہے لیکن مکیں تو کچھ بھی نہیں

ترے لبوں سے ہے البتہ اک حلاوتِ زیست
نبات۔ قند۔ شکر۔ انگبیں تو کچھ بھی نہیں

دماغ اب تو مسوں کا ہے چرخِ چارم پر
بڑھا دیا مری خواہش نے تھیں تو کچھ بھی نہیں

یہ قول حضرتِ محشر کلام شاعر کا
پسند آئے تو سب کچھ، نہیں تو کچھ بھی نہیں

وہ کہتے ہیں کہ تمھیں ہو جو کچھ ہو اے اکبر
ہم اپنے دل میں ہیں کہتے ہیں تو کچھ بھی نہیں

ہے دلیلوں سے نہیں پیدا یقیں کیونکر کریں
کس طرح دنیا کو چھوڑیں ہے بنائے زندگی

سارا عالم کہہ رہا ہے ہاں نہیں کیونکر کریں
ہے مدارِ کارِ ملت ترک دیں کیونکر کریں

مغربی علم و ہنر تو خوب ہے اکبر مگر
اپنی اس تعلیم پر ہم آفریں کیونکر کریں

عضب ہیں ظاہری صورت کے جلوے بزم ہستی میں
فلک دیتا نہیں کچھ اوج رُخ کرتے جو پستی کا

حقیقت پر نظر رہتی نہیں غفلت کی مستی میں
خیالوں کی بلندی نے بٹھا رکھا ہے پستی میں

کسی کو یاں بقا نہیں۔ کوئی سدا رہا نہیں
ہمارا دور ہو چکا۔ زمانہ اب گیا بدل
بڑے وہ ہیں جو بے ثمر۔ جو خرد ہیں وہ خیرہ سر
جو مال ہی پہ ہے نظر۔ تو خوں ہے اور ترا جگر
یہی تھی شرط عاشقی۔ کبھی میری خبر نہ لی
غرور تھا نمود تھی۔ ہٹو بچو کی تھی صدا

یہاں کا رنگ ہی یہ ہے ہیں تو کچھ گلا نہیں
جہاں کا وہ چلن نہیں۔ فلک کی وہ ادا نہیں
عطا نہیں کرم نہیں ادب نہیں وفا نہیں
مرض ہے جس کو حرص کا۔ کبھی اسے شفا نہیں
یہ کیا سبب نظر تری۔ مری طرف ذرا نہیں
اور آج تم سے کیا کہوں لحد کا بھی پتا نہیں

بوسۂ زلف سیہ فام ملے گا کہ نہیں
خط میں کیا لکھا ہے قاصد کو خبر کیا اس کی
میں تری مست نظر کا ہوں دعا گو ساقی
قبر پر فاتحہ پڑھنے کو نہ آئیں گے وہ کیا
بو کسی سمت سے آتی نہیں ہمدردی کی
جستجو ہی میں وہ لذت ہے کہ اللہ اللہ

دل کا سودا ہے مجھے دام ملے گا کہ نہیں
پوچھتا ہے مجھے انعام ملے گا کہ نہیں
صدقہ آنکھوں کا کوئی جام ملے گا کہ نہیں
جان دینے کا کچھ انعام ملے گا کہ نہیں
مجھ کو مجھ سا کوئی ناکام ملے گا کہ نہیں
کیوں میں پوچھوں وہ دل آرام ملے گا کہ نہیں

آرزو مرگ کی تم کرتے ہو اکبر لیکن
سوچ لو قبر میں آرام ملے گا کہ نہیں

جس خرابی کا نہیں باقی رہا غم کیا کریں
تیغ قاتل چل رہی ہے ان دنوں مثل نسیم
مرشدوں میں سے تو ہر اک جانتا ہے اپنا کام
شیخ کے آگے نہ مے پینا نہیں از راہ خوف
خوفِ حق عشق بتاں نازک ہیں دونوں مسئلے

مرگ دل سے ہو گئی تسکین ماتم کیا کریں
ہے بہار زخم دلکش فکر مرہم کیا کریں
ہاں مرید اب تک نہیں واقف ہوئے ہم کیا کریں
گردنِ مینا کو اس کے سامنے خم کیا کریں
سخت مشکل ہے زیادہ کیا کریں کم کیا کریں

کچھ مزا گیہوں کا کچھ حوا کے کہنے کا خیال
آپ ہی کہئے کہ اس موقع پہ آدم کیا کریں

میری یہ بے چینیاں اور اُن کا کہنا ناز سے
ہنس کے تم سے بولتے ہیں اور اب ہم کیا کریں

بے وقت کا راگ ہے نہ سنیئے
واعظ کو مگر جھنجھوڑ دیئے کیوں

اکبر سے نہ کہئے رائے سرجن
اُمّیدِ مریض توڑ دیئے کیوں

ہے تگاپو اس قدر مرکز مگر کوئی نہیں
فرنچر ہم لے رہے ہیں اور گھر کوئی نہیں

کہتی ہیں آہیں کریں گے تیرے دل کا ہم بغارم
سب مگر شہرت طلب ہیں با اثر کوئی نہیں

کیمپ میں پاتا ہوں یاروں کو جو کودن بیشتر
یہ اثر ہے اصطبل کا ورنہ خر کوئی نہیں

اِدھر اُترا ہے چہرہ کو ہکن کا کوہ پر چڑھ کر
اُدھر کب تخت پر سے حضرتِ پرویز اُترے ہیں

حرم والوں سے کیا نسبت بھلا ہم اہلِ ہوٹل کو
وہاں قرآن اُترا ہے یہاں انگریز اُترے ہیں

مرے الفاظ کا رنگ آج مستانِ سخن دیکھیں
یہ شیشے بادۂ مضموں کے کتنے تیز اُترے ہیں

دہر میں سوختۂ گرمیِ بازار نہ ہو
دل میں ہو خون تو سودا کا خریدار نہ ہو

نقش دل ہو صفتِ معنیِ رنگیں اے دوست
رنگ ظاہر یہ نہ جا نقش یہ دیوار نہ ہو

جنگجوئی ضمار کھ نہیں سکتے جائز
اُن کی خواہش ہے کہ لفظوں کی بھی تکرار نہ ہو

سانس کی طرح چلے منزل ہستی میں بشر
مدعا یہ ہے کہ دم بھر کو بھی بے کار نہ ہو

نہیں آزاد جو اپنوں سے تعلق کرے قطع
وہ ہے آزاد جو غیروں کا گرفتار نہ ہو

سفر سے بھی رہوں آزاد تو اس گلشن میں
نخلِ ہستی پہ مرے برگ کا بھی بار نہ ہو

مقدرت شرط ہے ہرچند کہ ہو قدر شناس
بے بصیرت نہ سمجھ لو جو خریدار نہ ہو

بزم ہے شعلہ مزاجوں کی سنبھل اے اکبر
برق خرمن کہیں یہ گرمیٔ گفتار نہ ہو

اے بتو بہرِ خدا در پے آزار نہ ہو
خیر راحت نہ سہی زیست تو دشوار نہ ہو

یارب ایسا کوئی بت خانہ عطا کر جس میں
ایسی گذرے کہ تصوّر بھی گنہگار نہ ہو

معترض ہو نہ مری عزلت و خاموشی پر
کیا کروں جبکہ کوئی محرمِ اسرار نہ ہو

کیا وہ مستی کہ دمِ چند میں تکلیف خمار
مست وہ ہے کہ قیامت میں بھی ہشیار نہ ہو

جان فرقت میں نہ نکلے تو مجھے کیوں ہو عزیز
دوست وہ کیا جو مصیبت میں مددگار نہ ہو

ناز کہتا ہے کہ زیور سے ہو تزئینِ جمال
نازکی کہتی ہے سرمہ بھی کہیں بار نہ ہو

دل وہ ہے جس کو ہو سودائے جمالِ معنی
آنکھ وہ ہے کہ جو صورت کی خریدار نہ ہو

دل پُر داغ کو ارماں کہ گلے ان کو لگائے
اُن کو یہ ڈر کہ گلے کا یہ کہیں ہار نہ ہو

عاشقِ چشم سیہ مست تو زنہار نہ ہو
دیکھ اس جان کی گاہک کا خریدار نہ ہو

ہر غبارِ رہِ الفت ہے مرا سرمۂ چشم
دل یہ کہتا ہے کہ یہ خاک درِ یار نہ ہو

لن ترانی کی خبر عشق نے سُن رکھی ہے
پھر بھی مشکل ہے کہ وہ طالبِ دیدار نہ ہو

تم کو سودائے تم کیوں ہی جو ہے شوق فروغ
کیا تلطف سببِ گرمیٔ بازار نہ ہو

قیمتِ دل تو گھٹانے کا نہیں میں اکبر
بے بصیرت نہیں ہوتا جو خریدار نہ ہو

قلزم کی تہ ٹٹولو یا ابرِ شب میں جھولو
جب بھی یہی کہوں گا اللہ کو نہ بھولو

زخمی کیا جو تم نے ترچھی نظر سے مجھ کو
برچھی کا یہ تو پھل ہے اب پھر بہت نہ پھولو

باغِ چمن چھڑایا دورِ فلک نے ہم سے
سائے میں اپنے ہم کو لیلو اب اے ببولو

خاکی نہاد ہم ہیں مائل ہیں خاک ہی پر
شعلوں سے کوئی کہہ دے تم آسماں چھو لو

برباد و منتشر بھی ہو گے اسی ہوا سے
کس زعم میں اُٹھے ہو تن کر تم اے بگولو

ہنگامۂ جہاں سے آزردہ ہو کے اکبر
گوشے میں جا کے بیٹھو اور جام و سبو لو

ہو اگر ہمت عالی دلِ آگاہ کے ساتھ
غیر ممکن ہے محبت نہ ہو اللہ کے ساتھ

طفل دل چھوڑے نہ دامانِ قناعت ہرگز
یہی بہتر ہے رہے اپنے ہی خواہ کے ساتھ

اُس ترقی کو ترقی میں کہوں گا اکبر
خود بھی بڑھتے رہیں احباب جو تنخواہ کے ساتھ

بے بصیرت پہ ہدایت نے کیا کچھ نہ اثر
ہے یہ افسوس کہ آنکھیں نہ کھلیں راہ کے ساتھ

رنگ تیرا ہمیں مطبوع نہیں اے دنیا
تجھ میں ہم جی تو رہے ہیں مگر اکراہ کے ساتھ

دوست کہتے ہیں تغزل نہیں تجھ میں اکبر
دل لگانا ہی پڑا اب بُتِ گمراہ کے ساتھ

دیکھئے ربطِ نسیمِ سحر و غنچہ و گل
یونہیں دل کھول کے ملتے ہیں ہوا خواہ کے ساتھ

شور تحسیں تو سخن پر ہے تمھارے اکبر
زر کی جھنکار بھی سنتے ہو کہیں واہ کے ساتھ

ہوگیا عشق تری زلفِ گرہ گیر کے ساتھ
سلسلہ دل کا ملا تھا اسی زنجیر کے ساتھ

لذتیں کرتی ہیں انسان کو دنیا میں الگ
زہر دیتی ہے یہ ظالم شکر و شیر کے ساتھ

پیار کے ساتھ خوشامد بھی کروں گا شبِ وصل
ہے یہ لازم کہ دعائیں بھی ہوں تدبیر کے ساتھ

جنبشِ ابروئے قاتل کا اشارہ ہے یہی
کام چلتا ہے جو دنیا میں تو شمشیر کے ساتھ

عُمر زنداں میں کٹی شوق رہائی رخصت
ہوگیا اُنس مرے پاؤں کو زنجیر کے ساتھ

یاں کے معشوق کو مرشد نہ کریں کیوں آزاد
زہرہ جب ناچ رہی ہے فلکِ پیر کے ساتھ

مست ہے نغمۂ بلبل سے چمن میں اکبر
آپ محفل میں سنیں راگ مزامیر کے ساتھ

میری تقدیر موافق نہ تھی تدبیر کے ساتھ
کھُل گئی آنکھ نگہباں کی بھی زنجیر کے ساتھ

کھُل گیا مصحفِ رخسار بتانِ مغرب
ہوگئے شیخ بھی حاضر نئی تفسیر کے ساتھ

ناتوانی مری دیکھی تو مصور نے کہا
ڈر ہے تم بھی کہیں کھنچ آؤ نہ تصویر کے ساتھ

ہوگیا طائرِ دل صیدِ نگاہِ بے قصد
سعی بازو کی یہاں شرط نہ تھی تیر کے ساتھ

لحظہ لحظہ ہے ترقی پہ ترا حسن و جمال
جس کو شک ہو تجھے دیکھے تری تصویر کے ساتھ

بعد سید کے میں کالج کا کروں کیا درشن
اب محبت نہ رہی اُس بُتِ بے پیر کے ساتھ

میں ہوں کیا چیز جو اُس طرز پہ جاؤں اکبر
ناسخ و ذوق بھی جب چل نہ سکے میر کے ساتھ

رات پروانہ یہ کہتا تھا عجب ناز کے ساتھ
خضر کا کام نہیں سالکِ جانباز کے ساتھ

شانِ مذہب پہ رہا فلسفہ حیران مدام
اس قدر جوشِ جنوں اور اس اعزاز کے ساتھ

کیا ہوا کوئی جو اکبر کا ہم آہنگ نہیں
باغ میں نغمۂ بلبل بھی نہیں ساز کے ساتھ

مجھ کو محبت اب نہ رہی زندگی کے ساتھ
کیا زندگی گذر نہ سکے جب خوشی کے ساتھ

خلقِ نکو کو سب نے خوشامد سمجھ لیا
کیا کیا مصیبتیں ہیں غریب آدمی کے ساتھ

یہ ابرِ زلف یہ برقِ نظر معاذ اللہ
اگرچہ حسن ہے دلکش مگر معاذ اللہ

میں کیا کہوں شبِ فرقت میں مجھ پہ کیا گذری
عجیب حال رہا رات بھر معاذ اللہ

بتوں کے عشق میں کیا کچھ نہیں کیا میں نے
بہت رہی ہے لبِ شیخ پر معاذ اللہ

طلسمِ حسنِ بتاں کے نہ پوچھیے احوال
دہن کا ذکر ہی کیا ہے کمر معاذ اللہ

جنابِ شیخ پھر آخر بسر کروں کیونکر
جدھر اُٹھاتا ہوں آنکھیں اُدھر معاذ اللہ

جو منہ لگائے وہ بت شیخ بھی پڑھیں الحمد
یہ دور ہی سے ہے بس اس قدر معاذ اللہ

فریبِ چشم ہے خوانِ جہاں کا رنگ اکبر
(مزا زبان کا فتنہ) اثر معاذ اللہ

یہ عمر یہ حسن اور ناز و ادا اس پر یہ سنگار اللہ اللہ
مستی نگہ اُف اُف کی جگہ سینے کا ابھار اللہ اللہ

یہ گیسوئے پیچاں دامِ خرد یہ نرگسِ فتاں دشمنِ دیں
یہ عارضِ رنگیں غیرتِ گل ہستی کی بہار اللہ اللہ

گالوں میں ترے کندن کی دمک بالوں میں ہے عنبر کی مہک
سینے پہ جواہر کی یہ چمک اور اس پہ یہ ہار اللہ اللہ

بکھری ہوئی زلفیں دامِ بلا یہ جنبشِ مژگاں تیرِ قضا
تقویٰ کی عدو یہ لغزشِ پا یہ رنگِ خمار اللہ اللہ

خود خامۂ قدرت نازاں ہے ہر چشمِ تماشا حیراں ہے
اس صفحۂ عنصرِ خاکی پر یہ نقش و نگار اللہ اللہ

اسلام میں اکبر کو یہ غلو یہ رنگتِ ورع یہ زہد کی بو
اور اُس بُت کافر کا اُن کو۔ یہ عشق یہ پیار اللہ اللہ

کیا رہے دورِ فلک میں کوئی تمکین کے ساتھ
جب زمانہ نہ چلے ایک ہی آئین کے ساتھ

غرب کی مدح بھی ہے شرق کی تحسین کے ساتھ
ہم پیانو بھی بجانے لگے اب بین کے ساتھ

اس تماشا گہِ ہستی میں مجھے حیرت ہے
ایک نیا فلسفہ ہو جاتا ہے ہر سِن کے ساتھ

شیخ ڈرتے ہیں کہیں دم نہ نکل جائے مرا
اُنس اس وجہ سے کم رکھتے ہیں یاسین کے ساتھ

مخلصانہ جو نہ ہو مدح تو کیا لطف آئے
چشمِ غمّاز کی گردش بھی ہے تحسین کے ساتھ

دل دیا۔ مال دیا۔ پیار کیا اُن کو مگر
ان بتوں کو وہی کاوش ہے مرے دین کے ساتھ

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ میرا حال دیکھ
حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

سوچ تجھ کو ہے اگر آئندہ پالیٹکس کی
لے نتائج سے مدد اور ہسٹری میں فال دیکھ

شوق طولِ ہیچ اس ظلمت کدہ میں ہے اگر
بات بنگالی کی سن بنگالنوں کے بال دیکھ

دل یہ کہتا ہے کہ ہجرت ہند سے لازم ہے اب
عقل کہتی ہے کہ اکبر اور دو اک سال دیکھ

حسنِ مِس پر کر نظر مذہب اگر جاتا ہے جائے
قدرداں کو نرخ کی کیا بحث اکبر مال دیکھ

ہنر سے بھی فوائد ہم کو حاصل ہو نہیں سکتے
سبب یہ ہے کہ ہم اُن میں مکمل ہو نہیں سکتے

حکومت ایشیا پر قسمتِ مغرب میں ہے جبتک
کمالات اُن کے جو ہیں ہم کو حاصل ہو نہیں سکتے

اثر ہے طاعت و حسنِ عمل کا گو کہ قسمت پر
مگر اس انجمن میں لوگ داخل ہو نہیں سکتے

معین ہی نہیں جن کے اصول و ماخذ اے اکبر
قیامت تک وہ سرداری کے قابل ہو نہیں سکتے

اگر اندازۂ قوت سے تمنا نہ بڑھے
رنج پیدا بھی جو ہو دل میں تو اتنا نہ بڑھے

حرص گھٹ جائے وہی غربتِ عظمیٰ ہو گی
میری دولت نہیں بڑھنے کی تو اچھا نہ بڑھے

اسی مٹی کو دیکھ اکبر اگر ذوقِ تعقل ہے
کہیں ٹہنی کہیں پتی کہیں غنچہ کہیں گل ہے

وہی انساں وہی آنکھیں وہی جینا وہی مرنا
کہیں اللہ اکبر ہے کہیں الحاد کا غُل ہے

گلستانِ سخن ہے بزم ساقی فیضِ معنی سے
زبانِ خامۂ اکبر ہے یا منقارِ بلبل ہے

منظور مجھے شکوۂ بیداد بتاں ہے
للہ بتا دے کوئی اللہ کہاں ہے

بنا ہوا شاہ جنوں کی خوش انتظامی سے
خدا بچائے مجھے ہوش کی غلامی سے

نشان کھو کے بگولے کی طرح اٹھتے ہیں
تو خاک خوش ہوں ہم ایسی بلند نامی سے

اُٹھے گا فتنۂ محشر تو اُن کا کیا نقصان
وہ باز آئیں گے کیوں مشق خوشخرامی سے

رنگ دیکھے جہانِ فانی کے
کھیل ہیں دورِ آسمانی کے

شیخ سے مجھ سے اب نہیں ہے بگاڑ
ہو چکے ولولے جوانی کے

منزلوں دور اُن کی دانش سے خدا کی ذات ہے
خردبیں اور دوربیں تک اُن کی بس اوقات ہے

تکلف انھیں کے لئے کیجئے
فقیروں کی کیا ہے جہاں پڑ رہے

بتوں سے بھی ٹلتی نہیں یاں تو آنکھ
برہمن ہیں لندن تلک لڑ رہے

طلب ہے حق کی تو مل آکے ہم سے مستوں سے
نہیں ہے میکدہ خالی خدا پرستوں سے

حلقے نہیں ہیں زلف کے حلقے ہیں جال کے
ہاں اے نگاہِ شوق ذرا دیکھ بھال کے

پہونچے ہیں تا کمر جو ترے گیسوے رسا
معنی یہ ہیں کمر بھی برابر ہے بال کے

بوس و کنار و وصلِ حسیناں ہے خوب شغل
کمتر بزرگ ہوں گے خلاف اس خیال کے

قامت سے تیرے صانعِ قدرت نے اے حسیں
دکھلا دیا ہے حشر کو سانچے میں ڈھال کے

شانِ دماغ عشق کے جلوے سے یہ بڑھی
رکھتا ہے ہوش بھی قدم اپنے سنبھال کے

زینت مقدمہ ہے مصیبت کا دہر میں
سب شمع کو جلاتے ہیں سانچے میں ڈھال کے

ہستی کے حق کے سامنے کیا اصل این و آں
پُتلے یہ سب ہیں آپ کے وہم و خیال کے

تلوار لے کے اٹھتا ہے ہر طالبِ فروغ
دورِ فلک میں ہیں یہ اشارے ہلال کے

پیچیدہ زندگی کے کرو تم مقدمے
دکھلا ہی دے گی موت نتیجہ نکال کے

دلکش صدائے صور تو ایسی نہ تھی مگر
تعظیم حشر کے لئے سب اُٹھ کھڑے ہوئے
تہذیب مغربی کی بھی ہے وارنش غضب
ہم کیا جناب شیخ بھی چکنے گھڑے ہوئے

نکل جائے دم غم سے جب آہ نکلے
مصیبت میں ہوں کوئی تو راہ نکلے
میں سمجھا تھا کنج قناعت کا ساتھی
مگر آپ تو شائقِ جاہ نکلے
مزاج شریف ان میں باقی نہیں ہے
تو کیا منہ سے الحمدللہ نکلے
ترے بعد اکبر کہاں ایسی نظمیں
وہ دل ہی نہ ہوں گے کہ یہ آہ نکلے

دل زلف کے کوچے میں شاداں نہ رہا پھر کے
صد شکر کہ بچ نکلا احسان سے کافر کے
ایمان کے دشمن ہیں جلوے بُت کافر کے
فتنے تو ذرا دیکھو ترکیب عناصر کے
اے غول ہوس کب تک شمع فریب آخر
رہرو تو ترے سب ہیں ظلمت ہی ہیں ہر پھر کے
بھائے جو نہ ہم تجھ کو کر ناز نہ اے دنیا
ہم عرش پہ پہونچے ہیں لفظوں سے تری گر کے
باطن نہ کرے تیرہ مقبول ہے وہ ظاہر
رکھتے ہیں نظر ہم بھی منکر نہیں ظاہر کے
گزرے جب ادھر سے وہ سرگرم فغاں تھا میں
تسکین تو کیا دیتے دیکھا بھی نہیں پھر کے
اسٹیج پہ دنیا کے کیا سین دکھاؤ گے
کیا لطف اُٹھا پردہ در جے سے اگر گر کے
دنیا کو اقامت کا سمجھے ہو محل شاید
ایسے تو نہیں ہوتے سامان مسافر کے
حصے میں بتوں ہی کے آئی تری عمر اکبر
اللہ کو اب دیدے دو دن تو یہ آخر کے

میں شیفتہ ہوں آپ سے بے مثل حسیں کا
حیراں ہوں مرے کام سنور کیوں نہیں جاتے
جب کہتا ہوں مرتا ہوں ساری جان میں تم پر
فرماتے ہیں مرتے ہو تو مر کیوں نہیں جاتے
وہ نیند میں ہیں شہر میں پھرنے لگے پہرے
پوچھے کوئی اکبر سے یہ گھر کیوں نہیں جاتے

دشمنِ راحت جوانی میں طبیعت ہو گئی
جس حسیں سے مل گئیں آنکھیں محبت ہو گئی

داغِ ہستی میں مری ناکامیوں کا رنگ دیکھ
جو تمنا دل میں آئی داغِ حسرت ہو گئی

کھو دیا تمکینِ دیں کو تو نے اے شوقِ نمود
عزتِ اصلی نثارِ نامِ عزت ہو گئی

شیخ د سازِ پیانو ہو کے بھولے اپنی لے
گو سریلے ہو گئے لیکن بُری گت ہو گئی

ہر جنبشِ نگاہِ خرد اک حجاب ہے
عارض پہ اُن کے جلوۂ ہستی نقاب ہے

آرام کی تلاش نے رکھا ہے بے قرار
ہر خواہشِ سکوں سببِ اضطراب ہے

نہ روحِ مذہب نہ قلبِ عارف نہ شاعرانہ زبان باقی
زمیں ہماری بدل گئی ہے اگرچہ ہے آسمان باقی

شبِ گذشتہ کے ساز و ساماں کے اب کہاں ہیں نشان باقی
زبانِ شمعِ سحر پہ حسرت کی رہ گئی داستان باقی

جو ذکر آتا ہے آخرت کا تو آپ ہوتے ہیں صاف منکر
خدا کی نسبت بھی دیکھتا ہوں یقین رخصت گمان باقی

فضول ہے ان کی بد دماغی کہاں ہے فریاد اب جوان پر
یہ وار پر وار اب عبث ہیں کماں ہے ان میں نہ جان باقی

میں اپنے مٹنے کے غم میں نالاں اُدھر زمانہ ہے شاد و خنداں
اشارہ کرتی ہے چشمِ دوراں جو آن باقی جہان باقی

اسی لئے رہ گئی ہیں آنکھیں کہ میرے مٹنے کا رنگ دیکھیں
سنوں وہ باتیں جو ہوش اڑائیں اسی لئے ہیں یہ کان باقی

تعجب آتا ہے طفلِ دل پر کہ ہو گیا مست نظمِ اکبر
ابھی مڈل پاس تک نہیں ہے بہت سے ہیں امتحاں باقی

ہنگامہ ہے کیوں برپا تھوڑی سی جو پی لی ہے
ڈاکا تو نہیں مارا چوری تو نہیں کی ہے

نا تجربہ کاری سے واعظ کی ہیں یہ باتیں
اس رنگ کو کیا جانے پوچھو تو کبھی پی ہے

اس مے سے نہیں مطلب دل جس سے ہے بیگانہ
مقصود ہے اس مے سے دل ہی میں جو کھنچتی ہے

اے شوق وہی مے پی اے ہوش ذرا سو جا
مہمانِ نظر اس دم اک برقِ تجلی ہے

واں دل میں کہ صدمے دو یاں جی میں کہ سب سہ لو
اُن کا بھی عجب دل ہے میرا بھی عجب جی ہے

ہر ذرہ چمکتا ہے انوارِ الٰہی سے
ہر سانس یہ کہتی ہے ہم ہیں تو خدا بھی ہے

سورج میں لگے دھبا فطرت کے کرشمے ہیں
بت ہم کو کہیں کافر اللہ کی مرضی ہے

تعلیم کا شور ایسا تہذیب کا غل اتنا
برکت جو نہیں ہوتی نیت کی خرابی ہے

سچ کہتے ہیں شیخ اکبر ہے طاعت حق لازم
ہاں ترکِ مئے وشاہد یہ اُن کی بزرگی ہے

دیکھیں پروانے کو دعوؤں پہ اُبھرنے والے
عشق اسے کہتے ہیں یوں جل کے ہیں مرنے والے

نہ رہا یاد اُنھیں کیا اثرِ فصلِ خزاں
کیوں جوانانِ چمن پھر ہیں سنورنے والے

تیز رفتار نہ ہو اس قدر اے موجِ فنا
تجھ میں کچھ قطرے ہوا سے ہیں اُبھرنے والے

حیرت انگیز ہے یہ رعب بتاں اے اکبر
اُن سے اب ڈرتے ہیں اللہ سے ڈرنے والے

جلوۂ گُل نے چمن میں مجھے بے چین کیا
مل ہی جاتے ہیں تری یاد دلانے والے

دیدنی آج ہے اُس بزم میں دُنیا کا کمال
دم بخود بیٹھے ہیں عنقے سے ڈرانے والے

چشم بد دور جنوں کی ہے ترقی مجھ میں
کیوں نہ ہو مست ہیں خود ہوش میں لانے والے

آج نکلے ہیں مرے آئی تھی آواز اذاں
جی رہے ہیں ابھی کچھ اگلے زمانے والے

نہ انھیں ساز کی حاجت ہے نہ سامع کی تلاش
خوب ہیں فصل بہاری کے یہ گانے والے

تیغِ قاتل نے یہ کیا اپنے دکھائے جوہر
سر بکف پھرتے ہیں اب جان چُرانے والے

ذوقِ عرفاں جو نہ ہو بادہ پرستی اچھی
ہوش اگر دین سے غافل ہو تو مستی اچھی

بُت جو ہنگے ہیں تو ہم یادِ خدا کیوں نہ کریں
ہم غریبوں کو وہی شے جو ہے سستی اچھی

بحث اس وقت نہیں مقبرہ و مسجد کی
مگر الحاد سے ارواح پرستی اچھی

شیخ ہوں شہر میں اور کیمپ میں سید ہوں یہ کیا
جس میں مل جُل کے رہیں سب وہی بستی اچھی

مرید دہر ہوئے وضعِ مغربی کر لی
نئے جنم کی تمنا میں خودکشی کر لی

نگاہِ نازِ بتاں پر نثار دل کو کیا
زمانہ دیکھ کے دشمن سے دوستی کر لی

جو حسنِ بت کی جگہ حکم مس ہوا قائم
تو عشق چھوڑ کے ہم نے بھی نوکری کرلی

زوال قوم کی تو ابتدا وہی تھی کہ جب
تجارت آپ نے کی ترک نوکری کرلی

شکوۂ بیدادسے مجھ کو توڈرنا چاہیئے
دل میں لیکن آپ کو انصاف کرنا چاہیئے

ہو نہیں سکتا کبھی ہموار دنیا کا نشیب
اس گڑھے کو اپنی ہی مٹی سے بھرنا چاہیئے

جمع سامانِ خود آرائی ہے لیکن اے عزیز
جس کی صورت خوب ہو اس کو سنورنا چاہیئے

کیوں نہ لوں نامِ خدا اس بت کی صورت دیکھ کر
لوگ کہتے ہیں کہ کلمہ پڑھ کے مرنا چاہیئے

بر سرِ فرزند آدم ہر چہ آید بگذرد
ہجر کی شب کو بھی اے گردوں گذرنا چاہیئے

عاشقی میں خندہ روئی سالکوں کو ہے محال
ہے یہی منزل کہ چہرہ کو اترنا چاہیئے

ہر عمل تیرا ہے اکبر تابع عزمِ حریف
جب یہ موقع ہو تو بھائی کچھ نہ کرنا چاہیئے

رہی نہ قلب میں قوت زمانہ سازی کی
دعا کرو نہ مری عمر کی درازی کی

فلک نے ہم کو کیا منتخب مٹانے کو
ہمیں سے داد بھی چاہیں خوش امتیازی کی

مجرب ایسا ملا نسخہ قوم بازی کا
کہ قدر اٹھ گئی دنیا سے عشق بازی کی

بہت خلوص سے حاضر رہا میں خدمت میں
مگر حضور نے مجھ سے زمانہ سازی کی

خیال کیا ہو کسی کو بنائے مسجد کا
کہ مسجدوں کو ضرورت ہے اب نمازی کی

ہمیشہ پیش نظر ہیں وضو شکن منظر
اس انجمن میں نبھے کس طرح نمازی کی

ہم اپنے حال پہ افسوس کیا کریں اکبر
خدا نے شان دکھائی ہے بے نیازی کی

چھڑا ہے راگ بھونرے کا ہوا کی ہے نئی دھن بھی
غضب ہے سال کے بارہ مہینوں میں یہ پھاگن بھی

یہ رنگِ حسنِ گل یہ نغمۂ مستانۂ بلبل
اشارہ کرتی ہے فطرت ادھر آ دیکھ بھی سن بھی

بڑے درشن تمھارے ہو گئے راجا کے سیوا سے
مگر من کا بنینا چاہتے ہو تو کرو بن بھی

ہوئے روشن یہ معنی چاند کیوں شاعر کو پیارا ہے

جوش میں لائے صبا جس کو وہ خون اچھا ہے
جوش میں آئے جو قرآں سے وہ خون اچھا ہے
دل دھڑکنے لگا آئی جو نظر اس کی جھلک
ہاتھ اُٹھائیں گے نہ یہ دامن منصوری سے
دو پہر کو مرے گھر آئی مسِ رشکِ قمر

مرا دل ان بتوں کے ہاتھ سے واللہ ٹوٹا ہے
خوشی کا رنگ ہے دل میں نہ سرسبزی امیدوں کی
تڑپ میں دل نالاں اگر ہے دین سے چھٹ کر

تو نے کب دل کی مرے اے بتِ عیار سنی
چھوڑ اس بحث کو کچھ اور بیاں کر اکبر

اُبھرا ہے رنگ سودا دیوانگی ہری ہے
شمع اور پتنگ سے ہے ہر صبح وعظ عبرت

دورِ گردوں میں کسی نے میری غمخواری نہ کی
حشر کا سودا ہوا ذوقِ جمالِ دوست میں
غم دیا اپنا مگر پروائے غمخواری نہ کی
قہقہوں کی مشق سے میں نے نکالا اپنا کام
شوق کی مستی میں میں دیوانہ ہو کر رہ گیا
کوئے جاناں کا پتہ دے کر میں پہونچا خلد میں
شیخ بھی کھسکے مریدوں کو جو دیکھا منتشر
وقت سامنے کا ابھی آیا نہیں مغرب ہے دور

کمال اس میں یہ ہے عارض بھی ہے ابرو بھی ناخن بھی

بوئے گل جس کو اُبھارے وہ جنوں اچھا ہے
کفر پر غصہ دلائے وہ جنوں اچھا ہے
بہرِ تاثیرِ محبت یہ شگون اچھا ہے
اہلِ تہذیب کو دنیا میں یہ دوں اچھا ہے
کہہ دیا میں نے کہ یہ نون کا مون اچھا ہے

خدا ہی ان سے سمجھے گا خدا کے گھر کو لوٹا ہے
ہمارا باغ ویراں ہو گیا گل ہے نہ بوٹا ہے
تعجب کیا ہے اس میں مدتوں کا ساتھ چھوٹا ہے

جو سنی بات بلا کر سرِ دربار سنی
یہ کہانی تری یاروں نے کئی بار سنی

ہے جوشِ موسمِ گل جو پھول ہے پری ہے
یہ بھی مرے پڑے ہیں وہ بھی بجھی دھری ہے

دشمنوں نے دشمنی کی یار نے یاری نہ کی
ہم نے بازارِ جہاں میں کچھ خریداری نہ کی
دلستانی آپ نے فرمائی دلداری نہ کی
جب کسی نے قدرِ آہ و نالۂ وزاری نہ کی
حسن کے نشہ نے اسپر بہشتی طاری نہ کی
مجھ سے کچھ رضواں نے بحثِ ناجی وزاری نہ کی
جب محیطِ آوارہ تھا مرکز نے خودداری نہ کی
کیوں لپٹ اس کی ق وش نے مشرقی ساری نہ کی

جامۂ زیباں کی نظر بھی دلقِ اکبر پر پڑی
شان ہی کچھ اور تھی اس خرقۂ پارینہ کی

ایک صورت سرمدی ہے جسکا اتنا جوش ہے
ورنہ ہر ذرّہ ازل سے تا ابد خاموش ہے

مستی نشو و نما ہے فصلِ گل کا جوش ہے
ہے ہوا میں فیضِ ساقی ہر کلی مینوش ہے

بزم میں ایمائے چشمِ ساقیِ مے نوش ہے
وہ بہک جانے کے خطرے میں ہے جسکو ہوش ہے

شوق و میلِ شعلہ جویاں کیوں نہ ہو برسات میں
ابر کو بھی دیکھتا ہوں برق در آغوش ہے

حال میری بیقراری کا بھی کچھ سن لیجئے
یہ بھی اک آویزہ ہو یکلی جو زیبِ گوش ہے

مانعِ دیدِ حسیناں ہوتا کیے وارفتگی ؟
آنکھ میں جب تک نظر ہی سر میں جبتک ہوش ہے

آئینے سے بھی وہ بچتے ہیں کہ پڑ جائے نہ عکس
شرم کہتی ہے کہ یہ بھی صاحبِ آغوش ہے

کیوں نہ اپنے بل پہ نازاں ہو وہ زلفِ پر شکن
اُس کی خود بینی کو آئینہ صفائے دوش ہے

ہے اگر امید فردا ہی پہ صرف اس کی بنا
کل نہ ہوگا آج اکبر کے جو دل میں جوش ہے

نورِ باطن کی تجلی حرصِ دنیا میں کہاں
دامنِ طولِ امل اس راہ میں حق پوش ہے

جس کے آنکھیں ہیں وہ ہے دیوانۂ چشمِ آسمر یں
عالمِ عرفاں میں جو ذی ہوش ہے بیہوش ہے

جب ضرورت ہوگی تقوی کی تو دیکھا جائے گا
اب تو بزمِ مغربی ہے اور نوشا نوش ہے

اُن کا تیرِ پالسی اور شیخ دبا بو کا گر یز
خوب ہی لُطفِ شکارِ روبہ و خرگوش ہے

تحادِ باہمی اس ملک میں آساں نہیں
کوئی سر سیّد ہے کوئی بابو آشتو توش ہے

کیسے کیسے زرنگار ایواں ملے ہیں خاک میں
ریزہ ریزہ اب بھی ویرانوں میں اطلس پوش ہے

حضرتِ منصور انا بھی کہہ رہے ہیں حق کے ساتھ
دار تک تکلیف فرمائیں جب اتنا ہوش ہے

مفلسی میں بھی تکلف دوست ہے طبعِ بلند
سرو بستاں بے بضاعت ہے مگر خوش پوش ہے

دشمن بھی ہیں افسوس میں۔ یارب یہ ہے حالت مری
جینا اب تو۔ دشوار ہے۔ کب آئے گی۔ ساعت مری
طاقت ہو نہ۔ جب ضبط کی۔ تو اظہار۔ غم کیوں نہ ہو
ہردم اب تو۔ آتش فگن۔ سینے میں ہے۔ حسرت مری
شوخی اُس کی۔ دیکھو ذرا۔ مجھ۔ پر ظلم، بے حد کیا
پوچھا میں نے۔ کیوں ہے ستم۔ بولا یہ ہے عادت مری
پہلو میں وہ۔ ہوں گے کبھی۔ خوشیوں کی۔ گھڑی آئے گی
جاگے ہی گی۔ اک وقت میں۔ سوتی گو ہے قسمت مری

اب بھی جو کہہ رہا ہو کہ پینا نہ چاہیئے
نادیدنی کی دید سے ہوتا ہے خونِ دل
ہیں بُت کا ہو رہا تو عبث شیخ کو ہے رنج

اس دورِ عہد میں اُسے جینا نہ چاہیئے
بے دست وپا کو دیدۂ بینا نہ چاہیئے
ایسے معاملات میں کینا نہ چاہیئے

دنیا میں امرِ حق کو کس طرح صاف کہئے
یہ سرسری اشارہ کافی نہیں ہے حضرت

کرتا ہے دشمنی وہ جس کے خلاف کہئے
اپنی زبان سے بھی لفظ معاف کہئے

بے دشمنِ دیں راحتِ دنیا ہے تو کیا ہے
قاتل ہو کوئی آنکھ تو جینے کا مزا ہے

ساتھ یاروں کے ہماری راحتِ دل اُٹھ گئی
قتل ہونے کی کسے امید تھی قسمت کی بات

ایک دو کا ذکر کیا محفل کی محفل اُٹھ گئی
اتفاقاً میری جانب چشمِ قاتل اُٹھ گئی

زلف میں دل کی گرفتاری بُری
ہوش سے عاشق کو بچنا چاہیئے

سب مرض اچھے یہ بیماری بُری
راہِ دل میں یہ گرانباری بُری

آج سنئے آکے اکبر سے کبیر
شیخ جی ہولی میں خودداری بُری

اُٹھتے ہیں دستِ دعا اُٹھتے ہوئے --- ہے جو ہونا کیوں لٹے ہے گابے ہوئے

کچھ بھی ہمدردی جوانوں سے نہیں
شیخ صاحب اب بہت بوڑھے ہوئے
تاج ہے مغرب کا بزم دہر میں
جھومتے ہیں مشرقی بیٹھے ہوئے
نام یوسف سے ہوا یعقوب کا
یوں تو حضرت کے بہت بیٹے ہوئے

اللہ کا حال کچھ نہ پوچھو
دیکھا نہیں نام رکھ لیا ہے
واللہ ستم ہے یہ تکلف
کھایا کیا تم نے چکھ لیا ہے
سکہ ہے کھرا مرے سخن کا
سب نے اس کو پرکھ لیا ہے

لن ترانی سے عیاں انوار عرفاں ہوگئے
ایک فقرے میں ہزاروں طور پنہاں ہوگئے
اے صبا اس باغ میں تیرا عمل ہے مشتبہ
ہنس دئے گل ہو کے غنچے یا پریشاں ہوگئے
اس نے آنکھوں کے اشارے سے بڑھایا دل مرا
خواب میں دیکھا تھا دو کافر مسلماں ہوگئے
ناتوانی سے قناعت پر ہوئے مجبور ہم
ضعف کے اسباب عزت کے نگہباں ہوگئے
صبر خودداری دلیری حق پرستی اب کہاں
رکھ لیا اچھا سا اک نام اور مسلماں ہوگئے
ہوگیا آخر شکستِ دل سے کارِ دیں درست
داغ سینے کے چراغ راہِ عرفاں ہوگئے
جلوہ ہائے منظرِ ہستی ہیں راحت میں مخل
وہم جب یکجا ہوئے خواب پریشاں ہوگئے
جو کہا اس نے کیا منظور کیا حرفِ نفی
ہم سراپا اب تو اس محفل میں جی ہاں ہوگئے
ہم تو انساں سے بنے جاتے ہیں بندر اے حضور
آپ خوش قسمت تھے بندر سے جو انساں ہوگئے
ناز تھا اُن کو بہت اپنی بدن کی ساخت پر
اگر بہیش میں مرے اک دوست عریاں ہوگئے
صورتِ لیلیٰ نہ دیکھی پڑھ لیا دیوانِ قیس
شاعری آئی نہیں لیکن زباں داں ہوگئے

اُڑے جاتے ہیں ہم خود اپنی نظروں سے ستم یہ ہے
بدلجاتے تو کچھ رہتے مٹے جاتے ہیں غم یہ ہے
طریقِ نو کو کیا سمجھا ہے تو منزل ترقی کی
نگاہِ پیش بیں میں جادۂ راہِ عدم یہ ہے
تحمل نالہ و فریاد کا اُن سے کہاں ممکن
نہ ہوں برہم مری افسردگی پر مغتنم یہ ہے
نہ ہے مہری کا شکوہ ہے نہ ہے سوزِ غمِ فرقت
تعارف آپ سے کیوں ہوگیا رنج و الم یہ ہے

کہاں تک رشک اکبر ساقیِ بزمِ حریفاں پر
سنبھالو دل کو تم اپنے تمھارا جامِ جم یہ ہے

جاری طریقِ فضل و عطا سب کے ساتھ ہے
بیحد رسا ہیں گیسوے دنیاے دوں کے پیچ
کمبخت دل کو کیوں ہے لگاوٹ انھیں کے ساتھ

دیکھو جو غور سے تو خدا سب کے ساتھ ہے
سب اس میں ہیں پھنسے یہ بلا سب کے ساتھ ہے
ان کو تو شوقِ نازو ادا سب کے ساتھ ہے

انھیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات اُن کی
انھیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات اُن کی
سُنے جو اس کو اُسے تحیّر جو اس کو برتے اُسے تردد ؍؍
ہماری نیکی اور اُن کی برکت عمل ہمارا نجات اُن کی

بھلا دو میرے مُنھ سے بات اگر کوئی بُری نکلی
عدوِ جمعیتِ ملّت کا جو ہو۔ لعن تھی اُس پر
عرب کہتے تھے تم جس کو وہ کسر یٹ کا چھُرا تھا
مجھے اس درس سے خواہش تھی روحانی ترقی کی

یہ بے دردی ہے کہنا آہِ بسمل بے سُری نکلی
یہ کیا سمجھا عزیزوں نے مجھی پر کیوں چھُری نکلی
جسے شائستگی سمجھے تھے آخر کرکری نکلی
یہاں ہر چیز لیکن مادّی و عنصری نکلی

بتوں سے میل خدا پر نظر یہ خوب کہی
فتن نفیس سٹرک خوشنما ڈِز ہر شب
تمھاری خاطرِ نازک کا ہے خیال فقط
جنابِ شیخ کا ہو جاؤں معتقد معقول
شباب و بادہ و فکرِ مآلِ کار چہ خوش
سوالِ وصل کروں یا طلبؔ بوسے کی

شبِ گناہ و نمازِ سحر یہ خوب کہی
یہ لطف چھوڑ کے حج کا سفر یہ خوب کہی
مگر نہ مجھ کو رقیبوں کا ڈر یہ خوب کہی
نگاہِ یار رہے بے اثر یہ خوب کہی
جنونِ عشق و خیالِ خطر یہ خوب کہی
وہ کہتے ہیں مری ہر بات پر یہ خوب کہی

حرفِ مطلب کی رسائی کیوں زباں تک ہو سکے
وعدہ اقرارِ مفصل کا تو کرتے ہو۔ مگر

دل کو خودداری سکھا اکبرؔ جہاں تک ہو سکے
دیکھ لینا وقت پر تم سے جہاں تک ہو سکے

سُن رہا ہوں شوق سے دنیا کے قصوں کو مگر
دیکھئے رہتا جو ختمِ داستاں تک ہو سکے

نالہ و فریاد جائز ہے مصیبت میں مگر
صبر ہی بہتر ہے انساں کو جہاں تک ہو سکے

افسوس ہے گلشن کو خزاں لوٹ رہی ہے
شاخِ گلِ تر سوکھ کے اب ٹوٹ رہی ہے

اس قوم سے وہ عادتِ دیرینۂ طاعت
بالکل نہیں چھوٹی ہے مگر چھوٹ رہی ہے

وہ راہِ شریعت کی جہاں بچھتی تھیں آنکھیں
یہ کفر کے کنکر سے اُسے کوٹ رہی ہے

فکرِ فردا میں عبث روز اک نئی تمہید ہے
آج تک ہم کیا ہوئے آئندہ کیا امید ہے

غافلوں کو جلوۂ ہستی بہارِ عید ہے
چشمِ بینا میں مگر یہ حشر کی تمہید ہے

قدِ موزوں دیکھئے جوڑے کی بندش دیکھئے
کس قیامت کا ہے مصرع اور کیا تعقید ہے

مجھ کو اور اُن کے مضامینِ کمر پر دسترس
ذہن کیسا بس یہ کہئے غیب کی تائید ہے

خوشی ہے سب کو کہ آپریشن میں خوب نشتر یہ چل رہا ہے
کسی کو اس کی خبر نہیں ہے مریض کا دم نکل رہا ہے

فنا اسی رنگ پر ہے قائم فلک وہی چال چل رہا ہے
شکستہ و منتشر ہے وہ کل جو آج سانچے میں ڈھل رہا ہے

یہ دیکھتے ہو جو کاسۂ سر غرورِ غفلت سے کل تھا مملو
یہی بدن ناز سے پلا تھا جو آج مٹی میں گل رہا ہے

سمجھ ہو جس کی بلیغ سمجھے نظر ہو جس کی وسیع دیکھے
ابھی یہاں خاک بھی اُڑے گی جہاں یہ قلزم اُبل رہا ہے

کہاں کا شرقی کہاں کا غربی تمام دکھ سکھ ہے یہ مساوی
یہاں بھی اک بامراد خوش ہے وہاں بھی اک غم سے جل رہا ہے

ہوس ہی مستوں کو کیوں نہ کم ہے ان انقلابوں کی کیا سنک ہے
اگر زمانہ بدل رہا ہے بدلنے ہی کو بدل رہا ہے

عروجِ قومی زوالِ قومی خدا کی قدرت کے ہیں کرشمے
ہمیشہ رد و بدل کے اندر یہ امرِ پولیٹکل رہا ہے

جنھوں نے طاعت میں جان دی ہے انھیں کے حصے میں سرخوشی ہے
مقدموں کی ہوں لاکھ شکلیں یہی نتیجہ نکل رہا ہے

خدا سے تم دل ملاؤ اپنا زباں کو پھر ملاؤ دل سے
تو دیکھ لینا کہ پُر اثر ہے زباں سے جو نکل رہا ہے

جھکا یہ اکبر سرِ ارادت ہمیں تو امید کچھ نہیں ہے
اُدھر وہ شمشیر کھنچ رہی ہے ادھر یہ خنجر سنبھل رہا ہے

مزا ہے اسپیچ میں تو زیں خبر بھی چھپتی ہے پائنیر میں
فلک کی گردش کے ساتھ ہی ساتھ کام یاروں کا چل رہا ہے

جب آسمان اہلِ دغا ہی کا ہو رہے
مومن کو چاہیے کہ خدا ہی کا ہو رہے

مجھ کو تو حُبِّ جاہ ہی ہے وجہ انتشار
دل میں تمھارے شوق جو شاہی کا ہو رہے

اکبر مریض ہے تو دعا بھی اُسے سکھاؤ
ایسا نہ ہو کہ صرف دوا ہی کا ہو رہے

گردن رقام کی ہر اک سمت تن گئی
بگڑی ہو قوم ملک کی اُن کی تو بن گئی

لڑکے نئے طریق کی جانب جو کھنچ گئے
بوڑھوں کی آہ جانبِ چرخ کہن گئی

دم بھر میں جسم و روح کا قصہ تمام تھا
مٹی میں مل گیا وہ یہ اپنے وطن گئی

دنیا میں بھی مستِ اثرِ نغمۂ کن ہے
پردیس میں ہے روح مگر دیس کی دھن ہے

کی میں نے لگاوٹ تو بتِ شوخ یہ بولا
کیوں کفر ہے بدنام حسینان میں بھی یہ گُن ہے

ہنس دیتے ہیں بُت سُن کے یہ اکبر کا لطیفہ
جب آپ کے درشن ہوں تو پھر پاپ بھی پُن ہے

جانتی تھیں کہ ہُنر شرط ہے قاتل کے لئے
دل لئے آپ کی آنکھوں نے مگر دل کے لئے

دل مرا اُن کے لئے ہے وہ مرے دل کے لئے
ما سوا اس کے سب اندیشۂ باطل کے لئے

ہر قدم پر ہے فزوں لذتِ سرگرمیٔ سعی
شوق نے خوب مزے دوریٔ منزل کے لئے

ہے یہ وہ عہد کہ کی بزم کی تزئین لیکن
آدمی مل نہ سکے رونقِ محفل کے لئے

دیدۂ دُنیا ہے رہِ عشق میں سالک کو مضر
خوب ہے قطعِ نظر قطعِ منازل کے لئے

مغربی کورس میں ہوتی ہے جوانی رخصت
اب تو پیری ہی ہے رندانہ مشاغل کے لئے

کیا ضرورت رہِ الفت میں سخن سازی کی
صدق کافی ہے بس اکبر اثرِ دل کے لئے

نہ پالسی وہ رہی اور نہ آنجناب رہے
نئے طریق فقط . جان پر عذاب رہے

اس انجمن میں اشارہ ہے چشمِ ساقی کا
وہی مزے میں رہے جو یہاں خراب رہے

خزاں میں ہوش جب آئے گا خیر رو لیں گے
بہار تک تو ہمیں نشۂ شراب رہے

اُمیدیں ہوتی تھیں پیدا تری لگاوٹ سے
کہاں کا نام مجھے ہے نشان سے بھی گریز
اس اک گناہ کو منظور کیجئے تو مجھے

نہ اب وہ لہر رہی اور نہ وہ حباب رہے
مبارک آپ ہی کو خواہش خطاب رہے
تمام اور گناہوں سے اجتناب رہے

مرے عشق کے سوز میں ہو نہ کمی اجل آئے تو ایسی جفا نہ کرے
مری جان کو جسم سے کردے الگ مرے درد کو دل سے جدا نہ کرے
بُتِ شوخ کی دیکھ رہا ہوں نظر۔ مرے عشق کا کچھ بھی نہیں ہے اثر
جو میں کہتا ہوں کاش تو پوچھ میں وفا۔ تو وہ کہتا ہے ہنس کے خدا نہ کرے
مجھے عشق و وفا کی سند نہ ملے جو میں ضبط سے صبر سے کام نہ لوں
وہاں حسن کے ناز میں آئے کمی جو وہ حقِ ستم کو ادا نہ کرے

عدو فلک بھی رہا گردشِ زمیں بھی رہی
نظر میں آیتہ ایاک نستعین بھی رہی
تری اداؤں سے بڑھنے نہ پائی جرأت دل
ہزاروں ظلم ہوئے بیکسوں پہ یاں لیکن
خلوص اُن میں نہ تھا اس سبب سے دل نہ ملا
کچھ انتظار میں موقع کے طول ہجر ہوا
میں کیا ہوں خوش اگر اُن کو رہی نہ الفت غیر

گروہ در بھی رہا اور مری جبیں بھی رہی
صنم کے پاؤں پہ لیکن مری جبیں بھی رہی
ہنسی جو لب پہ رہی تو جبیں چیں بھی رہی
وہی فلک بھی رہا اور وہی زمیں بھی رہی
گئیں تو خوب اڑیں اور چتاں چنیں بھی رہی
کچھ ابتدائے محبت میں ہاں نہیں بھی رہی
ملیں گے اُس سے محبت اگر نہیں بھی رہی

اسی کو ہم تو سمجھتے ہیں مستند اکبر
جسے مشاغل دنیا میں فکر دیں بھی رہی

ہوس ہا اُس کا کو جو بے مہرو کا فر کیش ہے
دل ہمارا کس قدر نا عاقبت اندیش ہے

ترے سحر نظر سے ہوا یہ جنوں مرے دل کی تو اس میں خطا ہی نہ تھی
ترے کوچے میں آکے میں بیٹھ رہا بجز اس کے کچھ اور دوا ہی نہ تھی

ہوئی طبع جو مائلِ دامِ بلا۔ میں تمھاری ہی زلفِ سیہ میں پھنسا
مرے دامنِ دل کو جو کھینچ سکے۔ کوئی اور تو ایسی بلا ہی نہ تھی

کیا صحبتِ غیر نے قہر و غضب مجھے کوئی امید رہی نہیں اب
دمِ چند کو مجھ سے ملے بھی جو کل۔ وہ نظر ہی نہ تھی وہ ادا ہی نہ تھی

نبھی تو پھر اس میں تھی کس کی خطا۔ یہ گلا ہے میری ہی طرف سے بجا
مرے عشق کا رنگ تو خوب رہا۔ مگر آپ میں بوئے وفا ہی نہ تھی

میں وطن سے حزین و ملول پھرا۔ نہ وہ بزم ملی نہ وہ یار نہ ملے
گل و لالہ و سرو کا ذکر کیا۔ وہ چمن ہی نہ تھا وہ ہوا ہی نہ تھی

غمِ ہجر میں جی سے گیا جو گذر تو یہ اکبرِ زار نے خوب کیا
کہ علاجِ فراق تو تھا ہی یہی بجز اس کے کچھ اور دوا ہی نہ تھی

اللہ رے کامیابی اس چشمِ پُر فسوں کی
تو یہ چاہتا ہے گر آتشِ درون کی
نشتر لگانے جا تو مے رنجِ ناامیدی
اُس وقت کوئی دیکھے تاثیر سازِ مغرب
آفاق پر ہیں طاری آثار شامِ غم کے

عقلیں ہزار ابھریں تابع رہیں جنوں کی
ہو اُس کا محو جس نے مٹی میں روح پھونکی
دل کو ابھی شکایت باقی ہے جوشِ خوں کی
جب ناچ ہو مسوں کا اور گت ہو ارغنوں کی
اللہ دل کو قوت دے صبر کی سکوں کی

قطرت نے باغِ ہستی پیشِ نظر کیا ہے
دیکھو بہار اکبر اُس روئے لالہ گوں کی

کیا پا گئے جو حرص کے کوچے میں سگ رہے
اپنی جگہ سے تم نہ ہٹو گو ہوں گردشیں

وہ کیا بُرے رہے کہ جو اس سے الگ رہے
ایسے رہو کہ جیسے انگوٹھی میں نگ رہے

اکبر انھیں کو لذّتِ یادِ خدا ملی
سمجھے جو کافری کو اور اس سے الگ رہے

دن رات کی یہ چھینی ہے یہ آٹھ پہر کا رونا ہے
دنیا کے لئے ہنگامے تھے خلق ایک طرف آپ ایکطرف
کیوں پست ہوئی ہے جنت دل کیوں روک رہی ہے مایوسی

آثار بُرے ہیں فرقت میں معلوم نہیں کیا ہونا ہے
اب شہر خموشاں عالم ہو مٹی ہے لحد کا کونا ہے
کوشش تو ہم اپنی ہی کرلیں ہوگا تو وہی جو ہونا ہے

ترکیب تکلف لاکھ کرو فطرت نہیں چھپتی اے اکبر
جو مٹی ہے وہ مٹی ہے جو سونا ہے وہ سونا ہے

نظرِ لطف سے بس اک ہمیں محروم رہے
اور کیا عرض کریں آپ کو معلوم رہے

جوشش سودا کو طبع لاابالی چاہیئے
اُن کے مضمونِ کمر کا باندھنا آساں نہیں

منظر مجنوں کو تصویرِ خیالی چاہیئے
مدتوں مشاقِ نازک خیالی چاہیئے

ہر درِ میخانہ اکبر کے لئے دلکش نہیں
بادہ صافی چاہیئے اور ظرف عالی چاہیئے

نظر کن سوی او تا نور چشم قدسیاں باشی
تمیز یک بیکسی بودن ترا با ہمدماں اکبر
زفیض راستی چوں سرو گشتی اندریں گلشن

نہ سر بر زمین کوی او تا آسماں باشی
ازاں بہتر کہ در بزم حریفاں شادماں باشی
بزن گامے براہ سعی تا سرو رواں باشی

چل رہی ہے جس طرح دنیا کو چلنے دیجئے
ٹل رہی ہے بات اگر منطق تو ٹلنے دیجئے

قوم اب کہاں ہر اک کی خوشی غم کے ساتھ ہے
سچ تو یہ ہے کہ ہیں کا مزا ہم کے ساتھ ہے

دل کو آماجگہ تیر قضا کرتی ہے
حُسن کا حق وہ نظر خوب ادا کرتی ہے

تمہاری چشم قتاں سب کے دل سے ساز کرتی ہے
بہار آئی ہے گویا اب نہ جائے گی گلستاں سے
اگر دیکھو تو ہر گل ایک دفتر ہے معانی کا

ہماری آرزو کو کیوں نظر انداز کرتی ہے
کھلی پڑتی ہیں کلیاں بھی ہوا بھی ناز کرتی ہے
اگر سمجھو تو ہر پتی بیان راز کرتی ہے

شیخ نے ناقوس کے سُر میں جو خود ہی تان لی
مدتوں قائم رہیں گی اب دلوں میں گرمیاں

پھر تو یاروں نے بھجن گانے کی کھل کر ٹھان لی
میں نے فوٹو لے لیا اُس نے نظر پہچان لی

ے ہیں دوست میری لاش پر بے اختیار
یہ نہیں دریافت کرتے کس نے اس کی جان لی

میں تو اُن کی گلے بازی کا قائل ہو گیا
رہ گئے نغمے صدی خوانوں کے ایسی تان لی

حضرت اکبر کے استقلال کا ہوں معترف
تا برگ اُس پر رہے قائم جو دل میں ٹھان لی

اب خاک پہ ہیں کل تخت پہ تھے اک زیست کی حالت وہ بھی تھی
اللہ کی قدرت یہ بھی ہے۔ اللہ کی قدرت وہ بھی تھی

پریاں بھی لگاوٹ کرتی تھیں اب دیو بھی مجھ سے کھنچتے ہیں
فطرت ہی کی صورت یہ بھی ہے فطرت ہی کی صورت وہ بھی تھی

انسان فقط عجز و دُعا ہی کے لئے ہے
جو عزت و عظمت ہے خدا ہی کے لئے ہے

حیرت میں ختم ہو گئی انشائے زندگی
حل ہو سکا نہ ہم سے معمائے زندگی

اس زندگی نے خود ہی کیا ہے تجھے اسیر
تجھکو یہ کیوں ہے شوق و تمنائے زندگی

جانتے ہیں کہ سدا خونِ جگر پینا ہے
پھر خوشی کیا کہ ابھی ہم کو بہت جینا ہے

تجھے اُن سے ہے سر دوستی۔ تری آرزو بھی عجیب ہے
وہ ہیں تخت پر تو ہی خاک پر وہ امیر ہیں تو غریب ہے

ہوئے خفا جان پہ جن کو شش وہ اجل کے ساتھ ہیں سازشیں
اور اسی روش پہ ہیں خوش بہت یہ معاملہ بھی عجیب ہے

ترا جلوہ زیبِ خیال ہے یہی وجد ہے وہی حال ہے
تری انجمن سے ہوں دور اگر مرا دل تو مجھ سے قریب ہے

اُسے انجموں کا خیال کیا جو ہو محو تاروں کی چال کا
وہ نظر زمیں پہ کیوں جھکے کہ جو آسماں سے قریب ہے

جو خدا کا حکم ہے خوب ہے مجھے توبہ کرنے میں عذر کیا
مگر ایک بات ہے واعظا کہ بہار اب تو قریب ہے

پیش آ جائے جو مسجد تو نمازی بھی سہی
بت جو موقع پہ ملیں دست درازی بھی سہی

گالیاں اُس نے جو دیں وصل کا طالب میں ہوا
کہدیا صاف کہ ترکی ہے تو تازی بھی سہی

تارک الوضعوں میں دو چار نے پایا ہے عروج
خیر اتنے شہدا تھے تو یہ غازی بھی سہی

اس نے یہ کہہ کے تھیٹر میں غزل گائی مری
تیری خاطر سے اک آہنگ حجازی بھی سہی

ایک دن چشمِ کرم بھی ہو ادھر اے قاتل
ظلم کے ساتھ کبھی بندہ نوازی بھی ہے

آرزو دنیا میں کب نکلی اولو الابصار کی
چشمِ موسیٰ کو بھی حسرت رہ گئی دیدار کی

سوزِ جاں ہوتی ہے جنبش ابروئے خمدار کی
آگ کر دیتی ہے دل کو آب اس تلوار کی

ہے گرانی قلب پر اوہام کے انبار کی
حاجت اس خرمن کو ہے برق نگاہِ یار کی

دھوم ہے زیرِ فلک حسنِ جمالِ یار کی
ذرّے ذرّے سے عیاں ہے آئینہ دیدار کی

دستِ گلچیں پھر رہا ہے شاخِ گل پر بید ریغ
کون سُنتا ہے چمن میں عندلیبِ زار کی

اُلفت اُن کی نرگسِ فتاں کی ہے آرام سوز
نیند اُڑا دیتی ہے یاد اس فتنۂ بیدار کی

دستِ گلچیں کے لئے فطرت میں ہیں یہ کاوشیں
چشمِ بلبل کے لئے زحمت نہیں ہے خار کی

وہ ادا اس وقت تم نے کی کہ دل تڑپا دیا
اب نہ کہنا بے محل کیا تھی ضرورت پیار کی

خوش کو دنیا جانتی ہے یہ بھی یونہیں ہوں گے خوش
خلق و عالم کو خبر کیا میرے حالِ زار کی

سر جھکا کر یاد کر لیتا ہوں اپنی موت کو
حاضری ہو جاتی ہے اللہ کے دربار کی

غیر بے ترکیب کیا جانے بھلا آدابِ عشق
کھینچئے گا آپ اک دن قدر میرے پیار کی

ہے زلیخا کا سا گاہک حضرت یوسف سا مال
دیدنی ہے آج رونق مصر کے بازار کی

شعرِ تر اکبر کے سُن اے سامعِ عالی دماغ
قدر کر لے آسماں اس ابرِ گوہر بار کی

کیا ہے مذہب۔ ایک ملکی اور سوشل انتظام
یہ نہیں پہچان ہرگز کافر و دیندار کی

صورت و الفاظ کا اکثر نہیں ہے اعتبار
ہیں فقط یہ عادتیں رفتار کی گفتار کی

ہیں ہر اک مذہب میں کچھ کافر بھی کچھ دیندار بھی
یاد رکھ تو بات یہ اک محرمِ اسرار کی

مفتوں ہو گئے ہم اس بے بقا چمن کے
آنکھوں میں خاک ڈالی مٹی ہوئے پھول ان کے

ہستی کو اپنی سمجھیں بنیاد اپنی دیکھیں
اُٹھے جو ہیں بگولے برباد ہوں گے تن کے

گونجی بہت ہے اس میں فریاد بیکسوں کی
ٹکڑے اُڑیں گے اک دن اس گنبد کہن کے

غربت میں عمر گزری نام و نشاں نہ پوچھو
نقشے بھی ذہن میں اب باقی نہیں وطن کے

زخموں سے چور ہیں ہم اس کا خیال کس کو
چرچے ہیں ہر طرف میں تیرے ہی بانکپن کے

تھی نیک سعی تیری اے باد صبح گاہی
تجھکو کیا معطر کلیوں نے پھول بن کے

مغرب کا وعظ ادھر بھی اے پیر ملت نو
اس شہر میں بھی مردے محتاج ہیں کفن کے

آہ جو دل سے نکالی جائے گی
کیا سمجھتے ہو کہ خالی جائے گی

یاد اُن کی ہے بہت عزلت پسند
آہ بھی دل سے نکالی جائے گی

نزع کہتی ہے کہ رو لو تجھسے جان
حشر کہتا ہے منالی جائے گی

اس نزاکت پر یہ شمشیر جفا
آپ سے کیوں کر سنبھالی جائے گی

بے تکلف چاہیئے سوز و گداز
شمع کیوں سانچے میں ڈھالی جائے گی

کیا غم دنیا کا ڈر مجھ رند کو
اور اک بوتل چڑھالی جائے گی

زندگی کی کل تو ہے پیچیدہ تو خیر
سانس سے لے کر چلالی جائے گی

شیخ کی دعوت میں مے کا کام کیا
احتیاطاً کچھ منگالی جائے گی

یاد ابرو میں ہے اکبر محو کیوں
کب تری یہ کج خیالی جائے گی

پاس خاطر تھا اگر تو رنج کیوں ہم کو دیے
اب عبث ہے اس کی پرسش دل بھر آیا رو دیے

بوسۂ رخ کی طلب تیر مژہ سے رک گئی
اس کی شوخی سے رہ گلچیں میں کانٹے بو دیے

مری رسائی ہے دیر میں بھی حرم میں بھی میری منزلت ہے
بتوں سے لوہے کی ہے توقع خدا سے امید مغفرت ہے

جھکا ہے سر اپنا پائے بت پر زبان پر ہے گلا جفا کا
مرے عمل میں ہے طرز سید غزل میں انداز لاجپت ہے

وصل نے کب مجھے سلایا ہے
ہجر ہی نے سدا رلایا ہے

میں نے کب کی نگاہ گل کی طرف
تم نے کیوں مجھ سے منہ پھلایا ہے

کیا خوشی ہو جو کوئی آ کے کہے
کہ انھوں نے تمھیں بلایا ہے

نہ وہ بتکدے کہیں رہ گئے نہ وہ دلبری کو صنم رہے
نہ وہ دن رہے نہ وہ ہم رہے نہ وہ دل رہا نہ وہ غم رہے

اب اُنھیں کے کوچہ کی دھوم ہے نہیں کرتا ذکر ارم کوئی
اُنھیں ضد بھی تھی اسی بات کی کہ نہ ذکر باغ ارم رہے

مری رندیوں کا ہے خاتمہ۔ نہ وہ مستیاں نہ وہ ولولے
نہ مئے کہن کا رہا نشاں۔ نہ طریق۔ محفل جم رہے

مجھے کیا اُمید فروغ کی کہ۔ بتوں کی تو ہے یہی خوشی
نہ یہ دل رہے نہ زباں رہے نہ خدا رہے نہ حرم رہے

کہاں وہ اب لطف باہمی ہے محبتوں میں بہت کمی ہے
مری وفا میں ہے کیا تزلزل مری اطاعت میں کیا کمی ہے
وہی ہے بفضل خدا سے ابتک ترقی کار حسن و اُلفت
عجب جلوے ہیں ہوش دشمن کہ وہم کے بھی قدم رکے ہیں
نہ کوئی تکریم باہمی ہے نہ پیار باقی ہے اب دلوں میں
کہاں کے مسلم کہاں کے ہندو بھلائی ہیں سب اگلی رسمیں
نظر مری اور ہی طرف ہے ہزار رنگ زمانہ بدلے

یہ چلی ہے کیسی ہوا الٰہی کہ ہر طبیعت میں برہمی ہے
یہ کیوں نگاہیں پھری ہیں مجھ سے مزاج میں کیوں برہمی ہے
نہ وہ ہیں مشق ستم میں قاصر نہ خون دل کی یہاں کمی ہے
عجیب منظر ہیں حیرت افزا نظر جہاں تھی وہیں تھمی ہے
یہ صرف تحریر ہی ہے سر ہے یا جناب مکرمی ہے
عقیدے کے ہیں تین تیرہ نہ گیارہ ہوں ہم نہ اشتمی ہے
ہزار باتیں بنائے ناصح جمی ہے دل میں جو کچھ جمی ہے

اگرچہ میں رند محترم ہوں مگر اسے شیخ سے نہ پوچھو
کہ اُن کے آگے تو اس زمانے میں ساری دنیا جہنمی ہے

جلوۂ دہر اپنا تماشا کرے
تجربہ اور جانچ ضروری سمجھ
اُردو پہ یہ خدمت بر گذشتہ ہے بار

فلسفہ الفاظ تراشا کرے
لاکھ کوئی کلّا وحاشا کرے
خیر اب اس کام کو بجا شا کرے

ہوس مری بصد حسرت بتوں کے منھ کو تکتی ہے
نہیں معلوم اب کیوں کافری مجھ سے کھٹکتی ہے

خموشی سے طریقِ راست پر قائم رہ اے اکبر
نہ جا گفت و شنودِ دہر پر خلقت ہے بکتی ہے

نہیں سائنس واقف کار دیں سے
مشینوں نے کیا نیکوں کو رخصت
بساطِ حلقۂ میونسپل دیکھ کر
خدا باہر ہے حدِ دوربیں سے
کبوتر اُڑ گئے انجن کی ہیں سے
تجھے کیا کام ہے جاپان و چیں سے

مہوشوں کی مہربانی ہو چکی
عاقبت کا اب خیال آنے لگا
قوم کی مسجد میں کیجے جھاڑ پھونک
آج تم کرتے ہو ذکرِ انحطاط
چار دن کی چاندنی تھی ہو چکی
شورشِ عہدِ جوانی ہو چکی
اسپتالوں میں وہ اچھی ہو چکی
مدتیں گزریں کہ دہلی ہو چکی

بہرِ عمل کوئی راہ اب اے خدا نہیں
تعلیم و تربیت کا ہے اختلاف ہر جا
ہر سر میں ہے یہ سودا دانم چرا نہ گویم
اونچے بہک رہے ہیں نیچے دبک رہے ہیں
جس کو بقا نہیں ہے وہ دل کشا نہیں ہے
اے وہ کہ بیکسوں کو آتی ہے یاد تیری
میں کچھ سند نہیں ہوں ہم کا پتہ نہیں ہے
جو کورس ایک کا ہے وہ اور کا نہیں ہے
وہ کون ہے جو واعظ بنکر اُٹھا نہیں ہے
ہے پیٹ ہی کا سودا دل کا پتا نہیں ہے
جس کو فنا نہیں ہے اس کا پتا نہیں ہے
میرا بھی کچھ سہارا تیرے سوا نہیں ہے

نہیں ہے علم اِن میں جہل کی مستی کا جھگڑا ہے
فقط اک ہستیِ اعلیٰ کا پرتو دل میں پڑتا ہے
یہ باتیں غیر ثابت ہیں زبردستی کا جھگڑا ہے
جو کچھ اس کے سوا ہے وہم کی ہستی کا جھگڑا ہے

مسرت ہوئی ہنس لئے دو گھڑی
اسی طور سے کٹ گیا روزِ زیست
مصیبت پڑی رو کے چپ ہو رہے
سُلایا شبِ گور نے سو رہے

رشی ما تشلے بنر پائیں کیوں خیر الامم پہلے
جماعت اور صف بندی کا ایما بعد کو ہو گا
ہمیں دل میں کریں انصاف تم پہلے کہ ہم پہلے
عزیزوں سے کہو مسجد میں تو رکھیں قدم پہلے

مقلد لیڈر مرحوم کے اتنا نہیں سمجھے
کوئی صاحب ہنوں اللہ ناخوش سُن کے یہ مصرعہ
نہ جوتی ہے زمیں تم نے نہ تم نے بیج بوئے ہیں

غریبی اور محنت پہلے یا جاہ و حشم پہلے
خیالِ حُبّ قومی پیچھے اور فکرِ شکم پہلے
یہ کیا معنی کہ ہو لے بارشِ ابرِ کرم پہلے

نہیں ملنے کا لطف اس قوم بے تقویٰ و بے حس سے
سنورنے کے سوا یہ بے بصیرت کرتے ہی کیا ہیں
محبت کا تو عنصر ہی نہیں ان کی طبیعت میں

مگر یہ بھی تو مشکل ہے کہ پھر آخر ملیں کس سے
چمن کی کیا حفاظت ہو رہی ہے چشمِ نرگس سے
لگاوٹ ہے فقط وہ بھی کبھی اُس سے کبھی اِس سے

خیال دوڑا نگاہ اٹھی۔ قلم نے لکھا۔ زبان بولی
لطافتوں کے نزاکتوں کے عجیب مضمون ہیں چمن میں
خیال شاعر کا ہے نرالا یہ کہہ گیا ایک کہنے والا
کمو پسندانِ ایشیا سے کہ بزمِ عشرت کے ٹھاٹھ بدلیں

مگر وہی دل کی الجھنیں ہیں کسی نے اُس کی گرہ نہ کھولی
صبا نے جھٹکا ہے اپنا دامن مسک گئی ہے کلی کی چولی
شباب کے ساتھ یوں ہے رندی کہ جیسے پھاگن کے ساتھ ہولی
اڑن کھٹولا ہے اب سوں کا گئی پریجان کی وہ ڈولی

خوشی کیا ہو جو میری بات وہ بت مان جاتا ہے
ہنوں کونسل میں اسپیکر تو رخصت قرأت مصری
زوالِ جاہ و دولت میں بس اتنی بات ہے اچھی
نئی تہذیب میں دقت زیادہ تو نہیں ہوتی
تغیر رات کو اور دن کو یاروں کی یہ ہیچیں
جہانِ دل میں یہ آئی کچھ کہوں وہ چل دیا اُٹھ کر
چناں بردند صبر از دل کے قصے یاد آتے ہیں

مزا تو بیحد آتا ہے مگر ایمان جاتا ہے
کروں کیا ممبری جاتی ہے یا قرآن جاتا ہے
کہ دنیا کو بخوبی آدمی پہچان جاتا ہے
مذاہب رہتے ہیں قائم فقط ایمان جاتا ہے
دُہائی لاٹ صاحب کی مرا ایمان جاتا ہے
غضب ہے فتنہ ہے ظالم نظر پہچان جاتا ہے
تڑپ جاتا ہوں یہ سن کر کہ اب ایران جاتا ہے

معززِ مسلمِ نوش لب ہے گو وہ فاسق ہے
یہ دعویٰ ہے غلط تو ڈارون صاحب خطا بخشیں

شریک اُسکے ہیں نائح اور فیشن کے مطابق ہے
خدا انسان کا خالق خدا بندر کا خالق ہے

نہیں ہے خضر کی حاجت جو شوقِ دل محرک ہے
قلم کھینچے کہاں تک صورتیں دنیا کی حالت کی

کوئی حامی نہیں میرا تو خیر اللہ مالک ہے
تصور ہی میں طاقت ہے وہی عمدہ گرافک ہے

مجھے اک بوسہ دینے میں بھی وہ مس بخل کرتی ہے
یہاں حِسِ سماعت کو نہیں کچھ دخل اے صاحب
خدا ہی کو فقط حاصل ہے حق دلبری اکبر
جو گندرو گے ادھر سے میرا اُجڑا گانوں دیکھو گے
خیالِ آخرت کا حس نہیں جس کی طبیعت میں

فطرتی سلسلے میں لطف بھی ہے قہر بھی ہے
اسی میداں میں ہوا تشنہ لبی سے میں ہلاک
کمپ ہی میں نظر آتی ہے انھیں قوت قوم

زخمی ہوا تھا دل ایسا سینہ میں کشمکش نزات نہ تھی

اب نشو و نما کا وقت نہیں اب عمر نہیں امیدوں کی

تفریح سفر کا شوق نہیں دہلی ہے نہ اب کلکتہ ہے

آپ سے بیحد محبت ہے مجھے
شاعری میرے لئے آساں نہیں
زور رندی ہے نصیبِ دیگراں
نغمۂ یورپ سے میں واقف نہیں
دے دیا میں نے بلا شرط اُن کو دل
برہمن سے میں نے کر لی دوستی

قبل از عزو رو ناز حکومت کی فکر کر
میں نے جو دل کو پیش کیا اس کے سامنے
پنڈت کو بھی سلام ہے اور مولوی کو بھی

نہیں دشوار کچھ صحت پر اس کی شرط بدنا ہے

نصیب اچھے نہیں میرے لئے حاتم بھی ممسک ہے
یہ مانا آپ قابض ہیں مگر اللہ مالک ہے
دیا دل جس نے دنیا کو حقیقت میں وہ مشرک ہے
شکستہ ایک مسجد ہے بغل میں گورا بارک ہے
اُسے کیوں منطقی دُنیا میں کہتے ہیں یہ مدرک ہے

خوان الوان پہ یاں شہد بھی ہے زہر بھی ہے
اسی میدان کے آغوش میں اک نہر بھی ہے
ورنہ بسنے کو تو دیہات بھی ہے شہر بھی ہے

پہلے بھی ہوئے تھے کچھ صدمے روئے تھے مگر یہ بات نہ تھی

دنیا سے لگاوٹ کیا میں کروں قوت ہی نہیں تمہیدوں کی

عشرت کے لئے کافی ہے دُعا ہاشم کا خیال البتہ ہے

آپ کیوں چُپ ہیں یہ حیرت ہے مجھے
جھوٹ سے واللہ نفرت ہے مجھے
شاعری کی صرف قوت ہے مجھے
دیس ہی کی یاد ہے بس گت مجھے
ل رہے گی کچھ نہ کچھ قیمت مجھے
بُت بھی اب کہنے لگے حضرت مجھے

فرعونیت کے واسطے سامان چاہیئے
کہنے لگا وہ شوخ مجھے جان چاہیئے
مذہب نہ چاہیئے مجھے ایمان چاہیئے

جو دنیا دار ہے وہ قاعدے کی رو سے ادنیٰ ہے

سند مجھ کو ملی تو بل گئے واعظ لگے کہنے

خری کی ہو گئی تکمیل باقی صرف لدنا ہے

کسی محفل میں تم اکبر اگر چمکے تو کیا چمکے
یہ جگنو بھی نئی ہی روشنی سے ہتے چلتے ہیں

سند حب ہے کہ ابھرے ذکر حق نام خدا چمکے
اندھیاری رہا جنگل میں گو یہ جا بجا چمکے

رنگ شراب سے مری نیت بدل گئی
طیار تھے نماز پہ ہم سن کے ذکر حور
مجلی سے ڈھیل پائی ہے لقمہ پہ شاد ہے
چمکا ترا جمال جو محفل میں وقت شام
عقبیٰ کی باز پرس کا جاتا رہا خیال
حسرت بہت ترقیِ دختر کی تھی انہیں

واعظ کی بات رہ گئی ساقی کی چل گئی
جلوہ بتوں کا دیکھ کے نیت بدل گئی
صیاد مطمئن ہے کہ کانٹا نگل گئی
پروانہ بیقرار ہوا شمع جل گئی
دنیا کی لذتوں میں طبیعت بہل گئی
پردہ جو اٹھ گیا تو وہ آخر نکل گئی

کامیابی خارج از ملت سے ناکامی بھلی
بے وفا سمجھیں تمہیں اہل حرم اس سے بچو
چشم غفلت کی ہے دنیاوی نتائج پر نظر
پختہ ہو کر اپنی شاخ دین سے ہوتا ہے جدا

لطف دشمن ہی سے شہرت ہو تو گمنامی بھلی
دیر والے کج ادا کہہ دیں یہ بدنامی بھلی
دیدۂ تحقیق میں دینی خوش انجامی بھلی
اے ثمر چشم محبت میں ترے خامی بھلی

میدان عمل لیگ کا محدود ہے بیشک
ہے کاماہی کا ما جو پڑھے دہر کا نامہ

ہاں رقبۂ مجلس کی کوئی ناپ نہیں ہے
جز موت کہیں اس میں فل اسٹاپ نہیں ہے

یہ دنیا رنج و راحت کا غلط اندازہ کرتی ہے
نئے عنصر نہیں آتے چمن میں گل کھلانے کو
وہ دو ذرے بلا اذن خدا مل ہی نہیں سکتے
جو ہیں اہل بصیرت اکثر آنکھیں بند رکھتے ہیں
زبانیں مختلف بھی ہوں اگر دو حق پرستوں کی

خدا ہی خوب واقف ہے کہ کس پر کیا گذرتی ہے
یہی ذرے ابھرتے ہیں یہی مٹی سنورتی ہے
کہ جن کے میل سے سائنس کی قوت ابھرتی ہے
نظر اچھے دلوں کو بھی کبھی بدنام کرتی ہے
بہم نبھ جاتی ہے نیت کی خوبی کام کرتی ہے

آج وہ ہنستے ہیں میرے جبہ و شلوار پر

ایک دن ان کو فلک سمجھائے دھوتی تو سہی

اپنی اسکولی ہو پر ناز ہے اُن کو بہت
اپنی دُمن میں آبرو کی کچھ نہیں پروا انہیں

کمپ میں ناچے کسی دن ان کی پوتی تو سہی
نذرِ مجونِ ترقی ہو یہ موتی تو سہی

فساد اُٹھتا ہے فتنہ آپ کی محفل سے اُٹھتا ہے
عدو پہلو میں ہو لیکن تو وہ مشکل سے اُٹھتا ہے

ہمارے شعلۂ غم کا یقیں تم کو نہیں آتا
تمہیں کیونکر دکھائیں دل میں بھونچال دل سے اُٹھتا ہے

اُٹھاتا بار الزامِ ستم کا شاق ہے سب پر
باسانی مگر یہ بار اُس قاتل سے اُٹھتا ہے

سخن وہ دلنشیں ہے جوش خاطر سے جو پیدا ہو
کہ دل میں بیٹھ جاتا ہے وہی جو دل سے اُٹھتا ہے

الٰہی فرقتِ محبوب میں کیونکر بسر ہو گی
نہ دل اُٹھتا ہے الفت سے نہ مَیں دل سے اُٹھتا ہے

سوا میرے کہ بیٹھا ہوں تو اُٹھ جانے کا ایما ہے
بٹھایا جاتا ہے پھر جو تری محفل سے اُٹھتا ہے

نزاکت پر ستم ہے ان کا جوڑا اسقدر بھاری
دوپٹہ ہے مصیبت پائچہ مشکل سے اُٹھتا ہے

بُتِ زہرہ جبیں نے بھیرویں چھیڑی ہے اے اکبر
نمازِ صبح کو اس وقت تو محفل سے اُٹھتا ہے

عجب فتنہ خرامِ نازکِ قاتل سے اُٹھتا ہے
سنبھلتا ہی نہیں دامن قدم مشکل سے اُٹھتا ہے

تحمل تا کجا ٹوٹا ہے اک لشکر مصیبت کا
مدد یا رب قدم اب صبر کی منزل سے اُٹھتا ہے

ہوئی مدت کہ دنیا سے مرا دل اُٹھ گیا لیکن
ہنوز اک شعلہ یادِ رفیقاں میں دل سے اُٹھتا ہے

اُٹھاتے یوں تو سب ہیں بارِ دنیا طوعاً و کرہاً
خوشی کے ساتھ لیکن یہ فقط غافل سے اُٹھتا ہے

نہ پائے گا کبھی اصلی مسرت طالبِ دنیا
پر اُس کا ہاتھ کب اس سعیِ لاحاصل سے اُٹھتا ہے

ترقی کی اُدھر گھوڑ دوڑ ادھر یہ پیر ناطاقت
وہ آسانی سے کیا دوڑے گا جو مشکل سے اُٹھتا ہے

سراپا اک نگاہِ شرمگیں ہے وہ پری پیکر
کجا آنکھیں اُٹھانا آپ وہ مشکل سے اُٹھتا ہے

ہجومِ آرزو اس درد آو دل سے ہے ثابت
ورودِ کارواں ہو تب دھواں منزل سے اُٹھتا ہے

فغاں ہی کی صدا گرداب کی جانب سے اب اکثر
خوشی کا غلغلہ کمتر لبِ ساحل سے اُٹھتا ہے

اثر ہے شوق کا صحرائے مجنوں میں یہ اے لیلیٰ
بگولے پر بگولا سایۂ محمل سے اُٹھتا ہے

کچھ ایسی دلفریبی ہوتی ہے اشعار اکبر میں
کہ شورِ مرحبا ہر گوشۂ محفل سے اُٹھتا ہے

ظرافت

پڑھ کے انگریزی میں دانا ہوگیا
کم (COME) کا مطلب ہی کمانا ہوگیا

چھوڑ لٹریچر کو اپنی ہسٹری کو بھول جا
شیخ و مسجد سے تعلق ترک کر اسکول جا
چار دن کی زندگی ہے کوفت سے کیا فائدہ
کھا ڈبل روٹی کلرکی کر خوشی سے پھول جا

شاعرانہ داد اچھی دی یہ مجھ کو چرخ نے
تیغِ ابرو کا تھا عاشق خاں بہادر کردیا

لیلیٰ نے سایہ پہنا مجنوں نے کوٹ پہنا
ٹوکا جو میں نے بولے بس بس خموش رہنا
حسن و جنوں بدستور اپنی جگہ ہیں لیکن
ہے لطفِ بحرِ ہستی فیشن کے ساتھ بہنا

کہتے ہیں شاعری یہ تری بے اصول ہے
کہتا ہوں صاف میں تو نہیں تجھ کو مانتا
میں نے کہا کہ آپ کی کرتا جو پیروی
تو آپ کے سوا کوئی مجھ کو نہ جانتا

بی اے کی کمال کامیابی ہے یہی
سروس کے لگاؤ سے معزز بننا

بہتر ہے یہی اے دل کہہ لیت نہ تو لولا
دنیا کے حوادث پر واللہ سکوت اولیٰ

شائق تحقیق کے یہ مضموں سُن لیں
انسان کی شکل جیسے میموں بنا
پاجامہ بھی یونہیں ارتقا سے بدلا
سمٹا اُبھرا غرض کہ پتلون بنا

حکم انگلش کا ملک ہندو کا
اب خدا ہی ہے بھائی صستو کا

بوزنے کو ارتقا نے کردیا انساں تو کیا
انقلابِ حرف نے مولی کو ولیم کردیا

ناواقفِ وزنِ شعر مجھ کو جو کہے
اُس کے آگے ضرور ہے چپ رہنا
بُلبل کو بھی بے سرا وہ کہہ دے گا کبھی
ایسے سنجیدہ شخص کا کیا کہنا

مغرب کی لعبتوں نے اسٹیج کو سنوارا
بجنے لگا پیانو چپ ہوگیا چکارا

بیتاب ہو کے آخر یہ شیخ نے پکارا
دل میرود ز دستم صاحبدلاں خدا را
دردا کہ راز پنہاں خواہد شد آشکارا

گم ہیں مری نظر سے وہ ساحلِ دل آویز
ناکامیوں کی موجیں بننے لگیں بہت تیز
اسٹیمر اپنی ہم کو دیتے نہیں یہ انگریز
کشتی شکستگانیم اے بادِ شرطہ برخیز
باشد کہ باز بینم آں یارِ آشنا را

مشرق کے حق میں ہلکِ مغرب ہے یہ پیوند
بدنامیوں سے بچ تو اے مصلحِ ہنرمند
مصلح یہ بولا اکبر کی سعی میں نے ہر چند
در کوئے نیک نامی مارا گذر نہ دادند
گر تو نمی پسندی تغییر کن قضا را

خوش چشم آہوؤں کی صحرا میں یہ اچھل کود
موسم بھی روح پرور ساقی بھی حسبِ مقصود
فطرت کا حکم نافذ تقویٰ کی فکر بے سود
حافظ بخود نپوشید ایں خرقۂ مے آلود
اے شیخ پاکدامن معذور دار مارا

فہمیدنِ معانی ہر طبع کے تواند
لذت بیابد آں دل کو رازہا بداند
موجے بسینہ خیزد در شوق غرق ماند
گر مطربِ حریفاں ایں نظم من بخواند
در وجد و حالت آرد پیرانِ پارسا را

یہ صندوقِ کتب بھاری ہے یا رب اٹھ نہیں سکتا
یہ ہے مذہب۔ تو مجھ سے بارِ مذہب اٹھ نہیں سکتا
ہوا پر دی جگہ اللہ نے غربی مشینوں کو
زمیں سے عمزۂ انجینیری اب اٹھ نہیں سکتا

مشرق پہ ہے گو کہ ضعفِ پیری غالب
ہر چند کہ ہے غمِ اسیری غالب
مستیِ اکبر کی رقصِ مس سے نہ رکی
مجبور ہے یہ نہ ہو سکی بجنبھری غالب

اکثر اسی ہوس میں بنے ہیں کلوبِ کمپ
اس کے خوشا نصیب جسے ہو رسوخِ کمپ
اب شیخ شہر رہ گئے مردوں کے واسطے
زندوں کو نے مریں گے ہمارے شیوخ کمپ

شیوۂ من بے مبطاوسنیم بے مرکز است
میروم سوئے کلیسا طالبم دُخترِ زرست

اسلام کو جو کہتے ہیں پھیلا بزورِ تیغ
یہ بھی کہیں گے پھیلی خدائی بزورِ موت

پہلے ہم لوگ یہ سمجھتے تھے
ہو گئی اب خیال کی اصلاح
ہرچہ از باپ میرسد نیکوست
ہرچہ از آپ میرسد نیکوست

بہ دینِ نیچری بستیم امید
ولے از تجربہ ثابت شدہ ہیچ
ترقی را چو آمادہ بر آمد
چو دم برداشتم مادہ بر آمد

مارا فلک نشاند بہ پہلوئے آن صنم
اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز پاینیر
مدہوش لذتیم و ندانم دگر چہ کرد
کرزن چہ گفت و مل چہ شنید و طرچہ کرد

رفت دنبالِ ڈارون آن شوخ
سگِ اصحابِ کہف روزے چند
بوزنہ ماند و آدمی گم شد
پئے نیکاں گرفت مردم شد

ما نیچری شدیم و نداریم آگہی
اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز جبرئیل
با دیگراں نوشتۂ کلکِ قضا چہ کرد
احمد چہ گفت و او چہ شنید و خدا چہ کرد

ہیٹ را نہ بر سرِ من جائے دستار اے عزیز
مرد تا مسٹر تواند شد چرا قبلہ شود

خدا کا گھر نہ رکھا دل کو بنگلوں میں مکیں ہو کر
بھلایا عرش کو اس قوم نے کرسی نشیں ہو کر

عہدِ انگلش میں ہے ہر چیز کے اندر نمبر
کیا تعجب ہے جو نکلا ہے ہمیبر نمبر

بے پاس کے تو ساس کی بھی اب نہیں ہے آس
موقوف شادیاں بھی ہیں اب امتحان پر

مصارفِ مئے لندن نہ ہو سکے برداشت
غرض کہ یاروں میں افیون ہی گھلی آخر

شیخ نے عشقِ بتاں کے وہ طریقے سوچے
کہ ہوئے دیر میں بھی اب بڑے حضرت مشہور

مشرق سے تجھے اگر ہوئی ہے نفرت
للہ اکبر نمازِ مغرب تو نہ چھوڑ

شیخ صاحب کا نکل سکتا ہے مطلب کیونکر
کارِ دنیا سے فراغت ہی عزیزوں کو نہیں
نظر آسکتی ہے اب رونقِ مذہب کیونکر
پھر کہیں ان سے الٰہی دیلک فرغب کیونکر

میں ہوا رخصت اُن سے اے اکبر
وصل کے بعد تھینک یو کہہ کر

پائے در پتلون و دل در پیشواز
چند روزے باہمیں حالت بساز

کرسیا بی بی نے اُن کی انٹرنس اس سال پاس
والدہ صاحب تو ہیں خاموش لیکن جوش میں ساس

لاٹھی شباں اُٹھائے اگر ذیب کے خلاف
ہے ظلم اس کو کہئے جو تہذیب کے خلاف

موجِ نصیحت ایک طرف دل کی روانی اک طرف
گل شیخپورہ ایک طرف میری جوانی اک طرف

فقط بسکٹ ہی کھاتا ہوں بلا چائے
نئی ملت کا ہوں میں زاہدِ خشک

انجن کو یہ آگ ہو مبارک
دہلی کو سہاگ ہو مبارک
انگریز کو بھاگ ہو مبارک
قومی ہمیں راگ ہو مبارک

کمیٹی میں جتنے ہیں ارکان لیگ
گمراں سے ہے مجھ کو تخصیص خاص
بفضلِ خدا سب ہیں میرے کلیگ
کہ ہے نام کے ساتھ جن کے علیگ

بنگلہ دیکھو تو صرف واحد حاضر
اسپریہ غضب کہ جمع غائب بالکل

بدلی کے سبب سے چاند آیا نہ نظر
سائنس نے کر لیا تھا منظور انتیس
بیٹھے رمضان کے نمازی ہیں ملول
نیچر نے کہا کہ تو سہی تیس وصول

ہیٹ ہی کو کر لیا جب قوم کے سر نے قبول
دخلِ انگریزی پہ اُردو کی شکایت ہے فضول

خفتہ قائم ہے گروہ مذہبی تعلیم گم
حسرتِ عشاق بازارِ جہاں میں کچھ نہ پوچھ
شہرِ دل کے واسطے اب ان بتوں سے کیا لڑیں
مُہرِ ابراہیم باقی - دینِ ابراہیم گم
زر مہیا زر ندارد مس کی کثرت سیم گم
کر چکے ہیں بھائی صاحب ہم تو ہفت اقلیم گم

وہ منانے میں بھی بناتے ہیں
کہتے ہیں مان جاؤ منا رام

دانم کہ سادگی و خاموشی است اولیٰ
سودائے گفت در سرِ شمع صلیب در بر
تقلید دہر لیکن بر بودہ است ہوشم
دانم چرا نہ گویم دارم چرا نہ پوشم

کریما بہ بخشائے بر حال قوم
صلوٰۃ است رائج ورا ایشاں نہ صوم

مرے شکووں سے کیوں بھرتے ہیں وہ اخبار کے کالم
کوئی یہ شیخ سے کہدے کہ سنئے قبلۂ عالم

جدھر صاحب اُدھر دولت جدھر دولت اُدھر چندہ
جدھر چندہ اُدھر آنر جدھر آنر اُدھر بندہ

رہ گیا دل ہی میں شوقِ سایۂ الطاف خاص
کھانے کے کمرے سے رخصت کر دیا بعد از ڈنر۔

مجھ کو آنے کی اجازت دی نہیں بڈروم میں
تھیں فقط چھریاں ہی اور کانٹے مرے مقسوم میں

مغربی ڈھول کا سر میں نہ پہونچتا تھا اثر
اس قدر بات بہت خوب تھی عمامے میں

اُبھرے ہیں عیب اُن کے اور خوبیاں دبی ہیں
اپنوں کو بد بنایا بندر کو جد بنایا
اپنی ہوس کے آگے ملّت کو چھوڑ بھاگے

بیدیں اگر نہیں ہیں تو شیخ جی غبی ہیں
بُت کو صمد بنایا کیا خوب قرطبی ہیں
اور کہدیا کہ ہم تو اس عہد کے نبی ہیں

حرم میں مسلموں کے رات انگلش لیڈیاں آئیں
طریق مغربی سے تیل آیا کرسیاں آئیں

پئے تکریم مہماں بن سنور کر بیبیاں آئیں
دلوں میں ولولے اُٹھے ہوس میں گرمیاں آئیں

امنگیں طبع میں ہیں شوق آزادی کا بلوا ہے
کھلیں گے گل تو دیکھو گے ابھی کلیوں کا جلوا ہے

مجھے سُنا کے یہ کہتا تھا ایک طفل ذہیں
سبب ہے اس کا مگر صرف ضعفِ ملت و دیں

یہ سچ ہے ہم میں وفا و ادب کی بو بھی نہیں
جناب قبلہ و کعبہ ہیں خود ہی دَیر نشیں

کسی میں دم ہی نہیں ہے تو دم بھریں کس کا
بزرگ ہی نہیں باقی ادب کریں کس کا

دین و تقویٰ سے بہت دور ہوا جاتا ہوں
میری گردن پہ ہیں شیطان کے احسان بہت

بادۂ عیش سے مخمور ہوا جاتا ہوں
ترک لاحول پہ مجبور ہوا جاتا ہوں

جسے موقع ملا وہ جا بسا بستی سے بنگلے میں
مزا دیتی ہے ٹھمری الفت قومی کی جنگلے میں

شیخ جی دیر میں بیٹھے ہوئے گاتے تھے بھجن
میں نے ٹوکا تو لگے کہنے مناسب نہیں کد

نگراں سوئے برہمن تھے بشوق بھوجن
ہر کسے مصلحتِ خویش نکو می داند

بہت روئے وہ پیچوں ہیں حکمت اس کو کہتے ہیں
میں سمجھا خیرخواہ ان کو حماقت اس کو کہتے ہیں

نئے شیخوں کو کفر سے پاکے قریں۔ یہی کہتی تھی گو ہر زہرہ جبیں
یہ موئے تو صریح ہیں دشمن دیں۔ ارے ان کا تو کوئی خدا ہی نہیں

نئی سڑکوں پہ چل کے تھکیں گے بہت۔ بڑے لوگوں کے منہ کو تکیں گے بہت
یہ کیٹیوں میں تو بکیں گے بہت۔ وے سجدے میں شوق دُعا ہی نہیں

سُنا کے مصرع یہ شیخ صاحب بہت زیادہ ہنسا چکے ہیں
ہماری گردن وہ کیوں نہ ماریں جو ناک اپنی کٹا چکے ہیں

شیخ تثلیث کی تردید تو کرتے نہیں کچھ
گھر میں۔ بیٹھے ہوئے والیتن پڑھا کرتے ہیں

تنہائی و طاعت کا یہ دور ہے اب دشمن
جنگل کے جو تھے سائے وہ ریل کے ہیں پائیں
اسلام کی رونق کا کیا حال کہیں تم سے
پیڑوں پہ نہ وہ طائر صحرا پہ نہ وہ جوبن
املی کی جگہ سگنل قمری کی جگہ انجن
کونسل میں بہت سید مسجد میں فقط جمّن

چرخ فلک کا ماجرا آپ سے کیا بیاں کریں
عقل سپرد ماسٹر۔ مال سپرد آنجناب
تفرقہ دیکھئے ذرا ہم پہ یہ ہیں عجیب دن
جان سپرد ڈاکٹر۔ روح سپرد ڈارون

پڑے گنگناتے تھے لا لا نرنجن
چھٹے ہم سے بالکل وہ اگلے طریقے
نہ آنکھوں میں انجن نہ دانتوں میں منجن
کہاں کھینچ لیجائے گا ہم کو انجن

دین سے دور ہیں مسجد سے پھرے جاتے ہیں
ہم نے مانا کہ کلیں تیز چلی ہیں لیکن
دو خبر اُن کو خدا سے جو پھرے جاتے ہیں
پھر بھی اس بُت کی نگاہوں سے گرے جاتے ہیں
آپ شہتیر نہیں ہیں کہ چرے جاتے ہیں
کرتوں کی بھی نظر سے وہ گرے جاتے ہیں

پریڈ پر شیخ جی بکلے سے کہ ہم تو اب بھی مطیع رب ہیں
گریجویٹ ایک بڑھ کے بولا حضور پروا کریں نہ اُن کی
کہا کسی نے یہ مسکرا کر بڑے میاں تو بڑے غضب ہیں
ضعیف و خستہ خراب رسوا یہ میہمان دو چار شب ہیں

اکبر کے کلام میں مزا کچھ بھی نہیں
زلف و کمر بتاں کا مفقود ہے ذکر
گو اس نے بہت کہا۔ کہا کچھ بھی نہیں
شیطان پہ طعن کے سوا کچھ بھی نہیں

بتوں نے وہ ترقی کی جمالِ روح پرور میں
کہ پھر ان کو جگہ دی قوم نے اللہ کے گھر میں
یہ معنی ہیں کہ پھر سب دل سے عاشق ہو گئے انکے
مزاہر سے بس اب وہ ہے جو تھا اللہ اکبر میں

شیخ پر گو کہ رشک آتا ہے
اونٹ کے سو لغات جانتے ہیں
ہیں مگر اونٹ پر ہمیں قابض
کام کی بات ہم یہ جانتے ہیں

بنے بندر سے ہم انساں ترقی اس کو کہتے ہیں
ترقی پر بھی بیٹھو بد نصیبی اس کو کہتے ہیں

یہ نہ پوچھو مجھ سے یہ کیوں ہے اور ایسا کیوں نہیں
شیخ یہ سوچو تمھارے پاس پیسا کیوں نہیں

سامنے کوچ پہ جو لیٹی ہیں
کیمن صاحب کی پیاری بیٹی ہیں
ہوں علالت سے میں جو زیر علاج
روزہ میرا قضا ہوا ہے آج
حکم دیتا ہے مجھ کو اس کا دین
اس لئے کی ہے دعوتِ مسکیں

ہماری محفلیں اب بھی لطیف اجزا سے مملو ہیں
بزاخفش تھے قبل اس کے اب اسپنسر کے ٹٹو ہیں

نیست کس مصروف کار دیں بہ قلبِ مطمئن
یک فنافی اللہ زیست ویک فنافی الڈارون

جب کہا میں نے خدا سے آپ ڈرتے کیوں نہیں
وہ بگڑ کر بول اُٹھے آپ مرتے کیوں نہیں
جب یہ حالت ہے طبائع کی تو کیوں کہتے ہیں لوگ
اکبر اٹھتے کیوں نہیں واعظ اُبھرتے کیوں نہیں

نہ لیسنس ہتھیار کا ہے نہ زور
کہ ٹرکی کے دشمن سے جا کر لڑیں
تہ دل سے ہم کوستے ہیں مگر
کہ اٹلی کی توپوں میں کیڑے پڑیں

حکومت سے سبکدوشی ہے حاصل
رکھو بحثِ ترقی کو نظر میں
غنیمت ہے شب فرقت کی فرصت
رسالہ لکھو تحقیق کمر میں

بے نمازوں میں ہیں وہ اور اسپہ شرماتے نہیں
یہ غنیمت ہے کوئی ٹوکے تو گرماتے نہیں

اُن کے حُسن اپنی ضرورت پہ نظر کرتے ہیں
گو خوشامد ہے بُری چیز مگر کرتے ہیں

نہ دل لیتا ہے بسکٹ پر نہیں پوری سے بچتا ہوں
مذاقی حاشیے کو چھوڑ کر دونوں سے بچتا ہوں
دلِ رنگیں ہے یہاں۔ لیلا رچانے کی ضرورت کیا
اکیلا بیٹھ کر لیلا کی صورت خود ہی رچتا ہوں

یہ بنگالی ہیں جو ثابت ہوئے ہیں اسقدر اثقل
بحمد اللہ کہ غربی پیٹ میں میں خوب پچتا ہوں

ہے حکومت کی جب یہاں نہ رہی
ہر طرح اب ہے عاجزی ہم میں
حنفی لفی ہیں معطّل ہیں
اب ہمارے امام حنبل ہیں

آثر اگر ملے جو ہے نام و نمود میں
دوزخ کے داخلے میں نہیں ان کو عذر کچھ
کیا حرج زندگی ہو اگر حال زشت میں
فوٹو کوئی لگا دے جو اُن کا بہشت میں

کرتب دکھائیں ممبری کے کیونکر
بی لیگ سے کہہ دے کوئی حالت میری
جو پیر ضعیف قوم مفتوحہ ہیں
کیوں مجھ سے خفا جناب ممدوحہ ہیں

تہ نظر ہے ان کو مری صحت کا خیال
خود چکھ رہے ہیں اور مجھے دیتے ہیں یہ حکم
افسوس ہے یہی کہ حریص و حسیں ہیں
ایمان لائیے کہ یہ لذّہ نفیس ہیں

دیچوس دیکھتے ہیں وہ نہ سٹرز دیکھتے ہیں
فرنچر دیکھتے ہیں اور ڈنر دیکھتے ہیں

حریفوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کی تھانے میں
کہ اکبر ذکر کرتا ہے خدا کا اس زمانے میں
انوکھے ہیں مشاغل حضرتِ اکبر کے ان روزوں
اَلَمْ تَرَ کَیْفَ بیٹھے پڑھ رہے ہیں فیل خانے میں
مریدان کے توشہوں میں اٹے پھرتے ہیں مع ٹر پر
نظر آتے ہیں لیکن شیخ جی اب تک میانے میں

دو ڈولوں کے خواستگاروں میں شیخ جی گھرے ہیں
بارہ برس پر آخر گھورے کے دن پھرے ہیں

لینا تھا کام حسن سے وہ مسخ ہو گئے ہیں
جو عزم تھے ہمارے وہ فسخ ہو گئے ہیں

میں یہ کہتا ہوں مجھے اچھا کرو احسان ہو
میں یہ کہتا ہوں مجھے بندہ بنالو اپنا تم
وہ یہ کہتے ہیں کہ مر جاؤ تو کیا نقصان ہو
وہ یہ کہتے ہیں کہ اُس سے کہیئے جو شیطان ہو

مانتے ہی جاتے ہیں نادان جب اُسکے قول کو
ہے یہی بہتر کہ واپس لیجئے لاحول کو

ہر آرزوئے دلی کی تم پچ نہ کرو
سینے پہ بتوں کے دسترس مشکل ہے
لالچ میں بہت ضرر ہے لالچ نہ کرو
TOUCH POINT
پوائنٹ یہ سخت ہے اسے ٹچ نہ کرو

بابو کہنے لگے بجٹ پہ لڑو
ملک کو دیکھو اپنے حق پہ اڑو

کہدیا صاف ہم نے اسے مہراج
ہو مبارک تمھیں یہ کام یہ کاج

ما مقیمان کوئے دلداریم
یا ڈیپوٹیشن ست یا غمِ مسیم

باتیں ہرگز خلاف عزت نہ کرو
دم بھر بھی شرارت و بغاوت نہ کرو

بدنام کرو نہ وضع انگریزی کو
پتلون پہن کے ترک طاعت نہ کرو

انھیں دھوتی مبارک ہو انھیں تہمد مبارک ہو
مجھے پتلون اور یاروں کو مجھ سے کد مبارک ہو

قسمت کا نام لے کر اب بھی گلا ہے جائز
لیکن اسی کو بی۔ اے۔ ایم۔ اے جو ہو چکا ہو

لڑیں کیوں ہندوؤں سے ہم یہیں کے اُن سے پینے ہیں
ہماری بھی دعا یہ ہے کہ گنگا جی کی بڑھتی ہو

ہاں شیخ جی کی پالسی سے ہم نہیں واقف
اسی پر ختم کرتے ہیں کہ جو صاحب کی مرضی ہو

نونِ تمنا کو میں سے کیوں میم سے لکھتے ہیں لوگ
مدتوں تک میں نہیں سمجھا تھا اس مضمون کو

آج لٹریری لطیفہ یہ سنا اک دوست سے
میم نے ماہی کے نگلا حضرت ذوالنون کو

ان کی کل کوششیں تھیں پولٹیکل
اس کو خالق کی جستجو نہ کہو

کیمپ کے شیخ کو کہو مرحوم
قدس اللہ سرہٗ نہ کہو

فتنہ ذرہ سے لگاوٹ کی ضرورت ہے یہاں
عافیت چاہے تو انسان زمیندار نہ ہو

شیخ صاحب یہ مئے سرخ مجھے تو ہے مفید
شغل کچھ آپ بھی فرمائیں جو انکار نہ ہو

مے بھی ہوٹل میں پیو چندہ بھی دو مسجد میں
شیخ بھی خوش رہیں شیطان بھی بیزار نہ ہو

پھیر سکتی نہیں تقویٰ سے مجھے کوئی صدا
شرط یہ ہے کہ وہ پازیب کی جھنکار نہ ہو

توپ کی طرح چل اس عہد میں گو منھ ہو سیاہ
سرخروئی اب اسی میں ہے کہ تلوار نہ ہو

آپ کی جنبشِ ابرو سے ہوئے شیخ بھی چپ
سچ تو یہ ہے نہ چلے کام جو تلوار نہ ہو

ابرِ فکر آپ کا برسا تو بہت اے اکبر
اعتراضات کی احباب میں بوچھار نہ ہو

کہدو اکبر سے یہی لوگ ہیں اس وقت کے شیخ
دل سے پیغام رساں جاتے ہیں خالق کی طرف
گو تبرک ہے یہ اے شیخ ولیکن ہے ثقیل
شیخ صاحب کی تملق کی نہ قلعی کھل جائے

اہل سید کو برا کہہ کے گنہگار نہ ہو
ہم کو کیا غم ہے اگر ریل نہ ہو تار نہ ہو
دیکھیے شب کی عبادت کہیں دشوار نہ ہو
لاٹ صاحب کا کہیں حشر میں اظہار نہ ہو

مغرب نے سایہ ڈالا تیوں پر اثر کے ساتھ
ہستی ہی تیری کیا ہے کہ ہو اُن کا ہم سفر

ساری بھی ان کی ہو گئی غائب کمر کے ساتھ
موجوں کا اے حباب نہ دے تو ابھر کے ساتھ

احتمالِ فتنہ ہے ہر مجمعِ ملت کے ساتھ
چھوڑ کر صحنِ حرم اکسیر ہے محوِ طوفِ دیر

گشت کرتی ہے پولس بھی شیخ کی جنت کے ساتھ
عزتیں گو اب بھی ہوتی ہیں مگر ذلت کے ساتھ

گھر سے جب پڑھ لکھ کے نکلیں گی کنواری لڑکیاں
یہ تو کیا معلوم کیا موقعے عمل کے ہوں گے پیش
مغربی تہذیب آگے چل کے جو حالت دکھائے
امجِ قومی سے شرافت کا ہما گر جائے گا
ڈال دے گا سینۂ غیرت سپر میدان میں

دلکش و آزاد و خوشرو ساختہ پرداختہ
ہاں نگاہیں ہوں گی مائل اُس طرف بیساختہ
ایک مدت تک رہیں گے نوجواں دل باختہ
ماکیاں سے پست تر دکھلائی دے گی فاختہ
تیغ ابرو ہی نظر آئے گی ہر سو آختہ

کریما بخشائے برحال بندہ
کہ ہستم اسیرِ کمیٹی و چندہ

نئی پرانی روشنی کی مکالمت

نئی روشنی کی تعلّی

پھرتے ہیں تذکرۂ کالج و اسکول کے ساتھ
معترض گو نہیں دینے کے کبھی بھول کیساتھ

خیر مقدم ہے ہمارا ڈنر اور پھول کے ساتھ
مستقل چال میں ہم اپنی ہیں معمول کے ساتھ

عمر گذری ہے اسی بزم کی طراری میں
دوسری پشت ہے چندے کی طلبگاری میں

پرانی روشنی کا جواب

بے ضرورت نظر آتا ہے تعلی کا یہ فیر
اب تو سب آپ کے اپنے ہی ہیں کم رہ گئے غیر
معترض کون ہے جب آپ کی عزت ہے بخیر
نہ حرم آپ کو بیگانہ سمجھتا ہے نہ دَیر

آپ کو لطف گورنمنٹ سلامت رکھے
مستفید اس سے ہمیں تا بقیامت رکھے

غربا بھی ہیں مگر قوم کے اجزا اکثر
دور ہے اُن سے خود آرائیٔ مغرب کا اثر
غربا ہی سے تعلق میں ہے اُن کو تو مفر
بحث اُن کی بھی اسی بات پہ ہے ختم مگر

آپ کا دل رہ مغرب کا اگر سالک ہے
کیجئے چین غریبوں کا خدا مالک ہے

آپ بنگلوں میں ہیں مسرور تو پھر ہم کو کیا
آپ عہدوں پہ ہیں مغرور تو پھر ہم کو کیا
آپ مسجد سے ہوئے دور تو پھر ہم کو کیا
جاہ ہے آپ کو منظور تو پھر ہم کو کیا

ہمیں ابھریں گے کبھی گو ابھی پستی میں ہیں
آپ دھبوں کی طرح دامنِ ہستی میں ہیں

ہر گھڑی فکر ہے بازاری بھی درباری بھی
اک مصیبت ہے جوانی بھی زمینداری بھی

ہے طریق جدید خشک مزاج
گو کہ اس میں ذرا ثقالت ہے
میرے حق میں قدیم چال اچھی
پھر بھی بسکٹ سے شیر مال اچھی

مچھر بدن سے سب کے پیتا ہے خون خالص
فضلہ اسے نہ سمجھو صاحب یہ ہیپن کیوں ہے
اُڑنے کی طاقت اس کو فطرت نے کیوں عطا کی
یہ نشترِ ملائم ایرو پلین کیوں ہے

مشرقِ غربی جیبیٹ میں ہے
کیوں اس کو ہے مولوی پر ترجیح
کیسہ خالی ہے بکس خالی
دل سینے میں تھا سو پیٹ میں ہے
کیا بات گریجویٹ میں ہے
جو کچھ ہے یہاں پلیٹ میں ہے

زباں اکبر کی اس طرزِ سخن پر ناز کرتی ہے
بھجن کی دھن میں تردیدِ بت طنّاز کرتی ہے

معزز کرتی ہے اُن کی نظر ممتاز کرتی ہے
بس اتنا ہے درِ الحاد کو بھی باز کرتی ہے

معاشر کمپ میں کیوں جا بسے مجھ سے نہ پوچھ اے دل
مثالِ اولیں خود تجھ پہ کشفِ راز کرتی ہے

تدبیر حفظ جان بتقیہ ضرور ہے
اس وقت مومنوں کو تقیہ ضرور ہے

پسٹ بھی جا۔ نہ رک اکبر غضب کی ہوٹی ہے
نہیں نہیں پہ نہ جا یہ حیا کی ڈیوٹی ہے

جو پوچھا میں نے ہوں کس طرح سے ملی
کہا اُس مس نے میرے ساتھ سے ہلی

چیز وہ ہے بنے جو یورپ میں
بات وہ ہے جو پانیر میں چھپے

چکر آیا اک ایسا جھولا جھولے
قومی عزّت کی ہسٹری کو بھولے

جنت کا خیال ہے نہ باغِ دل کا
گملوں ہی پہ اب تو رہتے ہیں ہم پھولے

روح پرور نہ سہی نشہ ذرا تیز تو ہے
نوجوانوں کے لئے ولولہ انگیز تو ہے

نہ سہی معنیٔ قومی فقط الفاظ سہی
چند احباب کا اک شغلِ دلاویز تو ہے

اب تو اکبر بار ہے ہم پر نمازِ عید بھی
تم اگر رکھ سکتے ہو روزہ خدا روزی کرے

بنیاد ڈالتے ہیں وہ حکمت کے باغ کی
وسکی سے ہو رہی ہے صفائی دماغ کی

دربار سلطنت میں ہے کبر و خود پسندی
مذہب میں دیکھتا ہوں جنگ اور گروہ بندی

رندی و عاشقی کا ہے شغل سب سے بہتر
لمینڈ ہے اور وسکی بندہ ہے اور بندی

اُلفت نہ ہو شیخ کی تو عزّت ہی سہی
مرشد نہ بناؤ اُن کو دعوت ہی سہی

بگڑا ہے جو دل زباں ہی کو رو کو
رونا جو نہ آئے غم کی صورت ہی سہی

رفتار ترقی نہ کہیں نلج نہ ہو جائے
یہ قرأتِ مصری کہیں کمّاج نہ ہو جائے

توحید کی تحریک سے زندہ ہے ترا دل
مغرب کی مگر کوک سے یہ فالج نہ ہو جائے

اذانوں سے سوا بیدار کُن انجن کی سیٹی ہے
اسی پر شیخ بیچارے نے چھاتی اپنی پیٹی ہے

کہاں باقی رہے ہم میں وہ اورادِ سحر گاہی
وظیفے کی جگہ یا پانیر یا آئی۔ ڈی۔ ٹی I.D.T ہے

گئے شربت کے دن یاروں کے آگے آتو اے اکبر
کبھی سوڈا کبھی لمنڈ کبھی وھسکی کبھی ٹی ہے

گل پھینکے ہے یورپ کی طرف بلکہ ثمر بھی
اغیار تو دنیا ہیں اٹھائے ہوئے سر پر
اغیار تو رگ رگ سے ہماری ہوئے واقف

اے نیچر و سائنس بھلا کچھ تو ادھر بھی
ہم بیٹھے ہیں اس طرح کہ اٹھتا نہیں سر بھی
ہم وہ ہیں کہ پاتے نہیں اس بت کی کمر بھی

رات افسوس سے کہتے تھے یہ ہنسی بھائی
ہم سے ناحق ہیں الگ کانفرنسی بھائی

ساحل نظر آتا ہے نہ مچھلی ہے نہ بنسی
کیا لہریں لیا کرتے ہیں یہ کانفرنسی

دیر میں محو بت بھی ہے وعظ میں قبلہ رو بھی ہے
بت پہ جو پیار پڑے تو خوش سجدہ میں گر پڑے تو جا

شیخ ہمارا خوب ہے پیر بھی ہے گرو بھی ہے
وضع نئی چلن نیا مست بھی ہے وضو بھی ہے

یورپ میں گو ہے جنگ کی قوت بڑھی ہوئی
لیکن فزوں ہے اس سے تجارت بڑھی ہوئی

ممکن نہیں لگا سکیں وہ توپ ہر جگہ
دیکھو مگر پیرس کا ہے سوپ ہر جگہ

غلطی مجھ سے ضرور یہ ایک ہوئی
لینا تھا لغت سے اور ہی لفظ کوئی

پیدا وجہ نصیحت نیک ہوئی
مس جو لیا یہ مجھ سے مسٹیک ہوئی

وہ تو گرجا پر رکا اور یہ گیا کعبہ کو پھاند
شیخ کا ٹٹو تو انجن سے بھی بڑھ کر تیز ہے

وضع مغرب سے مجھے کچھ بھی تسلی نہ ہوئی
ناز تو بڑھ گئے دولت کی ترقی نہ ہوئی

مسمریزم کے عمل میں دہر اب مشغول ہے
جسم و جاں کیسے کہ عقلوں میں تغیر ہو چلا
مطلع انوارِ مشرق سے ہے خلقت بے خبر
گلشن ملت نیم پامالی سرافرازی ہے اب
کوئی مرکز ہی نہیں پیدا ہو پھر کیونکر محیط

مغرب و مشرق میں اک عامل ہے اک معمول ہے
تھا جو مکروہ اب پسندیدہ ہے اور مقبول ہے
مستند پر تو وہ ہے مغرب سے جو منقول ہے
جو خزاں دیدہ ہے برگ اپنی نظر میں پھول ہے
جھول ہے پیچیدگی ہے ابتری ہے بھول ہے

حکام پہ بم کے گولے ہیں اور مولویوں پر گالی ہے
کالج نے یہ کیسے سانچے میں لڑکوں کی طبیعت ڈھالی ہے

قابلِ رشک ہے زمانے میں
دن وکیلوں کا رات عاشق کی

سدیشی گورنمنٹ سے بچ گئی
یہ پائی پسیر منٹ سے پچ گئی

افسردگی پہ اس کے لگا دل جو تڑپنے
کل شب کو کہا میں نے یہ محبوب سے اپنے

گو پاس ترے رہ نہ گئی دولت و حشمت
ہے حسن خدا داد وہی اور وہی صورت

سونے ہی کی بدھی پہ فقط مجھ کو نہیں غش
پھولوں کی بھی بدھی ہے ترے سینے پہ دلکش

جو دل کہ تری پھولوں کی بدھی کو نہ پوچھے
برباد ہو ایسا کوئی ادھی کو نہ پوچھے

نہیں بدلی زباں اس شوخ کی یہ کون کہتا ہے
میں جب جاتا ہوں اس کی بزم میں سٹ ڈون کہتا ہے

وضع سابق سے بُتِ ہندی کو سیری ہوگئی
ہو مبارک ملک کو مینا کنشیری ہوگئی

ہیبت پہونچی شیخ کے سر پر جو دل کے جوش سے
اور بجز کے شعلہ ہائے فتنہ اس سر پوش سے

بن گئے صاحب۔ ہنر صاحب کا کیا ہو آپ میں
کیا کلیں ٹپکیں گی سقفِ بنگلۂ خس پوش سے

باغِ امید کے پھل ہوتے ہیں روز ضایع
ہم کو خدا بچائے اولاد ڈارون سے

بیدل ہمیں بروز سلو تو نہ کیجئے
للہ بات مانئے تو تو نہ کیجئے

گل کی صدا نہ خوبیِ فطرت نہ لطفِ دید
بہتر یہی ہے خواہش فوتو نہ کیجئے

مجھ خستہ کی ہستی نہیں کچھ آپ کے آگے
بھُرتے کی ہے کیا اصل مٹن چاپ کے آگے

ملک پر تاثیر چشم دوٹ طاری ہوگئی
منت شیخ و برہمن میں فوجداری ہوگئی

ہندوؤں کو کیوں نہ اب بھائی بنائیں صلح دوست
آریہ مذہب میں بھی توحید جاری ہوگئی

ممبری پر جنگ ہو اس میں گئو کا کیا قصور
ملک میں بدنام ناحق یہ بچاری ہوگئی

کرتے ہیں بائیسکل پر خوب وہ دفع ریاح
اب تو بیلن ارغنوں کا یہ سواری ہوگئی

ہم کیا کہیں احباب کیا کارِ نمایاں کرگئے
بی اے ہوئے نوکر ہوئے پنشن ملی پھر مر گئے

جن لوگوں نے مسلموں کو بھڑکایا ہے
کامل کب ان کو علم و فن آیا ہے

جو فلسفی ہیں اصیل وہ ہیں خاموش
الحاد تو ٹینیوں نے پھیلایا ہے

لیا صبح شب وصل اس کا بوسہ میں نے یہ سچ ہے
اسی پر بول اُٹھی وہ شوخ بس یہ فائنل بچ ہے

تھا امن کسی قدر سو وہ دن بھی چلے
ظاہر ہی کے سمت اہل باطن بھی چلے
مجلس پہ ہوا اضافۂ کانفرنس
مسلم تو جا چکے تھے مومن بھی چلے

اُس مس کی زباں رات جو لی میں نے دہن میں
بولی کہ تری راہ ترقی میں یہ ہمبگ ہے
میں نے کہا اسکالر مشرق ہوں میں لے بس
چپ رہ کہ یہی میری سکنڈ لینگوایج ہے

دنیا آخر کو تم سے لپٹی
ہو ہی گئے تم غرض کہ ڈپٹی
کرتے کیا اُن سے بعینٹ خالی
کر آئے ہم اپنی ٹینٹ خالی

شیعہ و سنی میں جنگ اک عموم دعامی ہوگئی
چار یار اور پنجتن کی نیکنامی ہوگئی
کیا شرف بخشیں گی تم کو عرش پر یہ کاوشیں
جب زمیں پر تم کو غیروں کی غلامی ہوگئی
ایک قرآں ایک قبلہ ایک اللہ اک رسول
بد نصیبی ہے کہ تفریق دوامی ہوگئی
مومنان امن جو، کو دیر کی سوجھے گی اب
جب حرم کے صحن میں بدانتظامی ہوگئی
اشتعال آتش افسردہ اس طوفان میں
پختہ طبعوں سے الٰہی کیوں یہ خامی ہوگئی
جس نے کھولی بہر صلح و آشتی اپنی زبان
پیش حق مقبول اس کی خوش کلامی ہوگئی

لو ہنک ریل کا سامان ہوا چاہتا ہے
اب تو انجن بھی مسلمان ہوا چاہتا ہے

اکبر بھی قومی کام کو اُٹھے بشوق مغفرت
ہز ہائنس کے ہم عناں ہز لولینس بھی ہوگئے

مجھکو ہے پسند اس سبب سے یو۔پی
یعنے یوپی کا قافیہ ہے روپی
ہے فصل بہاری بھی ہم آہنگ اسکی
جب آتی ہے کرتی ہے اشارہ توپی

دور یونیورسٹی میں ان کی ترقی ہے ضرور
شیخ جی مدیون ہیں اور قوم ڈگریدار ہے

شیخ کو گانٹھ لے سلیقے سے
چھین کر مغربی طریقے سے
متفق اس پہ ہو گئے کہہ دمہ
اب تو یہ مسئلہ ہے مفتیٰ بہ

گامی کے آگے ٹیمز کا دلچسپ پاٹ ہے
گنگو کی جانفزائی کو گنگا کا گھاٹ ہے

ڈوبے ہوئے ہیں یہ بھی مگر اپنی بات میں
پیرو بھی بہ رہے ہیں خیالی فرات میں

یہ اتنی ستر پوشی تیری اے شرقی غنیمت ہے
دئے جا چندہ بس تعلیم کی غرقی غنیمت ہے

اُنظُر اِلَی الاِبِلِ کا تصور جو دل میں ہے
یہ وجہ ہے کہ آج تک آخر ابل میں ہے

کمسریٹ اب بھی اس کا ہے محتاج دیکھیے
معذور اگرچہ اس کا قدم آب و گل میں ہے

کچھ الٰہ آباد میں ساماں نہیں بہبود کے
یاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے اور امرود کے

راہ مغرب میں یہ لڑکے لٹ گئے
واں نہ پہونچے اور ہم سے چھٹ گئے

شوق ہے پن کا نہ طاقت پاپ کی
سب ہیں بس بڑھتی مناتے آپ کی

ہو چکے ہگلی کے کلچر اب ہیں
فکر ہے گنگا کنارے جاپ کی

قطر جو کچھ ہو محیط اک انچ ہے
دھوم ہے ان کی کمر کی ناپ کی

شیخ جی قانع کے گھر میں لو جنم
ورنہ اب مٹتی ہے ہستی آپ کی

ملتا ہے دنیا سے اس کو جس شخص کا جتنا حصہ ہے
ہے اتنی بات ٹھکانے کی باقی تو کہانی قصہ ہے

وہ فرماتے ہیں اے اکبر یہ روزہ اک قیامت ہے
بجا ارشاد ہوتا ہے مگر افطار جنت ہے

میں نے جو کہا دیکھو تو ذرا اب قوم پہ کیسا جوبن ہے
وہ ہنس کے لگے کہنے صاحب یہ قوم نہیں ہے پلٹن ہے

عزیزانِ وطن کو پہلے ہی سے دیتا ہوں نوٹس
چرٹ اور چائے کی آمد ہے حقہ پان جاتا ہے

یہ اتنی گوشمالی طفل مکتب کی نہیں اچھی
زباں آتی ہے اس کو سچ ہے لیکن کان جاتا ہے

مری ڈاڑھی سے رہتا ہے وہ بت انکار پر قائم
مگر جب بل دکھاتا ہوں تو فوراً مان جاتا ہے

وہ مس بولی میں کرتی آپ کا ذکر اپنے فادر سے
مگر آپ اللہ اللہ کرتا ہے پاگل کا مانک ہے

نہ مانا شیخ جی نے جھک گئے دس پانچ یہ کہہ کر
اگر قابض ہیں یہ بسکٹ تو ہوں اللہ مالک ہے

لگی لپٹی ہر اک سے یہ بری عادت تمھاری ہے
مری جاں! اسمیں اکدن احتمال فوجداری ہے

ترقی پر خدا کے فضل سے ہے زمرِ رنداں بھی
فقط پیر مغاں تھے آ گئے اب پیر نسواں بھی

شیخ بھی ہیں پیر کے مائل بس اتنا فرق ہے
مجھ کو بوسا چاہیئے ان کو سموسا چاہیئے

کیا تعجب ہے دیا ووٹ جو لالہ کے لئے کھول کر در کو کہا اُس بُتِ اسکولی نے کاش کرے مجھے وہ شاہدِ ہوٹل منظور سنتا ہوں قبر ہی ریل میں آجائے گی	بُت تو تھے ہی مرے معشوق برہمن بھی سہی جب نقاب اٹھ گئی آگے سے تو چلمن ہی سہی کیک تو روز ہے اک رات تھنجن بھی سہی خود مٹا ہوں جب اسی راہ میں مدفن بھی سہی
تلی اک اس طبیعت کا ملا جو کل یہ کہتا تھا سڑک پر کام میں تکلیف ہے بنگلے پہ بے لطفی	مرے دل میں خیالاتِ بلند آتے نہیں پاتے یہاں سایہ نہیں ہے اور وہاں گانے نہیں پاتے
کھٹملوں پر زجر و طعن و غیظ سے منہ موڑیئے	گرم پانی ڈالئے یا چارپائی چھوڑ دیئے
زندگی تھی ہی مصیبت موت بھی بربا د ہے ماسٹر ہیں نزع میں لڑکوں کی شامت دیکھئے	کس قدر اس دور میں بگڑا ہوا ہے دین ہائے ان کا فوٹو لیتے ہیں پڑھتے نہیں یاسین ہائے
کیا خوشی اس کی مجھے ان کو جو نوابی ملی	روغنی صاحب نے لی مجھ کو وہی آبی ملی
جیب سے مفروریٔ زر بے تحاشا دیکھئے	جلوۂ بازار مغرب کا تماشا دیکھئے
نکلا ہے آب و تاب بنارس سے اولڈ بوائے خواہش ہے اب یہ بعض محبانِ قوم کی	اللہ اس کو گولڈ بھی دے اور پرل بھی نکلے کسی طرف سے یہ نہیں اولڈ گرل بھی
اکبر دبے نہیں کسی سلطاں کی فوج سے	لیکن شہید ہو گئے بیگم کی نوج سے
وہ ہیں ذی علم و معزز جن کا ارشاد و عمل بعض اسپیکرِ نظر آتے ہیں تم کو یہ تو ہیں	طالبانِ حق کے دل کی کر رہا ہے رہبری نوکری اور ممبری کی منڈوی کے چودھری
یہ غنچۂ میل کی امید کے کھلنے نہیں پاتے	خدا اس پیٹ سے سمجھے کہ دل ملنے نہیں پاتے
اُن سے بی بی نے فقط اسکول ہی کی بات کی	یہ نہ بتلایا کہاں رکھی ہے روٹی رات کی
بیان ہیں تنگ باغی کا نہ ان میں بوئے داغی کی	یہ حجت ہے فقط درگاہ قومی پر چراغی کی
یہ پردہ در کو سوئے قوم کس نے بھیجا ہے یہی ہے عقدہ کشائیٔ قوم تو اک دن	کہ جس کی بحث سے مجروح ہر کلیجا ہے ازار بند کو کہہ دینگے جس بیجا ہے

سدا سرحد پہ حاجت ہے رفل کی اور کاٹھی کی
چلی جاتی ہے گستاخی لغبندے خاں کی لاٹھی کی

باز آئیں گے نہ پولٹیکل انٹریگ سے
جب کچھ نہیں تو لاگ لگائیں گے لیگ سے

اک شغل زندگی ہے بہارِ نمود سے
منظور دشمنی نہیں اپنے کلیگ سے

نہیں کچھ اس کی پرسش الفتِ اللہ کتنی ہے
یہی سب پوچھتے ہیں آپ کی تنخواہ کتنی ہے

اب کہاں دست جنوں تارِ گریباں اب کہاں
پانیر اور دست مجنوں اور خبر ہے تار کی

لے لیا شیریں نے کمسریٹ میں ٹھیکہ دودھ کا
ریل بنوانے لگے فرہاد اب کہسار کی

آزاد ہوں نہیں ہے کوئی مدعائے خاص
جس رخ ہے قافیہ مرا مطلب بھی ہے وہی

مذہب کو شاعروں کے نہ پوچھیں جناب شیخ
جس وقت جو خیال ہے مذہب بھی ہے وہی

ڈنر سے تم کو کم فرصت یہاں فاقے سے کم خالی
چلو بس ہو چکا ملنا نہ تم خالی نہ ہم خالی

کب حاضریِ شب کی اجازت طلب ہوئی
کیوں ضبطِ شوق دل کی ضمانت طلب ہوئی

ضمیمہ ظرافت

بحر آزادی میں یہ کیسا تموج ہو گیا
تا سرآت الطرف کو شوق تبرج ہو گیا

بتاؤں آپ سے مرنے کے بعد کیا ہو گا
پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہو گا

مرا کینہ نتیجہ ہے جفائے چرخ گرداں کا
مرا بینا ہے منبع سیل اشکِ چشمِ گریاں کا

مرا جینا ہے بس اک سلسلہ انفاس سوزاں کا
مرا سینہ ہے مشرق آفتابِ داغِ ہجراں کا

طلوعِ صبح محشر چاک ہے میرے گریباں کا

خدا سر دے تو سودا دے کسی دلچسپ میداں کا
خدا زر دے تو دل کو ذوق دے یورپ کے ساماں کا

خدا پر دے تو ہدہد کر دے بلقیس و سلیماں کا
خدا سر دے تو سودا دے تری زلفِ پریشاں کا

جو آنکھیں ہوں تو نظارہ ہوا ایسے سنبلستاں کا

دورِ گردوں نے ہمارا دیر کو سچ ہے مگر
یہ نہ کہئے حضرتِ سید نے پھر کیا کر لیا

اُن نگاہوں کو کہ جو تھیں خوگرِ طوفِ حرم
آفریں کہئے کہ بت خانے کو اپنا کر لیا

رشتۂ در گردنم افگندہ پیٹ
می برد ہر جا کہ میز است و پلیٹ

بزرگانِ ملت نے کی ہے توجہ
کمی پر رہیں گے نہ عالم نہ عابد
ترقیِ دیں ہوگی اب روز افزوں
علیگڈھ کا کالج ہے لندن کی مسجد

دونوں صاحب ہیں محبِ قوم کس کو ووٹ دوں
پیش کر سکتا ہوں کیونکر کوئی دعویٰ بے دلیل
بس دعا میری یہ ہے اللہ فرمائے عطا
کامیابی ایک کو اور ایک کو صبرِ جمیل

ہوا آج خارج جو میرا سوال
کہا میں نے صاحب سے با صد ملال
کہاں جاؤں میں اب ذرا یہ بتاؤ
وہ جھنجھلا کے بولے جہنم میں جاؤ
یہ سنکر بہت طبع غمگیں ہوئی
مگر اس تصور سے تسکیں ہوئی
کہ جب اہلِ یورپ میں بھی ذکر ہے
تو بیشک جہنم بھی ہے کوئی شے

متفرقات

مبارک ہو فلک کو مائلِ جور و ستم رہنا
طریقِ حق پہ لازم ہے ہمیں ثابت قدم رہنا

مسلم ہے مگر بات نبی کی نہیں سنتا
لڑکا ہے مگر اپنے ولی کی نہیں سنتا
ہاں آپ جو فرمائیں تو سب ہیں ہمہ تن گوش
آپس میں تو اب کوئی کسی کی نہیں سنتا

من نگویم کہ دریں باغ پئے جنگ در آ
آخرت پیش نظر دار و بہر رنگ در آ

اس دورِ فلک میں کوئی کیا دیکھے گا
جو کچھ دکھلائے گا خدا دیکھے گا
رنجیدہ ہے جس نے ابتدا دیکھی ہے
بے حس ہوگا جو انتہا دیکھے گا

اثباتِ خدا کو منطقی اُٹھ نہ سکا
خاکِ حیرت سے ذہن ہی اُٹھ نہ سکا
اللہ رے نزاکتِ وجودِ باری
ثابت ہونے کا بار بھی اٹھ نہ سکا

ایسے غمزوں سے دلِ خوں گشتہ کیا ہوگا بحال
اب تو جو ہونا تھا وہ اے چشم کافر ہو چکا

بوئے گل میں فسوں ہی وہ نہ رہا
موسم بدلا جنوں ہی وہ نہ رہا
سینے میں وہ دل کہاں سے آئے اکبر
جب اپنی رگوں میں خون ہی وہ نہ رہا

بگڑا میں بہت اُنپہ مگر بات بنی کیا
آنا یہ تکلف جو ہوا بھی شدنی کیا

زمزمہ اوجِ فلک پر ہے یہی ہر برڈ کا
ہے یہی مفہوم روے ارض پر ہر ورڈ کا
زینتِ گیتی ہے ملک اعظم برطانیہ
سکہ بیٹھا ہے دلوں پر حضرتِ اڈورڈ کا

ہمکو ابرو کی کجی نے مارا
شیخ صاحب کو ججی نے مارا
خانۂ دیں ہوا القصہ تباہ
آئی آواز کہ اِنّا لِلّٰہِ

گئی حق پرستی بھی اس دور سے
شرافت کو بھی چرخ نے تہ کیا
یہی شرط دعوت ہے اب قوم میں
اگر سیم داری بیا رو بیا

پیدا ہوا دماغ میں جوشِ نشاط کیا
ننھا سا پھول دیکھئے اس کی بساط کیا

اثر سب پر پڑا ہے انقلاب رنگِ عالم کا
نہ اب ہے طعن کا موقع نہ ہے اب وقت ماتم کا
بسر کر یا قناعت زندگانی کنج عزلت میں
نظر میں پر مناسب ہے تصور چھوڑ دے ہم کا

کیا زور تھا وعظِ نیچر میں دیوتاؤں کا بھی جی چھوٹ گیا
تقوی کی بنائیں ہل گئیں شق شیرازۂ ملت ٹوٹ گیا

ایک اس عہد میں دو دل بھی نہیں اے اکبر
یہی باعث ہے کہ میں نے کبھی ہم ہم نہ کیا

شکر ادا کرنا ہے واجب ان کی طبع نیک کا
ہر ڈنر سے بھیجتے ہیں مجھ کو فوٹو کیک کا
ضعف سے رعشہ ہے یا غربی ہوا کا ہے اثر
ہینڈ کو میرے مرض لاحق ہوا ہے شیک کا

ہم تو ہر حال کو منی ہی سمجھ لیتے ہیں
لوگ مر جائیں گے اور وقت گذر جائیگا

شیخ لندن میں بھی مسجد کی بنا پر ٹھن گیا
کعبۂ دل میں کلیسا عشق مس کا بن گیا

ہے بے اثر کیا نہیں حس نے۔ فقط کہا
اکبر نے یہ کہا تو کہو کیا غلط کہا

فتح عرب پہ گو ہے تمھیں شوق ناز کا
بہتر ہے اس سے ذوق درود و نماز کا
گردن اٹھایئے نہ بہت پالٹکس میں
مسجد میں اب ہے کام جبینِ نیاز کا

ہو جاگتوں میں شامل یا تو ہو سونے والا
ہو کر رہے گا اکبر جو کچھ ہے ہونے والا

وقت ہی پر ہر ایک کا ہم اچھا
آسماں کا پروگرام اچھا
قرب ہے جن کو تختِ شاہی سے
دور ہی سے انھیں سلام اچھا

فضول بحث میں وقت اپنا کھو نہیں سکتا
زیادہ اب شبِ غفلت میں سو نہیں سکتا
گذر گیا دلِ دینا پسندِ دنیا سے
اس انجمن کا میں اب رکن ہو نہیں سکتا

مصیبت آپڑی تو سہل ہے شدت سے غم کرنا
مگر مشکل ہے جینا با خبر غفلت کو کم کرنا

کرتا نہیں کوئی ان میں ذکرِ مولیٰ
ہے مانگ روپے کی غل ہے دس لانٹولا
مجلس ہے یہی تو اس سے عزلت بہتر
دُنیا ہے یہی تو ترکِ دنیا اولیٰ

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں جال کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

بے زور نمود کا اثر کیا
جب مغز نہیں تو لفظ سر کیا

صوفی کا مذہب مختصر ہے کھرا سب سے جدا
ہم تم کے جھگڑے لغو ہیں یا کچھ نہیں یا سب خدا

نہیں اہل یقین جب وہ تو یہ کیا مذہبی ہوں گے
اثر پڑتا ہے شاگردوں پہ استادوں کے باطن کا
ضعفِ مشرق نے تو رکھا پاؤں کو جھگڑا دہی
مغربی نقروں نے لیکن منھ کو انجن کر دیا

طلب نور ہے جن کو اے اکبر
وہ رہیں منکرِ خزانۂ غیب
ہم تو مضمون وہیں سے پاتے ہیں
معتقد ہم تو اس کے ہیں لاریب

نہیں مناسب کہ ہو یہ ہوا کبھی حریفِ موئز صاحب
بجا ہے فرما رہے ہیں جو کچھ حکیم عبدالعزیز صاحب
حکیم اور وید یکساں ہیں اگر تشخیص اچھی ہو
ہمیں صحت سے مطلب ہے بنفشہ ہو کہ تلسی ہو

حواس مختل سمجھ پریشاں عمل میں سستی قدم میں لغزش
کبھی کوئی شوق رہنما ہے کبھی کوئی پالسی ہے غالب
مرے مشاغل کی کچھ نہ پوچھو کہ میں ہوں دورِ فلک میں اکبر
مقیمِ دیر و مریدِ شیخ و اسیرِ قانون و محو مغرب

اگلی روش جو تھی وہ تھی پیغمبری کی بات
موجود ہر طریق ہے کاریگری کی بات

پڑا تھا چٹائی پہ گوشہ میں میں
نہ اُٹھا جو آئے مرے ایک دوست
شکایت انھوں نے جو کی کہدیا
تواضع زگردن فرازاں نکوست

درکارِ چندہ سیم وزراز جیب دور رفت
مالِ حضور بود براہ حضور رفت

تضمین بر غزل حافظ

واقفِ سرِ خفی حافظ اسرار بماند
حد بیگانۂ باطن صفِ اظہار بماند
خلق صدرہ طرفِ شبہہ و اقرار بماند
ہر کہ شد محرم دل در حرمِ یار بماند

وانکہ ایں کار ندانست در انکار بماند

شش و پنج اس میں کسی کو نہ ہی ہفت نہ ہشت
بیخطر کوچۂ رندی میں لگاتے رہے گشت
نہ تو گلشن ہی ہوا معترض ایشر نہ تو دشت
خرقہ پوشاں ہمگی مست گذشتند و گذشت

قصۂ ماست کہ بر ہر سرِ بازار بماند

قیس و فرہاد کے قصوں سے بھرے ہیں دفتر
آجتک اُن کے فسانوں کا دلوں پر ہے اثر
خوب فرما گئے ہیں حضرتِ حافظ اکبر
از صدائے سخنِ عشق نہ دیدم خوشتر

یادگارے کہ دریں گنبدِ دوّار بماند

میں نے کہا کہ اب تو مسجد سے ہے مجھے کد
گرجا اُبھر کے بولا میں اس سے خوش ہوں بیحد
جس نے کہا مخالف تیرا بھی ہوں۔ تو بولا
میری ہی پالسی کی واللہ ہے یہ ابجد

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی
گو مشت خاکِ ما ہم برباد رفتہ باشد

غمِ عشق تو دے راچو لطیف دپاک سازد
غمِ دہر را چہ یارا کہ و را ہلاک سازد
مس من نگند بر من نظرے کہ کس نداند
دل من گرفت از وے اثرے کہ کس نداند

چو سوال کردم از وے زمآل کار کالج
زیرِ دفسر شنیدم خبرے کہ کس ندا ند

طفلِ مکتب کہ سخنہا ز زباں میگوید
شکوہ کم کن کہ چنیں گفت و چناں میگوید

طبع او فونوگراف ست و سرودش سبقش
انچہ بستند بردل نقش ہماں میگوید

نہ سُنّی ہے خوش اور نہ شیعہ ہے شاد
غمِ ٹرکی و ماتم پرشیا

ہے دونوں کے مرکز میں برپا فساد
مسدس ادھر ہے ادھر مرثیا

ہے دلِ روشن مثالِ دیوبند
ہاں علیگڈھ کی بھی تم تشبیہ لو

پیٹ ہے سب پر مقدم اے عزیز
اور ندوہ ہے زبانِ ہوشمند

ایک معزز پیٹ بس اس کو کہو
گو کہ فکرِ آخرت ہے اصل چیز

نہ ہر کہ ووٹ بیند وخت ممبری داند
نہ ہر کہ بحث بیاموخت لیڈری داند

نہ ہر کہ پیٹ بپوشید و کوٹ در بر کرد
ادائے مغرب و آئینِ مسٹری داند

تھی مرے پیشِ نظر وہ مسِ تہذیب پسند
کبھی دھمکی مجھے دیتی تھی کبھی شربت قند

ملک الموت نے ناگاہ بھری ایک زغند
پارک کو چھوڑ کے ہونا ہی پڑا قبر میں بند

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدیم و بہار آخر شد

آمادگی مجھے تو رہی ہر گناہ پر
فضلِ خدا سے بُت ہی نہیں آئے راہ پر

ہیں اہلِ جہاں منکرِ اللہ سے کد پر
دو پھول بھی رکھتے نہیں ملحد کی لحد پر

ہنگامے انھیں کے لئے ہیں صلِّ علیٰ کے
جو نسبت میں عاشق تھے ہو اللہ احد پر

حضرت کی نبوت میں ہو کس طرح مجھے شک
ہر ذرہ کو ہے وردِ رفعنا لک ذکرک

تھی شانِ جلالی کہ عدو رُک گئے آخر
وہ نور تھا عالی کہ صنم جھک گئے آخر

میں بھی ہوں بدل موئد آزادی کا
لیکن اِک نکتہ سُن لے اے پاک ضمیر

آزاد ہو اس لئے کہ اغیار ہوں قید
مطلب یہ نہیں کہ خود ہو غیروں کے اسیر

تسترد باد سے کمتر ہیں جن میں محتبس ہو کر
قرار دل نہیں تو نور عرفاں کیا جگہ پکڑے

بنے ہیں شیر کے زینتِ آغوش مس ہو کر
وہ شکل مہر و مہ موجوں میں کب ہے منعکس ہو کر

احباب نے طویل مضامیں ہاں پڑھے
میں نے تو بزم نعت میں اتنا ہی پڑھ دیا

لیکن مری زباں کا تھا حصہ مختصر
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

پیری و افسردگی سب کچھ سہی اکبر مگر
یاروں کی دوڑ دھوپ ہے دنیا کی ہیچ پر

قلم ہے تیری خموشی شوخیٔ گفتار پر
اور دین ہے کباب ضرورت کی سیخ پر

سُن تو قرآں کا وعظ بھائی خوشی سے تقلید بھلے کر
پھرے گا کمپوں میں آخر اک دن دیا سلائی کا بکس لے کر

فاقہ مجھو نہ اسے اس میں ہیں اسرار نہاں
نہ تجارت کا سلیقہ نہ عبادت سے لگاؤ

عالم دیں جو ہیں وہ جانتے ہیں صوم کے جسر
یا گورنمنٹ کے دفتر میں ہیں یا قوم کے بسر

اس نظم کا نقطہ نقطہ ہے منبع نور
اوجِ ملکوت کا ہے عالم ہر لفظ

ہر حرف سے ہے تجلیِ حق کا ظہور
ہر بیت اقبال کی ہے بیت المعمور

اللہ رے انقلاب طرز و مذاق مشرق
لیلیٰ کا ناز رخصت۔ اسکول مسٹرس ہیں

حافظ کے شعر کیسے سب پڑھ رہے ہیں ریڈر
سودائے قیس غائب اب وہ بنے ہیں لیڈر

ناتوانی درجہاں طالب مشو مطلوب باش
مذہبے در گردنم افتاد اکبر چارہ نیست

با معاشر سہل باش و نیک باش و خوب باش
با ہمہ آزاد گیہا با یکے منسوب باش

اک شاعری وہ ہے جو بڑھاتی ہے عقل و ہوش
ارشاد ہو تو قسم سوم کو بھی کر دوں عرض
لیکن کوئی بھی قسم ہو اچھا ہے شعر اگر

اک شاعری وہ ہے جو دلاتی ہے دل کو جوش
اک شاعری وہ ہے کہ جو ہے صرف واہ نوش
محفل کو غالباً ہمہ تن پایئے گا گوش

پیش آئے جب امور عادت کے خلاف
اولاد کو غالباً یہ تکلیف نہ ہو

پایا انھیں ہم نے اپنی راحت کے خلاف
وہ خود ہی ہیں مورثوں کی خصلت کے خلاف

آنے والے نہ رہے انجمنِ دل کی طرف
کوئی کالج کی طرف ہے کوئی کونسل کی طرف

بل کھاؤ ہزار خواہ پھانسو منطق
نیچر تو ہے اپنی اصل ہی پر عاشق

لکھی ہے صحیح اک فرنگی نے یہ بات
مغرب مغرب ہے اور مشرق مشرق

وسعت ہو زبان کی اُدھر جھک
متروک کو دیکھ کر تو مت رُک

ہے لیڈر قوم کون جب ہو یہ سوال
کہہ دو اکبر کہ بس برٹش اقبال

فطرت سے الگ اگر تمہارا ہے خیال
تاثیر کہ اس میں ہو یہ ہے امر محال

گو طرزِ بیاں پہ شورِ تحسین اُٹھے
مقبول نہ ہو گے پیش اربابِ کمال

کوئی کہتا ہے رکھو صاحب سے میل
کہ آنر کی گھر میں رہے ریل پیل

کسی کی صدا ہے کہ ہندو بھلے
مری انجمن بھی اسی رُخ پہ چلے

کسی سمت کونسل کی ہے دل میں چوٹ
عوض لٹھ کے آپس میں چلتے ہیں ووٹ

کسی سر میں ہے لیڈری کی ہوس
کوئی شہد اسپیچ کی ہے مگس

کوئی شوقِ تحقیق میں غرق ہے
کوئی راہ تقلید میں برق ہے

کسی کو ہے مضموں نگاری کی دھن
کوئی چندہ دینے کو سمجھا ہے پُن

کسی کو عمارت بنانے کا شوق
کسی کو نمود و نمائش کا ذوق

کسی کو کوئی ٹوک سکتا نہیں
سڑک کو کوئی روک سکتا نہیں

جدھر بحرِ ہستی بہائے بہیں
خدا سے دعا ہے کہ سب خوش رہیں

مگر شیخ سعدی کی ہے ایک بات
مسلماں کو ہے فرض اُدھر التفات

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

ہوئے جمع بہرِ دعا و سلام
کلیسا میں انگریز عالی مقام

کہا میں نے ہوں میں تو مسجد سے دور
تو گرجا میں اُن کا ہے کیوں ازدحام

خدا جانے آئی کدھر سے صدا
کسے را کہ اقبال باشد غلام
کہ اے بے خرد مسلم نا تمام
بود میل خاطر بہ طاعت مدام

انوار اس دور کے دل افروز ہیں کم
ہر چرب زباں نہیں ہے شمع اخلاص
گویا کہ شمس بہت ہیں اور روز ہیں کم
چلنے والے بہت ہیں دلسوز ہیں کم

صوم ہے ایمان سے ایمان رخصت صوم گم
قوم ہے قرآن سے قرآن رخصت قوم گم

جلوۂ قدرت باری ہے صدا پیش نگاہ
کوئی ماضی میں ہے الجھا کوئی مستقبل میں
نہ حکومت کا ہے ماتم نہ غم مال سے کام
صوت سرمد پہ مجھے تو ہے فقط حال سے کام

مغالطے میں پڑے ہیں ہمارے اہل وطن
قوام قوم کا مذہب ہی ہے زمانے میں
کہ قوم کے لئے مذہب کا کوئی کام نہیں
کہاں کی قوم جب اس کا کوئی قوام نہیں

بت کی سی اگر کہیں تو اللہ کہاں
خاموش رہیں تو دل کو بے چینی ہو
اللہ کا نام لیں تو یہ واہ کہاں
بھاگیں تو سکت کسے ہے اور راہ کہاں

قول ملحد ہے کہ نیچر ہو گیا میرا معیں
ہم خموشی سے تماشا دیکھتے ہیں دھر کا
اور فلک کی ہے صدا وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْن
دیکھنا ہے کون سچ کہتا ہے دنیا یا کہ دیں

کنیسوں میں ہے رونے کا خوب شوق انھیں
بغیر طاعت حق ہے محال یک جہتی
مگر نماز و دعا کا نہیں ہے ذوق انھیں
خدا کرے کہ نظر آئے تحت و فوق انھیں

دخل ان کو نہیں عشق و محبت کے فنوں میں
بے شمع کے پروانے ہیں واللہ یہ اکبر
بے ہمت و بے سوز یہ جاہل ہیں تنوں میں
رقصاں ہی انھیں دیکھ لو بس انجمنوں میں

اسیر بحث کب با غیرت و ذی ہوش رہتے ہیں
معانی گرم رکھتے ہیں جنھیں اللہ اکبر کے
عجب میدان ہے جس میں ہے مشق سعی بے حاصل
مٹا دیتے ہیں مٹ جاتے ہیں یا خاموش رہتے ہیں
انھیں سینوں میں اے اکبر دل پر جوش رہتے ہیں
عجب بستی ہے جس میں مرد ناحق کوش رہتے ہیں

کیجئے جو صرف طاعت و روحانیت سے بحث
مجھ کو ہنوز امید سے بیگانگی نہیں

مکرو فریب وظلم یہ سب اس میں ہے مگر
شیطان میں دلیری و مردانگی نہیں

کہنا مجھ کو جو کچھ ہے وہ کہنے دیں
شبلی کی دعا بتانِ مغرب سے یہ ہے
دینی علموں کی موج کو بہنے دیں
ندوہ کو حضور قبلہ رخ رہنے دیں

تسبیح وہ اب کہاں وہ تہلیل کہاں
کل کے آگے خیال فردا کس کو
قرآن مجید کی وہ ترتیل کہاں
جب ریل ہے سامنے تو جبرئیل کہاں

اس پیڑ میں خوب ہی کٹھل آئے ہیں
اکبر نے کہا کہ ہم غریبوں کے لئے
ہر شاخ میں پانچ سات پھل آئے ہیں
نیچر کی طرف سے پارسل آئے ہیں

نہ ہوں جو شعر مرے آپ کو پسند نہیں
بجز خطائے نظر۔ اور سہو کاتب کے
حدود میں نے معین کئے ہیں اپنے لئے
پسند فرض تہیں اور مجھے گزند نہیں
کچھ اعتراض اگر ہیں تو سود مند نہیں
اور ان حدود کے اندر کہیں میں بند نہیں

یہ قول کفر جو مانو بھی تم بفرض محال
کہ روح ہیچ ہے اور بعد مرگ کچھ بھی نہیں
خدا کا نام ہے جب بھی بشر کو اک نعمت
وگرنہ دل کے لئے ساز و برگ کچھ بھی نہیں

آپ کی کل میں مراسوت تو کتنے کا نہیں
کفر کے ساتھ میں اخلاق برتنے کا نہیں

وہ کبھی مجھ کو جوابِ نامہ لکھتا ہی نہیں
جب گلا کرتا ہوں کہہ دیتا ہے پہونچا ہی نہیں

شیخ اپنی رگ کو کیا کریں ریشے کو کیا کریں
مذہب کے جھگڑے چھوڑیں تو پیشے کو کیا کریں
فرہاد سے کہا کہ مناسب ہے تجھ کو صبر
کہنے لگا بتایئے تیشے کو کیا کریں

میں نے کچھ اختلاف کیا آپ سے اگر
غصہ عبث ہے آپ کا نوکر نہیں ہوں میں
اے قبلہ آپ مجھ پہ چڑھے آتے ہیں یہ کیوں
ممبر اس انجمن کا ہوں۔ منبر نہیں ہوں میں

روپئے کو اپنے کریں صرف وہ جو غلے میں
تو کام آئے غریبوں کے اس محلے میں
یہ بات مجھ کو تو اے ہاشمی پسند نہیں
کہ صرف دولتِ عشرت ہو گیند بلے میں

ڈیپوٹیشن کی سرسبزی جو دیکھی اس نے شملے میں
برہمن نے کہا یہ شاخ بیداد رایسے گملے میں

کہا مہدی نے بھائی تمکو کیوں اس درجہ حیرت ہے — تمہارے واسطے یہ کیا محلِ رشک و غیرت ہے
تعجب کیا ہے ہم اُس بُت کے پہلو میں جو بیٹھے ہیں — حرم کے محترم کیا دیر کے خادم سے ہیٹے ہیں
برہمن نے کہا بس آپ کی باتیں ہی باتیں ہیں — اجی یہ وصل کی راتیں نہیں ہیں انکی گھاتیں ہیں
کہا مہدی نے ہم کو تو غرض ہے اپنے مطلب سے — محبت ہو نہ ہو ان کو امید اسکی یہاں کب ہے
برہمن نے کہا ایسا مزا اعضا کا مضعف ہے — کہا مہدی نے ہاں اس بات سے بندہ بھی واقف ہے

مفقود ہے گو کہ آج یار و نیشن — صد شکر ہوا ظہور کار و نیشن
مانگو خالق سے حضرتِ جارج کی خیر — تم بھی ہو جاؤگے لو مار و نیشن

حضرت خود واقعات تصنیف کریں — ہم بیٹھ کے انجمن میں تعریف کریں
فطرت پہ نگاہ جن بزرگوں کی ہو — بہتر ہے یہی کہ وہ نہ تکلیف کریں

صلح رہی اب نہ گوارا ہمیں — سلفِ گورنمنٹ نے مارا ہمیں
کام تو جو کچھ ہے وہ ہے آپ کا — نام ہی نے صرف اُبھارا ہمیں
درد کسی کا نہ رہا دل میں اب — خوب دیا تم نے بھپارا ہمیں
قوم کی تفریق میں ٹکڑے اُڑے — ملک سے اب کیا ہے سہارا ہمیں
آئینہ ہے حسرتِ دنیا کا دال — یاد ہیں اسکندر و دارا ہمیں
جلوہ دکھانے کا انھیں شوق ہے — کاش مبارک ہو نظارا ہمیں

غضب کی آتش فشاں ہوا ہے پڑے ہیں بستر پہ جل رہے ہیں
عرق میں ڈوبے ہوئے سراپا تڑپ رہے ہیں اُبل رہے ہیں

مٹلتے ہیں جو وہ ہم کو تو اپنا کام کرتے ہیں — مجھے حیرت تو اُنپر ہے جو اس مٹنے پہ مرتے ہیں

انجنیری نہ آئے تو ایجاد کیا کریں — قائم عروج قوم کی بنیاد کیا کریں
خامے سے کام لیتے ہیں بیکار عقل ہے — یا ترجمہ ہے یا تو کتابوں کی نقل ہے

یہ تو مشکل ہے کہ آپ اسپیچ دیں ہم چپ رہیں — ہاں مگر اس میں نہیں کچھ عذر جو کہئے کہیں

مردو جنٹلمین ہو کر پا رہے ہیں جب عروج
مطمئن رہیئے نہ رہ جائیگا عورت کا حجاب
اک طرف دام ترقی اک طرف موج شراب

بیبیاں پھر گھر میں رنج کس مپرسی کیوں سہیں
چادر قومی کی آخر کھلتی جاتی ہیں تہیں
ہر طرح حاضر ہیں ہم کیئے پھنسیں کیئے بہیں

اگر مذہب خلل انداز ہے ملکی مقاصد میں
تو شیخ و برہمن پنہاں رہیں دیر و مساجد میں

ترقی کی تپیں ہم پر چڑھا کیں
رہیں ہر پھر کے آیا بی نصیبن

گھٹا کی دولت اسپیچیں بڑھا کیں
وہ گو اسکول میں برسوں پڑھا کیں

مرے طرز فغاں کی بوالہوس تقلید کرتے ہیں
خجل ہوں گے اثر کی بھی اگر امید کرتے ہیں

جہاں کے انقلابوں کے بھی کیا کیا رنگ ہوتے ہیں
بشر کی کیا حقیقت ہے فرشتے دنگ ہوتے ہیں

گذران کا ہوا کب عالم اللہ اکبر میں
پلے کالج کے چکر میں مرے صاحب کے دفتر میں

ہمیں تو چاہتے ہیں کھینچنا خود ہم سے کھنچتے ہیں
یہ ان کی پالسی کے باغ کس پانی سے سنچتے ہیں

نہ وہ اب طشت زریں ہیں نہ وہ چاندی کے کلسے ہیں
کمیٹی خوان نعمت ہے فقط لفظوں کے جلسے ہیں

فلک پر شان و عظمت کے ستارے جگمگاتے ہیں
یہی نظارہ ہم کو محو رکھتا ہے سدا اکبر

خدا کی سلطنت کی جوبلی ہر شب مناتے ہیں
فرشتے بے ٹکٹ یہ منظر اعظم دکھاتے ہیں

قدم انگریز کلکتے سے دہلی میں جو دھرتے ہیں
تجارت خوب کی اب دیکھیں شاہی کیسی کرتے ہیں

خدا ہی کی عبادت جنکو ہو مقصود اے اکبر
وہ کیوں باہم لڑیں گو فرق ہو طرز عبادت میں

فلک کو ضد ہے کہ منت کروں پے راحت
وہ کہہ رہا ہے کہ ذلت سہو تو جاؤ چمک

مجھے یہ ہٹ ہے کہ ایذا سہوں اور اُف نہ کروں
مری یہ آن کہ ایسی چمک پہ تف نہ کروں

پیارا ہے فقط اللہ کا نام آرام اسی سے روح کو ہے
اور یوں تو حوادث بیحد ہیں دنیا میں بہت افسانے ہیں

عجب کیا شیخ بوگڈ میں جو مشتاق غلامی ہیں
ہمارے اونٹ صاحب خود ہی کسر پٹ کے حامی ہیں

غیر کو نامے میں وہ مائی ڈیر لکھتے ہیں
مجھ سے بیگانہ وشی ہے مجھے سر لکھتے ہیں

ہوٹل سے بھلا پرہیز تھیں اب پنڈت جی مہراج کہاں
سچ بات کہی جس نے یہ کہا جب لاگ لگی تب لاج کہاں
نظروں میں بسا ہے رنگ وہی آنکھیں وہی گلشن ڈھونڈھتی ہیں
موسم وہ نہیں ہے اے اکبر جو بات تھی کل وہ آج کہاں

سر جھکا کر ان کی سیوا کر تو گردن کو نہ تان
وزن لالٹی پہ نازاں ہیں مرے اشعار شعر

برہمن یورپ کو مان اور ایشیا کو سو درجان
فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلان

اک برگ مضمحل نے یہ اسپیچ میں کہا
اچھا جواب خشک یہ اک شاخ نے دیا

موسم کی کچھ خبر نہیں اے ڈالیو تمھیں
موسم سے باخبر ہوں تو کیا جڑ کو چھوڑ دیں

اگر ڈوبے ہوئے ہیں آپ سچ مچ حق پرستی میں
تو کرتے رہیئے کام اپنا انھیں حالات پستی میں

آپس میں رہنا صلح سے خوئے بنی آدم نہیں
اکثر اسی پہ ہے عمل یا تم نہیں یا ہم نہیں

بیاں اپنی مصیبت کا تھا مجھے منظور
ہوا جو تائی ٹنک غرق کہہ دیا میں نے

خیال تھا ہوئے تشبیہ جستجوئیں تھیں
کہ دل مرا تھا اور اس دل کی آرزوئیں تھیں

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو
بس ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد

جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

کونسل میں اگر پرسش ہوئی مغموم نہ تم لٹ یار رہو
اللہ بلانے والا ہے مرنے کے لئے طیار رہو

الاپو مغربی سُر میں کوئی راگ
جنون لیڈری کا دور ہے یہ
خموشی اور قناعت ناروا ہے

اُٹھو مسجد سے اور دامن کو جھاڑو
فلک کو کد ہے بگڑو اور بگاڑو

کیوں جلا رکھا ہے اس دوستے پیری میں مجھے
کہا گردوں نے نہیں غیر ضروری یہ بات

ستم غیر ضروری یہ فلک کا دیکھو
اپنے مٹنے کا بتدریج تماشا دیکھو

ہادی قوم بنو۔ قوم کے مہمان بنو
خود تو پہلے مگر اے یار مسلمان بنو

ہستی ہی تیری کیا ہے کہ ہو ان کا ہم سفر
موجوں کا اے حباب نہ دے تو اُبھر کے ساتھ

فلسفے میں کیا دھرا ہے گھر کا ہو یا لندنی
سئی کا موقع ملے تو آرٹ یا سائنس سیکھ
دشمنِ دانا سے بچ پہچان لے نادان دوست
صرف لفاظی سے ان روزوں نہیں ملنے کی بھیکھ

دلادے ہمکو بھی صاحب سے لاٹلٹی کا پروانہ
قیامت تک رہے سید ترے آنر کا افسانہ
اڈیٹر بول اُٹھے دیکھ کر شبلی کے فوٹو کو
اسی کے دم سے اب زندہ ہے مشرق کا کتبخانہ
مبصر کہہ رہے ہیں وضع ملت کے تغیر پر
بندھی یہ دھن تو بس اب ہو چکا مسلم کا ترانا
بہت مشکل ہے تھمنا مشرق و مغرب کا یارانہ
ادھر صورت فقیرانہ اُدھر سامان شاہانہ
مبارک شیخ کو نانِ جویں کے ساتھ یہ قرارت
ہمیں تو دیر میں پرشاد کھانا اور بھجن گانا
یہ یونیورسٹی کا مسئلہ کیا کم تھا اے گردوں
کہ چھیڑا تو نے ہم میں ٹرکی وائٹلی کا افسانہ

یہ قسمت شیخ جی کی ورنہ اکبر
کجا وہ بُت کجا آمنتُ باللہ

مرشد کی طلب میں جو میں اُٹھا تو یہ بولے
اک پیرِ ڈِز خوردہ و ہر سمت دویدہ
مُردہ سمجھو ان کو کہ جو پہونچے ہوں خدا تک
مرشد ہیں وہی جو ہیں گورنمنٹ رسیدہ

مجھ کو حسرت نہیں اس کی کہ کریں یاد مجھے
یاد آئی بھی تو کیا آئی جو تحقیر کے ساتھ
مسمریزم کی ہو تدبیر تو ادوں ہی یہ مشق
چھوڑ دیں مجھ کو وہ آنکھیں مری تقدیر کے ساتھ

گو یہ عزت ہے کہ پائی تری محفل میں جگہ
لذّت اس میں ہے کہ ملجائے ترے دل میں جگہ

ہر ایک مسلم پکارتا ہے وہ خواہ انسی ہو خواہ جنی
خدا کی طاعت سے جو ہے باہر فلیس منّی فلیس منّی

الحاد کی بنیاد ہے جس چیز نے ڈالی
دشمن اُسے سمجھے گی نظر دیکھنے والی
اکبر کی فغاں کو نہ کہو خام خیالی
فرماتے ہیں اور وہ کے یہ خود حضرت حالی

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے
اُمت پہ تری آ کے عجب وقت پڑا ہے

شیطان ہے دل جو نورِ ایماں نہ رہے
دشمن ہے زباں جو وردِ قرآں نہ رہے

کہتی ہے یہ ہسٹری بہ آوازِ بلند
تم کچھ نہ رہے اگر مسلمان نہ رہے

نہایت سچ یہ قولِ میرزا سلطان احمد ہے
کہ مذہب خود دعا ہے پھر دعا سے کیوں تمھیں کد ہے

روز افزوں ہے بلاشبہ برٹش اقبال
اپنا اقبال مگر اس نے جو سمجھا ہے اسے
جو خلاف اسکے تصور کرے وہ وہمی ہے
یہ نئی روشنی کی سخت غلط فہمی ہے

بہت ہے ذکرِ مذہب کیمپ میں ذکرِ خدا کم ہے
فناں کا شوق بیجا ہے مگر ذوقِ دعا کم ہے

حفظِ عصمت بھی سہی لیکن یہ پردہ ہند میں
پردہ در کہتا ہے اب اس کی ضرورت ہی نہیں
خون میں غیرت رہی باقی تو سمجھے گا کبھی
مسلموں کی جاہ و شان و تمکنت کی بات تھی
میرزایانہ ادا تھی سلطنت کی بات تھی
خوب تھا پردہ نہایت مصلحت کی بات تھی

دونوں کو اگرچہ ہے طلب آ زر کی
رخ ان کے جدا ہیں اس کی علت کے لئے
بنیاد وہ اپنی چاہتا ہے مضبوط
بے چین ہے یہ نمود حالت کے لئے
ہندو عزت طلب ہے زر کی خاطر
مسلم کو طلب ہے زر کی عزت کے لئے

احسان نہ کچھ الحاد کا ہے امداد نہ کچھ شیطان کی ہے
اکبر کی دلیری حق پہ یہ ہے یہ زندہ دلی ایمان کی ہے

وہ نیو قوم کی ہے نہ پشتہ نہ جبیت ہے
بگڑے جو بن رہے ہیں یہ دنیا کی ریت ہے
ہنگامۂ طرب نہیں یہ شورشِ رفارم
رنج و محن کا ساز ہے چکی کا گیت ہے

ممدوحِ شرق و غرب و شمال و جنوب تھے
تعریف تھی ہنر کی بری از عیوب تھے
اب کچھ نہیں تو کیا کہیں تم سے کہ کیسے ہیں
ہاں اس میں شک نہیں ہے کہ جب تھے تو خوب تھے

نقشِ ماضی منظرِ بے معنی و مفہوم ہے
مصلحت فطرت کی ہے یا ذہن کا مقسوم ہے
بہ رہا ہے لاکھوں ہی موجوں میں یہ بحرِ فنا
درد کے قابل فقط یا حیُّ یا قیُّومُ ہے

اس بات میں ہے اک رمز نہاں اس قافیے میں چالاکی ہے
جب آہ و بکا کا ذکر نہ ہو تو وہ مجلس بے باکی ہے

مجھ گدا کو کر دیا رخصت جو دے کر عطر پان
فاقہ تو ٹوٹا نہیں۔ ہاں عزت افزائی ہوئی

مرکزِ دل بزمِ مشرق میں کوئی ملتا نہیں
ہر طبیعت مغربی چکر میں ہے آئی ہوئی

مذہب و وضع و زبانِ قوم کا کس کو خیال
جب اکابر کی نظر آذر کی شیدائی ہوئی

نظمِ اکبر کو سمجھ لو یادگارِ انقلاب
یہ اُسے معلوم ہے ٹلتی نہیں آئی ہوئی

نئے مسلم کا اب کوئی نہ ماخذ ہے نہ مرکز ہے
یہ ہے کے دن کی مسوس اور وہ کتابِ مغز ہے

جو مستی اس سے پیدا ہوگی دخترہو گی وہ کسکی
یہ میں سمجھا کہ معشوقہ تمھاری دخترِ رز ہے

تو پھیلا پاؤں تو اتنا حیاتِ چند روزہ میں
سمجھ لے قبر میں تیرے لئے جا صرف دو گز ہے

نہیں ہے کچھ شدنی بے اصول ارادوں سے
خدا بچائے مجھے ان زمانہ زادوں سے

وہ وقعت اٹھ گئی جب دل سے آئینِ حجازی کی
امامِ قوم بننے کو ضرورت کیا نمازی کی

بتوں سے اب تو ہیں سرگوشیاں وعظ کی محفل میں
نہ کوئی مجلسی کی بات سنتا ہے نہ رازی کی

ٹھیک پڑھ سکتا نہیں کہتا ہے ناموزوں مجھے
خود زبانِ معترض ہی خارج از تقطیع ہے

مشرق کے جو ہو رہے وہ پستی میں پڑے
مغرب سے سبق لیا تو مستی میں پڑے

پیدا ہی نہ ہوتے کاش اطفال یہاں
آخر یہ کیوں بلائے ہستی میں پڑے

مادہ نہیں اتنی مضطرب نر کے لئے
آمادہ ہیں جس قدر وہ آنر کے لئے

نو حصے تم اپنی نوکری کو دے دو
دسواں حصہ تو ہو پمبر کے لئے

ہوش آیا ہے تو ہنگامۂ ہستی بھی سہی
حسِ لذت ہے طبیعت میں تو مستی بھی سہی

اصل مقصود ہے خالق کی پرستش لیکن
صورت اچھی ہو تو انسان پرستی بھی سہی

تو حشر کا منکر ہے جو اے فتنۂ دوراں
کہتا ہے کہ نیچر میں پتہ اس کا کہاں ہے

نیچر ہی سے ابھرا ہے ترا قامتِ رعنا
نیچر ہی میں واللہ قیامت بھی نہاں ہے

بے دینوں کو جوشِ مستی کیا ہے
بندوں میں یہ خود پرستی کیا ہے

کہتی ہے فلک کی گردش ان سے
تم کیا ہو تمہاری ہستی کیا ہے

کہتے ہیں وہ کہ اکبر کچھ باؤلا ہوا ہے
مذہب میں بات کیا ہے مسجد میں کیا دھرا ہے
اک روز لاٹ صاحب سے بھی تو پوچھ دیکھیں
گرجا میں کیا دھرا ہے جیتا جو واں پڑا ہے

مجھ کو بے دل کر دے ایسا کون ہے
یاد مجھکو اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ہے

عامل ہے ہوا باغ کی معمول ہے مٹی
مٹی ہے کبھی پھول کبھی پھول ہے مٹی

ہے جلوۂ مہر پرتو ماہ تو ہے
سینے میں تمہارے قلب آگاہ تو ہے
ظاہر جو نہیں ہے حامیٔ دین کوئی
بیدل کیوں ہو رہے ہو اللہ تو ہے

رخصت ہوا جو آیا تھا وہ جائے گا جو آیا ہے
حیرت ہو تو کیا صدمہ ہو تو کیا دنیا میں یہی ہوا آیا ہے

سینے پہ بحر حسن کے سونے کی چین ہے
سیمیں ہیں دو حباب طلائی یہ چین ہے

زملنے میں مجھے خواہش نہ اس کی ہے نہ اس کی ہے
سرورِ طبع کو کافی فقط اک جام وسکی ہے

حسب فرمائش اڈیٹر نظام المشائخ دہلی

کیونکر کہوں طریق عمل ان کا نیک ہے
جب عید میں بجائے سویوں کے کیک ہے
مجبور ہوں مگر نہ ملوں ان سے کس طرح
اب تک وہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ ایک ہے

اکبر کی صاف گوئی کو میں نے کیا پسند
کل کہہ رہے تھے بار میں اپنے کلیگ سے
اللہ سے لگائے رہیں لو جناب شیخ
ہم نے تو دل کی لاگ لگائی ہے ٹیگ سے

موڑے نہ کردن کبھی اے یار نکالی
تو نے نہ مری حسرت دیدار نکالی

بتکدے میں جو ملکشا تھے وہ بالم ہو گئے
تھے جو کافر وہ حرم میں جان عالم ہو گئے
قصد یہ تھا کر دوں اس مطلع کی شرح مختصر
لکھنے کو بیٹھا جو میں کالم کے کالم ہو گئے

شمشیر زن کو اب نئے سانچے میں ڈھالئے
شمشیر کو چھپائیے زن کو نکالیئے

نقد و جنس انجمن قوم میں موجود نہیں
یاں تو نقشوں کی فقط خانہ پُری ہوتی ہے

دار الاسلام اب تو شیدائے بتانِ غرب ہے
اب انھیں کے زیر سایہ ان کا دار الحرب ہے

کشتِ دل کو نفع پہونچے اشک ایسی چیز ہے
دیدۂ گریاں پہ واٹر ٹیکس کی تجویز ہے

نہیں اب شیخ صاحب کی وہ عادت
مگر ہاں چائے پیکر حسبِ دستور
وضو کی اور مناجات سحر کی
تلاوت کرتے ہیں وہ پانیر کی

جب نئے شتوؤں کے نقشے زیبِ ٹیبل ہو گئے
سیکڑوں بندے خدا کے آنریبل ہو گئے

ہمارے شیخ شرعی زندگی بے سود کاٹیں گے
مرے ویفر میں بھی انٹرسٹ اب وہ نہیں لیتے

اب کہاں نشو و نمائے نہالِ معنی
کس زمیں پر دلِ پر جوش کی بدلی برسے
بزم حافظ ہے نہ میدان ہے فردوسی کا
قوم کو کام ہے بانضابطہ لٹریچر سے

اُس بُت کی محبت نے چھڑایا ہمیں سب سے
باقی رہی الفت نہ عجم سے نہ عرب سے

لطف امروز اور ہے اور فکر فردا اور ہے
راہ دنیا اور ہے اور راہ عقبیٰ اور ہے
نوجوانوں سے بزرگوں کو نہ کیوں ہو اختلاف
چشم بینا اور ہے چشم تماشا اور ہے

بادۂ و رندی کا ذکر اب شعر میں بے سود ہے
کیا ضرورت نقل کی جب اصل ہی موجود ہے

اُبھرا ہے رنگ سودا دیوانگی بھری ہے
ہے جوش موسمِ گل جو پھول ہے پری ہے
شمع اور پتنگ سے ہے ہر صبح وعظ عبرت
یہ بھی مرے پڑے ہیں وہ بھی بجھی دھری ہے

کعبے میں جلوہ گر وہی دیر میں مستتر وہی
لیتے ہیں ہم خدا کا نام کہتے ہیں رام رام بھی
بولی وہ مس کہ شیخ جی پہلے مرے حریف تھے
اب سمجھ ان کو آگئی دوست بھی ہیں غلام بھی

مہمانِ فلک کہاں سکون پاتا ہے
ہے ہضم کی فکر میں یہ نقل و حرکت
آسودہ جو ہیں انھیں بھی ٹہلاتا ہے
ظاہر یہ ہے کہ پیٹ دوڑاتا ہے

منظور اے دل ہماری عرضی ہوگی
اس دور فنا میں ہوگی لیکن جو بات
اُس وقت کہ جب خدا کی مرضی ہوگی
وہ صرف برائے نام و فرضی ہوگی

بہتر یہی ہے پھیر لیں آنکھوں کو گائے سے
کیا فائدہ ہے روز کی اس ہائے ہائے سے

کمزوریوں کو روک دیں زوروں کو کیا کریں
مسلم ہٹے تو فوج کے گوروں کو کیا کریں

منہ بند ہو سکے گا مسلماں شریف کا
چسکا مگر نہ جائے گا صاحب سے بیف کا

دنیا ہی اب درست ہے قائم نہ دین ہے
زر کی طلب میں شیخ بھی کوڑی کا تین ہے

عاشقوں کے بھی معین ہو گئے ہیں اب حقوق
عہد انگریزی ہے یہ اے جان جاں شاہی گئی

بجا ہے جائے جو سٹ یونیورسٹی کے لئے
جنون قوم کو جائز ہے اس پری کے لئے

قائم یہی بوٹ اور موزا رکھئے
ان باتوں پہ معترض نہ ہوگا کوئی
دل کو مشتاق مس ڈسوزا رکھئے
پڑھئے جو نمازہ اور روزہ رکھئے

نغمۂ قومی کا مطرب آج کل ہے ہرسٹی
تال ہے ذکرِ ترقی سم ہے یونیورسٹی
دین کی الفت دلوں سے ان کے یونہیں گر مٹی
مسلم اُٹھ جائیں گے رہ جائے گی یونیورسٹی
ہے ضروری لیڈروں میں غیرت و تقویٰ و دیں
خود جواں میں نقص ہو تو ہے یہ اے اکبر بپی

فرق آیا رنگ بو میں ہوا کو ترس گئے
ایسے بھیجے کہ ہند میں مسلم اُبس گئے

کالج و ٹیچر و حکام ہمہ در کار ند
طاعت حق بھی مگر شرط ہے روٹی جو ملے
تا تو پاسے بکف آری و کنی عہدہ پُری
شیخ سعدی نے کہا ہے کہ بغفلت نخوری

دیکھ آئے قوم سنتے تھے جسے
بار آور پارک میں یہ ہوں گے کیا
چند لڑکے ہیں مشن اسکول کے
گملوں ہی پر رہ گئے ہیں پھول کے

ترقی ہو اکہی شاہد مغرب کے جوبن کی
عجب خوش فعلیاں ہیں آجکل شیخ و برہمن کی
نہ چندہ ہے نہ بندہ ہے فقط مغرب کا خندہ ہے
اگر چندے یہی حالت رہی شیخ و برہمن کی

کالج ہے دنیوی فوائد کے لئے
مسجد میں یہاں جو مولوی صاحب ہیں
قائم ہے یہ ایسے ہی مقاصد کے لئے
کپتان ہیں مذہبی قواعد کے لئے

کہتا ہوں تو تہمت حسد ہوتی ہے
دنیا طلبی ضرور ہے انساں کو
خاموشی میں دل کو سخت کد ہوتی ہے
لیکن ہر شے کی ایک حد ہوتی ہے

ایامِ شباب اور موسمِ گل تقویٰ کی بیاں کیا ہستی ہے

ہر عضو بدن ہے لذت جو ہر قطرۂ خون میں مستی ہے

خیال آتا ہے اکثر اے خدا کیا ہونے والا ہے

قریب المرگ ہیں ہم پر بھی کوئی رونے والا ہے

جس کو خدا سعید کرے وہ سعید ہے

روزے ہوئے ہوں جس کے قبول اسکی عید ہے

قوم کیسی کس کو اب اردو زباں کی فکر ہے
ایک پر اجماعِ اکثر کا بہت مشکل ہے اب
ہو نہیں سکتی مرتب کوئی بزمِ سامعیں

غم غلط کرنا ہے بس اور آب و ناں کی فکر ہے
سب ہیں مضطر اپنے منہ مٹھو میاں کی فکر ہے
ہر زباں کو ایک تازہ داستاں کی فکر ہے

عزم کر تقلیدِ مغرب کا ہنر کے زور سے
غیر ملکوں میں ہنر کو سیکھ تکلیفیں اٹھا
نسخۂ اَلْمِنَّتُ بِالْمَغِیبِ جب سے چکھے نیچری
نغمۂ شب پر حریفوں کو نہایت ناز ہے

لطف کیا ہے لد لیئے موٹر پہ زر کے زور سے
رو کتے ہیں وہ اگر اپنے اثر کے زور سے
بابوؤں کا کام نکلا شور و شر کے زور سے
وہ نہیں واقف مری آہِ سحر کے زور سے

کالج بنا عمارتِ فخر النسا بنی
بے پردگی کی ہو نہ یہ در پردہ اک بنا
لیکن نگاہ نبض شناسانِ وقت میں

شکرِ خدا کہ مل گئے آخر بنا بنی
جن کو یہ ڈر ہے اُن کی تو جانوں پہ آ بنی
امراضِ قوم کے لئے عمدہ دوا بنی

طلب اپنی نہ بڑھنے دو ضروری الرزق کی حد سے

بچائے گی قناعت تیری تجھکو کفر کی زد سے

دم تم میں ہے خدا ہی کی حمد و سپاس سے
عہدے جو سو بچاس کو اچھے ملے تو کیا

دینِ خدا جدا نہ کرو اپنے پاس سے
قائم نہ ہوگی قوم کبھی سو بچاس سے

کیوں خدا کے باب میں بحثوں کی اتنی دھوم ہے
اس تغیر پر بھی ہے ذہنوں میں قائم کوئی چیز

ہست میں شبہ نہیں ہے چیست نامعلوم ہے
اور وہ کیا ہے فقط یا حی یا قیوم ہے

گئے وہ دن کہ ہم سب سے بڑھے تھے ہم سے سب کم تھے
ہمیں اب کچھ نہیں ہیں اک زمانے میں ہمیں ہم تھے

مسجدیں سنسان ہیں اور کالجوں کی دھوم ہے

مسئلہ قومی ترقی کا مجھے معلوم ہے

روح کو پہچاننا سب سے بڑا سائنس ہے
اس لئے ہادیٔ دیں مطلوب جن وانس ہے

موسم گل میں خبر شورِ عنادل کی کہی
خوش رہے بادِ صبا اس نے مرے دل کی کہی

اشعارِ غیر سے تو مجھے کم سند ملی
من گفتم و محاورہ شد سے مدد ملی

عشاق وقتِ مرگ قریں کیوں ہیں یاس سے
خوش ہیں نجات مل گئی بارِ حواس سے

یہ کیا تم نے کہا اب کوئی ملجا ہے نہ ماویٰ ہے
خدا کے فضل سے بھائی علیگڈھ ہی اٹاوہ ہے

ذوقِ لقائے حق سے دل کو تمھارے بھر دے
باطن کی ہے یہ خوبی مشتاقِ مرگ کر دے

ہو خیر یارب اکبر آشفتہ حال کی
سر حن رقیب اور دوا اسپتال کی

دل میں قوت ہے کچھ نہ جان میں ہے
زندگی اب فقط زبان میں ہے

جانتا ہوں ہو رہا ہے جو نہ ہونا چاہیئے
بحث یہ ہے کب تلک اس غم میں رونا چاہیئے

اظہارِ مصیبت میں اکبر تجھے کیوں کد ہے
اب بہرِ خدا چپ ہو رونے کی بھی اک حد ہے

جنھیں نہیں فکرِ آخرت کی یہ بن سنور کر اُدھر گئی ہے
اسی سبب سے عروسِ دنیا مری نظر سے اُتر گئی ہے

اظہار اس معنیٔ نازک کا الفاظ کی حد سے باہر ہے
ہر پھیر کے سمجھ ہے گرد اس کے جو حدِ خرد سے باہر ہے

اک شاعری وہ ہے جسے فطرت سے میل ہے
اک شاعری وہ ہے جو اکھاڑے کا کھیل ہے

دونوں ہیں گو کہ اپنی جگہ مستحقِ داد
منزل سے اس کو کام ہے اسکو کلیل ہے

گل تصویر کس خوبی سے گلشن میں لگایا ہے
مرے صیاد نے بلبل کو بھی اُلّو بنایا ہے

تعلیم ہے لڑکوں کی کہ اک دامِ بلا ہے
اے کاش کہ اس عہد میں ہم باپ نہ ہوتے

یہ آپ کی برکت ہے کہ بیچیدگیاں ہیں
بہتر تھا کمیٹی میں اگر آپ نہ ہوتے

یہ جو ہنگامۂ تزئینِ عیش و کامرانی ہے
تماشا خانوں کا آج ہے کل اک کہانی ہے

مداحوں کو خوش ہو کے تو کیا دیکھ رہا ہے
جو حالتِ اصلی ہے خدا دیکھ رہا ہے

بانیٔ طرز نو کے طریقوں کے منتج
البتہ اُن بناؤں سے جن کے لئے ہے سعی
خلق نکو نہ چھوڑیں گے اولاد کے لئے
کچھ جال چھوڑ جائیں گے صیاد کے لئے

ہم اظہارِ خودی سے کوئی دم ساکت نہیں ہوتے
خدا کے باب میں منطق کو پھر کیوں یہ تکا پو ہے
مگر جب غور کرتے ہیں تو خود ثابت نہیں ہوتے
جہاں عشوے ہیں فطرت کے فقط اور عالم ہو ہے

گردوں کا نہ کر شکوہ اچھی نہیں خود غرضی
اکبر نے کہا واپس لیتا ہوں میں ہر خواہش
ہر حال میں پڑھ الحمد اللہ کی جو مرضی
الحمد رہے قائم منظور ہو یہ عرضی

زندگی ہی میں بتدریج ہیں مرتے جاتے
وقت کے ساتھ ہی ہم بھی ہیں گذرتے جاتے

ہم میں وہ خوبی و نکوئی نہ رہی
تعلیم جدید سے ہوا کیا حاصل
پاکیزگی و خجستہ خوئی نہ رہی
ہاں کفر کے ساتھ جنگجوئی نہ رہی

نئی نئی لگ رہی ہیں آنچیں یہ قوم بیکس پگھل رہی ہے
نہ مشرقی ہے نہ مغربی ہے عجیب سانچے میں ڈھل رہی ہے

شکلیں جو بن گئی ہیں یہ ذرّوں کا میل ہے
اس روشنی میں خاک ہو نشو و نمائے شیخ
جھگڑے جو ہو رہے ہیں یہ فطرت کا کھیل ہے
زیتون کا نہیں ہے یہ مٹی کا تیل ہے

موعودہ ترقی سے خوشی کیوں نہ ہو پیدا
خوش ہیں قلمی وعدوں پہ جو ڈوب رہے ہیں
امید کے انجن کا بھپارا ابھی بہت ہے
ان کے لئے تنکے کا سہارا ابھی بہت ہے

میں بہت اچھا ہوں جی ہاں قدردانی آپ کی
خیر پھر کیوں ہے اتنی مہربانی آپ کی

ادھیاں میں نے سنائی تھی حریفوں کو فقط
شیخ بولے کہ میاں یہ تو بتاؤ ہم سے
شیخ کیوں کود پڑے ان کو خجالت کیا تھی
تم کو اس دیس میں پشتو کی ضرورت کیا تھی

مری سمجھ سے ہے باہر محیط ہے مرکز
تمام قوم اڈیٹر بنی ہے یا لیڈر
ترقیاں ہوئیں کس کی جو قوم ہی نہ رہی
سبب یہ ہے کہ کوئی اردلی نہ رہی

چھائی جاتی ہے مرے دل پہ اداسی کیسی
ہمنشیں ہے یہ بڑی بات ذرا سی کیسی

کیا ملے دادِ سخن بنگلہ نشینوں سے مجھے
وہ سمجھتے ہی نہیں قدر شناسی کیسی

قرآن کو زبان سے دل میں اتاریئے
چشم و زباں میں کیجئے پیدا اثر جناب

علمی نمود چھوڑ عمل کو سنواریئے
بعد اس کے بندگانِ خدا کو پکاریئے

انگریز خوش ہے مالکِ ایروپلین ہے
بس اک ہمیں ہیں ڈھول ہیں بگل اور خدا کا نام

ہندو مگن ہے اس کا بڑا لین دین ہے
بسکٹ کا صرف چور ہے لمنڈ کا بھین ہے

حامیِ صبر و طاعت حیران و مضمحل ہیں
رحمان کے فرشتے گو ہیں بہت مقدس

طامعِ غافلوں کی مضبوط پارٹی ہے
شیطان ہی کی جانب لیکن مجارٹی ہے

ضرورت کچھ نہ تھی اس کی کہ آپس میں بھی ہو جائے
حیاتِ مذہبی سے بھاگنا تھا کھیل گڑیوں کا

GOOD DAY GOOD NIGHT
سلام و رحمۃ اللہ کی جگہ گڈ نائٹ اور گڈ ڈے
کہاں کی قوم ہاں کچھ بن گئے ہیں نازنین گڈے

بعدِ مردن کچھ نہیں یہ فلسفہ مردود ہے
شیخ کالج چاہیئے دیندار اور صاحب اثر

قوم ہی کو دیکھئے مردہ ہے اور موجود ہے
ورنہ کیسا ہی ہو عمدہ کورس وہ بے سود ہے

مجھ سے ہے عذرِ غیر کو کونسل کا ووٹ ہے
ترکیبِ صلحِ کُل نہ تبھی دل پہ چوٹ ہے

واللہ اس ستم کی مرے دل پہ چوٹ ہے
سب سے بچے تو لیجئے کونسل کا ووٹ ہے

لفظ قومی پر بلا مرکز اکڑنا چاہیئے
اس کے یہ معنی ہوئے آپس میں لڑنا چاہیئے

تنے تنک ٹکڑے ہوا نگرا کے آتش برگ سے
دب گیا سائنس بھی آخر پیامِ مرگ سے

وہ دلی احباب وہ مسجد کے ساتھی اب کہاں
ٹھیکہ داروں نے کیا نیلام قومی روح کو
مر رہا ہوں مجھ کو بدخواہی کی قوت ہی نہیں
عیش کا بھی ذوق دینداری کی شہرت کا بھی شوق

دشمنوں کے دشمنوں سے گپ اُڑایا کیجئے
چھاؤنی میں اب فقط روٹی کمایا کیجئے
خیر خواہی آپ ہی ہر دم جتایا کیجئے
آپ میوزک ہال میں قرآن گایا کیجئے

گناہوں سے نہ باز آئیگی اور بستی سے بھاگے گی
جہنم سے سوا طاعون سے یہ قوم ڈرتی ہے

لندن سے دہلی آئے ہیں دس یوم کے لئے
یہ زحمتیں اٹھائیں فقط قوم کے لئے

دیکھو حضور جارج ہیں کیسے خدا پرست
رکھتا نہیں نماز سے تو اپنے دل کو گرم
بابو گر بجویٹ ہیں کالی کے ساتھ ہیں
بڑھتا رہا جو طاعت و مسجد سے یونہی بیر
کہتے ہو تم جو WE تو انھیں آتی ہے ہنسی
WE کا پتہ کہاں ہے وہ کتنے ہیں کون ہیں
آنر کے ساتھ نام گرامی بھی لکھ گیا
موقع کا ہے خیال نہ اب کانشنس ہے
ارشاد لاجواب تو قرآن ہی کا ہے
وقعت تمھاری شاہ کی منزل میں کچھ نہیں
نقلی کمیٹیوں میں نہ دل ہے نہ دیں ہے
اک دل لگی ہے کانگرس ہو کہ لیگ ہو
طاعت سے نیکیاں ہیں تو نیکی سے عزتیں
وقعت مگر محال ہے مسجد کو چھوڑ کر
اک برگ گل کہے گا کہ ہم گل کے جزو ہیں
لاٹھی بھی ملی ہو اگر اس کی رگ سے رگ
پس پھول پتیوں پہ ہے تیری نظر نثار
گھر چھوڑ چھاڑ کر جو بغل چاپ بن گئے
مانوں گا میں یہ بات کہ مجبوریاں بھی ہیں
کلفت اسی کی مجھ کو ہے ہر آن ہر نفس
گو اپنے ساتھ آپ کا ہُرّا نہ لے گیا

گرجا میں سر جھکا ہے دسمبر ہو یا اگست
اے مدعیِ دین خدا شرم شرم شرم
اک آپ ہیں کہ ہوٹلوں والی کے ساتھ ہیں
کچھ خاک میں ملیں گے تو کچھ ہوں گے جزو غیر
یعنی زبان شوق غلط لفظ میں پھنسی
مرکز سے ہیں جدا نہ سوا ہیں نہ پون ہیں
لیکن اُدھر سے خطِ غلامی بھی لکھ گیا
ارشاد ہو غلط بھی تو اس کا ڈفنس ہے
فرمان بے مثال تو رحمان ہی کا ہے
کاغذ پہ اعتراف مگر دل میں کچھ نہیں
یہ پانیر پُری کی فقط ایک مشین ہے
ذاتی ہے اک نمود جو کوئی علیگ ہو
شبہے کی کوئی بات نہیں اس اصول میں
ممکن نہیں کہ پائیے پھل جڑ کو توڑ کر
تم خود کو کیا کہو گے کہ کس کل کے جزو ہیں
بیکار توپ جس کے ہوں پرزے الگ الگ
جڑ پر نظر نہیں ہے کہ جس کی ہے سب بہار
کانٹو میں اب پھنسو کہ ٹٹن چاپ بن گئے
پر بالا ارادہ دین سے کچھ دوریاں بھی ہیں
لاکھوں کی سدراہ ہے دس بیس کی ہوس
اکبر مگر خدا کی گواہی تو دے گیا

عاصی ہوں میں فقط یہ تقاضائے میوز Muse ہے
یاروں سے التجا ہے پلیز اکسکیوز PleaseExcuse ہے

ضمیمہ متفرقات

اے اکبر ہمارے دل کا تڑپانا نہیں آتا
کہ جس کو علم تو آتا ہے شرمانا نہیں آتا

رنگ ہی کچھ اور اب تو روز و شب کا ہو گیا
جس طرف دیکھو دگرگوں حال سب کا ہو گیا
اس تغیر سے مگر اس کو نہیں پہونچا ضرر
انقلاب آیا بھی اکبر پر تو رب کا ہو گیا

بہت دشوار ہے مسلم کو قومی پیشوا بننا
مصیبت جھیلنا اور ہادیِ راہ خدا بننا
مشینوں سے لپٹ کر اس قدر البتہ ممکن ہے
بباطن خود گھسٹنا اور بہ ظاہر رہنما بننا

جب ایسی قوم ہے تو پیشوا بھی اسکے ایسے ہیں
مثل سچ ہے کہ جیسی روح ہے ویسے فرشتے ہیں

جو حکم واعتصموا ہم کو ہے بحبل اللہ
بتائیے کہ کہاں ہے وہ حبل عالم میں
ادب میں دین کے اور مسجدوں کی صف میں ہے
کہ لیگ میں ہے وہ اور پانیر کے کالم میں

اسباب طرب یہاں وہاں سے لائیں
ہر طرح کا فرنیچر دکان سے لائیں
قائم نہ رہے ادب تو کیا اس کا علاج
انگریز کا رعب ہم کہاں سے لائیں

بگڑ جائے گی میری ان کی اک دن
اِلٰی اَصۡلِہٖ یَرۡجِعُ کُلُّ شَیۡءٍ

بدن میں روح آجاتی ہے جب بے گوری رنگت کے
تو بے انگلش پڑھے روزی بھی مل سکتی ہے نیٹو کو

بلینک ورس یعنی بلا قافیہ

اجسام کے فنون کا کرتے ہیں خود عمل
اجرام کے علوم کا دیتے ہیں ہم کو درس
ہوتا ہوں معترض تو وہ کہتے ہیں واہ واہ
میں نے تو کر دیا ترا رتبہ بلند تر
از صحن خانہ تا بلب بام ازانِ من
وز بام خانہ تا بہ ثریا ازان تو

خود فن حرب سیکھ رہے ہیں پریڈ پر
اظہار ناخوشی پہ وہ فرماتے ہیں کہ دیکھ
آں اشترِ ضعیف ولکدزن ازانِ من

میرے لئے چمن میں شٹل کاک کا ہے کھیل
تیرا ہی مشغلہ ہے بہت صاف و بے ضرر
واں گریۂ مصاحب باباازانِ تو

ضمیمہ غزل

عبث بالکل ہے حالِ دل کسی سے آج کل کہنا
فقط تعمیر کالج پر میں پھولوں یہ نہیں ممکن

بہت جوشِ طبیعت ہو تو جائز ہے غزل کہنا
مبارک آپ ہی لوگوں کو ہوتی کو چھل کہنا

طامع کو گدا پایا قانع کو غنی دیکھا
عقدے بھی کھلے تجھ سے منظر بھی نظر آئے

اوروں کی نہیں کہتے ہم تے تو یہی دیکھا
آنکھیں بھی کبھی کھولیں دل کو بھی کبھی دیکھا

ساز قومی پر جو طاہران کا ایسا ہو گیا
پیش تو میں نے بھی دل کو کر دیا بہرِ کباب
ہے تلون میں مرا آئینہ رو ہم رنگ چرخ
عشق قومی میں بھی خطرہ ہے ہلاکت کا مجھے

جو مخالف تھا وہ اپنے گھر میں دھیما ہو گیا
تھا عدو چالاک تر بالکل ہی قیما ہو گیا
مہر طلعت دن کو شب کو ماہ سیما ہو گیا
لیڈروں کے مشورے سے جان بیما ہو گیا

جب یاس ہوئی تو آہوں نے سینے سے نکلنا چھوڑ دیا
اب خشک مزاج آنکھیں بھی ہوئیں دل نے بھی مچلنا چھوڑ دیا
ناوک فگنی سے ظالم کی جنگل میں ہے اک سناٹا سا
مرغانِ خوش الحاں ہو گئے چپ آہو نے اُچھلنا چھوڑ دیا
کیوں کبر و غرور اس دور پہ ہے کیوں دوست فلک کو سمجھا ہے
گردش سے یہ اپنی باز آیا یا رنگ بدلنا چھوڑ دیا
بدلی وہ ہوا گذرا وہ سماں وہ راہ نہیں وہ لوگ نہیں
تفریح کہاں اور سیر کجا گھر سے بھی نکلنا چھوڑ دیا

وہ سوز و گداز اس محفل میں باقی نہ رہا اندھیر ہوا
پروانوں نے جلنا چھوڑ دیا شمعوں نے پگھلنا چھوڑ دیا

ہر گام پہ چند آنکھیں نگراں ہر موڑ پہ اک لیسنس طلب
اُس پارک میں آخر اے اکبرؔ میں نے تو ٹہلنا چھوڑ دیا

کیا دین کو قوت دیں یہ جواں جب حوصلہ افزا کوئی نہیں
کیا ہوش سنبھالیں یہ لڑکے خود اس نے سنبھلنا چھوڑ دیا

اقبال مساعد جب نہ رہا رکھے یہ قدم جس منزل میں
اشجار سے سایہ دور ہوا چشموں نے اُبلنا چھوڑ دیا

اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی آثار و نشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ میں چلنا چھوڑ دیا

جب سر میں ہوائے طاعت تھی سرسبز شجرِ امید کا تھا
جب صرصرِ عصیاں چلنے لگی اس پیڑ نے پھلنا چھوڑ دیا

اس حورِ لقا کو گھر لائے ہو تم کو مبارک اے اکبرؔ
لیکن یہ قیامت کی تم نے گھر سے جو نکلنا چھوڑ دیا

جواب شیخ میں یہ تو کبھی کہا جاتا
طمع نے دین کو کھویا جو ہوتے ہم قانع
امیدِ وصل جو ہوتی نہ جانفزا اکبرؔ
یہ حجّتیں کبھی مرنے پہ لوگ کہتے ہیں کیا

کہ وعظ ٹھیک ہے لیکن نہیں رہا جاتا
کبھی نہ ہاتھ سے یہ دینِ بے بہا جاتا
بھلا یہ صدمۂ فرقت کبھی سہا جاتا
یہ کیا یقین کہیے کچھ نہ کچھ کہا جاتا

تر اول تو ہمیشہ امرِ خاطر خواہ چاہیے گا
غزل سنئے ہوا اکبرؔ کی تو اس کو عذر ہی کیا ہے
کیسے وعدے تھے یہ اس دن کے سر راہ جناب

گر یہ ہوگا وہی اکبرؔ کر جو اللہ چاہے گا
گر ہر شعر پہ اِس انجمن میں واہ چاہے گا
آپ سے پھر نہ ملاقات ہوئی واہ جناب

میرے اشعار پہ کہتے ہیں بہت واہ جناب — نہیں کرتے مگر افزائشِ تنخواہ جناب
ابھی سوتک نہیں پہونچی مری تنخواہ جناب — آپ مجھ کو نہ کہا کیجئے للہ جناب
ووٹ بازی کے سوا رکھا ہی کیا ہے اسمیں — ممبری کے لئے کرتے ہیں عبث آہ جناب
بنتے جاتے ہیں غبار اوہ نئی روشنی کے — ہو ہی جائیں گے ثریا حشم و ماہ جناب

سامنا اک نگہِ ناز کا ہے جان کی خیر — مہرباں اک بُتِ عیار ہے ایمان کی خیر
یہ تو زینت ہے کہ پہنے ہیں جڑاؤ بالے — یہ قیامت ہے کہ اللہ مرے کان کی خیر
گوشۂ دامنِ لیلیٰ بھی ہے تر اشکوں سے — ہم یہی کہتے تھے مجنوں کے گریبان کی خیر
ٹھن گئی آج یہی دل میں کہ پہونچوں اُن تک — یا مری خیر نہیں یا نہیں دربان کی خیر
نازسے دامن اٹھاتی تھی جو اپنا لیلیٰ — زیرِ لب کہتی تھی مجنوں کے گریبان کی خیر
آپ کے ناوکِ غمزہ کی توجہ ہو جدھر — موت ہے دل کی منائے جو کوئی جان کی خیر
ادبِ سبحہ و زنار اُٹھا جاتا ہے — خیر ہندو کی نہ اب ہے نہ مسلمان کی خیر
ترکِ شیراز سے خوش تر ہیں بتانِ مغرب — ظاہرا اب نظر آتی نہیں ایران کی خیر
دیگی دین کی باتوں میں عیاذاً باللہ — شیخ لاحول پڑھیں تم کو شیطان کی خیر
اس نے میدان میں سر دیکھے کیا قوم کا نام — آپ بنگلے میں منایا ہی کئے جان کی خیر
پارٹی کچھ بھی نہیں جب نہ ہو ذوقِ طاعت — قوم کی خیر نہیں جب نہیں ایمان کی خیر

اُس مسِ برق کلیسا کا ہے لکچر اکبر
آج تو علم بھی مانگے گا مسلمان کی خیر

مزا آتا ہے گردوں کو مجھے بے چین رکھنے میں — مصائب جان دیتے ہیں مرے حس کی ذکاوت پر
جمالِ لم یزل کی معرفت کیونکر میسر ہو — کہ حس غالب ہے فانی انقلابوں کا طبیعت پر
یہ غیرت دیکھئے ضبطِ فغاں ہے اس لئے مجھکو — کہیں نازاں نہ ہو تکلیف میری اپنی شدت پر

کس طرح پڑھتے ہیں یہ ای شیخ عورت اکطرف — سارے خیالات ایک طرف ملکی ضرورت اکطرف

مشرق کے واعظ اک طرف مغرب کی زینت اک طرف
عقلی دلیلیں اک طرف اور دل کی غیبت اک طرف

اسپنسر مل کے ورق ہیں کس قیامت کے سبب
کل توپخانہ اک طرف بابو کی جرأت اک طرف

اکبر در بتخانہ پر ایسا جما ٹلتا نہیں
ساری خدائی اک طرف اُس بت کی صورت اک طرف

ذکر خدا یاد اجل کافی ہیں اس کے واسطے
میداں آرا اک طرف اکبر کی ہمت اک طرف

ہمیں گھیرے ہوئے ہیں ہر طرف اصلاح کی موجیں
مگر یہ حس نہیں ہے ڈوبتے ہیں یا اُبھرتے ہیں

مرا یہ شعر اکبر ایک دفتر ہے معانی کا
کوئی سمجھے نہ سمجھے ہم تو سب کچھ کہہ گذرتے ہیں

معنی کا حس نہیں تو ترے دل میں کچھ نہیں
لیلیٰ اگر نہیں ہے تو محمل میں کچھ نہیں

کارِ جہاں کو دیکھ لیا میں نے غور سے
اک دُھن لگی ہے سعی ہے حاصل میں کچھ نہیں

اے آفتاب خضر رہِ معرفت ہے تو
لاکھوں ستارے اور تری محفل میں کچھ نہیں

لیتے ہیں لوگ اپنی دلی بات کے مزے
میرا مزا یہ ہے کہ میرے دل میں کچھ نہیں

اُن کی سنو خدا نے کہا جن سے صاف صاف
اوہام کے فسانۂ باطل میں کچھ نہیں

افسانہ حسنِ گل کا بڑی چیز ہے حضور
کہتے ہیں آپ شورِ عنادل میں کچھ نہیں

اسپیچ مذہبی میں بھی یکتا ہیں شیخ کمپ
لیکن یہ سب زبان پہ ہے دل میں کچھ نہیں

حلوا کھلایا شیخ نے اور وعظ بھی کہا
حلوا تو پیٹ میں ہے مگر دل میں کچھ نہیں

دلکش بہت ہے افعیِ گیسوئے اختلاف
کونسل سے کیوں کہوں کہ ترے بل میں کچھ نہیں

مٹاتے ہیں جو وہ ہم کو تو اپنا کام کرتے ہیں
مجھے حیرت تو ان پر ہے جو اس مٹنے پہ مرتے ہیں

جس طرف اُٹھ گئی ہیں آہیں ہیں
چشم بد دور کیا نگاہیں ہیں

ذرہ ذرہ ہے خضرِ شوق تو ہو
چلنے والے کو لاکھ راہیں ہیں

لطف چاہو اک بتِ نوخیز کو راضی کر و
نوکری چاہو کسی انگریز کو راضی کر و

لیڈری چاہو تو لفظِ قوم ہے مہماں نواز
گپ نویسوں کو اور اہلِ میز کو راضی کر و

طاعتِ امن و سکوں کا دل کو لیکن ہو جو شوق
صبر پر طبعِ ہوس انگیز کو راضی کر و

زق زق دبق بق میں دنیا کے نہ ہو اکبر شریک
چپ ہی رہنے پر زبانِ تیز کو راضی کرو

اتنی رغبت دل کی جبّے کی طرف ہے پی نہ لو
مدرسہ مانع نہیں مسجد کا نوٹس ہی نہ لو

دم نکلجانے کا اندیشہ تو ہے مجھ کو مگر
نزع میں تم ہو تو میں کیونکر کہوں ہچکی نہ لو

بوسہ وبنو سہ ارزاں بک رہے ہیں دیر میں
ہے کوئی جس سے کہوں یہ بھی نہ لو وہ بھی نہ لو

دل ترا ہو کہ نہ ہو ہوشربا راز کے ساتھ
صوت سرمد تو ازل سے ہے اسی ساز کے ساتھ

کیا وہ خواہش کہ جسے دل بھی سمجھتا ہو حقیر
آرزو وہ ہے جو سینے میں رہے ناز کے ساتھ

گردشِ چرخ بدل دیتی ہے دنیا کے طریق
ہو ہی جاتے ہیں سب اس شعبدہ پرواز کے ساتھ

ہاں عطا کی ہے جنھیں چشم بصیرت حق نے
اُن کے کان اب بھی ہیں قرآن کی آواز کے ساتھ

اس گلستاں میں نہیں کوئی ہوا خواہ مرا
سب کی سازش ہے اُسی نرگس غماز کے ساتھ

پر شکستہ ہوں قفس میں نہ رہا ذوقِ چمن
ولولے دل کے گئے قوت پرواز کے ساتھ

دلِ رنگیں کے اُبھرنے میں تصنع کیسا
فصل گل آتی ہے سامانِ خدا ساز کے ساتھ

سعی پر اپنی بہت فخر نہ کر اے اکبر
طے منزل بھی ہے مشروط تگ و تاز کے ساتھ

نیچری سے کوئی الحاد کی پوچھے ترکیب
دین چھوڑا ہے تو کس ٹھاٹھ کس اعزاز کے ساتھ

پارٹی بندی میں ہوتا ہے یہی اے اکبر
کیا تعجب ہے نظر آئیں جو گدھ باز کے ساتھ

خدا کے کام دیکھو بعد کیا ہے اور کیا پہلے
نظر آتا ہے مجھ کو بدر سے غارِ حرا پہلے

نہ رکھے گا خدا بیگانہ تجھ کو نورِ باطن سے
مگر لازم ہے پیدا کر دلِ حق آشنا پہلے

تری تعلیم جو کچھ ہو ہمارا تو سبق یہ ہے
یہ سب فانی خدا باقی خودی پیچھے خدا پہلے

غیر کی حسرت نکلنے دیجئے
خیر میرے دل کو جلنے دیجئے

پارک میں کیا جاؤں ہے وقتِ نماز
بابو صاحب کو ٹہلنے دیجئے

عقل دل کو اُلفتِ زلفِ بتاں اک کھیل ہے
مغربی چکر میں تفریحیں بھی ہیں ایذا کے ساتھ
برکتیں ساکت سعادت دم بخود مذہب خموش
کہتے ہیں راہ ترقی میں ہمارے نوجواں

وضع بدلی گھر کو چھوڑا. کاغذوں میں چھپ گئے
مٹ گئے نقش و نگارِ دیرِ فانی کے مرید
دل کا ٹکڑا تو رہا باقی پئے راہ خدا

دلوں کو لذتِ معنی کا اب حس ہی نہیں باقی
حدیثِ آرزوئے قربِ باری پر نظر کس کی
ہوائے وادیٔ ایمن کہاں اب گلشنِ دل میں
معاذ اللہ غفلت باریاں یہ ابرِ مغرب کی
مٹا دے اپنی ہستی اشتیاقِ حسن باقی ہیں

آفتِ جاں ہے تجلی آتشِ رخسار کی
مست کر دیتی ہے مجھ کو فصلِ گل میں بوئے گل
بھینی بھینی ہائے وہ نارنج کے پھولوں کی بو
قطرہائے شبنمِ پاکیزہ پھولوں پر نہیں
ہر شگوفے پر تڑپ جاتی ہے طبعِ حسن دوست
ناچتا ہوں صحنِ گلشن میں ہوا کے ساتھ ساتھ
مجھ کو دیوانہ بنا دیتا ہے فطرت کا جمال
سر جھکا کر یاد کر لیتا ہوں اپنی موت کو
نکہتِ گل ہائے شاخِ گل میں یہ مستی کہاں

خیر ہو ایمان کی یارب کافروں سے میل ہے
امتیاز اس کا ہے مشکل پارک ہے یا جیل ہے
دل دعا سے بےخبر تدبیر ہی سے میل ہے
خضر کی حاجت نہیں ہم کو جہاں تک ریل ہے

چند روزہ کھیل تھا آخر کو سب مر کھپ گئے
نام اُنھیں کا رہ گیا روشن جو ہر کو جپ گئے
ریل میں کیا غم جو اکبر کھیت تیرے نپ گئے

جسے دیکھو قتیلِ صورتِ دنیائے فانی ہے
خدا اک لفظ ہے اور شوقِ موسیٰ اک کہانی ہے
نہ وہ ارنی کا خرمن ہے نہ شوقِ لن ترانی ہے
کوئی آلودۂ آز کوئی صرفِ جوانی ہے
جو اے اکبر تجھے ذوقِ حیاتِ جاودانی ہے

خیر ہو یارب نگاہِ شوق سہل انکار کی
وجد میں لاتی ہے حالت سبزۂ و اشجار کی
جس پہ سو جانیں فدا ہوں طبلۂ عطار کی
سبز پریوں پر چمک ہے موتیوں کے ہار کی
پتی پتی پر نگاہیں ڈالتا ہوں پیار کی
ہمنوائی چاہتا ہوں بلبلِ گلزار کی
عارضِ گل سے خبر ملتی ہے روئے یار کی
حاضری ہو جاتی ہے اللہ کے دربار کی
ادھر ہی خوشبو ہے کچھ تیرے گلے کے ہار کی

متعلق امورِ خاص

ڈاکٹر بیناڑڈ[1] ہیں اپنے ہنر میں لاجواب
ہاتھ ان کا برق ہے نشتر شعاعِ ماہتاب

ہفت سالہ تھا مرض دم بھر میں زائل ہو گیا
آنکھ روشن ہو گئی جاتا رہا سارا حجاب

پانچ ہی دن میں نہ پٹی تھی نہ بستر کی وہ قید
حسن کلکتہ تھا اور میری نگاہِ انتخاب

ڈاکٹر بیناڑڈ کو اللہ رکھے شاد کام
اور رہے خلقِ خدا اُن کے ہنر سے فیضیاب

مدرسہ الٰہیات خوب ہے کانپور میں
قوم کی سچ جو پوچھئے خدمتِ واقعی یہ ہے

حمد خدا کے غلغلے ہوں گے بلند اب یہاں
اس میں ذرا بھی شک نہیں دین کی بہتری یہی ہے

حضرتِ رعد کا یہاں جوش و خروش دیکھ کر
سب نے کہا یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ یہ ہے

عنبر فشاں ہوا ہے معطر مکان ہے
کیوڑے کا یہ عرق نہیں کیوڑے کی جان ہے

کیوڑہ بنے گا پندرہ قطروں سے اک گلاس
اس کی یہی ہے جانچ یہی امتحان ہے

صنعتِ صانع کو دیکھ اس روغنِ بادام میں
یاسمن کی روح پھونکی ہے تنِ بادام میں[2]

تاریخ وفات والدۂ سید عشرت حسین ۲۴ - اکتوبر ۱۹۱۱ء ماہ عید ۱۳۲۹ھ

مرا راحت رسان و محرم اسرار ما بودی
ہمیں تاریخ فوتت گفتہ ام غمخوار ما بودی

---

[1] حضرت مصنف مدظلہ العالی نے یہ نظم حسب فرمائش جناب ڈاکٹر صاحب موصوف کے لکھی - اس کا ترجمہ انگریزی ہوا اور ڈاکٹر صاحب کے یہاں فریم میں لگا ہے - نواب سید محمد خاں صاحب انسپکٹر جنرل رجسٹری بنگال کے ذریعہ سے مراسلت ہوئی ۱۲ - (۱۵ دسمبر ۱۹۱۰ء کو اپریشن ہوا تھا)

[2] یہ اشعار حضرت مصنف دام فیضہٗ نے حسب فرمائش شیخ محمد حسین صاحب سکندر پوری ضلع بلیا عصالحہ دار نظامتہ العالیہ مرشد آباد صدر دکان کھنگرا پٹی کلکتہ نمبر ۳ - موجد بادامی روغن و شاہی کیوڑہ وغیرہ کے کیوڑہ کی تعریف میں موزوں فرمایا - ۱۲ - محمد عبدالرحمن قیس

مادۂ تاریخ ولادت سید ہاشم سلمہ اللہ تعالیٰ

تیغ فاتح	ظہور بدر
۱۸۹۹ء	۱۳۱۷ھ

مادۂ تاریخ ولادتِ سید عقیل سلمہٗ ابن سید عشرت حسین سلمہٗ

محمد عقیل ابن عشرت
۱۳۲۵ھ

تاریخ وفات جناب سید تفضل حسین صاحب پدر مصنف

چو شد واصلِ ذاتِ رب ذاتِ او	بجو سال تاریخش از ذاتِ رب ۱۳۰۳ھ

تاریخ وفات جناب سید ہادی علی صاحب رئیس و آنریری مجسٹریٹ الٰہ آباد

ان کے مرنے کا نہ کیوں ہو سب کو غم سنئے الہامی یہ تاریخ وفات	سچ تو یہ ہے لاکھوں ہی میں ایک تھے میر ہادی صلح جو تھے نیک تھے ۱۳۱۷ھ

ایضاً متفرق مصرعے

پاکیزہ سرشت صاحب رائے	میر ہادی ازجہاں مردانہ رفت

شد اہل بہشت میر ہادی

قطعات و مثنویات

مسلّم ہے جب سب کو اِلاَّ قَلِیۡلاً … تو ہر علم ہے ذہن انساں میں ڈھیلا
مگر مست کر جاتا ہے ہو کے پیدا … اسی فیضِ فطرت سے کوئی رسیلا
مذاہب کی مستی حریفوں کی شوخی … رہے گی رچی یوں ہی دنیا کی لیلا

اَلاَ یَا اَیہا الساقی بدہ ودہ ئے بہ محفلہا … کہ سیٹ آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا
رفیقاں سست طاقت سلب و دولت صرف دل بیمِ … چرا افتی پئے نامے دریں گرداب مشکلہا
رہ پیچیدۂ سر حکومت بر تو نکشاید … مگر چوں مار کاہل حلقہ زن باشی دریں بلہا
عبث اے بے ہنر قربِ مشینِ مغربی خواہی … کہ جز دو دے ترا حاصل نمیگردد ازیں ملہا
حکومت پارلیمنٹی نباشد اندریں کشور … ولے نیٹو بجنگ آید ہمہ ازبہر کونسلہا
ہوس در سینہ می جوشد کہ جان دہ اندریں منزل … خرد در گوش می گوید کہ بر بندید محملہا
زحرصِ ممبری نقصاں پذیرد قوت ملت … بجائے قوم آز دخل یابد بر دلہا
جو ذوقِ خدمتِ ملک ست حاجت نیست با کونسل … بکن تحریر در اخبار و نطقے دہ بمحفلہا
اگر جوشِ مضامیں ہست در طبعِ بلیغ تو … بگو افسانہائے دردِ دل در شکل ناولہا
نمی گویم کہ موجِ شوقِ عزت ہست بمعنی … ہمی گویم نگہدارید کشتیہا و ساحلہا
برآر از دل یکے دستِ دعا در حضرتِ باری … کہ تا بخشد دولت را امتیازِ حق و باطلہا
اگر حاکم کند ایما طلب کن ووٹ و خوش بنشیں … کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسمِ منزلہا
بوئے شہرت کاخر گزٹ زاں طرہ بکشاید … حریفاں مضطرب گردند و شور افتد بہ محفلہا
چو در کونسل رسی باصد ادب مشغول خدمت شو … مَتٰی مَا تَلۡقَ مَنۡ تَھۡوٰی دَعِ الدُّنۡیَا وَاَمۡھِلۡھَا

بے سبب نیں لائبریر بیام را اکراہ نیست … ہر کتابے را کہ بکشادیم بسم اللہ نیست
کورس را ہر سال تغیر ست و باہم اختلاف … اتحادِ معنوی را سوئے دلہا راہ نیست

از مذاقِ مشرقی ہر طبع را بیگا نگی
چیزے از مغرب بدلہا ہست خاطرخواہ نیست

بعت نشیناں چشم یاری میکنند از ہم دریغ
کو وے کال الا دریں محفل جنونِ جاد نیست

گشتہ ام مایوس ازیں اندازِ آغازِ شما
لاالٰہیت نمایاں ہست والا اللہ نیست

صورتِ مذہب کہ می سازند تحسین میکنیم
معنیٔ دیں راکہ می سوزند خلق آگاہ نیست

برائے رسالہ زمانہ

جو اڈورڈ نے چھوڑا شاہی کا چالج
ہوئے جلوہ آرا شہنشاہ جارج

خوشی ان کی ہے اور اُن کا الم
دو دل ہو رہی ہے زبانِ قلم

قصیدہ کہے یا کہ نوحا لکھے
کدھر رُخ کرے کیا کہے کیا لکھے

لحد بھی ہے اور مسندِ جاہ بھی
مبارک سلامت بھی ہے آہ بھی

بڑے شور ایوانِ دولت میں ہیں
وہ تربت میں ہیں اور یہ حیرت میں ہیں

شہنشاہ مرحوم تھے صلح جو
نئے امپرر ہیں بہت نیک خو

وفاؤ ادب سے ہے یاں رابطہ
ہماری دعا ہے یہ باضابطہ

خدا ان سے خوش ہو انھیں دے فروغ
بڑھیں نیک اور بد رہیں بے فروغ

رہے تختِ برطانیہ برقرار
رہے ہند یونہیں اطاعت شعار

وہ سنبھلیں جو رہتے ہیں غفلت میں مست
یہاں تو ہے پہلے ہی سے دل شکست

بگڑتا ہے دنیا میں جو گھر بنا
مسلسل ہے رفتار موجِ فنا

خوشی کی بھی لیکن ہے پیہم نمود
بلا ہے تو نعمت کا بھی ہے ورود

ہمیں ست آئینِ چرخِ کہن
چہ خوش گفت سعدیٔ شیریں سخن

یکے را چو پایاں رسد در عہد
جواں دو ستے سر بر آرد ز مہد

فرض عورت پر نہیں ہے چار دیواری کی قید
ہو اگر ضبطِ نظر کی اور خود داری کی قید
ہاں مگر خودداری و ضبطِ نظر آساں نہیں
منہ سے کہنا سہل ہے کرنا مگر آساں نہیں
تم میں وہ ضبطِ نظر ان میں وہ خودداری کہاں
رعب قومی مثل فاتح ملک پر طاری کہاں
اب رہی تعلیم کون اس امر کا مفتوں نہیں
بیبیوں پر مغربی سانچا مگر موزوں نہیں

یہ تو ظاہر ہے حریفِ شوخ کیوں رُکنے لگا
شوق سے لیکن خرابی پر میں کیوں جھکنے لگا

چل بسے وہ جنہیں مقدور تھا خودداری کا
دلولے لے کے نکلنے لگے کالج کے جواں
نئے انداز عبادت ہیں نئی صورت عیش
نئی تہذیب نئی راہ نیا رنگ۔ جہاں
بحث میں آ ہی گیا فلسفۂ شرم و حجاب
دبی آواز کہا بھی جو کسی نے کہ جناب
شیخ صاحب ہی کا ہے بزم میں کیا رعب و وقار
نعرے تحقیر کے اسیر ہوئے یاروں میں بلند
جب حکومت نہیں باقی تو یہ غمزے کیسے
تم نے شلوار کو پتلون سے بدلا اے شیخ
خود تو گٹ پٹ کے لئے جان دئے دیتے ہو
لال جب خود ہی کنیزرِ ؑ کا ہوا ہے بندہ
دولھا بھائی کی ہے یہ رائے نہایت عمدہ
درِ نظارہ مقفل رہے کب تک ہم پر
اکبر افسردہ شد از گرمیِ ایں طرزِ سخن

نہ وہ تقویٰ نہ وہ تعلیم نہ وہ دل کی امید
شرم مشرق کے عدو شیوۂ مغرب کے شہید
رمضاں ساعت کرکٹ ہے تھیٹر میں ہے عید
دورِ گردوں کی کہاں تک کوئی کرتا تردید
زہرہ ممبر ہوئیں وہ ٹرسٹی جنابِ خورشید
کچھ مناسب نہیں اس وقت میں ایسی تمہید
کہ خواتین کو پبلک میں ہو وقعت کی امید
لڑکیاں بول اُٹھیں خود بہ طریق تائید
کون کونے میں کرے بیٹھ کے مٹی کو پلید
پھر مرے واسطے محرم رہے کیوں حبلِ ورید
ہم سے کہتے ہو کہ پڑھ بیٹھ کے قرآن مجید
تو یہ مینا رہے کیوں گوشۂ عزلت میں شہید
ساتھ تعلیم کی تفریح کی حاجت ہے شدید
کیوں نہ غنچوں کے لئے بادِ صبا کی ہو کلید
شیخ بگریخت و در صومعۂ خویش خزید

کھل گئے در نہ رہا شاہد مشرق میں حجاب
غل مچا ہر سے کا بول اٹھے یہ مغرب کے مرید

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

دربار ۱۹۱۱ء

دیکھ آئے ہم بھی دو دن رہ کے دہلی کی بہار
حکم حاکم سے ہوا تھا اجتماع انتشار

آدمی اور جانور اور گھر مزین اور مشین
پھول اور سبزہ چمک اور روشنی ریل اور تار

کیروسین اور برق اور پٹرولیم اور تارپین
موٹر اور ایروپلین اور جگمگٹے اور اقتدار

مشرقی پتگوں میں تھی خدمتگزاری کی امنگ
مغربی شکلوں سے شانِ خود پسندی آشکار

شوکت و اقبال کے مرکز حضورِ امپرر
زینت و دولت کی دیوی امپرس عالی تبار

بحرِ ہستی لے رہا تھا بیدریغ انگڑائیاں
ٹیمز کی امواج جمنا سے ہوئی تھیں ہمکنار

انقلاب دہر کے رنگین نقشے پیش تھے
تھی پئے اہل بصیرت باغ عبرت میں بہار

ذرے ویرانوں سے اٹھے تھے تماشا دیکھنے
چشم حیرت بنگئی تھی گردش لیل و نہار

مصلحت آمیز ہر طرز و طریق انتظام
حکمت آگیں ہر ادائے حاکمانِ نامدار

جلسے سے باہر نگاہِ ناز فتانِ ہند
حد قانونی کے اندر آنریبلوں کی قطار

خرچ کا ٹوٹل دلوں میں چٹکیاں لیتا ہوا
فکر ذاتی میں خیالِ قوم غائب فی المزار

دعوتیں انعام۔ اسپیچیں۔ قواعد۔ فوج کمپ
عزتیں خوشیاں۔ امیدیں۔ احتیاطیں اعتبار

پیش رو شاہی تھی پھر ہز ہائنس پھر اہل جاہ
بعد اس کے شیخ صاحب ان کے پیچھے خاکسار

میں نے مرشد سے کیا جا کر یہ اک دن التماس
کاردنیا نے بہت مجھ کو کیا ہے اب اداس

لہ ۱۵ دسمبر ۱۹۰۹ء کو حضرت مصنف مدظلہ کی آنکھ پر بمقام کلکتہ آپریشن ہوا معاً ایک مضمون اُن کے دل میں پیدا ہوا اور اسی وقت یہ اشعار موزوں کر کے لکھوا دیے ۱۲

سلہ یہ نظم پرچہ نظام المشائخ دہلی میں بہت مدح کے ساتھ چھپی ۱۲

جلوۂ دنیا نے مجھ کو کر دیا ہے بے بصر
فلسفہ نے مجھ کو دکھلایا فقط دنیا کا فیکٹ[1]
میرے حق میں کوئی فکرِ سالویشن[3] کیجئے
کی توجہ حضرت مرشد نے میرے حال پر
چشم باطن میں دیا نشتر نگاہِ تیز کا
پھیر دیِ دل پر مرے تقویٰ کی ٹٹی باندھ دی

آخرت پر اب نہیں باقی رہی میری نظر
میری چشمِ طبع کو عارض ہے غربی کیٹریکٹ[2]
ہوسکے تو مغربی اک آپریشن کیجئے
اک نظر ڈالی مرے اقوال اور اعمال پر
کٹ گیا وہ رنگ محسوساتِ کفر انگیز کا
آنکھ پر شوقِ لقائے حق کی پٹی باندھ دی

دربار دہلی اک طرف لوکل مجالس اک طرف
راجا ہیں ہندی فربہی موٹر کی طینت آتشی
ہر چند دل کے نرم ہیں تاہم بہت سرگرم ہیں
یہ رنگ و بو یہ زینتیں یہ پر تکلف صنعتیں
آنکھوں کو تم کھولو ذرا دیکھو تو یہ پولو ذرا
جوبن پہ باغِ دہر ہے گلشن ہر اک سو شہر ہے
بھولے ہیں سب کبر و منی ہے شان دہلی دیدنی
سرکش کو فکرِ حفظ جاں اکبر کا شورِ الاماں

مرزا کا چم خم اک طرف بدھو کی گھس گھس اک طرف
مرطوب بارد اک طرف اور حار و یابس اک طرف
سردی کا احساس اک طرف اعزاز کا حس اک طرف
ہر گوشہ کمپ اک طرف اور سارا پیرس اک طرف
تیزیِ فرس کی اک طرف اور نازِ فارس اک طرف
وا گوشِ گل ہے اک طرف حیرت میں نرگس اک طرف
دلکش گو کاین اک طرف بارعب آفس اک طرف
سائنس کا زور اک طرف حسن رخِ مس اک طرف

جانِ جہانبانی ہیں یہ عظمت میں لاثانی ہیں یہ
ہفت آسماں ہیں اک طرف اور جارج خامس اک طرف

شادِ کابل آں سراجِ ملت و روشن خرد
کوِل کالج را شرف بخشید از اسپیچ خویش
مرشدِ کالج بہ وجد آمد ز تحسینش و لے

کرد نہضت از رہِ حکمت سوئے ہندوستاں
مرحبائے گفت و دستِ فیض او شد زر فشاں
مدحتِ ایں طائفہ بر قلبِ شیخ آمد گراں

[1] واقعہ　[2] موتیابند　[3] نجات

گفت شاہ از عیبِ ایناں چشم پوشی میکند
مسلک و اعمال ایشاں یک دو سالے دید نیست
ہم بریں معنی سخن می گفت باطبعِ ملول
عاشقِ علیے فرمود قولِ شہ مفید ست و نکو

یا فریبے خوردہ از زریں طباقِ میزباں
کے کند کشفِ حقیقت یک دو ساعت امتحاں
چو بدید ندش کہ دربندِ غم ست ایں ناتواں
ہمنشیں خندید و گفت ایں مطلعِ حافظ بخواں

دوش از مسجد سوے میخانہ آمد پیرِ ما
چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیرِ ما

یہ پوچھا شیخ سے میں نے کہ کہئے کیا گذرتی ہے
نہایت یاس و حسرت سے وہ بولے کیا کہوں تم سے
نئے تعلیم کے مردے تو زندہ ہیں تماشوں میں

یہ سن انیس سو دس ہیں نئے مقصود و منظر ہیں
یہ دو مصرعے سنو جن میں نہاں دفتر کے دفتر ہیں
پرانی وضع کے زندے مگر مردوں سے بد تر ہیں

دو تیتریاں ہوا میں اڑتی دیکھیں
بھولی۔ خوشرنگ چست۔ نازک پیاری
پھرتی ہے کہ برق کی طبیعت کا ابھار
جو فاصلہ کر لیا ہے باہم قائم
گو تابعِ جوشِ برق پروازی ہیں
کیونکر میں کہوں کہ یہ نظر بندی ہے
ان جانوروں میں گرل اسکول کہاں
کس بزم سے ایسا ناچ سیکھ آئی ہیں

اک آن میں سو طرف کو مڑتی دیکھیں
پہنے ہوئے فطرتی منقش ساری
تیزی ہے کہ آنکھ کو تعاقب دشوار
وہ بھی ہے بلا زیادت و کم قائم
دونوں کے خطوط طیر متوازی ہیں
اللہ اللہ کیا ہنر مندی ہے
فطرت کے چمن میں صنعتی پھول کہاں
پریاں اندر کی جس سے شرمائی ہیں

اس سمت اگر خیالِ انساں بڑھ جائے
دامانِ نظر پہ رنگِ عرفاں چڑھ جائے

نہ مسجد میں نظر آتے نہ رہتے ہیں محلّوں میں
بھی یورش رہی آزادی و تقلید بیجا کی

ترقی پا کے بس مل جاتے ہیں برگد کے گلّوں میں
تو غائب قوم کی تمکین ہے دو چار ہلّوں میں

جوشِ قومی کا تو اظہار ہے ہر شام و پگاہ
لب پہ الفاظ بہت خوب ہیں ماشاء اللہ

دیکھتا کچھ نہیں لیکن ریزولیوشن کے سوا
بحث کچھ تم میں نہیں ہے اودلیوشن کے سوا

نہ وہ مسجد نہ جماعت نہ وہ طاعت نہ دُعا
نہ وہ گل ہیں نہ وہ گلشن نہ وہ سبزہ نہ ہوا

نہ قناعت نہ توکل نہ وہ خودداری ہے
جاہ و شہرت کی تمنّا میں گرفتاری ہے

کیا غرض مرکزِ تسبیح و دعا قائم ہو
بس یہ مطلب ہے کہ اک 'نئی سبھا قائم ہو

بہت ہی عمدہ ہے اے ہمنشیں برٹش راج
کہ ہر طرح کے ضوابط بھی ہیں اصول بھی ہے

جو چاہے کھول لے دروازۂ عدالت کو
کہ تیل پیچ میں ہے ڈھیلی اس کی چول بھی ہے

نگاہ کرتے ہیں حاکم بہت تعمق سے
تمھاری عرض ہیں گو کچھ زیادہ طول بھی ہے

خلل نہ شغل میں بدھو کے ہے نہ حسّو کے
کہ شیخ شدھ بھی ہیں اور قدم رسول بھی ہے

عطا ہوئی ہے یہ اسپیکروں کو آزادی
کہ حاکموں میں ہے قائل تو یاں ا قول بھی ہے

محلِ صلِّ علیٰ ڈاک و تار کی ہے روش
اگرچہ دل میں نہاں عظمتِ رسول بھی ہے

جگہ بھی ملتی ہے کونسل میں آنریبلی کی
جو التماس ہو عمدہ تو وہ قبول بھی ہے

چمک دمک کی وہ چیزیں ہیں ہر طرف پھیلی
کہ آنکھ محو ہے خاطر اگر ملول بھی ہے

طرح طرح کے بنالو لباس رنگارنگ
علاوہ روئی کے ریشم بھی اور اول بھی ہے

اندھیری رات میں جنگل میں ہے رواں انجن
کہ جس کو دیکھ کے حیران چشم غول بھی ہے

شگفتہ پارک ہیں ہر سمت رہروؤں کیلئے
نظر نواز ہے پتنی جسین پھول بھی ہے

جب اتنی نعمتیں موجود ہیں یہاں اکبر
تو حرج کیا ہے جو ساتھ اُس کے ڈیم فول بھی ہے

شکوہِ جلوۂ قیصر عیاں ہے
زمیں پر آج اُترا آسماں ہے

کرم فرما ہوا ہے شاہ انگلینڈ
کہ جو شاہنشہِ ہندوستاں ہے

عظیم الشّان ہے دربار دہلی
سراپا چشم ہر پیر و جواں ہے

چمک دکھلا رہا ہے ذرہ ذرہ　　منوّر ہر سڑک اور ہر مکاں ہے
بپا کل ملک میں ہے جشن شادی　　جدھر دیکھو مسرت کا سماں ہے
تکلف کی نہیں باقی کوئی حد　　ہر اک سو صرفِ زر صرفِ زباں ہے
نہایت فخر ملکِ ہند کو ہے　　کہ اُس کا شاہ اُس کا میہماں ہے
لکنزی اور پلومر کا ہے وہ لطف　　کہ ہر طفلِ دبستاں شادماں ہے
الہ آباد کا یہ ہائی اسکول　　اُنھیں کے دم سے رشکِ بوستاں ہے
خدا اس عہد کو رکھے مسلسل　　کہ حاصل نعمتِ امن و اماں ہے
کلکٹر کا بھی ہے دربار عالی　　یہاں بھی خاطرِ ننکو میاں ہے

جن بزرگوں کی طلب سابق و دیرینہ ہے　　ان کو الطاف گورنمنٹ کا گنجینہ ہے
جن بزرگوں کو نئی راہ میں ہے سعی کا شوق　　قوم سے ان کو بلا واسطہ لینے کا ہے شوق
دونوں راہوں میں ہے عزت بھی رکاکت بھی ہے　　موقعِ مدح بھی ہے وجہ شکایت بھی ہے
مستند دونوں ہیں جو چال جو اعزاز کے ساتھ　　دونوں رہ سکتے ہیں آسودگی و ناز کے ساتھ
شدتِ حرص سے ہاں سیئے رکاکت جو جھکے　　غیر ممکن ہے کہ دل خلق کا رکنے سے رُکے
نہ اچھل کود کا حاصل نہ تملق کا اثر　　بجز اس کے کہ گھٹو زور ہیں باہم لڑ کر
خوب ہے وہ جو قناعت کی طرف سالک ہے　　کس مُپرسی ہے تو ہو اس کا خدا مالک ہے
امرِ طاعت ہی ہے اللہ کے پیاروں کے لئے　　ماسوا اس کے جو ہے شغل ہے یاروں کے لئے
طلبِ رزق ضروری ہے تو مجبوری ہے　　اس کے آگے ہے جو کچھ اس سے مجھے دوری ہے

ہم نشیں جب مرے ایام بھلے آئیں گے
بن بلائے مرے وہ آپ چلے آئیں گے

—•—

جنگ ٹرکی اور اٹلی کے متعلق رائیں

کوئی کہتا ہے

دکھائے گی نیا اب رنگ ٹرکی
وہاں بھی آگئیں مغرب کی لہریں
بہت خود رائے تھے سلطان سابق
ہوئے رخصت وہاں سے اولڈ فیشن

نہ ہوگی مبتلائے جنگ ٹرکی
ہوئی اب ہم کنارِ گرنگ ٹرکی
رہا کرتی تھی ان سے تنگ ٹرکی
ترقی اب کرے گی ینگ ٹرکی

بعض یہ کہتے ہیں

بدلی وہ ہوا وہ سنبل و گل رخصت
اب دل میں ہیں دوستانِ ٹرکی شاداں

ساقی رخصت وہ ساغرِ مل رخصت
لو ہو گئے پانیر کے عبدل رخصت

لیکن بعض یہ فرماتے ہیں

یلدیز سند راہِ مخالف کنوں نماند
آں تیغ عقل و آں نگہِ پرفسوں نماند

اندیشۂ حریف بحالِ زبوں نماند
سودا بجوش آمد و آں زنگِ خوں نماند

چوں رخت خود بہ بست و بروں از مقام شد
عبدالحمید گفت کہ ترکی تمام شد

آں فکرِ مصر و کابل و جاپان و چیں کجا
آں پالسی و آں نگہِ دور بیں کجا

آں خوضِ التفات پئے کارِ دیں کجا
آں خاتمِ حمید کجا آں نگیں کجا

در دل گداز بیم بجائے امید شد
گوئی خلا بماند و خلافت شہید شد

بہت لوگ یہ کہتے ہیں

مجھ پہ ہے تقلید واجب ہند کے دربار کی
رائے میری ہے وہی جو رائے ہے سرکار کی

کوئی انقلاب زمانہ کی یوں شکایت کرتا ہے

حالت ایں چیست کہ من پیشِ نظر می بینم
در پسِ کار بتاں فتح و ظفر می بینم
در حرم سوزِ دل و خونِ جگر می بینم
چرخ را وضع دگر رنگ دگر می بینم

ایں چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شر می بینم

شاہ و سلطاں سے رعایا کی مروت نہ رہی
پاس ملت نہ رہا دین کی غیرت نہ رہی
وہ عقیدے نہ رہے اور وہ حکومت نہ رہی
دل کا مرکز نہ رہا ہاتھ کی طاقت نہ رہی

ایں چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم
ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم

خارِ الحاد سے ہر گل کی یہ کاوش کیسی
ترک ایماں کی دلِ خلق میں خواہش کیسی
کفر سے دعویٰ اسلام کی سازش کیسی
اے فلک کیا یہ ترا رنگ یہ گردش کیسی

ایں چہ شوریست کہ در دور قمر می بینم
ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم

اب تو رکھ دی گئی تہ کرکے ادب کی چادر
پہلے قبلہ تھے تو اب صرف ڈیر ہیں فادر
امر تعظیم کو اطفال نے سمجھا بادر
ماؤں کو۔ لینے کو ہرگز نہیں جاتیں نادر

دختراں را ہمہ جنگ ست و جدل با مادر
پسر الفت نہ پسر را بہ پدر مے بینم

اور میں کہتا ہوں

کیا بحث ہے ایران سے یا ترکِ عرب سے
یا تخت پہ بیٹھے کوئی یا تخت سے اُترے
اس وقت تجھے قطع نظر چاہیئے سب سے
رکھ کام تو دن رات فقط طاعتِ رب سے

تاریخ نے دیکھے ہیں بہت رنگ فلک کے
خورشید نکلتا ہے سدا پردۂ شب سے

ہم کو سنبھالتی ہے ملت جو ٹالو بنائے — میں کو نباہتی ہے غیرت جو دل میں آئے
کیا حالِ قوم مجھ سے تو پوچھتا ہے ہمدم — ہم کا پتہ نہیں ہے میں ہیں مگر بہت کم
کفر اس کو ہے قناعت محنت کی راہ بھولی — تقریر میں فضولی کوشش میں بے اصولی
جب پیشوا نے اپنا کعبہ جدا بنایا — اپنے مزے کو سب نے اپنا خدا بنایا
اپنی ہی یہ خطا ہے ہم نے تو خوب جانچا — لڑکے ڈھلے ہیں ویسے جیسا بنا تھا سانچا
خنجر جس سے پھیلتا ہے یادش بخیر بھی ہے — اپنا ہی کیا کہ ہنستا اب ہم پہ غیر بھی ہے
جھوٹی لگاوٹوں سے ہرگز نہیں ہے سیری — حرص و طمع نے کھودی اس قوم کی دلیری
آثار کہہ رہے ہیں گوشِ دلِ حزیں میں — جیتا رہا تو تو بھی مل جائے گا انھیں میں

بچتا اگر ہے تجھ کو اس دور میں تو شورہ
بے رونقی پر کر صبر اللہ ہی کا ہو رہ

۷ کانون ۱۲

۷۸۶

ان من الشعر لحکمۃ و ان من البیان لسحراً

حصّہ سوم

کلیات اکبر الہ آبادی

معروف بہ

لسان العصر

کلام بلاغت نظام عالیجناب خان بہادر سید اکبر حسین صاحب مرحوم پنشنر جج آنریری فیلو

الہ آباد یونیورسٹی

اِنڈکس

مضمون	صفحہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ عمر کب تک وفا کریگی زمانہ کب تک جفا کریگا
مجھے قیامت کی ہیں اُمیدیں جو کچھ کریگا خدا کریگا

فلک جو برباد بھی کریگا بلند ارادے مرے رہیں گے
جو خاک مجھکو تو خاک سے بھی سدا بگولا اُٹھا کریگا

خدا کی پاکی پکارتا ہوں ہوا کرے ناخوشی بتوں کو
مری غرض کچھ نہیں کسی سے تو پھر مرا کوئی کیا کریگا

جہانِ فانی کا حشر ہی کو خیال کر مستقل نتیجہ
یہاں تو پیہم یہی تردد یہی تغیر ہوا کریگا

اگرچہ ہے حد غم سے مضطر یہی ہے وردِ زبان اکبرؔ
یہ درد جس نے دیا ہے ہمکو وہی ہماری دوا کریگا

زندگانی کا مرا دل کا سہارا نہ رہا
ہم کسی کے نہ رہے کوئی ہمارا نہ رہا

بولنے کی ہے نہ قوت نہ اشارے کی سکت
اتنا بس بھی مرا فطرت کو گوارا نہ رہا

پوچھتا کوئی دمِ مرگِ سکندر اکبرؔ
کتنے دن کی یہ تعلی تھی کہ دارا نہ رہا

جب یہ دیکھا کہ جہاں میں کوئی میرا نہ رہا
شدتِ یاس سے میں آپ بھی اپنا نہ رہا

آپ تصنیفِ شرائط کی نہ تکلیف کریں
مجھکو خود ولولۂ عرضِ تمنا نہ رہا

اس کی پروا نہ رہی خوش رہے دنیا مجھسے
عاقلوں میں مری گنتی ہو یہ سودا نہ رہا

منتشر رہنے میں پاتے ہیں اب آرام حواس
شوق مجموعۂ ہوشِ خرد افزا نہ رہا

حیرت افزا ہے مرا حال مگر کون سنے
دیدنی بھی ہے مگر دیکھنے والا نہ رہا

دیکھنے کی تو ہے یہ بات رہا کیا اُس میں
آپ اکبر سے عبث پوچھتے ہیں کیا نہ رہا

غم کیا جو آسمان ہے مجھ سے پھرا ہوا
میری نظر سے خود ہے زمانہ گرا ہوا

مغرب نے خورد بیں سے کمر اُن کی دیکھ لی
مشرق کی شاعری کا مزا کرکرا ہوا

شیخ کو بھی اُس بتِ کافر نے اپنا کر لیا
دین سے کیا ہو سکا ایمان نے کیا کر لیا

دیکھ کر رنگِ فنا خونِ جگر پینا پڑا
زندگی سے سخت گھبرایا مگر جینا پڑا

خانۂ امید آتا ہے نظر اُجڑا ہوا
دل کو حیرت ہے کہ یا اللہ کیا تھا کیا ہوا

کیا کسی بزمِ طرب میں جا ہیں ملے اکبر شریک
آنکھ بھی بھیگی ہوئی ہے دل بھی ہے تڑپا ہوا

بزمِ ہستی میں مرے پیشِ نظر کیا کچھ نہ تھا
دیکھتے ہی دیکھتے لیکن جو دیکھا کچھ نہ تھا

بے تعلق منزلِ ہستی سے گذرا دل مرا
اسکی نظروں میں سزاوارِ تمنّا کچھ نہ تھا

تنہائی اور شبِ غم ـ ہم اور دل ہمارا
اللہ سے دعائیں امید کا سہارا

دنائت آپ کی کھلتی ہے مجبر ملنے جلنے سے
ادب کی جب ضرورت ہے تو بہتر ہے جدا رہنا

اطبا کو تو اپنی فیس لینا اور دوا دینا
خدا کا کام ہے لطف و کرم کرنا شفا دینا

خدا کا نام گو اکثر زبانوں پر ہے آجاتا
مگر کام اِس سے جب چلتا کہ یہ دل میں سما جاتا

نہیں ہے کام زباں کا کچھ اب دعا کے سوا
نظر کسی پہ نہیں ہے مری خدا کے سوا

کبھی کریں گے نہ وہ میرے دل سے ہمدردی
کوئی علاج نہیں ترکِ مدعا کے سوا

کروں کیا غم کہ دنیا سے ملا کیا
کسی کو کیا مِلا دنیا میں تھا کیا

یہ دونوں مسئلے ہیں سخت مشکل
نہ پوچھو تم کہ میں کیا اور خدا کیا

رہا مرنے کی تیاری میں مصروف
مرا کام اور اس دنیا میں تھا کیا

وہی صدمہ رہا فرقت کا دل پر
بہت روئے مگر اس سے ہوا کیا

وہاں قالوبلیٰ یاں بُت پرستی ہے
ذرا سوچو کہا کیا تھا کیا کیا

تمہارے حکم کے تابع ہیں ہم سب
تمہیں سمجھو بُرا کیا اور بھلا کیا

الٰہی اکبرؔ بیکس کی ہو خیر
یہ چرچے ہو رہے ہیں جا بجا کیا

عبث ہے نظم بلیغ فطرت جو رخ نہیں حسنِ مدعا کا
حدیثِ عقبیٰ اگر غلط ہے تو کیا نتیجہ ہے ارتقا کا

میرے دل سے امتیازدی و فردا اُٹھ گیا
حشر بھی ماضی نظر آیا جو پردا اُٹھ گیا

بتوں کی مدح سے کل شاعری اُردو کی مملو ہے
شکستِ اُردو جو پائے گی تو میں سمجھونگا بت ٹوٹا

اکبرؔ کے کفر کا نہ رہا قدرداں کوئی
اُس بت کو شیخ جی نے مسلمان کر لیا

حق کی ہے کم محبت ہے صرف خود فروشی
عزلت ہی ہے مناسب راضی جو دل ہو تیرا

ملنے سے یہ خرابی پیدا ہوئی بالآخر
اب معترض ہے مجھپر مشتاق تھا جو میرا

صاحبِ الفاظ کو دفتر سے بھی سیری نہیں
صاحبِ معنی کو صرف اک لفظ کافی ہو گیا

جہانِ فانی کی حالتوں پر عبث توجہ عبث ہے اکبرؔ
جو ہو چکا ہے وہ پھر نہ ہوگا جو ہو رہا ہے وہ ہو چکیگا

مصیبت ہے مجھے اس بت سے الفت ہو گئی اکبرؔ
کہ جس کو بتکدے میں بھی کوئی اچھا نہیں کہتا

تعددِ احساس سے ہم کو معرّا کر دیا
ٹکڑوں کے ریزے کئے ریزوں کو ذرّا کر دیا

ناموں کو بادیوں کے بے انتہا جھنجھوڑا
یاروں نے بت شکن کو بت ہی بنا کے چھوڑا

کسی کے مرنے سے یہ نہ سمجھو کہ جان واپس نہیں ملیگی
بعید شانِ کریم سے ہے کسی کو کچھ دیکے چھین لینا

ترکِ دنیا کے خیالات کو دھوکا پایا
غور جب ہم نے کیا سائنس کو دنیا پایا

دامِ تقریر بتاں سے حذر اے اہلِ نظر
بخدا میں نے تو ہر لفظ کو پھندا پایا

جس کے ہر پیچ میں سو دامِ بلا ہیں اکبرؔ
ایک عالم کو اُسی زلف کا شیدا پایا

رزولیوشن کی شورش ہے مگر اُس کا اثر غائب
پلیٹوں کی صدا سنتا ہوں اور کھانا نہیں آتا

خدا کے فضل سے بی بی میاں دونوں مہذب ہیں
حجاب اُس کو نہیں آتا۔ انہیں غصہ نہیں آتا

*

جو کچھ تم کہہ رہے ہو جس نے وہ کہنا نہیں سیکھا
یہ سچ کہتے ہو اُس نے مطمئن رہنا نہیں سیکھا

*

ہستیٔ بے ثبات نے جان بشر کو کیا دیا
نفس میں حرص آگئی ہوش نے میں بنا دیا

نفس نے کہدیا غلط عقل نے بھی ملائی ہاں
منزلِ ذوق روح کا دل نے اگر پتا دیا

چشمِ خرد سے عار تھی حسنِ جنوں پسند کو
عقل نے آنکھ جدکی اُس نے حجاب اٹھا دیا

*

حالِ دل میں سُنا نہیں سکتا
لفظ معنیٰ کو پا نہیں سکتا

عشق نازک مزاج ہے بے حد
عقل کا بوجھ اُٹھا نہیں سکتا

ہوش عارف کی ہے یہی پہچان
کہ خودی میں سما نہیں سکتا

پونچھ سکتا ہے ہمنشیں آنسو
داغِ دل کو مٹا نہیں سکتا

مجھ کو حیرت ہے اُس کی قدرت پر
علم اُس کو گھٹا نہیں سکتا

*

آتشیں روئے بتاں دیکھ کے واعظ نے کہا
کارِ اکبر ہی ہے دوزخ سے لگاوٹ کرنا

*

ہے دو روزہ قیامِ سرائے فنا نہ بہت کی خوشی ہے نہ کم کا گلا
یہ کہاں کا فسانۂ سود و زیاں، جو گیا وہ گیا، جو ملا وہ ملا

نہ بہار ہی نہ خزاں ہی رہی کسی اہلِ نظر نے یہ خوب کہی
یہ کرشمۂ شانِ ظہور ہیں سب، کبھی خاک اڑی کبھی پھول کھلا

نہیں رکھتا میں خواہشِ عیش و طرب یہی ساقیٔ دہر سے بس ہے طلب
مجھے طاعتِ حق کا چکھا دے مزا نہ کباب کھلا نہ شراب پلا

ہے فضول یہ قصۂ زید و بکر ہر اک اپنے عمل کا چکھے گا ثمر
کہو ذہن سے فرصتِ عمر ہے کم جو دلا تو خدا ہی کی یاد دلا

راز ہستی کو کوئی آج تلک پا نہ سکا — پا گیا کچھ تو کسی غیر کو سمجھا نہ سکا

ناشگفتہ ہی رہا غنچۂ خاطر میرا — ساخت ایسی تھی کہ دنیا کی ہوا کھا نہ سکا
حسن گل سے ہے سوا ناز کا موقع کس کو — وہ بھی دو دن سے زیادہ کبھی اترا نہ سکا
بزم جاناں کے تصور سے رہا میں قاصر — دور کی بات تھی اندیشہ وہاں جا نہ سکا

کیا حرج ہے پڑھوں جو یہ مصرعہ میں برملا — دینِ خدا حسین ہے دنیا ہے کربلا

فلک کو میں نے مجھے دی فلک نے داد اکبرؔ — اُسے ستم تو مجھے صبر آزمانا تھا

اُس ستمگر نے بگڑنے ہی کو جب بننا کہا — رنجِ شر کے واسطے ہم نے بھی ہاں منا کہا

میں کیا کہوں اسے اور کیا کروں گلا اس کا — مجھے ہنوز پتا ہی نہیں ملا اُس کا
اگرچہ دل کو ہے سودا اُسے بُرا نہ کہو — کسی کی زلف سے ملتا ہے سلسلا اُس کا

انھیں حسرت ہے اکبرؔ کاش میرا ہم نوا ہوتا — میں کہتا ہوں ذرا سوچو جو ہوتا بھی تو کیا ہوتا

غریب اکبرؔ نے بحث پردے کی کی بہت کچھ مگر ہوا کیا — نقاب الٹ ہی دی اُس نے کہکر کہ کر ہی لیگا مرا تو کیا
رہا تو مردوں سے حال بدتر جیا بھی اکبرؔ تو وہ جیا کیا — نئے طریقوں کے حامیوں نے کہا بہت کچھ مگر کیا کیا
یہ چائے ہرگز نہیں ہے کافی نہیں ہے لیمنڈ کا بندہ قائل — شراب ہی حلق سے اتری تو شیخ صاحب نے پھر پیا کیا

میں نام سی کا اپنی خدا نہ رکھوں گا — جو بن پڑیگا مگر وہ اٹھا نہ رکھوں گا
ادائے شکر تو سمجھوں کا فرض عدوں پر — امید آپ سے لیکن ذرا نہ رکھوں گا

نئے طریقوں سے مقصد شرع - کارفرما نہ ہو سکے گا — اُدھر جو پردہ نہ ہو سکے گا اِدھر بھی تقویٰ نہ ہو سکیگا
تمام دنیائی روش ہے جو چھوڑ بیٹھے گی دینِ حق کو — جو ایک مومن بھی ہوگا زندہ تو اُس سے ایسا نہ ہو سکیگا
دوا ترقی کی میں نے دیکھی بصد ادب ہے یہی گذارش — مرض ترقی کریگا اس سے مریض اچھا نہ ہو سکے گا

جدائی نے میں بنایا مجھکو جدا نہ ہوتا تو میں نہ ہوتا — خدا کی ہستی ہے مجھ سے ثابت خدا نہ ہوتا تو میں نہ ہوتا

خدا ہی کی قدرت کا ہر سو عمل ہے — تفکر نہیں کیوں جان اپنی ہے کھوتا
ہوا جو کچھ اکبر سمجھ ٹھیک اس کو — ضروری نہ ہوتا تو ہرگز نہ ہوتا

نظر کو ہو ذوق معرفت کا کرے تو شوق اضطراب پیدا — سوال پیدا جو ہونگے دل میں انھیں سے ہونگے جواب پیدا
کرو نہ کچھ فکر جام و ساقی بہار آنے تو دو چمن میں — گلوں سے ٹپکیگا رنگِ مستی ہوا کریگی شراب پیدا
نہ آس کو ٹوٹنے کا موقع نہ شوق گستاخیوں کا حامی — اداؤں میں کچھ لگاوٹیں ہیں نگاہ سے ہی عتاب پیدا
ہر اک کے لائق ہے اسکی زینت زہے تری شان تیری قدرت — کہ آنکھ کو اشک سے ہی بھرتی گہر میں کرتی ہے آب پیدا
یہ منزل حرص مالِ و دولت نہ دیگی دنیا میں تم کو راحت — ہوس بڑھائیگی تشنگی کو نظر کرے گی سراب پیدا

اک تماشا ہے یہ قربِ ضعف یہ بُعدِ اجل — مدتیں گذریں اسی میں اب مرا اور اب مرا
دفن کر دو فاتحہ پڑھ دو سدھارو دوستو — یہ نہ پوچھو تم کہ میں کیونکر مرا اور کب مرا
اس کو پروانہ نہ کہہ دن کو ہوا جو پائمال — وہ ہے پروانہ جو پیشِ شمع وقتِ شب مرا

بہت دشوار ہے شائستۂ راہ طلب ہونا — نظر کا حد میں رہنا شوقِ دل کا با ادب ہونا
تعجب انقلابوں کا ہے کیا اِس دورِ گردوں میں — یہاں تو رات دن ہی شب کا دن اور دن کا شب ہونا
تڑپنے کا سلیقہ کیوں کیا تھا ثابت اس دل نے — تعجب کیا ہے اب بہرِ مصیبت منتخب ہونا

حرصِ دنیا کا اثر طبع پہ غالب نہ رہا — دیکھ کر حالتِ مطلوب میں طالب نہ رہا
کہیں اس عہد میں دو دل نظر آتے نہیں ایک — اثرِ معنیٔ یک جان و دو قالب نہ رہا
کہہ چکا ان سے بہر حال ہوں راضی بہ رضا — اب کوئی موقعۂ اظہارِ مطالب نہ رہا

ہوش نے کر لئے اغراض و مطالب پیدا — نفس سے ہو گئے اطراف و جوانب پیدا

خوشی ہے شیخ کالج سوئے مسجد اب نہیں چلتا — جہاں روٹی نہیں چلتی وہاں مذہب نہیں چلتا

کونسلوں میں سوال کرنے لگے — قومی طاقت نے جب جواب دیا

معانی کی نظر سے جو تری صورت کو دیکھے گا
نہ وہ دوزخ کو دیکھے گا نہ وہ جنت کو دیکھے گا

دو دل کا ذرا سمجھ کے جواب انکی بات کا
رخ دیکھتا ہوں سلسلۂ واقعات کا

اے دوست مجھے تو ہے خدا ہی پہ بھروسا
دشمن کو مبارک ہو مری گھات میں رہنا

آتے دو مصیبت کو درخانۂ دل پر
جو بند ہے غفلت میں وہ عبرت میں کھلے گا

محفل ہی میں خاموش ہے اور بند ہے اکبر
تنہا کبھی ملے گا تو خلوت میں کھلے گا

کیا علم کی لذت سے بھی بڑھ کر ہے کوئی چیز
یہ حال تو بس محفلِ حیرت میں کھلے گا

خدا طالب نہیں تم سے معقول بات کرنے کا
وہ اس سے خوش ہے جس کو شوق ہی خیرات کرنیکا

خلاصہ ہے یہی ساری شریعت اور حکمت کا
وہی بندہ ہے اچھا شوق ہو جس کو عبادت کا

احساس جو ہوتا ہے روایات سے پیدا
ہوتا نہیں اصلی اثر اس بات سے پیدا

کام اس ملک میں ہو "سلف گورمنٹ" سے کیا
زہر کو ہضم کرے کوئی پیپرمنٹ سے کیا

ناحق جو وہ مجھ سے کد کرے گا
اللہ مری مدد کرے گا

دعوے تو مرا ہے صرف توحید
کیونکر کوئی اس کو رد کرے گا

دنیا کی طرف بُلا نہ اے شیخ
نیکوں کو یہ وعظ بد کرے گا

جسے حکومت کا نشہ ہوگا فلک سدا اس سے کد کریگا
جو صبر و طاعت سے کام لیگا خدا اسکی مدد کریگا

اکبر نہ تھا بت خانے میں زحمت بھی ہوئی اور زر بھی گیا
کچھ نام خدا سے اُنس بھی تھا کچھ ظلم بتاں سے ڈر بھی گیا

پروانے کا حال اس محفل میں ہے قابلِ رشک اے اہلِ نظر
اک شب ہی میں یہ پیدا بھی ہوا عاشق بھی ہوا اور مر بھی گیا

کعبے سے جو بت نکلے بھی تو کیا کعبہ ہی گیا جب دل سے نکل

افسوس کہ بت بھی ہم سے چھٹے قبضے سے خدا کا گھر بھی گیا
جو گونج رہا تھا خوشیوں سے اس قصر پہ کل رویا میں بہت
کوئی متنفس تھا نہ وہاں باہر بھی پھرا اندر بھی گیا
کیا گذری جو اک پردے کے عدو زور و کے پولس سے کہتے تھے
عزت بھی گئی دولت بھی گئی بی بی بھی گئی زیور بھی گیا
اکبر کے جو مر جانے کی خبر ساقی نے سُنی تو خوب کہا
مرنا تو ضروری تھا ہی اُسے رندوں کے لئے کچھ کر بھی گیا

کیا خبر کونسا قانون سزا دیگا مجھے — مجھ پہ الزام ہے مذہب کی طرفداری کا
مال گاڑی پہ بھروسا ہے جنھیں اے اکبر — اُن کو کیا غم ہے گناہوں کی گرانباری کا

سعادت ہے تری دھن میں خودی سے بیخبر ہونا — ترے ہوتے ہوئے آگے کچھ نہیں ہونا ہے ہر ہونا
تعجب خیز ہے انشائے ہستی پر نظر ہونا — خبر کا شوق رکھنا ابتدا سے بے خبر ہونا
زمیں زیر قدم پا کر بشر نے پاؤں پھیلائے — نہ رکھا یاد اُس نے چرخ کا بالائے سر ہونا
قیامت ہے مرا جوش طبیعت اُن کی کم عمری — مرا بے چین ہونا اور اُن کا بے خبر ہونا
پریشاں ہو کے کھو جانے میں اک معنی ہیں ای اکبر — نہیں تو بات کیا ہے عاشق زلف و کمر ہونا
سیہ خانہ وہی ہے اور وہی سوزِ غم فرقت — مرے کس کام آیا آپ کا رشکِ قمر ہونا
مٹا دو رنگ وحدت میں خودی کا نقش ای اکبر — اگر ثابت کیا چاہو تم اپنا معتبر ہونا

جلوہ عیاں ہے قدرتِ پروردگار کا — کیا دلکشا یہ سین ہے فصل بہار کا
نازاں ہیں جوشِ حسن پہ گلہائے دلفریب — جوبن دکھا رہا ہے یہ عالم ابھار کا
ہیں حیدنی بنفشہ و سنبل کے پیچ و تاب — نقشہ کھنچا ہوا ہے خط و زلفِ یار کا

سبزہ ہے یا یہ آبِ زمرد کی موج ہے — شبنم ہے یا گہرِ آبدار کا
مرغانِ باغ زمزمہ سنجی میں محو ہیں — اور ناچ ہو رہا ہے نسیمِ بہار کا
پرواز میں ہیں تیریاں شاد و چست و مست — زیبِ بدن کئے ہوئے خلعت بہار کا
موجِ ہوا و زمزمۂ عندلیبِ مست — اک ساز دلنواز ہے مضراب و تار کا
ابرِ تنک نے رونقِ موسم بڑھائی ہے — غازہ بنا ہے روئے عروسِ بہار کا
افسوس اس سماں میں بھی اکبرؔ اداس ہے — سوہانِ روح ہجر ہے اک گلعذار کا

کل کی امید نامہ ہے دنیا — عالم انتظار ہے دنیا
بیخبر رکھتی ہے حقیقت سے — ہوش پر میرے بار ہے دنیا

خلقت کی یہ موجیں ہیں پانی کی ممکن نہیں ضبط اس منظر کا — اے ہوش بشر کب تک یہ جنوں ہر ذرے کو کب ادیکھو نکر کا
اغراض جو یہ ہیں نفسانی کھو دیتے ہیں نورِ ایمانی — موقع ہی نہیں ملتا دل کو جو یاں ہو وہ اپنے جوہر کا

پیدا کیا ہے جس نے امید ہے اُسی سے — کچھ شک نہیں ہے اُس بس ہے وہی ہمارا

سمجھا تھا میں کہ وقت جو آیا گذر گیا — کہتا ہے فلسفہ کہ تجھی میں ٹھہر گیا
کہتا ہے جس کو وقت ترا ہی ظہور ہے — دامانِ عمر تیری ہی ہستی سے بھر گیا

کمال شوق سے لپٹا ہوا ہوں دنیا سے — سُنا جو ہیچ اُسے آپ کی کمر سمجھا

بے اختیار خود کو مختار تم سمجھ لو — لیکن ہوئے یقیناً بے اختیار پیدا
دستِ اجل سے آخر بگڑی ہے بات سکی — مٹی نے کر لیا تھا اک اعتبار پیدا

ہزاروں ہی مصائب جھیل کر پائی ہے یہ نعمت — نہ تھا کچھ سہل دنیا سے مرا بیزار ہو جانا
نہ ہو مشہور تو دنیا طلب غنچہ غائے ہستی میں — یہ کچھ اچھا نہیں رسوا سر بازار ہو جانا
سوا دل کے کہ اسکی زندگی رہ سکتی ہے قائم — یقینی اک دن ان اعضا کا ہے بیکار ہو جانا

اُن کو مرا عریضہ پہونچا ضرور ہو گا — لیکن جواب کیسا مانع غرور ہوگا

✣

کردسکوت نہیں وقتِ اعتراض اکبر — فضول بحث سے اپنوں کو تم نے غیر کیا

✣

افسوس ہے کہ زندہ ہوں کہنا پڑا یہ حال — کیا مختصر جواب یہ ہوتا کہ مرگیا

✣

زباں سے بے تعلق دل کو بزمِ یار میں دیکھا — تعجب خیز ضبط اس محرمِ اسرار میں دیکھا
ادھر تسبیح کی گردش میں پایا شیخ صاحب کو — برہمن کو اُدھر اُلجھا ہوا زنار میں دیکھا
مگر عشقِ حقیقی کا کوئی رشتہ نہ تھا دل میں — فقط نفسانیت کا پیچ و خم ہر تار میں دیکھا
وہ بانکا قاتل آیئنے کی کچھ پروا نہیں کرتا — کبھی دیکھا بھی اپنا عکس اگر تلوار میں دیکھا
زمانے نے مرے آگے بھی دنیا پیش کردی تھی — مگر میں نے تو اپنا فائدہ انکار میں دیکھا
صفِ مسجد میں جو آئے نظر عزت کرو اُس کی — یہ سمجھو تم اُسے اللہ کے دربار میں دیکھا

✣

طرزِ عمل پہ ہم نے کبھی غور کیا کیا — جو نفس نے کہا وہ کیا اور کیا کیا
ہم سے گناہگار کی قوت جو چھین لی — بیشک خدا نے رحم کیا جور کیا کیا

✣

راہِ خدا میں صبر کی منزل کی دھوم ہے — میں بھی کرونگا قصد اگر دل ٹھہر سکا
آئینِ نو کے ہوں گے نتیجے بہت بُرے — بچ جاؤنگا میں اُن سے اگر جلد مر سکا

✣

قوت ہی تعلق کی نہ رہی ہر طرح مرا دل توڑ دیا — دنیا کو کرونگا ترک میں کیا دنیا ہی نے مجھکو چھوڑ دیا

✣

دنیا کو بت بنائے رہا تا دمِ اخیر — کیا احتساب اس نے کیا توڑ کیا گیا
کوئی مرے تو پوچھ کہ کیا لے گیا وہ ساتھ — بالکل فضول بحث ہے یہ چھوڑ کیا گیا

✣

کیا غضب ہو گئے مجھ سے مرے دمساز جُدا — دور فونو میں گلے سے ہوئی آواز جُدا
وجد یاروں کو ہے اس بزم میں حیراں ہوں میں — سُر سے آواز جُدا راگ سے ہے ساز جُدا
آسماں کی نہ یہ چالیں ہیں نہ جادو کے یہ رنگ — سب ہے اس نرگسِ فتاں کے ہیں انداز جُدا

اُن کی آنکھوں کی لگاوٹ سے حذر اے اکبر
دین سے کرتی ہے دل کو یہی غماز جدا

* * *

پولیٹکل سروں سے ہرگز نہ ساز کرنا
وہ چند ہے جو چاہے بُلبُل کو باز کرنا

موسم جو ہو مخالف ہرگز نہیں مناسب
منقار کو قرینِ آہنگِ ناز کرنا

* * *

مٹی کو آگیا ہے روحوں کو پھانس لینا
سب کے گلے پڑا ہے دن رات سانس لینا

ہوش و خرد کا نزلہ تکلیف دے رہا ہے
جائز سمجھ لیا ہے یاروں نے کھانس لینا

* * *

کرتے پھرتے ہو یہی تحقیق، کس نے کیا کہا
اپنے دل کی بھی خبر تو لو کہ اُس نے کیا کہا

خانساماں دونوں نے سمجھا انھیں انداز سے
کیا بتاؤں کیا کہا بیگم نے مس نے کیا کہا

معدے نے تو کر لیا سوڈے سے اقرار وفا
برف سے لیکن بیاح محتبس نے کیا کہا

لیجئے اس بت سے سنکر ہیں تو بولا ہی نہیں
وہ بالآخر پھنس گیا وقت میں حس نے کیا کہا

کہہ گئے واعظ فسانے یہ بھی اکبر غور کر
تجھ سے فطرت کی زباں میں تیری حس نے کیا کہا

* * *

رہتا ہے بہت شوق دلیل و قیاس کا
مالک مگر نہیں ہوں میں اپنے حواس کا

* * *

کل جو چرخ میرے ہی حصے میں بس پڑا
دنیا پڑی تھی پر وہ مجھی پر برس پڑا

* * *

منتشر ذروں کو یکجائی کا جوش آیا تو کیا
چار دن کے واسطے مٹی کو ہوش آیا تو کیا

عارضی ہیں موسم گل کی یہ ساری مستیاں
لالہ گلشن میں اگر ساغر بدوش آیا تو کیا

دور آخر بزم دنیا کا ہے جام خون دل
عیش اس محفل میں بن کر بادہ نوش آیا تو کیا

حد حیرت ہی میں رکھا ضعف نے ادراک کو
پیکر خاکی کو اس عالم میں ہوش آیا تو کیا

* * *

جان کو نفس کے آغوش میں رہنے نہ دیا
عشق نے دل کو مرے ہوش میں رہنے نہ دیا

بوئے فردا تو ہوئی دافع افسردہ دلی
رنگ امشب نے مگر جوش میں رہنے نہ دیا

میں تو بدلا نہیں لیکن تری بے مہری نے
زور کچھ طبع وفا کوش میں رہنے نہ دیا

پری سے اُن کا دل بے ربط نکلا
جنوں سمجھے تھے جس کو خبط نکلا

بتانِ دہر سے مجھ کو تمتع ہو نہیں سکتا
خلوص امکاں سے باہر منتقع ہو نہیں سکتا
محیطِ دہر میں کتنا خطوں کا ہے غلط راہی
جو رُخ ہو جانبِ مرکز تقاطع ہو نہیں سکتا

اس قدر زیست سے بیزار کیا تھا غم نے
ملک الموت نے پایا مجھے مشتاق اپنا
مرحؔ سُن سُن کے کھنچا جاتا ہے دل اسکی طرف
کرہی لیگا مجھے وہ شہرۂ آفاق اپنا
دل گیا۔ صبر گیا۔ ہوش گیا۔ جان گئی
مژدہ اے عشق حساب اب تو ہے بیباق اپنا

پاکر خطاب ناچ کا بھی ذوق ہو گیا
سر ہو گئے تو بال کا بھی شوق ہو گیا

جہد یہ ہے کہ زمانے کو موافق کر لے
سب کو آتا ہے زمانے کے موافق ہونا
عزتِ عقل ہے ہو جائے جو وہ خادمِ عشق
شاذ و نادر ہے مگر عقل کا عاشق ہونا

معذور ہوں میں حضرت کو اگر ہے مجھ سے گلا بے باکی کا
نیکی کا ادب تو آساں ہے مشکل ہے ادب چالاکی کا

وہ میرے پیشِ نظر تھے فلک نہ دیکھ سکا
چھٹے تو پھر میں انھیں آجتک نہ دیکھ سکا

تنگ دنیا سے دل اس دورِ فلک میں آگیا
جس جگہ میں نے بنایا گھر سڑک میں آگیا
آسماں کو تو غلط ثابت کیا سائنس نے
عرش باقی تھا سو وہ بھی تذبذب میں آگیا

قریب سمع و بصر میں آکر قوائے دل کا ہلاک ہونا
کسی نے سمجھا اُسے ترقی کسی نے سمجھا ہے خاک ہونا

خدا کی ہستی کو یاد رکھنا اور اپنی ہستی کو بھول جانا
نظر اُسی پر ہے اور باتوں کو میں نے بالکل فضول جانا
جنوں ہم ایسوں کو کیا تعجب بہار کا ہے سماں ہی ایسا
صبا کا اٹکھیلیوں سے چلنا خوشی سے کلیوں کا پھول جانا

جہانِ فانی کی انجمن میں یہی تسلسل ہمیشہ دیکھا
امید کے ساتھ شاد آنا اُٹھا کے صدمے ملول جانا

شبِ حسرت میں کل یوں مجھ سے سرگرمِ سخن دل تھا
گئے وہ دن کہ میں دنیا میں خوش رہنے کے قابل تھا

ایک ساعت کی یہاں کہہ نہیں سکتا کوئی
یہ بھلا کون بتائے تمھیں کل کیا ہو گا
بڑھتا ہی جاتا ہے سوزِ غمِ فرقت یارب
آج یہ حال ہمارا ہے تو کل کیا ہو گا
ایک دن اور قیامت کھسک آئیگی ادھر
اور کیا عرض کروں آپ سے کل کیا ہو گا

یہ فکر چھوڑ کہ دنیا کا حال کیا ہو گا
اسی کو سوچ کہ تیرا مآل کیا ہو گا

کھلا دیوان مرا تو شورِ تحسیں بزم میں اُٹھا
مگر سب ہو گئے خاموش جب مطلع کا بل آیا

زمانہ جانبِ انصاف ڈھل ہی جائیگا
زبان بند کرو حال کھل ہی جائیگا

کیا کروں اظہار اپنے حال کا
آئنہ ہے آپ کے اقبال کا

حدیثِ عافیت کیسی امیدوں کا محل کیسا
ہجومِ یاس میں دل کیلئے طولِ امل کیسا
تعجب جوشِ رندی پر نہ کر اس دیرِ دلکش میں
جہاں یہ حسنِ صورت ہے وہاں حسنِ عمل کیسا
یہ موجِ فیض ہی تہذیب کی یا اسکا طوفان ہے
کنواں موجود ہے گھر میں تو پھر پانی کا نل کیسا

رکھ مرگ کو محبوب تامل نہیں اچھا
اس ہستیٔ ناقص کا تسلسل نہیں اچھا
تحقیر جو ہو پیشِ بتاں جی سے گذر جا
رندی کے بھی حق میں یہ تحمل نہیں اچھا
خاموش رہا میں گلِ تصویر کے آگے
ہر چند مجاخل کہ یہ بلبل نہیں اچھا
یہ ٹھیک نصیحت ہے کہ ہے ہم پہ عمل فرض
یہ وعظ غلط ہے کہ توکل نہیں اچھا
دنیا کے تعلق کو بہت غور سے دیکھا
جز اُس کا ضروری ہے مگر کل نہیں اچھا

شیخ صاحب جمعبندی میں نہ کیوں اُلجھے رہیں
ہند کا اسلام ہی کھیوٹ میں داخل ہو گیا

نہ پائی دل نے راحت اس قدر بزم احبا میں
انھوں نے جب درِ تحسیں مرے اشعار پر کھولا

ہوئی جس درجہ کلفت کپ میں ایسے سوالوں سے
یہ تم کس واسطے لکھا، یہ تم کس واسطے بولا

واقف کبھی خوشی سے مرا دل نہ ہو سکا
لیکن یہ غم ہی کیا ہے کہ غافل نہ ہو سکا

تو ہین سہہ کے، دیر میں پاتے ہی کچھ عروج
افسوس ہے کہ دل متحمل نہ ہو سکا

مزا آسودگیِ نفس کا کتنا ہی اچھا ہو
حریفِ لذتِ بیتابیٔ دل ہو نہیں سکتا

وہ کیا پابندِ آئیں ہو پڑے جس پر نظر تیری
مرتّب بہرِ منطق ہوشِ بسمل ہو نہیں سکتا

شمولِ خوں نہیں اے ابرِ نیساں تیرے قطرے میں
دُرِ تاباں تو بن سکتا ہے یہ دل ہو نہیں سکتا

نظر اپنی خودی پر کر کے کہتا ہے یہی اکبر
یہ ٹکڑا ہوش کا ہستی میں کامل ہو نہیں سکتا

دل زخمی سے خوں اے ہمنشیں کچھ کم نہیں نکلا
تڑپنا تھا مگر، قسمت میں لکھا دم نہیں نکلا

ہمیشہ زخم دل پر زہر ہی چھڑکا خیالوں نے
کبھی ان ہمدموں کی جیب سے مرہم نہیں نکلا

ہمارا بھی کوئی ہمدرد ہے اس وقت دنیا میں
پکارا ہر طرف منھ سے کسی کے ہم نہیں نکلا

تجسّس کی نظر سے سیرِ فطرت کی جو اے اکبر
کوئی ذرہ نہ تھا جس میں کہ اک عالم نہیں نکلا

فراغ طبع ہم کو اپنے ہی غم سے نہیں ملتا
کسی سے ہم نہیں ملتے کوئی ہم سے نہیں ملتا

کیا ہے ذوقِ ترکِ ماسوا نے مجھ کو دیوانہ
دل اپنا اس سے ملتا ہے جو عالم سے نہیں ملتا

مجھے آتا نہیں اچھی طرح اظہارِ غم کرنا
مگر کچھ منحصر اس پر نہیں اس کا کرم کرنا

رہِ عرفاں میں حسِ حظ و الم کا نامناسب ہے
پسندِ طبعِ اکبر ہے نہ خوش رہنا نہ غم کرنا

بساطِ دل تو یہ اور اس پہ یا اللہ غم اتنا
نہ تھی طاقت زباں میں رہ گئے بس کہہ کے ہم اتنا

نہ ہو نازاں مجھے بیجاں سمجھ کر یہ بتِ ظالم
خدا کا نام لیتا ہوں ابھی باقی ہے دم اتنا

خیالاتِ عدوئے ہوش کا سودا ہے اکبر کو
حریفِ بیخودی ہوگا کوئی دنیا میں کم اتنا

یاس ہی یاس تھی جب موت کا پیغام آیا
میں نہ سمجھا کہ یہ جینا مرے کس کام آیا

عشق کا بلیں تجھ کو نہ ہوتا جو کم اتنا
دنیا کے حوادث یہ نہ ہوتا الم اتنا

غور سے دیکھو زمین و آسماں کو منکرو
چل بھی سکتا ہے خدا کے انتظام اتنا بڑا

سنتے ہیں اکبر کو ہے عشقِ دہانِ تنگ بت
کام اتنا چھوٹا اور حضرت کا نام اتنا بڑا

چلنا جو میں چاہوں تو قدم اُٹھ نہیں سکتا
لکھنے کی ہو خواہش تو قلم اُٹھ نہیں سکتا

ہو عزم فغاں کا تو زباں ہل نہیں سکتی
چپکا جو رہوں بار الم اُٹھ نہیں سکتا

امتیازِ حسرت و رنج و الم جاتا رہا
غم ہوا اتنا کہ اب احساسِ غم جاتا رہا

بزم دنیا میں کہاں سامان حشمت کو ثبات
گم ہوئی مُہر سلیماں جام جم جاتا رہا

جس سے تھا خودداریِ اربابِ حاجت کا نباہ
وہ سلیقہ تم سے اے اہلِ کرم جاتا رہا

نقل مغرب میں جو چھوڑی ایشیا نے اپنی اصل
گھٹ گئی شانِ عرب حُسنِ عجم جاتا رہا

نقش صورت ہی کی تزئیں پر رہی جس کی نظر
اُس سخن سے حُسنِ معنیٰ ایک قلم جاتا رہا

کہاں ہیں ہم میں اب ایسے سالک کہ راہ ڈھونڈھی، قدم اُٹھایا
جو ہیں تو ایسے ہی رہ گئے ہیں، کتاب دیکھی قلم اُٹھایا

اگرچہ راحت کا بھی تھا موقع، مجھے تھا لیکن خیالِ فردا
شبک نہ ہونا تھا چشم دل میں، اسی سے بارِ الم اُٹھایا

فلک کی گردش کے رنگ ہیں یہ، کہ ہم جھکے ہیں بتوں کے آگے
خدا کی قدرت کے ہیں کرشمے، عرب نے نازِ عجم اُٹھایا

ہمیشہ ہوتے ہیں دنیا کی راحت سے الم پیدا
وہ کیا شادی کہ جس شادی سے ہوں اسبابِ غم پیدا

فلک سے گو کہ مجھے شکوۂ مظالم تھا
مگر میں خود طلبِ عافیت سے نادم تھا

پہنچے جو دار پہ منصور راہ ہی تھی غلط ۔ خدا بنے تھے تو چھپنا بھی اُن کو لازم تھا
ہمیشہ کہتا تھا ہر بات پر "منم یزدانم" ۔ کچھ اس میں شک نہیں اکبر بڑا ہی عالم تھا

سخت طینت ہی تو نیک انجام کیوں ہونے لگا ۔ انشراح صدر للاسلام کیوں ہونے لگا

فلک سے شکوۂ جور و ستم کیا ۔ زمیں چکر میں جب خود ہے تو ہم کیا
ہمیں دنیا میں بحثِ بیش و کم کیا ۔ زیادہ خود نہیں ہے وہ تو ہم کیا

تھا زور کبھی خود بینی کا، کرتے ہی تھے کیا ہم ہم کے سوا
اب اپنی زباں پر کچھ بھی نہیں ہے، ربّ اغفر و ارحم کے سوا
ہو جوشِ سرشکِ شوق اگر، رنگینیٔ دل کی زینت ہو
غازہ رُخِ گل کا کون بنے اس گلشن میں شبنم کے سوا
غفلت سے ہے کارِ دل میں خلل، گو آتی ہے سب کو یاد اجل
مجھ کو تو کوئی مصلح نہ ملا داغوں کے سوا اور غم کے سوا

محافل میں بہت آساں ہی برسوں بیچ و خم کھانا ۔ مگر مشکل ہے واعظ کیلئے دو دن بھی کم کھانا

جو مرغِ صبح کی آواز کو بانگ اذاں سمجھا ۔ اُسی بیدار دل نے دہر کا رازِ نہاں سمجھا
جو اپنی زندگانی کو فقط اک امتحاں سمجھا ۔ اُسی نے راحت و تکلیف کا رازِ نہاں سمجھا

تھی فقط غفلت ہی غفلت عیش کا دن کچھ نہ تھا ۔ ہم نے سب کچھ اس کو سمجھا تھا وہ لیکن کچھ نہ تھا
طالبِ دنیا کو وقتِ نزع کیوں روتی نہ یاس ۔ تھا جو ظاہر ہو گیا وہ ختم باطن کچھ نہ تھا

بنی فطرت اسی کی برہمن جو بت حسیں نکلا ۔ نظر نے راز جوئی کی، نتیجہ کچھ نہیں نکلا

آتش غم سے چمکنے لگے اشعار میرے ۔ داغ دل کرنے لگے معنی روشن پیدا

گھٹتا جاتا ہے مری نظروں سے مقدور مرا ۔ بڑھتا جاتا ہے شمار اُن کے خریداروں کا

بحث میں عفو و سزا کے یہ لڑے مرتے ہیں — فیصلہ کر ہی دو اب اپنے گنہگاروں کا
بے خطر پھرتا ہوں بازارِ جہاں میں ہر سو — کیسہ خالی ہے تو کیا خوف ہے عیاروں کا
فطرت اُٹھی ہے شفاعت کو ملائک ہیں خموش — حشر ہے عشق و محبت کے گنہگاروں کا

جہاں میں حال مرا اس قدر زبون ہوا — کہ مجھ کو دیکھ کے بسمل کو بھی سکون ہوا
غریب دل نے بہت آرزوئیں پیدا کیں — مگر نصیب کا لکھا کہ سب کا خون ہوا
وہ اپنے حسن سے واقف میں اپنی عقل سے سیر — انھوں نے ہوش سنبھالا، مجھے جنون ہوا
امید چشمِ مروت کہاں رہی باقی — ذریعہ باتوں کا جب صرف ٹیلیفون ہوا
نگاہ گرم "کرسمس" میں بھی رہی ہم پر — ہمارے حق میں دسمبر بھی "ماہ جون" ہوا

جدا رہتا تو ہوں تم سے مگر دل خوش نہیں رہتا — جو بس ہوتا جہاں رہتے ہو تم میں بھی وہیں رہتا

خوشی تو ایسی کوئی نہ دیکھی کہ اُس کی مستی زیادہ رہتی
مگر غم ایسا ہوا مجھے اب کہ حشر تک ہوش میں نہ ہوں گا
گلوں کی فرقت کے داغ اب تک ہرے ہیں سینے میں اے گلستاں
چمن میں ہیں خاک اڑا چکا ہوں تو بھول کس دل سے اب جنوں گا

پائے رفتار تو ہو جاتے ہیں ہم میں پیدا — رہنما بننے کو ہوتی نہیں آنکھیں پیدا
اُن نگاہوں سے تعلق کی یہ جلدی کیا ہے — حضرتِ دل ابھی کچھ خون تو کرلیں پیدا

غوغائیوں سے اِس کے سوا اور کہیں کیا — تاریخ میں سب کچھ ہے یہ بتلاؤ تھیں کیا

عبث طولِ امل ہے یہ جیناں ہوگا جنیں ہوگا — نہیں ہے دور وہ ساعت کہ تو زیرِ زمیں ہوگا

یہ بت مجھے نہیں دیتے امان شکرِ خدا — خدا کی راہ میں جاتی ہے جان شکرِ خدا
اجل کے شوق میں پروائے زندگی نہ رہی — نظر میں ہیچ ہے سارا جہان شکرِ خدا

برائے مشقِ ستم پالیا مرے دل کو　　عجب نہیں جو کرے آسمان شکرِ خدا
دفانہ کی بت بیدیں نے ہمسے لے اکبر　　غلط ہی تھا وہ ہمارا گمان شکرِ خدا

معنی کو چھوڑ کر جو ہوں نازک بیانیاں　　وہ شعر کیلیے رنگ ہے لفظوں کے خون کا

نہ رازِ آسماں جانا نہ کچھ حالِ زمیں جانا　　رہیں بحثیں بہت اور درحقیقت کچھ نہیں جانا

دوا جو غیر نے بھیجی ہے وہ ہرگز نہ کھاؤں گا　　اگر ہے زندگی باقی تو اچھا ہو ہی جاؤنگا

موسم گل ہی سہی۔ چاک گریباں اتنا　　کل کچھ اس سے بھی سوا آج تو جی ہاں اتنا
بڑھی زلف مصیبت کی ہے حسن رخ عشق　　قدرداں دل ہے تو پھر کیوں ہے پریشاں اتنا

مری آہوں کو وہ فرعون طینت کچھ نہیں سمجھا　　مگر جس کو سمجھ تھی اس نے موسیٰ آفریں سمجھا

جو بعد مرنے کے رہ گیا کچھ سمجھ سکا یہ کہ مر گیا ہوں
تو زندگی سے نجات پانے کی ہیں تو بیجد خوشی کرونگا

خلعت کے لئے وضع قانون ہی اچھا　　جو چل نہ سکے اس پہ وہ مجنون ہی اچھا
کیا سختیٔ موسم جو ہو مطلب کے موافق　　اِن برف فروشوں کے لئے جون ہی اچھا
دعوت بھی بہت خوب ہے احباب کی خاطر　　لیکن جو اڈیٹر ہو تو مضمون ہی اچھا

منطق کو فائدہ کیا اِن سینہ کاویوں کا　　مطلب میں اپنا حسن ہے مذہب میں دیوں کا

بساطِ حس ہے کم انساں ہوا ہے ناتواں پیدا　　اسی کم مائگی نے کردئے کب اور کہاں پیدا
اگر موجِ نفس میں آئیں موجیں جوشِ معنی کی　　حبابِ زندگی ہی سے ہو بحرِ بیکراں پیدا
کہاں سے اس میں خوئے جور آئی میں نہیں واقف　　میں جب پیدا ہوا تو ہو چکا تھا آسماں پیدا

اِدھر خیال نہیں مصلحانِ "نیشن" کا　　کہ فرطِ ضعف نہیں وقتِ "آپریشن" کا

مجھی پر جب گذرتی ہے تو اب انکار کیا معنے　　جو کوئی دوسرا کہتا تو مشکل سے یقیں آتا

حیات اب مجھ سے کہتی ہے کہ میں مجبور ہوں ورنہ
کسی پر بار ہو کر مجھ کو رہنا خوش نہیں آتا

میں کب کہتا ہوں اے واعظ کہ میں تیرا راز دیں سمجھا
فقط اتنا ہی سمجھا ہوں کہ تو بھی کچھ نہیں سمجھا

مگر اظہار عجز عقل میں بھی ایسی لذت ہے
کہ خوانِ فکر پر میں اس کو رشک انگبیں سمجھا

روش ذہنِ بشر کی مدعی مطلق نہیں سمجھا
ترقی سے رہا محروم عادت کو یقیں سمجھا

فنا کے دور میں اس آسماں سے کیا ہوگا
چنیں سے ہوگا چناں پھر چناں سے کیا ہوگا

ایمان جیت کر بھی ایمان ہی رہے گا
شیطان ہار کر بھی شیطان ہی رہے گا

تہمد میں ٹن جب لگنے لگے جب دھوتی سے پتلون اُگا
ہر پیڑ پر اک پہرا بیٹھا ہر کھیت میں اک قانون اُگا

اے فلک دل کی ترقی کا جو ساماں ہوتا
طاعت حق کا ستارا بھی درخشاں ہوتا

جان لیتا جو شبستانِ فنا کا انجام
صورت شمع ہر اک بزم میں گریاں ہوتا

غنچہ مرجھا کے گرا شاخ سے افسوس نہ کر
کھل بھی جاتا تو یہی تھا کہ پریشاں ہوتا

ناصحا نالۂ وزاری پہ ملامت ہے عبث
چپ بھی ہوتا تو مرا راز نہ پنہاں ہوتا

کس مپرسی کا گلہ کچھ نہیں مجھ کو اکبر
حال ہی کیا تھا کہ جس کا کوئی پرساں ہوتا

چمن دہر میں مایوس رہا میں اکبر
کاش اک پھول بھی تو زینت داماں ہوتا

دنیا کا حسن مجھ سے لاعلم ہے تو باشد
افسوس کیا کہ مجھ کو شیطان نے نہ جانا

رضائے حق پہ راضی رہ یہ حرفِ آرزو کیسا
خدا خالق خدا مالک خدا کا حکم تو کیسا

خزاں کھیتی ہے آنکھوں میں چمن کا کیا مزا آئے
فنا جب ہے نگاہوں میں تو لطفِ رنگ و بو کیسا

مے گلرنگ سے جس مسلم ناداں کو رغبت ہے
خدا جانے رگوں میں اُس کی بہتا ہے لہو کیسا

گھٹا کر دین کو عزت تری بڑھ سکتی ہے کیونکر
طریق کفر میں اے دوست حفظ آبرو کیسا

اس کو نہ پا سکا مگر اس غم میں رو سکا
یہ بھی ہے اس کا فضل کہ اتنا تو ہو سکا

کوشش یہ تھی خودی کو میں گم کردوں عشق میں
دقت یہ ہو گئی کہ فقط عقل کھو سکا

◆ ◆ ◆

ہنس کے دنیا میں مرا کوئی کوئی رو کے مرا
زندگی پائی مگر اس نے جو کچھ ہو کے مرا

جی اٹھا مرنے سے وہ جس کی خدا پر تھی نظر
جس نے دنیا ہی کو پایا تھا وہ سب کھو کے مرا

تھا لگا روح پہ غفلت سے دوئی کا دھبہ
تھا وہی صوفی صافی جو اُسے دھو کے مرا

--×--

اب غم کا بھی حق مجھ سے ادا ہو نہیں سکتا
ہوں مضمحل اتنا کہ بہت رو نہیں سکتا

افسوس کہ راحت تو مجھے مل نہیں سکتی
اور جان بلا حکم خدا کھو نہیں سکتا

◆

خرد سے انکشافِ رازِ ہستی ہو نہیں سکتا
یہ امر اس راز کی عظمت کو لیکن کھو نہیں سکتا

جو ہے آرام دہ بستر تو دروازہ شکستہ ہے
مصیبت دیکھئے نیند آرہی ہے سو نہیں سکتا

◆

مرنے والا مرگیا اور رونے والا رو چکا
وائے بر ہستی اگر مقصودِ ہستی ہو چکا

اب جنوں سے کام لوں گا میں رہِ تحقیق میں
عقل کے پیچھے تو اتنا وقت اپنا کھو چکا

--×--

جان بچنے کی نہیں وقت جب آ جائیگا
دوستی بھی ملک الموت سے ہو جائے تو کیا

تازگی طبع کی ممکن ہی نہیں ہجر کی شب
قصہ سنکر بہ تکلف کوئی سو جائے تو کیا

◆

مرتبہ دنیا میں اس سے بھی سوا ہو آپ کا
یاد رکھئے گا کہ میں بھی ہوں دعا گو آپ کا

شیخ صاحب میں ضرورت سے فقط مجبور ہوں
ورنہ میرا بھی عقیدہ ہے وہی جو آپ کا

ہم کو اپنے البم پر ناز کا ہے کیا محل
بے حد ارزاں ہو گیا ہے اب تو فوٹو آپ کا

آپ کے درشن مصور کے بھی حصے میں نہیں
بس لیا جاتا ہے فوٹو ہی سے فوٹو آپ کا

اپنی ہستی پر عبث ہے آپ کو اکبر وثوق
اس کا مالک اور ہی ہے نام ہے گو آپ کا

--◆--

اس سے تو اس صدی میں نہیں ہم کو کچھ غرض
سقراط بولے کیا اور ارسطو نے کیا کہا

بہر خدا جناب یہ دیں ہم کو اطلاع صاحب کا کیا جواب تھا بابو نے کیا کہا

لگاوٹوں سے یہ دل لبھانا فریب دے کر تباہ کرنا
غضب ہے ہم کو سمجھ نہ آئی اُنھیں کو آیا نگاہ کرنا
ستم سے وہ دل مراد کھائیں اور اپنے عشوؤں کی داد چاہیں
عجب تماشا ہے دل کا رونا زبان کا واہ واہ کرنا
یہ داغ پر داغ دل کے اندر یہ ناتوانی یہ جان مضطر
مرے مشاغل کی پوچھ نہ پوچھو اُداس رہنا اور آہ کرنا

شکل تسکیں مرے دل کو مرے اللہ دکھا راہیں سب بند ہوئیں اپنی طرف راہ دکھا
چمکے وہ مہر کہ گم ہوں یہ چراغ اوہام نور عرفاں سے ہو مملو وہ شب ماہ دکھا
آنکھ کو صورت فانی نے کیا ہے پُرخوں چشم باطن کو مرے معنی دلخواہ دکھا

خدا کا چاہنا ہے چاہنا میں کچھ نہ چاہونگا جہاں تک ہو سکے گا بندگی کا حق نبا ہونگا

ہمنشیں بت کو چاہنا ہی پڑا برہمن سے نباہنا ہی پڑا
اسقدر درد ہو تو ضبط کہاں دل کو آخر کراہنا ہی پڑا

آپ کے ہاتھیں ہیں ہاتھ نہیں دے سکتا داد دیتا ہوں مگر ساتھ نہیں دے سکتا

کل ہجر میں مری وہ کرتے تھے اور بزم میں میں شرمندہ تھا
میں کچھ بھی نہ تھا اور تھا بھی اگر اسوقت میں تھا جب نہ وہ تھا
تھا کیا ہی سماں تھی کیا ہی وہ شب سینے ہی میں تھے اسباب طرب
ہر حرکت دل اک نغمہ تھی ہر تار نفس سازندہ تھا
گو دیر میں طالب میکے تھے بت کعبے ہی میں پایا میں نے مفر

اس وقت تو صورت اچھی تھی خطرے کا محل آئندہ تھا

افسوس ہے اس نے قدر نہ کی اور دل کو مرے برباد کیا

بامعنی تھا پایندہ تھا اک گوہر تھا تابندہ تھا

مانا کہ معذرت سے وہ رو براہ ہو گا
اس سوءِ ظن میں لیکن کب تک نباہ ہو گا

بیدادِ بُت کو اکبر سہتا ہے بے تردُّد
کوئی تو ہے کہ جس سے وہ داد خواہ ہو گا

جیسی دل میں ترنگ آجائے
عشق و مستی کا قاعدہ کیا

رکھ اپنی نظر سوئے ھو اللہ
تو، تو، میں، میں، سے فائدہ کیا

گرم و سرد دہر سے سالک کبھی رکتے نہیں
چلتی رہتی ہیں ہوائیں ماگھ کیا بیساکھ کیا

تو ہی ہے ناز مرے دل کا اُٹھانے والا
اے جنوں اب میں نہیں آپ میں آنیوالا

ہوش اڑا دیتا ہے ان خاک کے پتلوں کا جمال
خود وہ کیا ہو گا انھیں ہوش میں لانیوالا

داغِ دل ہی کا سہارا ہے فقط اے اکبر
قبر پر کوئی نہیں شمع جلانیوالا

اپنے غمخانہ کا دروازہ کر و بند اکبر
اب نہیں کوئی سوا موت کے آنیوالا

زمانہ میرے زخمِ دل کو ہرگز سی نہیں سکتا
جیوں شاید مگر آرام سے اب جی نہیں سکتا

بشر کو زندگی میں غفلتِ امیدِ فردا ہے
مگر دم بھر بھی اپنے قصد سے وہ جی نہیں سکتا

خدا ہی سے بالآخر کام پڑ جاتا ہے اے اکبر
نہیں ہوتا کسی کا کوئی اور ہو ہی نہیں سکتا

عشق میں حسنِ بتاں وجہِ تسلی نہ ہوا
لفظ چمکا مگر آئینۂ معنی نہ ہوا

دل میں کہتے تھے کہ یہ ہو گا وہ ہو گا لیکن
کٹ گئی عمر امیدوں ہی میں کچھ بھی نہ ہوا

غم و تکلیف سے خالی فقط اک حسن ہستی کا
نہ چشمِ غیر بیں ہو اور نہ سودا خود پرستی کا

یہی حالت ہے جس کی آرزو ہے اہلِ باطن کو
یہی لذت ہے جس کا حس فلک ہے اوج مستی کا

مذہبی جنگ اب ہے دنیا کے لئے — دین بھی کچھ ہو اگر نفسلی تو کیا
نفس ہی کی خواہشوں کا ہے نفاذ — روح نے مذہب کو ڈگری دی تو کیا

آز و دولت میں خود واعظ ہیں غرق — دوسروں پر نکتہ چینی کی تو کیا
بزم ساقی کی کہاں وہ مستیاں — چھپ کے اکبر نے اگر پی بھی تو کیا

اگرچہ تلخ ملا جام عمر فانی کا — مگر محل نہیں ساقی سے بدگمانی کا
میں آہ کر نہ سکا ضبط کی ہوئی تعریف — رہونگا شکر گذار اپنی نا توانی کا
بعید روح کے خالق سے ہے بلا کی شوق — اگرچہ حق ہے اسے نازِ لن ترانی کا
سوا خدا کے کسی کا خیال آ نہ سکا — غموں نے کام دیا دل کی پاسبانی کا

یہ بات ہے صاف مجھ سے سُن لے کتاب میں اس کو کیا پڑھیگا
حدود دنیا کے ہیں معین جو یہ گھٹے گا تو وہ بڑھے گا

خدا کی یاد میں گو جان کو ہے شوق مستی کا — بدن کو کیا کریں ہو بہر ہے حس ہیں بت پرستی کا

جو اہل دنیا کا رخ کروگے سکون خاطر کبھی نہ ہوگا
شریکِ غفلت بہت ملیں گے شریک عبرت کوئی نہ ہوگا
یہی ہے مذہب کا جزو اعظم کہ دین دنیا پہ ہو مقدم
نئے طریقے میں لیکن اے دوست ہوگا سب کچھ یہی نہ ہوگا

حال دل خوب کہا ہے یہ زباں کا دعویٰ — دل سے پوچھو تو وہ کہتا ہے کہ کچھ بھی نہ کہا

ہے بدگماں جو وہ بت پرواہ نہیں کچھ اسکی — ہر برہمن سے ہے شیدا اکبر کی کافری کا

حسن دیکھو بتانِ کاشی کا — چہرہ ہے چاند پورنماشی کا
چشمِ تر دیکھکر وہ مس بولی — محکمہ ہے یہ آب پاشی کا

آپ کی سنن واہ صَلِّ علیٰ — سارا فتنہ ہے اِن حواشی کا
ہوگیا "فیل" امتحانوں میں — اب ارادہ ہے بدمعاشی کا

پوچھو گے جب فلک سے تم سے یہی کہیگا — جو نغانہ رہ گیا وہ، جو ہے وہ کیوں رہے گا
ہونگے حباب اُبھر کر یونہیں فنا ہمیشہ — موجیں گھٹیں بڑھیں گی دریا یونہی بہے گا
ذکر خدا کا ہوگا جس دل میں ذوق اکبر — وہ مطمئن رہے گا غم بھی اگر سہے گا

علامت روحِ شخصی کی ہوئی کس شئے سے تھی پیدا
حوادث یہ کہاں تھے اب ہوئی جن سے خودی پیدا

نگاہیں ہوں تو ویرانے میں بھی آبادیاں دیکھیں
اگر دل ہو تو ہر پہلو سے کرلے دل لگی پیدا

کچھ نہیں کارِ فلک حادثہ پاشی کے سوا — فلسفہ کچھ نہیں الفاظ تراشی کے سوا

لکھو "الف" مری ایام جوانی کے سوا — سب بتادونگا تھیں "افتدودانی" کے سوا

خبر اُن کو کچھ نہ آئے پھانس لینے کے سوا — مجھ کو اب کرنا ہی کیا ہے سانس لینے کے سوا
تھی شب تاریک چور آئے جو کچھ تھا لے گئے — کر ہی کیا سکتا تھا بندہ کھانس لینے کے سوا

جو ہے بلند باطن پستی سے وہ بچے گا — گو پستیوں میں پائے افزودنیِ مراتب
ہر چند شیر عاجز اور طالب غذا ہو — لیکن نہ کھا سکے گا کتوں کے ساتھ راتب

یہ اُسے کرتی ہے روشن وہ مٹاتا ہے اُسے — رات سے پوچھو کہ بہتر شمع ہے یا آفتاب

حادات کو پہ لیں "براہ ریل" جناب — "ٹکٹ بدست" کہیں اب بجائے پا بہ رکاب

پہلے تھا نور عرفاں خالق سے لو لگی تھی — قومی مباحثوں سے روشن ہوا دماغ اب
دعوت پہ اب ہیں نازاں سوز و گداز رخصت — قبل اس کے شمع تھے وہ ہیں لعلِ شب چراغ اب

نزع میں انسان سکھ پائے تو خوب — زندگی مرنے کے کام آئے تو خوب

پنجۂ شیخ سے نکلے تو پریشان ہیں اب — ٹوٹی تسبیح کے دانے یہ مسلمان ہیں اب

ضبط کی تکلیف جو کچھ ہو اُسے سہہ لونگا اب — جو مجھے کہنا ہے دل ہی میں اُسے کہہ لونگا اب

ہر دم خیال رکھے حق کا اگر ہے طالب — ہر سانس کھنچتی ہے جاں آفریں کی جانب

عاشقانہ آپ کی وحشت نہیں ہے ای جناب — چندے سے جب پوچھتے ہیں راہ ویرانے کی آپ

بالائے عرش ہیں کہ تہ آسماں ہیں آپ — دعوے سے قبل دیکھ تو لیجے کہاں ہیں آپ

کیا جرم ہے یہ حال تو جانے خدائے موت — ہر نفس کے لئے ہے مگر یاں سزائے موت

کہتی ہے عقل موت یہ ہے بہر زندگی — وہ زندگی کہ جو نہیں ہوگی برائے موت

دنیا کی زندگی تو ہے اک جزو موت ہی — اس کا نتیجہ ہو نہیں سکتا سوائے موت

سانچا یہ زندگی ہے فقط روح کے لئے — جب ڈھل چکے تو سانچے کو جائز ہے آئے موت

کیسی ڈھلی اسی کا ہے لازم ہمیں خیال — نعمت بنائیں موت کو کیوں ہو جفائے موت

ہوتا ہے غم ضرور مگر کچھ ہے مصلحت — اللہ کرے طبع کو راز آشنائے موت

ماضیست کہنہ نقشے مستقبلست وہمے — درحالش ار نہ بینی لے وائے بر نگاہت

بگذار بہ حال خودم اے بزم تسلے — عبرت زدہ را کار بہ "آز" زدگاں نیست

اگرچہ ذکر شہادت پہ جان دیتے ہیں — جو دیکھئے تو ہیں آرام جو حیات پرست

وہ تیتری ہے یہ بلبل وہ گونج بھونرے کی — بہار باغ نے پیدا کئے نبات پرست

ایں فتنہ کہ برپا شد وایں شور کہ برخاست — الزام بہ گردوں منہ انماست کہ برماست

وعظ کہنے کو تو موجود ہیں اکبر لیکن — کیا اثر رکھتی ہے اس وقت مسلمان کی بات

سکے دیتا ہوں بتوں کو میں عدو سے دل دو فیں — آہی جاتی ہے زباں پر کبھی ایمان کی بات

شرط انساں کو سلیقہ ہے سخن گوئی میں
باغباں سے ہو مخاطب تو کرے پھول کی بات

عقلمندی نہیں دیوانۂ دنیا ہونا
نہ کرو رد یہ ہے اک بندۂ مقبول کی بات

پروفیسروں سے ہمیں کچھ نہیں حاصل اکبر
دل عاشق میں سماتی نہیں اسکول کی بات

مغربی ذوق ہے اور وضع کی پابندی بھی
اونٹ پر چڑھ کے "تھیٹر" کو چلے ہیں حضرت

معترض بھی کوئی حق گو کبھی ہو جاتا ہے
مگر اس بزم میں یہ سچ ہے کہ جی ہاں ہے بہت

وعظ تقویٰ نہ کہو رحم کرو اکبر پر
چشم بد دور ابھی طاقت عصیاں ہے بہت

حال ما ماضی نہ شد مستقبل ما حال ماست
ہستی دائم کہ ہر دم گم بہ ہستی خدا ست

مشرب ما قناعت، مذہب ما طریقت
ملئے اگر تو خادم رُکئے اگر تو رخصت

عقل زاہد، عشق صوفی میں بس اتنا فرق ہے
اس کو خوف آخرت ہے اس کو ذوق آخرت

از "کیٹی" طمع "جلسہ" ندا ریم اکبر
شعر اندلیس من مدح سرایم باقیست

بھائیو تم کبھی ہمندی کے مخالف نہ بنو
بعد مرنے کے کھلے گا کہ یہ تھی کام کی بات

بسکہ نقانامۂ اعمال مرا ہمندی میں
کوئی پڑھ ہی نہ سکا لکھ گئی فی الفور نجات

جی کے مرنے میں کیا ہے ناز کی بات
مر کے جینا ہے امتیاز کی بات

چاہتی تھی زباں کرے توضیح
دل پکارا کہ ہے یہ راز کی بات

اس سے بڑھ کر کون ہے راہ فنا میں بیقرار
حد کی حد سے ہے باہر تیزی رفتار وقت

اٹھتی ہیں تجھ سے یہ آہیں دل ناشاد عبث
سننے والا نہیں کوئی تو ہے فریاد عبث

چرخ کہتا ہے ضروری ہے تڑپنے کے لئے
وہ نہ گذری ہوئی باتوں کی ہے اب یاد عبث

شیخ "آزٹ" کے لئے آتے ہیں میدان کے بیچ
"ووٹ" ہاتھوں میں ہے "اسپیچ" قلمدان کے بیچ

وہی قسمت وہی قانون اور اس پر یہ بیٹر
اے خدا عقل ہے حیران تری شان کے بیچ

عابدوں کے دم سے ہے یہ رونق دربارِ صبح — نعرۂ تکبیر سے ہے گرمیٔ بازارِ صبح
جھانکتا ہے اس کی جانب دور سے مہر مبیں — خوش نصیب آنکھیں وہ ہیں جن پہ کھلیں اسرارِ صبح

یوں تو ہر شے پر اداسی سی نظر آتی ہے — کس مپرسی میں کوئی شے نہیں مذہب کی طرح
مولوی گو کہ ہیں "شمش العلما" پھر بھی ہیں سست — رینگنے پھرتے ہیں پروانۂ بے شب کی طرح

جسم میں یا تو کبھی تھا شوق سے ہیجان روح — یا تعلق جسم سے اب ہو گیا سوہان روح
عقل انساں کیوں نہ عاجز ہو ترے ادراک میں — روح ہی کو یہ نہ سمجھی اور تو ہے جان روح

گراں نظر پہ ہے مسجد کا با ادب سجدہ — وہ بے خطر ہے جو ہے بزم میں زباں گستاخ
دلوں کا زور نہ باقی رہے خدا کی طرف — اسی سے لیگ میں جائز رہی زباں گستاخ

زباں ہے ناتوانی سے اگر بند — مرے دل پر نہیں معنی کے در بند
ہماری بیکسی کب تک چھپے گی — خدا پر تو نہیں راہ خبر بند
بہ یاد رنج یاران نظر بند — کیا ہم نے بھی اب ملنے کا در بند
دلوں میں درد ہی کی کچھ کمی ہے — نہیں ہے آہ پر راہِ اثر بند
بتِ "مشرق" نہیں محتاج ساماں — کمر ہی جب نہیں کیسا کمر بند
کہوں گا مرثیہ اس غم میں ایسا — کھلے معنی دکھائے جس کا ہر بند
خیالِ چشم فتاں میں ہوا محو — مرا دل اب ہے سینے میں نظر بند

بہ کارِ دیں ہم آمادہ دلِ پر جوش من باشد — مسلماں می شوم سلماں چو در آغوش من باشد

زباں بند ہے اس عہد پر نگاہ کے بعد — سکوت ہی مجھے رہتا ہے اب تو آہ کے بعد
رکا ہوا ہے جو سائنس لا الہ کے بعد — خدا کو مان ہی لیگا زوالِ جاہ کے بعد
شگفتہ پایا طبیعت کو بعد کارِ ثواب — دلیر دل کو نہ پایا کبھی گناہ کے بعد

تمھارے عارضِ روشن نے کھولدیں آنکھیں
میں کہہ رہا تھا کہ اب کیا ہے مہر و ماہ کے بعد

بے منتظم جہاں کا پروردگار خود
حیرت میں ہیں حوادثِ بے اختیار خود

غرتِ اکبر نہ مثلِ برہمن در دیر بود
قشقہ بودش برجبیں لیکن ز دستِ خیر بود

مارا ازیں چہ کار بہ "جرمن" چہ میرود
دریاب ازنگاہ کہ برمن چہ می رود

ہوائے گلشنِ طبع تو دلکش است اکبر
کہ از گلِ سخنت بوے یار می آید

بظاہر تھا براقِ راہِ عرفاں
چو دُم برداشتم "لیڈر" بر آمد

گو رہتے ہیں ممبریٔ فانی پر۔ شاد
لیکن نہیں اپنی ناتوانی پر۔ شاد

کونسل میں بڑھا رہے ہیں طاقت اپنی
عاقل ہیں بکرمی بھوانی پر شاد

علم ہم از عشق یک اظہار بود
چشم بر زلف و دہانِ یار بود

مرنے والے ہی کو عزرایل آتے ہیں نظر
دوسرے دیکھیں تو برپا ہو بڑا دنگا فساد

پادری سے وہ ملے پہلے تو کیا شیخ کو عذر
دیکھئے پیر کا نمبر تو ہے اتوار کے بعد

میری سمجھ میں تو یہی آیا نظر کے بعد
تفتیش علتوں کی یہاں ہے اثر کے بعد

کچھ روک مبتدا کی کسی سے نہ ہو سکی
ترکیب سوچتے ہیں مگر کب خبر کے بعد

غافل یہاں کے لذت و آرام پر نہ ہو
دنیا میں ہائے ہائے بہت ہی مزے کے بعد

اک اضطراب دل کو مرے کر گیا خراب
کیا پوچھتے ہو حال زمیں زلزلے کے بعد

مجھ کو تو اکبر کا یہ مصرع رہا کرتا ہے ورد
جمع میں اولادِ آدم ہند کے گیہوں کے گرد

نہ تنہا وجد میں بلبل ہے میری خوش بیانی پر
گریباں چاک گل بھی ہے مرے رنگِ معانی پر

تری چوٹی جو پہونچی ایڑیوں تک اس پہ حیرت کیا
یہ پابوسی تو واجب تھی بلائے آسمانی پر

جمتا نہیں یقین کوئی میرے ہوش پر
کاموں کی یاں بنا ہے فقط دل کے جوش پر

کیونکر دلیل دیکھ سکے اُس جمال کو جس کا خیال برق گراتا ہے ہوش پر

تو وضع پر اپنی قائم رہ قدرت کی مگر تحقیر نہ کر
دے پائے نظر کو آزادی خود بینی کو زنجیر نہ کر
گو تیرا عمل محدود رہے اور اپنی ہی حد مقصود رہے
رکھ ذہن کو ساتھی فطرت کا بند اُسپہ در تاثیر نہ کر
باطن میں اُبھر کر ضبط فغاں، لے اپنی نظر سے کار زباں
دل جوش میں لا فریاد نہ کر تاثیر دکھا تقریر نہ کر
تو خاک میں مل اور آگ میں جل جب خشت بنے تب کام چلے
ان خام دلوں کے عنصر پر بنیاد نہ رکھ تعمیر نہ کر

پینا وہ ہے کہ مستی، ہو اوج معرفت پر — جینا وہ ہے کہ جو ہو امید آخرت پر

کیا ہو بنائے اُلفت آخر مناسبت کیا — میں خاک بیکسی پر وہ تخت سلطنت پر

قیامت ہے یہ ضد ضبط فغاں ہے اس لئے مجھ کو — نہیں نازاں نہ ہو میری مصیبت اپنی شدت پر

زبان و چشم و دل اور دست و پا سے کام لو ایسے — کہ روز حشر نازاں ہوں یہ اپنی اپنی حالت پر

اثر اُسکا ہے کم ہم بادۂ وحدت کے مستوں پر — عدو نے فتح پائی ہے تو تم سے بت پرستوں پر

بہت مشکل ہے نو عمروں کا بچنا اُسکے عشووں سے — نئی آنکھوں کے آگے آتی ہے دنیا نئی ہوکر

ناز اس ظاہر طہارت پر نہ اے مغرور کر — حرص دنیا خود نجس ہے یہ نجاست دور کر

تمھارے کھیت سے لیجاتے ہیں بندر چنے کیونکر — یہ بحث اچھی ہے اس سے حضرت آدم نے کیونکر

گلا جور فلک کا تو بہت کچھ رو چکا اکبر — سر تسلیم خم کر زور بازو ہو چکا اکبر

نہ پوچھو کیا اثر اس مصرعۂ اکبر کا ہے ہم پر — ہر اک کے علم کا ہے خاتمہ واللہ اعلم پر

فلسفی بحث نوحہ گر ہیں ذہن کے مقسوم پر — پاتے ہیں معلوم کی بنیاد نامعلوم پر

مجھ کو جائز نہیں یہ عرض کہ بیداد نہ کر — اُن کو زیبا ہے یہ ارشاد کہ فریاد نہ کر
شیخ کہتے ہیں کہ پیروں کی پرستش بھی ہے فرض — ماسٹر کہتے ہیں اللہ کو بھی یاد نہ کر
وحشت انگیز ترقی ہے تہِ چرخ اس وقت — تو بگولا نہ بن اور عمر کو برباد نہ کر
حسنِ سنبل سے جو ہو زلفِ بتاں کا سودا — چھوڑ دے سیرِ چمن کفر کی امداد نہ کر

جواہر ریزیاں میری زباں کی — زمیں بھی سن رہی ہے کان بن کر
جو قالب بن گئی ہے یہ تو مٹی — یہ کیا شے ہے جو چمکی جان بن کر
پئے شوقِ بقا تھا خانۂ دل — فنا کیوں بس گئی ارمان بن کر

وہ دولت کیا رہی دو دن جو تجھ سے متصل ہو کر — ترقی تو وہ ہے رہ جائے دل میں جزوِ دل ہو کر
ہوائے نفس کے تابع ہیں جن کے جسم اے اکبر — انھیں کی روح رہتی ہے بدن میں مضمحل ہو کر

فکرِ منزل ہو گئی ان کا گذرنا دیکھ کر — زندہ دل میں ہو گیا اوروں کا مرنا دیکھ کر
آسماں کی چھت بہت نیچی سرِ نخوت کو ہے — کبر سے کہدو کہ دنیا میں ابھرنا دیکھ کر
زیست بے وقعت ہوئی ہے میرے شوقِ زیست سے — موت حیراں ہے مرا مرنے سے ڈرنا دیکھ کر

قصد تو جائز ہے لیکن اپنا قابو دیکھ کر — ہاتھ اٹھانا چاہیئے انساں کو بازو دیکھ کر

بھوسا باغِ ہستی میں نہیں کچھ نخلِ قامت کا — نفس کیا ہے ہوا کی بیل ہے دھوکے کی ٹٹی پر

مبتلائے بحث کو رازِ خدا کی کیا خبر — معنیِ بے لفظ و لفظِ بے صدا کی کیا خبر
پایا اک ہنگامہ ہم بھی ہو گئے اس میں شریک — ابتدا کا علم کیسا انتہا کی کیا خبر

ظاہر ہوئی کمیٹی و کالج کی اک لکیر — آخر اسی لکیر کے سب ہو گئے فقیر
مرکز جو فطرتی تھے انھیں اب نہیں قرار — چکر میں خود پھنسے ہیں ہمارے امیر و پیر

سوجھتا کچھ ترقی کا تو ہے ہر بات پر
ختم لیکن ہو کے رہ جاتا ہے میری ذات پر

وہ ٹال دیتے ہیں مجھکو "وہ ئی بزی" کہکر
میں اٹھ ہی آتا ہوں الفاظ عاجزی کہکر

فطرت کی یہ سازش دیکھ ذرا الزام نہ دے پھنس جانے پر
یہ سوچ پڑی طائر کی نظر کیوں دام سے پہلے دانے پر

مشکل ہی کیا ہے گرنا پائے بتاں پہ روکر
لیکن میں پاؤں گا کیا اپنا وقار کھوکر

میں کیا پاؤں گا اکبر بتکدے میں حاضری دیکر
یہ بت رہ جائیں گے تھوڑی سی داد کافری دیکر

کہاں تک اہل دنیا سے کروگے معذرت اکبر
یہی بہتر ہے چلدو اک جواب آخری دیکر

جب مسرت منحصر ہو سعیٔ کفر آمیز پر
صبر کرنا چاہئے حالاتِ درد انگیز پر

ہستی میں رہے مستی وحدت میں فنا ہوکر
عالم کو میں کیوں دیکھوں عالم سے جدا ہوکر

فتوائے خرد جو ہو دل کی تو صدا یہ ہے
فانی ہے جدا ہوکر باقی ہے خدا ہوکر

مزا ہے عالم حیرت میں پاک طینت کو
عجیب نور برستا ہے چشم نرگس پر

فروغ دل جو ہو منظور بزم ہستی میں
اشارہ شعلے کا دیکھ اور ہوا کی سُن د میسیر

چشم بدور آپ تو ہیں آپ ہی اپنی نظیر
ناتوانی سے غلام اور علم سے روشن ضمیر

اکبر خدا کو مان زمان و مکاں کو چھوڑ
عرفاں کا ذوق اگر ہے تو کب اور کہاں کو چھوڑ

پابند کر نہ ساعت و ساحت کا ذہن کو
دارِ تمنا میں حسرتِ نام و نشاں کو چھوڑ

رنگ زمانہ رائے کی کثرت سے ڈر نہ جا
سارا جہاں ہو شرک تو سارے جہاں کو چھوڑ

مسجد نے کہا میرا فسانہ بھی ہے اک چیز
کالج نے پکارا کہ زمانا بھی ہے اک چیز

واعظ کی بلاغت بھی بڑی چیز ہے لیکن
سچ بات یہ ہے دل میں سمانا بھی ہے اک چیز

جیسی حالت پیش آتی ہے زمانہ میں جسے
ذہن انسانی میں ویسا ہی اُتر آتا ہے عکس

یہ مواقع ہیں کہ ہو جاتے ہیں وجہ اختلاف — آئینے کا رخ جہاں بدلا بدل جاتا ہے عکس

چیستی اکبر بگو مجموعۂ اعمال خویش — بعد ازاں بنگر بیاد آخرت در حال خویش

ہے یہ رفتار جہاں کونسی حالت کی طرف — بس جواب اس کا یہی ہے کہ قیامت کی طرف

وضع وروش اطفال کی ہے قوم پر بار گراں — رسموں کا شکوہ اک طرف مذہب کا رونا اک طرف

کہتے ہیں لڑکے بھی مگر کالج سے فرصت ہے کہاں — یہ ساری باتیں اک طرف اور پاس ہونا اک طرف

نشاط طبع پہ تھی خوبیٔ بیاں موقوف — دلِ فگار رہے کی شوخیٔ زباں موقوف

الاماں اے زخم دل اے شدت روز فراق — المدد اے مرگ مجھ پر زندگانی اب ہے شاق
روشنیٔ طبع وہ مجھ میں کہاں ہے دوستو — شمع مردہ ہوں مجھے رہنے دو اب بالائے طاق

یہ سوز داغ دل یہ شدت رنج والم کب تک — ہمارے ہی لئے یہ جور گردوں ہے تو ہم کبتک
یہ دفتر ختم ہو ہی گا بھلا ہی دے گا دہر اس کو — یہ حس کب تک نظر کبتک زباں کبتک قلم کبتک
جو ہیں اہل بصیرت کہتے ہیں اکثر یہ اکبر سے — غنیمت ہے ترا دم ہند میں لیکن یہ دم کبتک

نگاہِ اہلیں کے دام میں الجھی ہے اک دنیا — نصیب ہر نظر کب ہے پہونچنا حد حیرت تک

من از تیغ جفائے چرخ گرداں گشتہ ام بسمل — مخواں مارا بہ بزم عیش خودا ے منعم غافل
ترا سرّ است و شمشاد است مارا آہ و فریاد است — ترا با غبست اندروہ مرادا غیست اندر دل

کوئی سنتا نہیں تیری تو اس بکنے کا کیا حاصل — کوئی منزل نہیں درپیش پھر تھکنے کا کیا حاصل
اشارہ چشم شوق مشرقی سے ہے یہ مغرب کا — جو قوت ہو تو بسم اللہ منہ تکنے کا کیا حاصل

کھلتا بہت سکوت سے رنگ بہار دل — لیکن نہ اُٹھ سکے گا خموشی سے بار دل

کچھ نہ سمجھا شب فراق کا حال — کھل گیا یار کے مذاق کا حال
اعتبار آپ کو نہ آئے گا — کیا کہوں اپنے اشتیاق کا حال.

فکر ہے دنیائے فانی کی خلافِ شانِ دل ... کیجئے ذکرِ خدا سے حاصل اطمینانِ دل
یارب نے پوچھا میں کیا ہوں دل سے نکلی یہ صدا ... حاصلِ دل مقصدِ دل مطلبِ دل جانِ دل

سر تراشا اُن کا، کاٹا اِن کا پانوں ... وہ ہوئے ٹھنڈے، گئے یہ بھی پگھل
شیخ کو یخ کر دیا مومن کو موم ... دونوں کی حالت گئی آخر بدل

واعظا ایں نہ جنوں است نہ کافر شدہ ام ... دولت ناشدہ ختم است و من آخر شدہ ام

کر دیں جو بیکسوں سے ذرا یہ غرور کم ... جب بھی نہیں رہیں گے کسی سے حضور کم

دکھا رہی ہے یہ ترکیب حسنِ طبعِ سلیم ... علی کی تم میں جگہ ہو تو بس وہ ہے تعلیم

عقل مذہب سے دوستی رکھے ... نہ تو دشمن ہو اُس کی اور نہ غلام

زبان علم کی گو متبع ہے وقتِ کلام ... مگر یہ تابعِ حکمت نہیں ہے وقتِ طعام

کبھی اسلام لائے تھے کہ ہو دینِ خدا قائم ... اور اب مشرب بدلتے ہیں کہ ہو اپنا جتھا قائم

بت پوچھتے ہیں مجھ سے کیوں اللہ اللہ ہر دم ... میرا جواب یہ ہے دانم چرا نگویم

مولوی ہو ہی چکے تھے نذرِ کالج اس سے قبل ... خانقاہیں رہ گئی تھیں اب ہے انکا انہدام
پکچر مضمون لکھتے ہیں تصوف کے خلاف ... الوداع اے ذوقِ باطن الوداع اے فیضِ عام

بند ٹاپے میں تھے وہ بنگلے پر ... صبح کے وقت ہنس پڑی اک "میم"
جب وہ بولے بجائے کوکڑوں کوں ... مرغِ شاخِ درخت لا ہو تیم

اب جسم میں باقی ہے مسرت کا لہو کم ... احباب میں مرحوم بہت "سلمہ" کم

اس دارِ فنا کی بحثوں میں کیا صرفِ زباں کیا صرفِ قلم
دنیا کو بقا کیا اے اکبرؔ کے دن کی خوشی کے دن کا الم
دم بھر میں نشاطِ طبع فنا اک آن میں نازِ جاہ ہوا

کیا بزمِ طرب کیا شانِ شہی کیا بربط و دف کیا طبل و علم

کوئی موقع نہیں ہے بننے کا / سب کو معلوم ہے کہ میں کیا ہوں

ہو گئی ہے امیدِ مرگِ قوی / کل کی نسبت تو آج اچھا ہوں

دست بستہ پا شکستہ دل فسردہ لب پہ مہر / کچھ نہ کچھ کرتا ہے ہر اک اپنے خدا میں کیا کروں

یہ دلِ بیتاب مجھ کو کر رہا ہے کیوں تباہ / ہو گئی اک بات۔ تھا حکمِ قضا میں کیا کروں

نزع میں پیکِ اجل سے کہہ رہا تھا اک حسیں / تو قضا لایا ہے سر پر اب ادا میں کیا کروں

شکوۂ بیداد کرتا ہوں تو کہتا ہے فلک / خود بخود تجھ سے ٹپکتی ہے جفا میں کیا کروں

حسنِ فانی کے لئے میرا درِ دل وا نہیں / نازِ عکسِ بے بقا آنکھوں سے اب اٹھتا نہیں

یہ شاعر رنگِ شب کو گیسوئے لیلیٰ بھی کہتے ہیں / یہی حسنِ تصور ہے جسے سودا بھی کہتے ہیں

بتوں کے ناز پر اس عہد میں لازم ہے خاموشی / بُرا کہتے ہیں دس اُن کو تو دس اچھا بھی کہتے ہیں

جہاں عیش کی گھڑی کی ہوتی تھی وقت اسکو کہتے تھے / گئی چوری تو ہم سمجھے زمانہ اس کو کہتے ہیں

میں اپنے آپ میں ان شاعروں میں فرق پاتا ہوں / سخن ان سے سنورتا ہے سخن سے میں سنورتا ہوں

نہیں ہے گو مرے پائے ثبات کو لغزش / ہوائے دہر سے میں دمبدم پگھلتا ہوں

بسانِ شمع فروغ اپنا ہے ہر اک پہ عیاں / مگر مجھی کو فقط ہے یہ حس کہ جلتا ہوں

کوئی مونس نہیں ہے بیکسی میں جان کھوتا ہوں / جو روتے تھے مرے مرنے پر انہیں کو اب میں روتا ہوں

یہ شانِ بے نیازی اور یہ ہنگامۂ فطرت / گلا کیا مرگِ ہاشم کا وہی کیا تھا ہمیں کیا ہیں

جان دینا منع ہے اور دل سے غم ٹلتا نہیں / سانس لیتا ہوں مگر کام اس سے کچھ چلتا نہیں

تپ نہ ہونے سے نہ سمجھو یہ کہ میں راحت میں ہوں / دل میں انگارے بھرے ہیں گو بدن جلتا نہیں

یہ بتِ خود بیں خلافِ اکبر کے جو چاہیں کہیں / کفر کے سانچے میں تو بالفعل وہ ڈھلتا نہیں

تمہارا اور ان پھلوں کا مجھ پر نہیں کچھ احسان اے درختو
خدا اُگاتا ہے اُگ رہے ہو خدا کھلاتا ہے کھا رہا ہوں

* * *

مجھ سے رکتی ہے تو میں شیدائے دنیا کیوں رہوں
یاس کا جب دور ہے محوِ تمنا کیوں رہوں

ہمنشینی خلق کی ہے اب تو وحشت آفریں
اک زمانہ میں یہ سودا تھا کہ تنہا کیوں رہوں

خوب مصرعہ ہے مگر کس کی زباں سے ہو ادا
یا رہوں اعزاز سے دنیا میں یا کیوں رہوں

اب ہے بیماری ہی اکبر میرا شغلِ زندگی
جب فقط مرنا ہی باقی ہے تو اچھا کیوں رہوں

* * *

بوڑھوں کے ساتھ لوگ کہاں تک وفا کریں
لیکن نہ موت آئے تو بوڑھے بھی کیا کریں

* * *

میں جس کے خانۂ قدرت کا نقش حیرت افزا ہوں
وہی جانے کہ وہ کیا ہے وہی جانے کہ میں کیا ہوں

کوئی سنتا نہیں میری تو پھر اس کی شکایت کیا
میں ہی کیا کرسکا ہوں آجتک اوروں کی سنتا ہوں

جناب حضرتِ اکبر کی کوئی نبض تو دیکھے
یہ کہنے کو تو ہر حالت میں کہہ دیتے ہیں اچھا ہوں

* * *

قدرت کا رنگ دیکھ نہ ڈھونڈھ اس کی ماہیت
تصویر کو ٹٹولنے میں کچھ مزا نہیں

* * *

آخرت کے لئے کافی ہے فقط ذکر خدا
"توسّل" اغراض کو کچھ پیر بنا رکھے ہیں

* * *

اس موت کے آگے اے اکبر مشغولیٔ دنیا کچھ بھی نہیں
سب کچھ جسے ہم سمجھے تھے ابھی دم بھر میں جو دیکھا کچھ بھی نہیں

تدبیر کی کوئی حد نہ رہی اور بالآخر کہنا ہی پڑا
اللہ کی مرضی سب کچھ ہے بندے کی تمنا کچھ بھی نہیں

* * *

اس گلستاں میں بہت کلیاں مجھے تڑپا گئیں
کیوں لگی تھیں شاخ میں کیوں بے کھلے مرجھا گئیں

* * *

ہم اردو کو عربی کیوں نہ کریں اردو کو وہ بھاشا کیوں نہ کریں
بحثوں کے لئے اخباروں میں مضمون تراشا کیوں نہ کریں

آپس میں عداوت کچھ بھی نہیں لیکن اک اکھاڑا قائم ہے
جب اس سے فلک کا دل بہلے ہم لوگ تماشا کیوں نہ کریں

کیوں مجھ سے پوچھتے ہیں وہ کیا چاہتا ہوں میں
کیا دیکھتے نہیں کہ مرا جا رہا ہوں میں

تجھے ہم شاعروں میں کیوں نہ اکبرؔ منتخب سمجھیں
بیاں ایسا کہ دل مانے زباں ایسی کہ سب سمجھیں

نتیجے ترکِ خودداری کے سب پر ہو گئے ظاہر
ترقی خواہ ملت جب نہ سمجھے تھے تو اب سمجھیں

شیخ جی بھی وہی کرتے ہیں جو سب کرتے ہیں
اب تو ہم مصلحتاً ان کا ادب کرتے ہیں

طلبِ جاہ پہ وہ کرتے ہیں کس کو مجبور
سچ تو یہ ہے کہ یہی لوگ غضب کرتے ہیں

یہ انقلاب بھی ہے اور اجتناب بھی ہیں
میں دیکھتا ہوں کہ موجیں بھی ہیں حباب بھی ہیں

ہے میرے دل کو خدا ہی کی رحمتوں کی طلب
کہ وہ سبیع بھی ہیں اور بے حساب بھی ہیں

عجب اصول ہیں رندانِ عشق کے اکبرؔ
گناہ کرتے ہیں اور طالبِ ثواب بھی ہیں

ہوٹل میں جو وہ مطلوب رہے اسٹیج پہ یہ مرغوب رہیں
اُن کے بھی قوافی خوب ملے ان کی بھی ردیفیں خوب رہیں

تم کو مبارک یہ ہوس جو ہم کہیں وہ سب کہیں
ہم کو تو ہے اس میں مفر سب کی سنیں یا رب کہیں

سورج تو ہے لیکن جہاں ظلمت کے اندر ہے جہاں
تقویم میں تم دن پڑھو ہم حس کے اندر شب کہیں

آجکل اس انجمن کے کچھ عجب اسلوب ہیں
میں جو کہتا خوب ہوں وہ چپ بھی کرتے خوب ہیں

جو شیخ کی ہے یہ خود فروشی کروں کہاں تک میں عیب پوشی
یہ اتنی دنیا سے گرم جوشی حرم میں وہ ہیں کہ "شاپ" میں ہیں

زمیں کی کوئی کرے نہ چوری بڑھی ہے "انجنیری" کی ڈوری
اسی کے پیوند ہوں گے آخر ابھی تو مصروف ناپ میں ہیں

گو بہت اونچی ہے پروازِ حریف
شیخ بُرگُذ، کم نہیں ہیں مدحیپؔ میں

اُن کا طوطی بولتا ہے عرش پر
اِن کی مرغی بولتی ہے کمپ میں

کسی سے وہ محبت ہو محبت جس کو کہتے ہیں
پھر اس سے ایسی فرقت ہو کہ فرقت جسکو کہتے ہیں

دلی حالات کا اندازہ ہو اس وقت غافل کو
مصیبت ہی نہیں دیکھی مصیبت جسکو کہتے ہیں

بولے شگفتگی سے مگر بات کی نہیں
خواہش مجھے اب ان سے ملاقات کی نہیں

میرے سکوت سے مجھے بے حس نہ جانئے
الفاظ کی کمی ہے خیالات کی نہیں

اس کے سوا کہ شکر کا موقع نہیں ملا
مجھ کو شکایت ان سے کسی بات کی نہیں

شعرِ اکبرؔ میں کوئی کشف و کرامات نہیں
دل پہ گذری ہوئی ہے اور کوئی بات نہیں

دل کو اک غم نے گھیر رکھا ہے
کیا کسی سمت التفات کروں

ہمنشیں مجھ سے کچھ نہ پوچھ اس وقت
جی نہیں چاہتا کہ بات کروں۔

کیوں گفتگو کسی کو ہو اس ٹھیک بات میں
شیخی زبان میں ہے حکومت ہے ہات میں

حسن فانی جو لبھائے اسے بت کہتے ہیں
گذراں فصل دلاویز کو رت کہتے ہیں

کیا عذر قوم کو ہے ترقی کی بات میں
رغبت کے ساتھ خود ہے وہ "لیڈر" کے ہات میں

تعلیم دختراں سے یہ امید ہے ضرور
ناچے "دولہن" خوشی سے خود اپنی برات میں

سیر ہوں سیر سے اس دارِ کہن کی اکبرؔ
اب یہاں میرے لئے کوئی نئی بات نہیں

بسے برگڈ میں مغرب کی ثقافت اسکو کہتے ہیں
ہوئے مدفون تکئے میں اصالت اسکو کہتے ہیں

سمجھ میں صاف آجائے فصاحت اسکو کہتے ہیں
اثر ہو سننے والے پر بلاغت اسکو کہتے ہیں

مایوس ہوں مریضِ غمِ لاعلاج ہوں
کل بھی جیا تو کیا وہی ہوں گا جو آج ہوں

افسردہ ہو کے کہتی ہے گل کی زبانِ حال
صرصر سے کیا کہوں کہ میں نازک مزاج ہوں

اس زندگی میں ترکِ تعلّق کا ذکر کیا — جب تن میں جان ہے ہمہ تن احتیاج ہوں

مذہبی تلقین اور ایسے شدائد الاماں — ایک نامِ حق کے ساتھ اتنے زوائد الاماں

ہر شیخ یہ کہتا ہے عقاید ہیں تو یہ ہیں — توحید یہ کہتی ہے زوائد ہیں تو یہ ہیں

بے بصرہ ہیں جو بحثوں میں یہاں خرسند ہیں — جن کی آنکھیں کھل گئیں انکی زبانیں بند ہیں

وہ اپنی حد سے باہر قائم یہ اپنی حد میں — یہ عمدہ فرق میں نے پایا ہے نیک و بد میں

تیری ہی حد میں تیری ساری مسرّتیں ہیں — مشکل ہے بحث کرنا میرے سخن کے رد میں

بوزنے کو رقص پر کس بات کی میں داد دوں — ہاں یہ جائز ہے مداری کو مبارکباد دوں

الگ خیال سے یہ دنیوی مظاہر ہوں — نماز کا ہے مزا جب حواس طاہر ہوں

مخالفین کو ہم کہہ تو دیتے ہیں کافر — مگر یہ ڈرتے ہیں دل میں ہمیں نہ کافر ہوں

حواسِ ظاہری کے دام میں اوہام حاضر ہیں — مگر یہ صید خود صیاد اطمینان خاطر ہیں

مرا اسلام ہی کیا ہے کہ حکمِ کفر دوں اکبر — وہی کافر ہیں جو اللہ کے نزدیک کافر ہیں

بادۂ عرفاں کہاں یہ بحث کا دفتر کہاں — کفر ہے اس انجمن میں کون کیا کیونکر کہاں

خانۂ تن کے بھی اجزا میں ہے پیہم انقلاب — کیا بتائیں ہم کسی سے ہے ہمارا گھر کہاں

جن کو جینا ہے نہیں بجلی ہوس کے ابر میں — پانوں لٹکائے ہوئے بیٹھے ہیں یاں تو قبر میں

چند مومن بھی اسیرِ زلفِ دنیا ہو گئے — چاندنی تو ہے مگر لپٹی ہوئی ہے ابر میں

ہاں نغا پائی شاہدِ مغرب سے ہم کرتے نہیں — بالوؤں ہی کو مزا ہے بوسۂ بالجبر میں

گو مجھ میں ہے بلاغت گو شعر با اثر ہیں — لیکن مرے مصائب مجھ سے بلیغ تر ہیں

کس طرح جلبے گا اپنے آپ کو اے فلسفی — فرق کیا لازم نہیں سب ہے ناظر و منظور میں

آپ کی ہرگز نہیں کہ آگے کیا بس ہے مرا — لیکن اتنا تو ذرا سن لوں کہ آخر کیوں نہیں

اُن کے گھر کی آگ بجھی میرے گھر مٹی خراب — یا الٰہی مجھ پہ الطافِ عناصر کیوں نہیں

اس قدر دلکش ہے رنگِ طبعِ اکبر دیر میں — بت کو حسرت ہے کہ یہ کمبخت کافر کیوں نہیں

ہم کیوں یہ مبتلائے بیتابیٔ نظر ہیں — تسکینِ دل کی یارب وہ صورتیں کدھر ہیں

ذرّے جو گُل بنے تھے وہ بن گئے بگولے — جو زینتِ چمن تھے وہ خاکِ رہگذر ہیں

دنیا کی کیا حقیقت اور ہم سے کیا تعلق — وہ کیا ہے اک جھلک ہے ہم کیا ہیں اک نظر ہیں

ہم نے سنا بہت کچھ حالِ جہانِ فانی — افسانہ گو غضب میں قصّے تو مختصر ہیں

پیدا کئے فلک نے نادیدنی مناظر — نیچی ہیں اُن کی نظریں جو صاحبِ نظر ہیں

غمخانۂ جہاں میں وقعت ہی کیا ہماری — اک ناشنیدہ اُف ہیں اک آہ بے اثر ہیں

کیا مشرقی کفن بھی وہ ترک کر سکیں گے — اوضاعِ مغربی میں جو غرق سر بسر ہیں

اکبر کے شعر سن کر کہتے ہیں اہلِ باطن — اب بھی خدا کے بندے کچھ صاحبِ اثر ہیں

اپنی مرضی کے موافق دہر کو کیوں کر کروں — بیحد آتا ہے مجھے غصّہ مگر کس پر کروں

جل بسے چھوٹے بڑے تھا جن سے لطفِ زندگی — مجھ پہ کس کو ناز ہے میں ناز اب کس پر کروں

وصل کی شب جسمِ صبح سم ہو ہی جائیگی سحر — لطف اُٹھاؤں یا درازی کی دعا شب بھر کروں

دورِ بیمہری ہے امیدِ محبت کس سے ہو — اُڑ رہی ہے خاک ہر سو کس کے دل میں گھر کروں

داغِ دل پر نظرِ یاس نہ کر اے اکبر — کوئی ذرّہ چمنِ دہر میں بیکار نہیں

تجھ پہ گلزار کھلائے گا یہی داغ کبھی — آج گو طبع تری محرمِ اسرار نہیں

یہ جتنے ذرّے جہانِ فانی کے اتنی شکلوں میں جلوہ گر ہیں

خدا کی ہستی کے سب ہیں شاہد اور اپنی ہستی سے بیخبر ہیں

تغیّر اتنا کہ کم تعیّن۔ تعیّن ایسا کہ اپنی ہی دُھن

کمال ایسا کہ سب ہیں حیرت جمال ایسا کہ سب نظر ہیں

حواس کچھ نیک کام کرلیں کہ جیب و دامن کو اپنے بھرلیں

مرے معانی کی حد نہیں ہے اگرچہ الفاظ مختصر ہیں

دنیا میں ہوں دنیا کا طلبگار نہیں ہوں — بازار سے گذرا ہوں خریدار نہیں ہوں

زندہ ہوں مگر زیست کی لذت نہیں باقی — ہر چند کہ ہوں ہوش میں ہشیار نہیں ہوں

اس خانۂ ہستی سے گذر جاؤنگا بے لوث — سایہ ہوں فقط نقش بہ دیوار نہیں ہوں

افسردہ ہوں عبرت سے دوا کی نہیں حاجت — غم کا مجھے یہ ضعف ہے بیمار نہیں ہوں

وہ گل ہوں خزاں نے جسے برباد کیا ہے — الجھوں کسی دامن سے میں وہ خار نہیں ہوں

یارب مجھے محفوظ رکھ اُس بت کے ستم سے — میں اُس کی عنایت کا طلبگار نہیں ہوں

دعویٰ تقوے نہیں درگاہِ خدا میں — بت جس سے ہوں خوش ایسا گنہگار نہیں ہوں

افسردگی و ضعف کی کچھ حد نہیں اکبر — کافر کے مقابل میں بھی دیندار نہیں ہوں

حسن کیا وقعت نہیں میری جو بزم غیر میں — عزت مسلم ہے اسکی کس مپرسی دیر میں

مار برقی سے ہوا معلوم حالِ زار روس — شور برپا ہے کلیسا میں حرم میں دیر میں

آسمانی توپ چلتی ہے کہیں صدیوں کے بعد — لیکن اڑ جاتی ہیں ساری غفلتیں دو فیر میں

چرخ تے پیش کمیشن کہدیا اظہار میں — قوم کالج میں اور اس کی زندگی اخبار میں

حواس سب ہوگئے معطّل اور آنکھ بھی بند کر چکے ہیں

لحد میں گڑتا ہے صرف باقی زمانہ گذرا کہ مر چکے ہیں

کارگر اس بت کی تدبیریں بالآخر ہوگئیں — گو ہوں مسلم خواہشیں میری بھی کافر ہوگئیں

بت سے حاصل کی موافق اپنے رائے — نشۂ نخوت میں اب سرشار ہیں

پوچھے کوئی حضرتِ والا سے یہ — آپ فاتح ہیں کہ ڈگر یدار ہیں

اب میں سرگرمی سے کوئی سعی کرتا ہی نہیں — بعد ان مایوسیوں کے دل اُبھرتا ہی نہیں

سلسلا ہے بیقراری کا ہماری زندگی — سانس رُکتی ہی نہیں اور دل ٹھہرتا ہی نہیں

منزلِ صبر و رضا کو سمجھے تھے آباد ہم — لیکن اس جانب سے اب کوئی گذرتا ہی نہیں

اُفئی حرص و ہوا پر عبرتیں ہیں بے اثر — ٹوٹتی ہیں لاٹھیاں کم بخت مرتا ہی نہیں

یاس اب خوبانِ شرق کو ہوئی عشّاق سے — اس قدر افسردہ ہیں کوئی سنورتا ہی نہیں

اس سرو قد پہ اکبرؔ مدت سے مر رہا ہوں — اللہ راست لائے کوشش تو کر رہا ہوں

نمبر اوّل کا دعوے ہو جنھیں باہم لڑیں — خوش نصیبی سے یہاں تو دوسرے نمبر پہ ہیں

جان مردہ ہے بدن افسردہ ہے مانند خاک — میں رہا ہوں گا کبھی لیکن اب اپنی قبر ہوں

مجبور بدل جانے پہ یہاں اقبال و حشم کے دور بھی ہیں

یکتائی کا دعویٰ خوب نہیں اللہ کے بندے اور بھی ہیں

قوتِ سیر جو حاصل ہو تو دیوار نہ بن — پنجۂ غیر میں رہنا ہو تو تلوار نہ بن

دل کی خاطر تو ہے لازم تجھے بک جانا بھی — صرف آنکھوں کا مزا ہو تو خریدار نہ بن

آتشِ شوقِ بتاں میں نہ جلا دل اپنا — کافری کا سبب گرمیِ بازار نہ بن

بت پرستی میں بھی رکھ حسن کے پہلو پہ نظر — ہار بن۔ دیر سے رشتہ ہو تو زنّار نہ بن

دل سے کہہ سکتے ہیں ہاں شمعِ بصیرت نہ بجھے — وقت سے کہہ نہیں سکتے کہ شبِ تار نہ بن

دستِ قدرت میں ہے یہ خاکِ چمن اے اکبرؔ — اس سے کیونکر یہ کہوں پھول ہی بن خار نہ بن

ہے ہم سے چرخ برسر کیں غور کیا کریں — بیٹھے ہیں سر جھکائے ہوئے اور کیا کریں

ہے صبر میں تو دیر وہ فرصت کی بات ہے — للہ یہ بتائیے فی الفور کیا کریں

اپنے جو تھے مشیر وہ سب ان سے مل گئے
کرنا پڑا سکوت بہر طور کیا کریں

"پاپ" کوئی کھلا نہیں گھر میں لگی ہے آگ
اب بھاگنا ضرور ہوا غور کیا کریں

وہ تھے آئین تت لاکھوں ہی کو ایک کرتے تھے
یہ کیا جو ایک کو دو اور دو کو چار کرتے ہیں

یہ پروانوں کا شمعوں سے لپٹنا اور جل مرنا
محبت کی روش یہ بھی ہے یوں بھی پیار کرتے ہیں

بڑھانا شوق کا منظور ہے یا مضمحل کرنا
نزاکت کا جو مجھ سے اسقدر اظہار کرتے ہیں

ترقی کی تماشا گاہ میں اس وقت اے اکبر
وہ منظر ہیں کہ مجھ کو ہوش سے بیزار کرتے ہیں

حشر تک کھل نہ سکے راز اسے کہتے ہیں
جستجو پھر بھی کرو ناز اسے کہتے ہیں

وجد عارف کی حقیقت کچھ سنا دوں آپ کو
گو کہ میری اصل کیا اک بندۂ ناچیز ہوں

ناچتی ہے روح انسانی بدن میں شوق سے
جب کبھی پا جاتی ہے پرتو کہ میں کیا چیز ہوں

کچھ اعتبار نہیں مجھ کو اپنے ہونے کا
یقین میں میں نہیں ہوں فقط قیاس میں ہوں

ثواب کہتا ہے مل جاؤں گا، کر ان کی مدد
چھپا ہوا میں غریبوں کی بھوک پیاس میں ہوں

خداشناس تو ہونا نہیں ہے سہل اکبر
یہی بہت ہے جو دنیا شناس ہو جاؤں

جہاں درشن تمہارے ہوں وہیں دھونی رماؤنگا
الہ آباد کا قیدی نہ پابندِ بنارس ہوں

کسی سے پوچھتا میں کیوں تصوف کسکو کہتے ہیں
خود اپنے دل کو دیکھا اور سمجھا اسکو کہتے ہیں

مرے دل کا نہ سمجھا حال کچھ بھی "ڈاکٹر مس" نے
تو پھر دعوے یہ کیسا ہے میں تم سی رگ رگ سے واقف ہوں

وہ دل کا رنگ نہیں گو حرم کے طوف میں ہوں
مقامِ شوق میں تھا اب محلِ خوف میں ہوں

موت سے ڈرتا نہیں گو موت کا شائق بھی ہوں
یعنی شبہہ ہے کہ ایسے شوق کے لائق بھی ہوں

ہو نہیں سکتا بیانِ حالِ دل الفاظ میں
جوش بھی ہے طبع میں اور شعر میں فائق بھی ہوں

زیادہ گوئی سے اب ہم اسی سے رکتے ہیں
جو خوب کہتے ہیں اکبر وہ کہہ بھی چکتے ہیں

خشک ہے بالکل شجرِ امید کا
گل میں سرخی ہے نہ سبزی برگ میں

شغل اپنا کیا بتاؤں آپ سے
جی رہا ہوں انتظارِ مرگ میں

*

مسرت مجھ کو اب دشوار ہے دنیا کی محفل میں
خوشی کی قابلیت ہی نہیں باقی رہی دل میں

*

جھکا کر سر کو سجدے میں جو اپنے دل میں پہنچے ہیں
نہ پوچھو وہ کہاں اُبھرے ہیں کس منزل میں پہنچے ہیں

*

ذوقِ ہوائے کوچۂ قاتل کو کیا کروں
مہلک سہی یہ شوق مگر دل کو کیا کروں

اظہارِ اضطراب کا شائق نہیں ہوں میں
پہلو میں لیکن اس دلِ بسمل کو کیا کروں

قطعِ نظر گلوں سے نہیں مانعِ جنوں
بوئے بہار و شورِ عنادل کو کیا کروں

*

مقبول جو ہوں شاذ ہیں قابل تو بہت ہیں
آئینے کے مانند ہیں کم۔ دل تو بہت ہیں

وہ کم ہیں تڑپنے میں جنھیں ملتی ہے لذت
یوں آپ کی شمشیر کے بسمل تو بہت ہیں

*

علمِ دیں حاصل کیا لیکن قباحت یہ ہوئی
صرف سکھلانے میں لذت ہی عمل میں کچھ نہیں

زیست کا مصرع بنے خود کہ سوزاں تب ہے لطف
ورنہ اے اکبرؔ تری نظمِ غزل میں کچھ نہیں

*

لوگ کہتے ہیں کہ ہیں آپ نہایت قابل
میں اسی سوچ میں رہتا ہوں کہ کس قابل ہوں

+

لذت ہے روح کو تنِ خاکی سے میل میں
فطرت نے مست رکھا ہے قیدی کو جیل میں

فتح و شکست پر نظریں آپ ہی کی ہوں
اپنی تو دل لگی ہے فقط پاس فیل میں

*

ذلت اُٹھا رہا ہوں میں قلیوں کے غول میں
اچھے وہی جو لکھ گئے آنر کے رول میں

*

ہی زندہ میں طاقت سے جو صرف عقل کرتے ہیں
ہماری زندگی کیا زندگی کی نقل کرتے ہیں

*

باطن بہت ہیں ایسے جو مشتعل نہیں ہیں
سینے میں سب کے دل ہے سب اہلِ دل نہیں ہیں

*

خدا جانے مرا کیا وزن ہے انکی نگاہوں میں
سنا ہے آدمی کو وہ نظر میں تول لیتے ہیں

*

تفرقوں کے یہ جو طوفاں ہیں بپا کچھ کم تو ہوں
ہم کو کرنا چاہیئے سب کچھ مگر ہم ہم تو ہوں

دیکھ لیگا خود کہ کس عالم میں لیجاتا ہے دل — مجھ کو جتنے ہیں مگر اتنے کسی کو غم تو ہوں
جام کی صورت جو ساقی خود ہوں گردش میں تو کیا — شانِ محفل تمکنت ہی میں ہے پہلے جم تو ہوں

خدا کے نام کا ہے احترام عالم میں — نہ صرف آپ ہیں، ہم ہیں تمام عالم میں
اسی کا نام نہ کیوں مرکزِ زباں ہو جائے — کہ اختلاف سے خالی ہو کام عالم میں
خدا پرست کو کافی ہے مثل ابراہیم — زوال شمس و قمر صبح و شام عالم میں
یہی مشن تھا جنابِ رسولِ اکرم کا — اور آج انھیں کا تو روشن ہے نام عالم میں

حسن آغاز تو رکھتا ہے یہ عیشِ دنیا — مگر افسوس یہ ہے خوبیٔ انجام نہیں

تعلّی کی نہیں یتے ہم ایسے ہیں ہم ایسے ہیں — مگر ہم جتنے ہیں بیزار دنیا سے کم ایسے ہیں
مری ہر وقت کی افسردگی ہے بار یاروں پر — مگر میں کیا کروں اسکو خدا شاہد غم ایسے ہیں

سینے میں تپش ہے دل میں غم ہیں — اللہ اللہ ہے اور ہم ہیں
جن میں للہ دوستی ہو — اب ایسے بزرگوار کم ہیں

حقیقت کیا مری ہستی کی اک ذرّے سے بھی کم ہوں — تعجب اپنے آتا ہے کہ میں بھی جزو عالم ہوں
بحمد اللہ مری ہستی نہیں ہے بارِ فطرت پر — زمیں یک ہوں تو سبزہ ہوں گلو نہیں ہوں تو شبنم ہوں

کتنے ہی بے وقار ہوں مرزا کو غم نہیں — کافی ہے یہ شرف کہ وفائی سے کم نہیں

مس سے بیگم نے کہا کل تو کہاں اور ہم کہاں — بوٹ کی چرچر میں کیا رکھا ہے یہ چھم چھم کہاں
مس یہ بولی پڑھ کے نکلو تو ذرا اسکول سے — اور ہی چالیں نظر آئیں گی یہ عالم کہاں

اولڈ مرزا ہر طرف بدنام ہیں — نیک بد تھو وارث اسلام ہیں
گردش گردوں کے آگے کس کا زور — کون دم مارے خدا کے کام ہیں

ناچیز ہے سکوں تو طلاطم بھی کچھ نہیں — ہم کچھ نہیں یہ سچ ہے مگر تم بھی کچھ نہیں

کیا نور تھا نگاہِ جنابِ خلیل میں ۔۔۔ شمس و قمر میں کچھ نہیں انجم بھی کچھ نہیں

شکم ہوتا تو میں اس عہد میں پھولا ہوا رہتا ۔۔۔ سراپا دل بنا ہوں اس سبب سے کشتۂ غم ہوں

نہ واعظ کی کوئی سنتا نہ پڑھتا ہے مصنف کی ۔۔۔ زباں بکتی ہی رہتی ہے قلم چلتے ہی رہتے ہیں
جو تھک کر بیٹھ جاتا ہوں زمیں کہتی ہے یہ مجھ سے ۔۔۔ ترے رکنے سے کیا ہوتا ہے ہم چلتے ہی رہتے ہیں

نئی تعلیم میں تقوے کا وہ اکرام کہاں ۔۔۔ ناز بے حد ہیں مگر غیرتِ اسلام کہاں

نئے زمانے کی ہسٹری کے عجیب مفہوم بن رہے ہیں ۔۔۔ کہ خدمتِ دیر کی بدولت حرم کے مخدوم بن رہے ہیں

مفتیِ شرع نہ ہوں لیڈرِ اسلام تو ہیں ۔۔۔ بوئے مسجد نہ سہی کمپ کے گلفام تو ہیں

منھ لگایا جنھیں اس بت نے بنے وہ ناقوس ۔۔۔ ساز ملت میں تو اب سر یہی اسلام کے ہیں
نہ نظر آئے جبیں پر جو نشانِ سجدہ ۔۔۔ تو سمجھ لو یہ مسلمان فقط نام کے ہیں

یہ اختلافِ صورتِ فطرت کی مستیاں ہیں ۔۔۔ یہ انکشافِ معنیِ ذہنوں کی ہستیاں ہیں
دیوانۂ چمن کی سیریں نہیں ہیں تنہا ۔۔۔ عالم ہیں ان گلوں میں غنچوں میں بستیاں ہیں
ساقی سے بے خبر ہیں مستانِ بزمِ ہستی ۔۔۔ یا بے ہشی ہے طاری یا خود پرستیاں ہیں
اس منزلِ فنا کو اکبر نے خوب دیکھا ۔۔۔ جتنی بلندیاں ہیں نظروں کی پستیاں ہیں

ہے جو لب پر شکوہ سمجھیں اسکو یا آہیں کہیں ۔۔۔ میں ہوں مستِ بادۂ غم لوگ جو چاہیں کہیں
جو طریقے کامیابی کے بتاتے ہیں یہ بت ۔۔۔ ہیں یہ سب دامِ ہلاکت آپ انھیں راہیں کہیں

وہ چیزیں نفس کو جن سے مسرت ہے نمایاں ہیں ۔۔۔ جو اخلاقی نتیجے دل پہ گذریں گے وہ پنہاں ہیں

جس طرف اُٹھ گئی ہیں آہیں ہیں ۔۔۔ چشمِ بد دور کیا نگاہیں ہیں
ذرہ ذرہ ہے خضرِ شوق تو ہو ۔۔۔ چلنے والے کو لاکھ راہیں ہیں
ماسٹر کی مشیختیں دیکھو ۔۔۔ اب تو کالج ہی خانقاہیں ہیں

روح ہے تن میں مگر دل میں مرے جان نہیں — داغ ہی داغ ہیں اب اور کوئی ارمان نہیں
سخت مشکل ہے مسلمان کو اس وقت فروغ — اور قناعت کی جو کہئے تو وہ آسان نہیں

ہیں سخت مصیبت میں آرام کہاں پائیں — دنیا سے ملیں کیونکر چھوڑیں تو کہاں جائیں

جب خدمتِ دل میں رہنے کو خالق نے زبانیں دیں منھ میں
اچھے ہیں وہی دل اے اکبرؔ اللہ کی باتیں جن سے اٹھیں

اس بزم میں مجھ سے کہتے ہیں سب موقع کے مطابق بات کہو
اور ہم نے یہ دل میں ٹھانی ہے یا دل کی کہیں یا کچھ نہ کہیں

صورتِ گل ہمہ تن گوش ہوں اس محفل میں — کہ جہاں بلبل و قمری ہیں غزلخوانوں میں

ہے موت میں ضرور کوئی رازِ دل نشیں — سب کچھ کے بعد کچھ بھی نہیں یہ تو کچھ نہیں

طالب العلموں کو لیجاؤ کمیٹی میں نہ تم — کہیں ایسا نہ ہو یہ قوم پہ عاشق ہو جائیں

فرقت میں شوقِ دیدِ گل اے باغباں نہیں — راحت کہاں نظر کو جب آرامِ جاں نہیں

کتنا ہی غم ہو رہتی ہے امیدِ بہتری — شکرِ خدا کہ قلب مرا بدگماں نہیں
اصرارِ شوق ہے کہ کئے جاؤ عرضِ حال — ایمائے ناز ہے کہ چلی جائے ہاں نہیں

بنگلوں ہی کی چھتوں پہ کریں شاعراب نگاہ — دورِ جدید میں کوئی شے آسماں نہیں

جو خوش کریگا چاہے گا مجھ کو بھی خوش کرو — اس کو سمجھ کے تو کوئی منت قبول کر

ہو گیا ہوں اس قدر افسردہ و زار و حزیں — چلدیئے ہیں چھوڑ کر مجھ کو کراماً کاتبیں

اب کیا دنیا سے دل لگے گا — آنکھیں چھت سے لگی ہوئی ہیں

پڑ جائیں ابھی آبلے اکبرؔ کے بدن میں — پڑھ کر جو کوئی پھونک دے "اپریل مئی جون"

اس شرط پہ ہم سے فلک سے صلح آخر ہو گئی — قبریں مہیا وہ کریں تزئین ان کی ہم کریں

بتوں میں حسن نہیں برہمن میں جان نہیں
وہی جگہ ہے مگر دیر کی وہ شان نہیں

ہو رہا ہے نفاذ حکم منا
نہ مکیں اس سے بچتے ہیں نہ مکان
تو ہیں خود آکے اب تو میداں میں
کہتی ہیں کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانْ

دنیا کو خوب دیکھا جتنی محبتیں ہیں
موقع کی سازشیں ہیں مطلب کی سانتیں ہیں
البتہ جو تعلق دینی خیال سے ہے
اس میں وفا ہے شامل اور دل کو راحتیں ہیں

وہ رنگ بزم نہیں ہے تو رندکیا ابھریں
بہار ہی نہیں باقی تو پھر جنون کہاں

مدت سے ہوش میں ہوں نذر دل و زباں ہوں
لیکن کھلا نہ اب تک میں کون ہوں کہاں ہوں
پیری سے اب ہوں راضی لب پر ہے ذکر ماضی
پہلے فسانہ جو تھا اب اپنی داستاں ہوں
ہر بت کہ جس کو سمجھا آنکھوں نے صدر ہستی
آخر میں بول اٹھا میں سنگ آستاں ہوں

وہ چاہتے ہیں اس کو دم دے کے میں بلاؤں
یاں دل میں یہ ٹھنی ہے مر جاؤں اور نہ جاؤں
اظہار عقل میں ہیں احباب گرم کوشش
اور مجھ کو فکر یہ ہے اپنا جنوں چھپاؤں
سازِ طرب ملا کر بیٹھے ہیں سننے والے
پھر میں فسانۂ غم کیونکر انھیں سناؤں
میری طرف سے کیوں وہ مایوس ہو رہے ہیں
بیمار تو پڑا ہوں ممکن ہے مر بھی جاؤں

باقی نہیں وہ رنگ گلستانِ ہند میں
محنت کا اب ہے کام قلستان ہند میں

لکھا تھا کہ مشتاق ملاقات ہوں بجد
پاؤں جو اجازت تو دمِ چند کو آؤں
آیا یہ جواب آیئے جب چاہیئے لیکن
افسوس کہ میں آپ کا مشتاق نہیں ہوں

دنیا کی یہ قدیمی کوتہ خیالیاں ہیں
جیتے تو تالیاں ہیں ہارے تو گالیاں ہیں

کسی کو بحث نہیں آج پاپ اور پن میں
سیاسیات کے نغمے ہیں دیس کی دھن میں
وہ بدگمان مرے جوشِ نگاہِ شوق سے ہیں
نہ احتیاط ہے مجھ میں نہ حسن ظن اُن میں

غزلت ہی ہے مناسب کیوں دل میں نہ ٹھانوں — دنیا مجھے نہ جانے دنیا کو میں نہ جانوں
میری نصیحتوں کو سنکر وہ شوخ بولا — نیٹو کی کیا سند ہے صاحب کہیں تو مانوں

کہوں کچھ اُن سے اثر ہو تو اعتبار آئے — سُنا تو میں نے بھی یہ ہے کہ خوب کہتا ہوں

دست پابستہ ہوں میں ظاہر کوئی گُن کیا کروں — دوسروں کے بس میں ہیں ذکر تمدن کیا کروں
آگئی سانے لگی جب اس گلستاں کی ہوا — خواہش نشو و نمائے نخل و گلبن کیا کروں
مہربانی سے مجھے گودام کی کنجی تو دی — لیکن اب گیہوں نہیں باقی فقط گھن کیا کروں
دیر میں کل گارہی تھی اک زنِ زہرہ جبیں — جب پیا پاپی ملے مجھ کو تو اب پُن کیا کروں
عقل روتی ہے کہ یہ گتھی سلجھتی ہی نہیں — ہر گرہ لوہا بنی ہے تنکہ ناخن کیا کروں

سُنی سنائی کہانیاں ہیں زبان کی خوش بیانیاں ہیں
وہ جانفشانی کہاں ہے باقی جو ہیں وہ بس گل فشانیاں ہیں
نہ تجربے کی فغاں کا سامع نہ ذوق عقبےٰ کا کوئی طامع
نئی نگاہیں نئے مناظر زمانہ ہے اور جوانیاں ہیں
یہ بت ہیں بالکل ذلیل و احقر جنھیں بصیرت نہیں ہے اکبر
انھیں سے اُن کا غرور ہے یہ انھیں سے یہ لن ترانیاں ہیں

ہرگز نہ بچیں بے دینی سے اور شرک کی ضد پر تن جائیں
اللہ کے جتنے بندے ہیں ہے فرض کہ بھائی بن جائیں
اللہ و نبی کی مرضی ہے یعنی یہ مسلماں آپس میں
دشمن بھی جو ہیں وہ دوست بنیں روٹھے بھی جو ہیں وہ من جائیں
ہر چند کہ اُن پر تنگی ہو کتنا ہی ہوا کا رُخ بدلے

طاعت کو مقدم گردانیں اور نیک عمل پر ٹھن جائیں

انکشافِ رازِ ہستی عقل سے ممکن نہیں   متصل ہو سطحِ ظاہر سے یہ وہ باطن نہیں

قابلِ رد پیشِ دانش مند یہ مضموں نہیں   ہر زباں ہر گفتنی کیواسطے موزوں نہیں

بیگانگی نہیں ہے بس اتنی دوستی ہے   میں اُن کو جانتا ہوں وہ مجھ کو جانتے ہیں

دیکھ کر مجھ کو وہ کہتے ہیں کہ اچھے تو رہے   زندہ ہیں سانس لئے جاتے ہیں اچھے کیا ہیں

خوب اکبر نے یہ اُڑائی تان   دین ہے آنکھ اور مذہب کان

غمِ خانۂ جہاں سے آگاہ ہو چکا ہوں   داغوں سے دل بھرا ہے کتنوں کو رو چکا ہوں

کیا خوشی سے ہم آہ کرتے ہیں   کیوں وہ ایسی نگاہ کرتے ہیں

پھیرتے ہیں نگاہ دنیا سے   آنکھ کو رو براہ کرتے ہیں

خوشی سے واہ کرتا ہوں نہ غم سے آہ کرتا ہوں   محلِ حیرت کا ہے بس اللہ ہی اللہ کرتا ہوں

قناعت ہے مری دولت دیانت ہے مری عزت   نہ حرصِ مال رکھتا ہوں نہ فکرِ جاہ کرتا ہوں

دنیوی کاموں کے گو ہیں قاعدے   قاعدوں کا قاعدہ کوئی نہیں

جو مشیت اُس کی ہے وہ قاعدہ   بحث کیجئے فائدہ کوئی نہیں

جیسا موسم ہو مطابق اس کے میں دیوانہ ہوں   مارچ میں بلبل ہوں جولائی میں ہوں پروانہ ہوں

حال میرا پوچھتے ہیں کیا یہ مستقبل طلب   کشتۂ ماضی ہوا ہوں صرف اک افسانہ ہوں

اب اپنے دل کو بجز غم کے کوئی راہ نہیں   خدا کا شکر یہی ہے کہ غم گناہ نہیں

اب اپنے دل کی عقیدت پہ رحم آتا ہے   یہ دیکھتا ہوں کہ وہ آپ کی نگاہ نہیں

مرے سکوت پہ غصہ نہ کیجیے للہ   فغاں ہے جرم۔ خموشی تو کچھ گناہ نہیں

دن گذرتے ہی چلے جاتے ہیں   لوگ مرتے ہی چلے جاتے ہیں

جانتے ہیں کہ یہ غفلت کے ہیں کام　پھر بھی کرتے ہی چلے جاتے ہیں

چرخ سے کچھ امید تھی ہی نہیں　آرزو میں نے کوئی کی ہی نہیں

چاہتا تھا بہت سی باتوں کو　مگر افسوس اب وہ جی ہی نہیں

جرأت عرض حال کیا ہوتی　نظرِ لطف اُس نے کی ہی نہیں

اس مصیبت میں دل سے کیا کہتا　کوئی ایسی مثال تھی ہی نہیں

آپ کیا جانیں قدر یا اللہ　جب مصیبت کوئی پڑی ہی نہیں

ترک چھوڑا تو سب نے چھوڑ دیا　میری کوئی سوسائٹی ہی نہیں

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں　فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں

پوچھا اکبر ہے آدمی کیسا　ہنس کے بولے وہ آدمی ہی نہیں

جلوۂ ساقی دمے جان لئے لیتے ہیں　شیخ جی ضبط کریں ہم تو پئے لیتے ہیں

دل میں یاد اُن کی جو آتے ہوئے شرماتی ہے　درد اُٹھتا ہے کہ ہم آڑ کئے لیتے ہیں

دور تہذیب میں پریوں کا ہوا دور نقاب　ہم بھی اب چاک گریباں کو سئے لیتے ہیں

خودکشی منع خوشی گم یہ قیامت ہے مگر　جینا ہی کتنا ہے اب خیر جئے لیتے ہیں

لذتِ وصل کو پروانے سے پوچھیں عشاق　وہ مزا کیا ہے جو بے جان دیئے لیتے ہیں

دیر میں عاشقوں پہ ظلم یہ ہے　بعد مرنے کے بھی جلاتے ہیں

جب تمھارا خیال آتا ہے　ساری دنیا کو بھول جاتے ہیں

مجھ کو کچھ پوچھنا ہے اکبر سے　یہ کبھی ہوش میں بھی آتے ہیں

بزرگیوں کے مقابلے میں فلک کے برچھے تنے ہوئے ہیں

یہی سبب ہے جناب اکبر جو طفل ناداں بنے ہوئے ہیں

مرے اشعار رنگیں آپ کے سننے کے قابل ہیں — اسی گلزار کے ہیں پھول جو چننے کے قابل ہیں

فلک کی گردش سے آج ہم کیا خراب و خستہ بڑے بڑے ہیں
اُجڑ گئے ہیں مگر کریں کیا جہاں بسے تھے وہیں پڑے ہیں
نہ پائمالی سے ہے حفاظت نہ حس و حرکت کی ہم میں طاقت
ہوئے ہیں سایہ اگر گرے ہیں بنے ہیں دیوار اگر کھڑے ہیں
حرم کی صف میں شریک ہو کر نماز پڑھنے کا شوق رخصت
بتانِ ترسا کی جلوہ گاہوں میں دست بستہ مگر کھڑے ہیں

چال دنیا کی تمہیں محسوس ہو دشوار ہے — یہ زمیں چلتی ہے تیزی سے مگر ہلتی نہیں
دل کے جو دشمن ہیں انکے شوق میں رہتی ہے آنکھ — جان کا مالک جو ہے اس سے نظر ملتی نہیں

زندگی کہتی ہے دنیا سے تو اپنا دل لگا — موت کہتی ہے کہ ایسی دل لگی اچھی نہیں
چاہتے ہو تم کسی کو چاہتا ہو وہ تمہیں — زندگی یہ ہے نہیں تو زندگی اچھی نہیں

اُس کی باتوں سے سمجھ رکھا ہے تم نے اُسے خضر — اُس کے پاؤں کو تو دیکھو کہ کدھر جاتے ہیں

اچھے تو بہت ہیں بہرہ ور ان میں بھی تو لیکن غور کرو — شیطان کے حامی کتنے ہیں اللہ کے پیارے کتنے ہیں

ان کے دل میں جو کچھ آتا ہے وہ کہہ جاتے ہیں — ہم بھی سن لیتے ہیں منہ دیکھ کے رہ جاتے ہیں

کھانے پینے سے جو ہوتی زندگی مرتا ہی کون — سچ یہ ہے زندہ فقط اللہ کی مرضی سے ہوں

خدا کی یاد میں دنیائے دوں سے منہ جو موڑے ہیں — وہی انسان اچھے ہیں مگر افسوس تھوڑے ہیں

جہاں ہستی ہوئی محدود لاکھوں پیچ پڑتے ہیں — عقیدے عقل عنصر سب کے سب آپس میں لڑتے ہیں ۵۷

علم میں نظر ہے نور حقیقت کی ہستیاں — اندھیر ہیں حواس کی ظاہر پرستیاں

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں — آدمی آدمی بناتے ہیں

جستجو ہم کو آدمی کی ہے ۔۔۔ وہ کتابیں عبث منگاتے ہیں

دہر نے نشترِ غم دل پہ مرے مارے ہیں ۔۔۔ شعر رنگیں یہ نہیں خون کے فوارے ہیں

فلسفی تجربہ کرتا تھا ہوا میں رخصت ۔۔۔ مجھ سے وہ کہنے لگا آپ کدھر جاتے ہیں
کہہ دیا میں نے ہوا تجربہ مجھ کو تو یہی ۔۔۔ تجربہ ہو نہیں چکتا ہے کہ مر جاتے ہیں

دلِ بیتاب نے کیا کیا دکھائے ہیں مجھے عالم ۔۔۔ یہ پرزہ بھی قیامت ہے خدا کے کارخانے میں

اوروں پہ جب ہے وعظ تو پہلی صدی میں ہیں ۔۔۔ اپنی غرض ہے جب تو نئی جنتری میں ہیں

ستم کی کامیابی پر مبارکباد دیتا ہوں ۔۔۔ یہ اُن کی بدگمانی ہے کہ فریادی سمجھتے ہیں

آج جو کفر سے مصروف ہیں سرگوشی میں ۔۔۔ ہوش آئے گا انھیں موت کی بیہوشی میں
عشق پاتا ہی نہیں موقع فریاد جب ۔۔۔ حسن کو دخل بہت کچھ ہے ستم پوشی میں

ہمارے باغ میں پیڑ اب کہاں ڈالی لگاتے ہیں ۔۔۔ انھوں نے بھی تو دیکھا یہ فقط ڈالی لگاتے ہیں

ہمارے دم سے تابندہ بتوں کے بارِ مُندے ہیں ۔۔۔ ہمیں نے انکو چمکایا ہمیں دوزخ کے کُندے ہیں

بس اللہ اللہ ہی بہتر ہے اللہ کے وعدے سچے ہیں ۔۔۔ نبیوں ہی کی باتیں پکی ہیں اب وقت کے لیڈر کچے ہیں

مستیٔ موسم میں کہتا ہے پپیہا پی کہاں ۔۔۔ سب یہی کہتے مگر ہر اک نے ایسی پی کہاں

فلک مشتاق ہے پیہم نئی دنیا بسانے میں ۔۔۔ زمیں کو دیر کیا گذرے ہوؤں کو بھول جانے میں

دوستوں کے ساتھ اگلی گرمجوشی اب کہاں ۔۔۔ خونِ دل پینا پڑا ہے بادہ نوشی اب کہاں
باغباں کانٹوں میں الجھانے کا رکھتا ہے خیال ۔۔۔ صحنِ گلشن میں بہارِ گل فروشی اب کہاں

فوجِ خدا نہیں تو دعا ہی کے ساتھ ہیں ۔۔۔ ملتے نہیں نبی تو خدا ہی کے ساتھ ہیں
تم بہتری کی فکر کرو بزمِ غیر میں ۔۔۔ عزلت میں ہم تو اپنی تباہی کے ساتھ ہیں
دل وہ ہے جو فریبِ نظر کو سمجھ سکے ۔۔۔ آنکھیں وہ ہیں جو صرف نگاہی کے ساتھ ہیں

ترکِ وفا کے ہو گئے عازم نیاز مند — حضرت ہنوز ناز و ادا ہی کے ساتھ ہیں
علمی ترقیوں سے زباں تو چمک گئی، — لیکن عمل فریب و دغا ہی کے ساتھ ہیں

مےکدے میں پڑھ کے ہم تقویٰ کو راضی کیا کریں — محتسب کی جب قضا آجائے قاضی کیا کریں
حال ہی سے لے مدد یا حَیُّ یا قَیُّوْمُ پڑھ — ہسٹری تو ہو چکی ایام ماضی کیا کریں

زبانیں شاخ طوبےٰ اور دل غفلت کے نقاے ہیں — بہت ہے اللہ اللہ کم مگر اللہ والے ہیں

امید دل میں نہیں سانس ہی ہے سینے میں — مجھے تو اب کوئی لذت نہیں ہے جینے میں

جوشِ خاطر کو سبیلِ حق نما ملتی نہیں — جان حاضر ہے مگر راہِ خدا ملتی نہیں

کون پا سکتا ہے مکروہاتِ دنیا سے نجات — زندگی جب تک ہے جھگڑے زندگی کیساتھ ہیں

درد تو موجود ہے دل میں دوا ہو یا نہ ہو — بندگی حالت سے ظاہر ہے خدا ہو یا نہ ہو
جھومتی ہے شاخ گُل کھلتے ہیں غنچے دمبدم — با اثر گلشن میں تحریکِ صبا ہو یا نہ ہو
وجد میں لاتے ہیں مجھ کو بلبلوں کے زمزمے — آپ کے نزدیک با معنے صدا ہو یا نہ ہو
کر دیا ہے زندگی نے بزمِ ہستی میں شریک — اس کا کچھ مقصود کوئی مدعا ہو یا نہ ہو
کیوں سول سرجن کا آنا روکتا ہے ہمنشیں — اس میں ہے اک بات آنر کی شفا ہو یا نہ ہو
مولوی صاحب نہ چھوڑینگے خدا گو بخشدے — گھیر ہی لیں گے پولس والے سزا ہو یا نہ ہو
ممبری سے آپ پر تو وارنش ہو جائے گی — قوم کی حالت میں کچھ اس سے جلا ہو یا نہ ہو
معترض کیوں ہو اگر سمجھے تمھیں صیادِ دل — ایسے گیسو ہوں تو شبہہ دام کا ہو یا نہ ہو

غم میں ہوتا ہی ہے کچھ امید فردا سے سکون — وائے بر حالش جسے امید فردا بھی نہ ہو
محترز فریاد سے ہوں زیر لب کرتا ہوں آہ — آپ کی مرضی یہ ہے شاید کہ اتنا بھی نہ ہو
رہ گئے وہ پوچھ ہی کر جس کو اسکو ہے گلا — اسکے دل سے پوچھئے جس کو کہ پوچھا بھی نہ ہو

حال دل کس سے کہوں پوچھنے والا بھی تو ہو   کن امیدوں پہ جیوں کوئی سہارا بھی تو ہو
کھنچنے کے نہیں عالم دل کے نقشے   کبھی گذرے ہوں اُدھر سے کبھی دیکھا بھی تو ہو
دل ہی باقی نہیں اے دوست رضا میں کیسے   آپ ہوتی کے طلبگار ہیں دیا بھی تو ہو
بندگی میں تو ہے وہ لطف جو شاہی میں نہیں   دل سے کوئی مگر اللہ کا بندا بھی تو ہو
کون کہتا ہے جنوں میں مجھے کامل اکبر   مگر انصاف کرے گا کوئی اتنا بھی تو ہو

اڑا جاتا ہے رنگِ عاشقی گلزارِ دنیا سے   عجب کیا بلبلِ تصویر بھی اک روز عنقا ہو

اگر ملا نہیں ملنے کا آسرا ہے تو   ہمیں اسی میں ہے تسکین دل خدا ہے تو
اجل کو دیکھ کے زیرِ فلک قرار آیا   مصیبتوں کی بالآخر اک انتہا ہے تو

چھٹویں صدی کی بیاں کب تک گنا کرو گے   تم بیسویں صدی کی نیکی کا جائزا لو
نیت کو اپنی دیکھو اعمال اپنے جانچو   دوزخ نمونہ سب پر جنت کا راستا لو

مسجد میں خدا خدا کئے جاؤ   مایوس نہ ہو دعا کئے جاؤ
ہرگز نہ قضا کرو نمازیں   مرتے مرتے ادا کئے جاؤ
سمجھو یہ وقت امتحاں ہے   ہوں بھی جو ستم وفا کئے جاؤ
کتنا ہی ہو وقتِ بے حجابی   تم پیروئ حیا کئے جاؤ
اُمید شفا خدا سے رکھو،   کیوں ترک کرو دوا کئے جاؤ

یہ نہیں کہتا کہ ایسا ہی ہو اور ایسا نہ ہو   یہ دعا ہے ان حوادث کی مجھے پروا نہ ہو
دل امید و بیم فردا سے نہ ہو زیر و زبر   ہے یہی کافی۔ حصولِ مدعا ہو یا نہ ہو

ہرگز نہ سمجھ مستقل اس انقلاب کو   رکھ راہ راست ہو نکلنے دے ان کلاب کو

ہوں میں پروانہ مگر شمع تو ہو رات تو ہو   جان دینے کو ہوں موجود کوئی بات تو ہو

دل بھی حاضر سرِتسلیم بھی خم کو موجود
کوئی مرکز ہو کوئی قبلۂ حاجات تو ہو
دل تو بیچین ہے اظہارِ ارادت کے لئے
کسی جانب سے کچھ اظہارِ کرامات تو ہو
دلکشا بادۂ صافی کا کسے ذوق نہیں
باطن افروز کوئی پیرِ خرابات تو ہو
گفتنی ہے دلِ پُردرد کا قصّہ لیکن
کس سے کہئے کوئی مستفسرِ حالات تو ہو
داستانِ غمِ دل کون کہے کون سنے
بزم میں موقعِ اظہارِ خیالات تو ہو
وعدے بھی یاد دلانے میں گلے بھی ہیں بہت
وہ دکھائی بھی تو دیں ان سے ملاقات تو ہو
عدمِ نشو و نما سے نہ کہو تخم کو بد
وقتِ بالیدگیٔ نخل و نباتات تو ہو
کوئی واعظ نہیں فطرت سے بلاغت میں سوا
مگر انسان میں کچھ فہمِ اشارات تو ہو
نظر اللہ پہ رکھ ہو نہ پریشاں اکبر
رے مصلّے کو ذرا صرفِ مناجات تو ہو

قوتِ نشو و نما اس میں بھی ہے اُس میں بھی ہے
خواہ شاخِ پُرثمر ہو خواہ شاخِ بید ہو

وہ مٹے اکبر سے دنیا جس کول پر سرد ہو
عیش و آز کا طلبگار اُس کا کیوں ہمدرد ہو
پھول جب کھلا گیا پھر کیا تکلف کی اُمنگ
ہم بغل اُس سے ہوا ہو یا چمن کی گرد ہو
جب بہار آئی تو ہر رنگ اپنی شوخی میں ہے مست
ہر گلِ رنگیں ہے دلکش سُرخ ہو یا زرد ہو

پاؤں پھیلاؤ نہ اتنا بے خطر اے خودسرد
خوفِ حق کم ہے تو قانونِ فنا ہی سے ڈرو
قابلِ دریافت رازِ ہستیٔ پروانہ ہے
کیوں اسے یہ حکمِ فطرت ہے جلو تڑپو مرو
خودکشی کی ہم تمھیں دیتے نہیں اکبر صلاح
لیکن اپنی زندگی دنیا پہ ظاہر کیوں کرو

میں تو اُٹھتا ہوں توکلتُ علی اللہ کہہ کر
نہیں ہوتا جو کوئی میرا مددگار نہ ہو
ذلتِ رنج کا خوگر مجھے کر دے اے حرص
یا ضرورت سے زیادہ کی طلبگار نہ ہو

ایسی نرموں سے جو پھل پانے کی رکھتا ہے امید
کیا شجر سمجھا ہے اُس نے برگ کے انبار کو

ترکیب دعا کے لئے پیروں کے ہو پیرو — جب وقت دعا ہو تو خدا ہی کو پکارو
محفوظ رہو شرک سے ہادی کو بھی مانو — میرا تو یہی قول ہے سن لو اسے یارو

یہ چاہتا ہوں طبیعت کو انتشار نہ ہو — کسی پہ بار نہ ہوں کوئی مجھ پہ بار نہ ہو

یہ کیا ضرور ہے کہ ہمیشہ بڑے رہو — کہتا ہے اب یہ چرخ کہ کھاؤ پڑے رہو
اے شیخ ہم ہیں خوش جو رہو تم ہمارے پاس — مشکل ہے یہ مگر کہ کہیں بے لڑے رہو
ممتاز راستی سے ہوئے ہیں چمن میں سرو — یہ بھی مگر ہے حکم کہ یونہی کھڑے رہو

بے مثل بلیغ اس کو سمجھو — فطرت کی زبان جس کو سمجھو

با اثر قوت عمل کی سو میں ہو یا دس میں ہو — سب سے پہلی شرط یہ ہے اتفاق آپس میں ہو

اٹھ جاؤں سامنے سے جو کچھ تنگ ہو آپ کو — آئینہ اور حسن مبارک ہو آپ کو

بارِ دل پاتا ہوں اپنی ہستیٔ غمناک کو، — حسِ لذت سے ہے یاس اب قوتِ ادراک کو
بے تمیزی حس کی ہے اور نقش محسوسات ہے — دیکھتا ہے کون حسنِ صنعۂ ادراک کو
طالبِ دنیا نسیمِ عشق سے بیگانہ ہے — نفس سے کیا واسطہ ایسی ہوائے پاک کو

ہر لحظہ ہے جسکی یاد تمھیں ہے جس کا خیال اتنا دل کو — دیکھو ہی گے اے اکبر اک دن اس ماضی کے مستقبل کو
ذروں کو ملا کر ذروں سے متناہی کی عزت پاتے ہو تم — کس درجہ کا حق حاصل ہے انھیں جو دل سے ملاتے ہیں دل کو

قاصد ملا جب اُن سے وہ کھیلتے تھے یولو، — خط رکھ لیا یہ کہہ کر اچھا سلام بولو
روٹی ملے جو سکھ سے کافی ہے اللہ اللہ — ظلمت کدہ ہے دنیا ہر شے کو کیوں ٹٹولو

شوق بجلی سے سوا تیز ہے کامل بھی تو ہو — دل کی تاثیر میں کیا شک ہے مگر دل بھی تو ہو
نازِ دنیا کا اُٹھانے کی ضرورت تسلیم — طبع نازک کو کروں کیا متحمل بھی تو ہو

ہسٹری کی کیا ضرورت دین کی تعلیم کو — انجم و شمس و قمر کافی تھے ابراہیم کو

انتظام و قبضۂ دنیا نہیں ہے جب سپرد — گوشِ دل پھر کیوں سنے غوغائے ہفت اقلیم کو

جسنے چھوڑا شوق جاہ و مال میں ذکرِ خدا — وہ حقیقت میں اٹھا شیطان کی تعظیم کو

رقص وہ ہے اتحادِ ذرہ ہائے گرد باد — ایک ساتھ اُٹھے ہوائے دہر کی تعظیم کو

مجلس نسواں میں دیکھو عزتِ تعلیم کو — پردہ اٹھا چاہتا ہے علم کی تعظیم کو

چھاپے کی تقویت پر "لیڈر" ہو نہ اکبر — اپنی بساط دیکھو اپنا مقام دیکھو

اُن کا مراتعلّق ہے اس سے صاف ظاہر — اُن کا اشارہ دیکھو میرا اسلام دیکھو

قاعدوں میں حُسنِ معنی گم کرد — شعر میں کہتا ہوں ہجے تم کرد

حدیث و فقہ پڑھکر شیخ بننا خوب ہے لیکن — زمین و آسماں کو دیکھ کر پہلے مسلماں ہو

ساتھی ملے جب ایسے نازک خیالیاں کیا — سینلہ ہے جب گزی کا سوئی مہین کیوں ہو

یوں جلد نہ رخصت ہو جو گل باغ سے چن لو — انصاف یہ کہتا ہے کہ بلبل کی بھی سن لو

دنیا میں مصیبت جاتا ہے ہر اک نے اجل کے آنیکو — ہمنے تو تماشا سمجھا ہے اس بھیڑ میں گم ہو جانے کو

تم ملو یا نہ ملو مجھ سے منو یا نہ منو — ساتھ رہنا ہے اسی ملک میں لے ہم وطنو

اہلِ مغرب سے بھی کہتا ہوں مبارک ہو یہ قد — آسماں تنگ ہو تم پر مگر اتنا نہ تنو

جہاں کی بات ہو اکبر کسے جا کر وہیں دیکھو — عوض اخبار کے تم صفحۂ روئے زمیں دیکھو

کسی کو بھی کسی سے کچھ نہیں اس باب میں جھگڑا — کرو تم دھیان پرمیشر کا دل کو اس کا درشن ہو

مگر مشکل تو یہ ہے نام سب لیتے ہیں مذہب کا — غرض لیکن یہ ہوتی ہے جتھا ہو اور بھوجن ہو

نورِ عبرت سے منور ہیں دل و چشم و دماغ — آپ تاریک سمجھیں مرے ویرانے کو

دل پہ مشکل کر دیا دنیا نے اب تسکین کو — سہل کر مجھ پر الٰہی اپنے سچے دین کو

دل وہ اچھا ہو جو محوِ چشمِ یار — شعر وہ اچھا کہ جس پر صاد ہو

بڑھاتا جاتا ہے ضعف اپنا زور آہستہ آہستہ ۔ لئے جاتی ہے پیری سوئے گور آہستہ آہستہ
تمہاری احتیاطیں مطمئن کرتیں نہیں مجھ کو ۔ سمجھتا ہوں قدم رکھتا ہے چور آہستہ آہستہ

سینہ پُرغم ہے دل کے چور کے ساتھ ۔ ہنس رہا ہوں مگر حضور کے ساتھ
مر احسان کیوں نہ ہو مغموم ۔ شکر ادا کرتے ہیں غرور کے ساتھ
خضر تو رہبری کو تھے موجود ۔ راہ چلدی مگر حضور کے ساتھ
سونے جاتے ہیں قبر میں اکبر ۔ اب اٹھیں گے صدائے صور کے ساتھ

کیا جلوے ہیں اسکے پیش نظر سبحان اللہ سبحان اللہ ۔ یہ ارض و سماں یہ شمس و قمر سبحان اللہ سبحان اللہ
ہر آن کلہ ہے اک رنگ نیا ہر رنگ کی ہے اک شان جدا ۔ وحدت کا شجر کثرت کے ثمر سبحان اللہ سبحان اللہ
یہ زمزمہ ہائے مرغ چمن یہ نشو و نمائے سرو و سمن ۔ یہ سبزہ و گل یہ سنبلِ تر سبحان اللہ سبحان اللہ
یہ ابرِ رواں یہ برق تپاں یہ پرتوِ انجم نور فشاں ۔ یہ پردۂ شب یہ حسنِ سحر سبحان اللہ سبحان اللہ
اس حد پہ ترقی خاک کو دی وہ ہوش ہیں آکر شوق بنی ۔ اس شوق کا خود منظورِ نظر سبحان اللہ سبحان اللہ
بس جائے گی اس میں سانس تری ہو جائیگا تو پاکیزہ نفس ۔ دن رات کہا کر لے اکبر سبحان اللہ سبحان اللہ

اکبر اس فطرتِ خاموش کو بے حس نہ سمجھ ۔ ہاں بصیرت سے تہی دیدۂ نرگس نہ سمجھ
راحتِ زیست کے سامان سے دھوکے میں نہ آ ۔ امتحاں گاہ کو تو عیش کی مجلس نہ سمجھ
جاہ و منصب میں نظر عاقبتِ کار پہ رکھ ۔ خاتمہ جس کا ہوا فسوس اُسے اَنکس نہ سمجھ
صبر کے ساتھ مصیبت میں جو ہو حسنِ عمل ۔ بہر انجام یہ امرت ہے اسے بس نہ سمجھ
دل کا دنیا کی امیدوں سے بہلنا ہے بُرا ۔ زندگی تلخ کریں گی انھیں مونس نہ سمجھ

خدا سے غافل اور اُس پر یہ نعمتِ دنیا ۔ اُسی کی شان ہے احسان ناسپاس کے ساتھ
کہاں جہنم و جنت کہاں عذاب و ثواب ۔ دل اب تو رہتے ہیں کالج کے فیل پاس کے ساتھ

قدم بہت نہ بڑھا غیر کے قیاس کے ساتھ ۔ وہ خوب ہے جو رہے اپنے ہی حواس کے ساتھ

انسان نے انسان سے کی جنگ ہمیشہ ۔ دنیا کے نظر آئے یہی رنگ ہمیشہ

دنیا میں لطفِ زیست ہے طولِ امل کے ساتھ ۔ پیری میں اب کہاں وہ خیالِ اجل کے ساتھ

کوئی عرب کے ساتھ ہو یا ہو عجم کے ساتھ ۔ کچھ بھی نہیں ہے تیغ نہ ہو جب قلم کے ساتھ

لیئے رازِ حسنِ ازل سے کہے کوئی ۔ سن صوتِ سرمدی کو کلامِ مبیں کو دیکھ

ارشاد ہے کہ شرک نہ کر اور نماز پڑھ ۔ معنی یہ ہیں کسی کو نہ دیکھ اور ہمیں کو دیکھ

سانس چل رہی ہے خون ابھی نہیں جھنڈہ ۔ مشرق بہ دست مغرب مردہ بدست زندہ

زور بازو نہیں تو کیا اسپیچ ، ۔ ہاتھ بھی دے خدا زبان کے ساتھ

کون جانے یہ قبر ہے کس کی ۔ نام رہتا نہیں نشان کے ساتھ

آپ گنوائیں شہد و شیر و کباب ۔ یاں نمک بھی نہیں ہے نان کے ساتھ

اس زمانے میں غیرتِ ملت ۔ رہتی ہے جان کی امان کے ساتھ

جو یہ سچ ہو کہ جو چاہوں وہی ہو ۔ تو چاہوں گا وہی ہونا ہے جو کچھ

ہنساتے ہیں وہ کیوں غیروں کو مجھ پر ۔ یہی رونا ہے اب رونا ہے جو کچھ

کچھ پتا اللہ کی مرضی کا پا جائے گا تو ۔ حالتِ موجودہ کا کیا اقتضا ہے اس کو دیکھ

لاکھ نظریں میں دکھا دوں کہ جو ہیں جانبِ بت ۔ ایک دل آپ دکھا دیں جو ہو اللہ کے ساتھ

تری تنخواہ بڑھی شکر ہے لیکن اے دوست ۔ تیری تو کچھ نہ ترقی ہوئی تنخواہ کے ساتھ

عاشق کی طبع لاکھوں ہی موجوں میں ہے رواں ۔ الفاظ کر سکیں گے نہ اُن کا محاصرہ

اے عقل اعتراض سے کچھ فائدہ نہیں ۔ کیوں کرتی ہے زبان سے دل کا مقابلہ

این سخن مقبولِ اہلِ دل بود ہر آئینہ ۔ بےخودی در سجدہ جا خواہد خودی در آئینہ

کیا ہے جس نے اس عالم کو پیدا اس کو کیا کہئے — خرد خاموش ہے اور دل یہ کہتا ہے خدا کہئے
اسی حیرت میں عمریں کٹ گئیں ارباب بینش کی — کسے اللہ کہئے اور کس کو ماسوا کہئے
سرافرازی ہوا دُموں کی تو گردن کاٹیے انکی — اگر بندر کی بن آئے تو فیض ارتقا کہئے
مری قرآن خوانی سے نہوں یوں بد گماں حضرت — مجھے تفسیر بھی آتی ہے اپنا مدعا کہئے
یہ اُن کا کورس کیا کم ہے کہ میں بھی کچھ کہوں اُن سے — مری جانب سے بس کالج کے لڑکوں کو دعا کہئے
نئی ترکیب اب شیطان کو سوجھی ہے اغوا کی — خدا کی حمد کیجے ترک بس مجھ کو بُرا کہئے

اگر میں میں تو سب کچھ ہے جو سب کچھ ہے تو جھگڑا ہے — اُسی میں کی خبر لینا ہے کچھ ہے بھی کہ دھوکا ہے
جو روز افزوں نہیں ترک تعلق آپ کا اکبر — تو پھر یہ شاعری کیا واہ وا کا اک تماشا ہے

معاذ اللہ دورِ چرخ کیا کیا رنگ لاتا ہے — جنھیں آتا تھا ہم پر رشک اب ان کو رحم آتا ہے
نسیم صبح اور کلیاں تو دیکھیں اس گلستاں میں — ہم ایسے دل گرفتوں کو بھی یاں کوئی بناتا ہے

طبع پر عبرت کی بدلی ایک دن چھا جائے گی — شوخیٔ برقِ فشاں کو بھی تڑپا جائے گی
دل نئے ہیں اور تمنائیں ابھی کم عمر ہیں — رفتہ رفتہ نوجوانوں کو سمجھ آجائے گی

شادی کی کیا خوشی ہے غم کا بھی رنج کیا ہے — وہ بھی تھی ایک بجلی اور یہ بھی اک ہوا ہے
آنکھوں نے خوب دیکھا اور دل نے خوب سمجھا — کچھ بھی نہیں ہے جو کچھ اللہ کے سوا ہے
معنی کا آئینہ ہے اکبر کا یہ لطیفہ — ہنسنا بھی اک مرض ہے رونا بھی اک دوا ہے

ایک پاتا ہے ایک کھوتا ہے — ایک ہنستا ہے ایک روتا ہے
سارے اسباب ہیں اسی کے مطیع — جو خدا چاہتا ہے ہوتا ہے

دل کو جنبش نہیں چلتی ہیں زبانیں بے سود — بے عمل علم کی تکرار سے ہوتا کیا ہے
جب قدم راہ طلب میں نہ بڑھے اے اکبر — بیٹھ کر پاؤں ہلانے کا نتیجا کیا ہے

میں نے تو اپنے دل کو روکا ہے — آپ کو بھی کسی نے ٹوکا ہے

جو کہا میں نے کہ پیار آتا ہے مجھ کو تم پر — ہنس کے کہنے لگے اور آپ کو آتا کیا ہے
عام الزام ہے اکبرؔ پہ کہ پیتا ہے کیوں — اس کی پرسش نہیں ہوتی کہ یہ کھاتا کیا ہے

خدائی تیری ہے ہم بھی ہیں اے خدا تیرے — مصیبتوں میں پکاریں کسے سوا تیرے

گذری بہار پھول تماشا دکھا گئے — آنکھیں کھلی ہی رہ گئیں کیا آئے کیا گئے

اکبرؔ جگر افگار ہے رسوا بھی بہت ہے — عزت کے لئے عشق میں اتنا بھی بہت ہے
مطلوب نہیں زینتِ دنیا کا نظارا — اب دیکھ بھی سکتا نہیں دیکھا بھی بہت ہے

نشانِ ظلم مٹادے مجھے مٹا کے فلک — خدا کے علم کو کیونکر مٹا سکے گا کوئی
وہ مستغیثوں کی ستنے کو آئے تیغ بہ کف — بھلا زبانِ شکایت ہلا سکے گا کوئی

بادِ باراں مدد کریں جس کی — وہی پودا یہاں پنپتا ہے
ہر طرف سے جو ٹوٹتی ہے آس — آدمی "ہر" کا نام جپتا ہے
گرمیٔ موسمِ شباب اُف اُف — یہ سمجھئے کہ جیٹھ تپتا ہے
فرقتِ دائمی "معاذ اللہ" — آدمی مدتوں تڑپتا ہے
لو نکلنا پڑا مِٹرک کے ساتھ — آج تو میرا گھر بھی نپتا ہے

عبث اس زندگی پر غافلوں کا فخر کرنا ہے — یہ جینا کوئی جینا ہے کہ جس کے ساتھ مرنا ہے
جو مستقبل کے شایق ہیں انھیں انجمن مبارک ہو — ہمیں تو صرف اب گذرا زمانہ یاد کرنا ہے
گلِ پژمردہ سے غنچے کو ہمدردی نہیں ممکن — ابھی تو اس کو کھلنا ہے ابھی اس کو سنورنا ہے
مرا دل مجھ سے کہتا ہے مرے سینے میں اے اکبرؔ — تعجب ہے کہ رہنا سہل ہے مشکل ٹھہرنا ہے
خدا جانے وہ کیا سمجھے کہ بگڑے اس قدر مجھ پر — کہا تھا میں نے اتنا ہی مجھے کچھ عرض کرنا ہے

فطرت میں کہاں وہ شکلیں ہیں جو وہم دکھا دیتا ہے کبھی ۔ فطرت ہی کا جزو اک وہم بھی ہے دل آہ بھی سکھا دیتا ہے کبھی

جہاں کے حادثوں پر اک نہ اک رونا ہی رہتا ہے ۔ مگر جو اقتضا فطرت کا ہے ہوتا ہی رہتا ہے

نہ کھول آنکھ کسی عکس بے بقا کے لئے ۔ صفائے دل پہ نظر رکھ فقط خدا کے لئے

رضا کی شرط یہی ہے کہ کچھ طلب نہ کرو ۔ دعا سے ہاتھ اُٹھاتا ہوں میں خدا کے لئے

وے تو کیا میں بتاؤں مجھے کیا آتا ہے ۔ بس تمہیں ہیچ سمجھنے میں مزا آتا ہے

کانپ جاتا ہوں جو سنتا ہوں کسی کی زندہ باش ۔ بعد اس غم کے مرا جینے سے ڈرنا دیکھئے

رنج دینے کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے حریف ۔ حضرت اکبر کا اس پر کچھ نہ کرنا دیکھئے

شیخ جی کی نظر میں ہوں فقط ۔ میری نظروں میں ساری دنیا ہے

بس یہی وجہ ہے کہ اے اکبر ۔ مجھ کو حیرت ہے ان کو غصا ہے

ایک جمتا ہے ایک پگھلتا ہے ۔ کام دنیا کا یونہی چلتا ہے

دل تعلق بڑھا کے پچھتایا ۔ پاؤں پھیلا کے ہاتھ ملتا ہے

غفلت کی ہنسی بھی خوب ہنسا اور رنج میں اکثر رو یا بھی ۔ دنیا کو بہت کچھ اے اکبر حاصل بھی کیا اور کھویا بھی

حقیقت نیست کی ہیری میں ہم سمجھے تو کیا سمجھے ۔ بڑا دھوکا دیا ظالم نے دنیا سے خدا سمجھے

ہزار آرائشیں صدقے ہیں اس کی سادہ وضعی پر ۔ نہیں محتاج "فیشن" علم نے جس کو سنوارا ہے

نہیں کوئی راہ عمل اور وقت گذرتا جاتا ہے ۔ ابھی ہوئی ہے غفلت میں بسر بات اور دل بھر کر مرتا جاتا ہے

مایوسی نے محفوظ کیا امیدوں کی بیتابی سے ۔ اب اشک بھی تھمتے جاتے ہیں اور دل بھی ٹھہرتا جاتا ہے

خدا کا نام روشن ہے خدا کا نام پیارا ہے ۔ دلوں کو اس سے قوت ہے زبانوں کو سہارا ہے

خدا ہی ہے زمین و آسماں کا خالق و مالک ۔ اسی کی قدرت و صنعت نے عالم کو سنوارا ہے

تماشا اس کی قدرت کا ہے بر و بحر میں ہر دم ۔ ادھر موجیں ہوا کی ہیں ادھر پانی کا دھارا ہے

اُسی کے حکم سے ہے رات دن کی یہ کمی بیشی
اسی کے حکم کا تابع فلک پر ہر ستارا ہے

اُسی کے حکم سے پھل اور غلے کی ہے پیدائش
زمیں پر بدلیوں سے اُس نے پانی کو اتارا ہے

اسی کے انتظام و حکم سے موسم بدلتے ہیں
وہی ہے وقت پر جس نے ہواؤں کو اُبھارا ہے

زمیں پر سبزہ و گل کی نمودیں کیسی پیاری ہیں
فلک کے چاند سورج کا بھی کیا دلکش نظارا ہے

کوئی ذرہ نہیں عالم میں اُس کے علم سے باہر
جو مرضی اُس کی ہے دخل اُس میں دے یہ کس کو یارا ہے

وہی دنیا میں ہے اس زندگی و موت کا خالق
ہر اک کو اپنی مرضی سے جلایا اور مارا ہے

دو روزہ زندگی ہے جاہ و حشمت پر نہ ہو غافل
فریدوں ہے نہ کیخسرو سکندر ہے نہ دارا ہے

یہ جبتک سانس چلتی ہے سمجھتے ہو ہمیں ہم ہیں
اجل جب سر پہ آ پہونچی تو پھر کیا بس ہمارا ہے

کرو طاعت خدا کی بس وہی معبود برحق ہے
اسی کی شان یکتائی جہاں میں آشکارا ہے

اگر اعمال اچھے ہیں تو پاؤ گے بڑے درجے
سمجھ لو امتحاں اس دارِ فانی میں تمھارا ہے

بزرگوں کا ادب اللہ کا ڈر شرم آنکھوں میں
انھیں اوصاف کی نسبت مذاہب میں اشارا ہے

فقیر دل ہی کی بھلا ہے بہتر جو ستمند ہی یہی جبتا ہے
ہمارے صوفی کا رنگ اچھا کہ وجد ہے اور برہم کتھا ہے

وہ اس کو محو کلیسا بنا کے چھوڑیں گے
اس اونٹ کو خرِ عیسےٰ بنا کے چھوڑیں گے

کریں گے شوق سے مسلم غذا میں جو داخل
شراب کو بھی ہریسا بنا کے چھوڑیں گے

کہا یہ شیخ سے اکبرؔ نے روک اپنی زباں
کہ تجھ کو بھی وہ مجھی سا بنا کے چھوڑیں گے

فریبِ امواجِ بحرِ ہستی سکھا ہی دیتا ہے خود پرستی
ہوا نے دم بھر جو کی لگاوٹ حباب بھی سر اُٹھا کے ابھرے

نظر وہ ہے جو دل پر نقشِ حسنِ مدعا کھینچے
نفس وہ ہے کہ جو سینے سے آہِ دلکشا کھینچے

وہ جاں اچھی جو مستِ وعدۂ دیدارِ فردا ہو
وہی دل خوب جو یہ انتظارِ جانفزا کھینچے

محبانِ الٰہی خلق سے نخوت نہیں کرتے
کھنچے بندوں سے کیوں اپنی طرف جس کو خدا کھینچے

نہ چھوڑا صفحۂ روئے زمیں تعمیرِ غفلت نے   ہزاروں نقش عبرت گو فلک نے جا بجا کھینچے
حرم میں دم بخود بیٹھا تو اکبر نے کیا اچھا   وہ کیوں بے سود بتخانے میں آہِ نارسا کھینچے

نگاہ اُٹھی ہے احساسِ ماسوا کے لئے   کہاں ہے دل اسے روکے ذرا خدا کے لئے
رواں ہو کارِ جہاں کیوں ہماری مرضی پر   خدا ہمارے لئے ہے کہ ہم خدا کے لئے
عمل خدا کے لئے ہو تو اُس کا کیا کہنا   مگر ریا یہ بُری صرف واہ وا کے لئے

شبِ تاریکِ عزلت میں جو خوفِ حق سے روتا ہے   وہ گویا اپنی زلفِ سعی میں موتی پروتا ہے

متاعِ حسنِ یوسف ہے نہ وہ شوقِ زلیخا ہے   ریا کی گرم بازاری زبردستی کا سودا ہے

اپنے عیبوں کی نہ کچھ فکر نہ کچھ پروا ہے   غلط الزام بس اوروں پہ لگا رکھا ہے
یہی فرماتے رہے تیغ سے پھیلا اسلام   یہ نہ ارشاد ہوا توپ سے کیا پھیلا ہے

خزاں آتی ہی ہے اور خاک میں ملنا ہی پڑتا ہے   مگر کلیوں کو اس گلزار میں کھلنا ہی پڑتا ہے
جگر کو زخم سے زخموں کو آہوں سے بچاتا ہوں   مگر ہوتے ہی ہیں زخم اور انھیں چھلنا ہی پڑتا ہے
فنا کے رنگ سے دل خون ہوتا ہے مگر اکبر   زباں کو واہ کرنے کے لئے ہلنا ہی پڑتا ہے

توپ کھسکی پروفیسر پہونچے   جب بسولا ہٹا تو رندا ہے

خاصانِ حق کو حشر میں کیسی شکایتیں   عالم ہی دوسرا ہے وہ دنیا نہیں رہی
ایسے ہوئے ہیں محوِ تماشائے حسنِ دوست   دشمن سے انتقام کی پروا نہیں رہی

طبیعت سے خیالاتِ غمِ افزا جا نہیں سکتے   بُرا ہو حافظے کا داغِ دل مرجھا نہیں سکتے
فلک کیا اس چمن میں جوشِ دل کا مجھ سے طالب ہے   کہ شاخیں ہل نہیں سکتیں عنادل گا نہیں سکتے

اس طرح کہتا کہ جو چاہوں وہ ہونا چاہیئے   کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا چاہنا کیا چاہیئے
کہہ دیا میں نے کہ ہوں اور یہ نہیں سمجھا کہ کیا   اس خودی کا حشر کیا ہوتا ہے دیکھا چاہیئے

کیا اثر اس پہ مرا ہو گا یہی رونا ہے ✽ یہ تو ظاہر ہے مرے بعد بھی کچھ ہونا ہے

نہ بھول اس پہ کہ یاروں تجھے اچھا سمجھتا ہے ✽ تو اپنے دل میں اپنے آپ کو کیسا سمجھتا ہے

حرص دنیا سے نہیں ہر صاحب عزلت بری ✽ خانقاہیں اور ہیں اور دل کا کونا اور ہے

مدحتِ گفتار کو سمجھو نہ اخلاقی سند ✽ خوب کہنا اور ہے اور خوب ہونا اور ہے

شکم پرور ہنر تو باپ سے بیٹے تک آتا ہے ✽ مگر انسان بننا یہ فرشتہ ہی سکھاتا ہے

خدا بھی نہیں اس کے سوا حاجت روا کوئی ✽ خلاف اس کے جو ہو شرک ہے ہیں ہوں تم ہو یا کوئی

ہر وقت ہے جس پہ غم طاری ہر ذرہ جسے عاشورا ہے ✽ سمجھا ہے وہی معنیٔ عزا ایمان اسی کا پورا ہے

گو رفل اپنا کام کرتا ہے ✽ شیر بھی موت ہی سے مرتا ہے

بس یہی کام سب کو کرنا ہے ✽ یعنی جینا ہے اور مرنا ہے

اب رہی بحث رنج و راحت کی ✽ یہ فقط وقت کا گذرنا ہے

سب سے بدتر بتوں سے ہے امید ✽ سب سے بہتر خدا سے ڈرنا ہے

گل سے پوچھو کس انتظار میں ہے ✽ غنچے کو تو ابھی سنورنا ہے

نشہ جن کو چڑھا ہے نخوت کا ✽ اُن کے چہروں کو بھی اترنا ہے

کمیٹی میں چندہ دیا کیجئے ✽ ترقی کے ہجے کیا کیجئے

یہ تو سچ ہے جی لگا کر چاہیئے پڑھنا نماز ✽ یہ بھی سن لو جی لگا کر سانس لینا چاہیئے

دیکھ مِن حَبْلِ الْوَرِید اور ہر نفس رکھ یادِ حق ✽ زندگی کو دستِ غفلت میں نہ دینا چاہیئے

بس کدورت سے دل اس تیرہ دروں کا ہے بھرا ✽ یہ تو بربادیٔ اربابِ وفا چاہتی ہے

لگی لپٹی نہ لگا رکھتی تھی تلوار کی جنگ ✽ توپ کیا چاہتی ہے صرف فنا چاہتی ہے

جسم و جان دگر وہ بندی میں ✽ مبتلایاں کا ذرّہ ذرہ ہے

طب میں پرہیز شرع میں تقوے — "پالٹکٹ" میں وہی تبرا ہے
مدعا سب کا جو نہ سمجھے ایک — غالباً عقل سے معترا ہے

÷

تقاضا اضطرابِ شوق کا بڑھتا ہی جاتا ہے — یہ پارہ شیشۂ دل میں مرے چڑھتا ہی جاتا ہے

÷

جو ہم کو بُرا کہتے ہیں معذور ہیں اکبر — حق یہ ہے کہ ہم بھی انھیں اچھا نہیں کہتے
ہم حضرت عیسیٰ کا ادب کرتے ہیں بیحد — لیکن اُنھیں اللہ کا بیٹا نہیں کہتے

÷

جس نے اس ضعف پہ بھی مجھ کو جلا رکھا ہے — میں نے بھی دل اُسی قوت سے لگا رکھا ہے

÷

اب نہ جنگی علم نہ جھنڈا ہے — صرف تعویذ اور گنڈا ہے
کیا ہے باقی جناب قبلہ میں — کچھ حدیثیں ہیں ایک ڈنڈا ہے
سو وہ ڈنڈا بھی اب ہے ضبط پولس — ہے زباں گرم قلب ٹھنڈا ہے

÷

علم ابتدا کا ہے نہ خبر انتہا کی ہے — دورِ انقلاب کا ہے حکومت فنا کی ہے
جغرافیے سے حال گورمنٹ یو پوچھئے — ہم تو یہ جانتے ہیں خدائی خدا کی ہے
مجبوراً خیری یہ ہے منکر کی طبع بھی — خواہش کو کیا سمجھتے ہو صورت دعا کی ہے
جو متنزلیں ہیں نفس کی سب ہیں فنا پذیر — حق پر قیام دل ہو یہ صورت بقا کی ہے

÷

اے جنگی بنائے گی اُسے ذوق بگاڑ دے گی — جدھر چاہے گی فطرت اُدھر اس کو جھکا دیگی

÷

مذہب کسی سے میں نے سیکھا پڑھا نہیں ہے — اتنا ہی جانتا ہوں بندہ خدا نہیں ہے

÷

شکستہ دل تو ہوں میں جگر بھی خون ہو چلا ہے — خدا کی جو مصلحت وہ بہتر یہی ہیں شاید مرا بھلا ہے
کوئی ہے اچھا تو اپنے حق میں کوئی بُرا ہے تو اس کا ذمہ — نہ اس کی نعمت کے مستحق تم نہ بد کی تسیر کوئی بلا ہے
نہیں ہے اس شیطان کے مقابل تو کیا ہی مرح دلی ہی حاصل — کمر سے تلوار تو ہے غائب مگر چمکدار یہ ملا ہے
نظر میں ہے ہادیٔ طریقت قدم ہو سوئے طریق وحدت — یہی مرے دل میں بھی کھرا ہوا ہے یہی مراقوں کے ملا ہے

فریبِ ہستی کا کھل گیا ہے نگاہ دنیا کو پا گئی ہے ۔۔۔ عمل کی توفیق بھی خدا دے سمجھ تو کچھ مجھ کو آ گئی ہے
ارض و سما کو کب کہاں کے ہم تم کہاں کے یہ سب ۔۔۔ قدم کی اک موج ہے زمانا سو یہ بھی اک لہر آ گئی ہے

زبان کھولی ہے محفل میں واہ وا کے لئے ۔۔۔ کبھی تو بند کر آنکھوں کو بھی خدا کے لئے

فلاسفی کے مکالموں میں کسی نے یہ خوب ہی کہا ہے ۔۔۔ جو تندرستی ہو تیری اچھی تو سانس ہی میں بڑا مزا ہے

شکرِ خالق کی ہمیشہ مجھ کو جا ملتی رہی ۔۔۔ سانس لینے کے لئے کافی ہوا ملتی رہی
غم کے داغوں سے رہی ایذا اگر یہ بھی ہوا ۔۔۔ مجھ کو پیہم لذّتِ یادِ خدا ملتی رہی

رفتار اور سمت میں موج ہوا کی سے ہے ۔۔۔ اے قصّہ گوئے "بد" ضرورت حرا کی ہے

بے ساز و بے مغنی یاں وجد آ رہا ہے ۔۔۔ ہر وقت بج رہا ہے ہر ذرّہ گا رہا ہے

مجھ پہ بتوں کی چشم کرم دل کو یہ طلب اصلا نہ رہی ۔۔۔ مجھ کو بھی خدا نے غیرت دی ان کو جو مری پروا نہ رہی
دنیا کا تردد جبتک تھا جبتک کہ ہم اسکے طالب تھے ۔۔۔ پھیری جو نظر غم ہو گئے کم رغبت رہی دنیا نہ رہی
سچ پوچھئے تو راحت ہی ملی دنیا سے جدا ہو جانے میں ۔۔۔ تھوڑی سی اُداسی ہے بھی تو ہو آفت تو مگر برپا نہ رہی

میں یہ نہیں کہتا کہ دوا کچھ نہیں کرتی ۔۔۔ کہتا ہوں کہ بے حکم خدا کچھ نہیں کرتی

ابھی وہ آرزو کہ جو دل کا ادب کرے ۔۔۔ اچھا وہ دل جو درد کی لذّت طلب کرے

خاک کے ساتھ کھیلتی ہے روح ۔۔۔ میں کی مٹی خراب ہوتی ہے

دل میں خاک اڑتی ہے خالی لہجہ دلبر دیکھئے ۔۔۔ مذہب اب رخصت ہے بس تاریخ مذہب دیکھئے

کیوں میں پوچھوں کہ جناب آپکا مذہب کیا ہے ۔۔۔ دیکھتا ہی ہوں شب و روز کہ مطلب کیا ہے

صرف دعووں سے تو آتی نہیں عظمت دل میں ۔۔۔ آنکھ کچھ دیکھتی ہے تب وہ ادب کرتی ہے

یہ عقل ہی ہے محب بھی عدو بھی ہوتی ہے ۔۔۔ کہ مانتی بھی نہیں مضطرب بھی ہوتی ہے
وہی نگاہ جو رکھتی ہے مست رندوں کو ۔۔۔ غضب یہ ہے کہ کبھی محتسب بھی ہوتی ہے

کچھ فرض نہیں آپ کا ہر چیز پہ قبضہ
دنیا میں بہت کچھ ہے تو کیا سب کیلئے ہے

گر آہ جو تیرہ ہو ترا مطلعِ امید
یہ شمع شب افروز اسی شب کیلئے ہے

دنیا کی طوالت بیحد ہے خلقت کا تو لنبا قصہ ہے
ہر شخص فقط یہ غور کرے اس کل میں مرا کیا حصہ ہے

کریں کیا یہ تو ان حضرات کو مطلب سکھاتا ہے
کہیں کیا یہ مناسب وقت پر مذہب سکھاتا ہے

جہاں قول و عمل یکساں ہے، اور ہے اک دلی طاقت
تو اُن کا پوچھنا کیا ان کو اُن کا رب سکھاتا ہے

ان کو تو ہیں شب سے کیا کرتے ہیں منسوب
تخصیص کواکب کو فلک پر نہیں شب سے

نہ ماضی اسپہ غالب ہے، نہ مستقبل کا طالب ہے
اسی کو حال کہتے ہیں یہی دل کو مناسب ہے

مطبع کی یاں مدد نہ کتابوں کا زور ہے
مے خانہ دل ہے اس کی شرابوں کا زور ہے

میرا تو ہر سخن اسی مطلب کے ساتھ ہے
کم ہیں خدا کے ساتھ خدا سب کے ساتھ ہے

پولیس خفیہ پئے انسداد جرم ہے ٹھیک
نہ چاہیئے کہ وہ ہو انسداد گپ کے لئے

کوئی نہ آیا مرے پاس ہر کو جپ کے لئے
جو صورتیں نظر آئیں وہ صرف ہپ کے لئے

نگاہ ظاہر طریق عرفاں میں ہوئے انکار کیوں نہ لپکے
کہاں سے لائے وہ چشم معنی کہ برق چمکے نظر نہ جھپکے

ہیں طاقتِ فہمِ غیر محدود جانتا تھا خبر نہیں تھی
کہ ہوش مجھ کو ملا ہے تل کے نظر بھی مجھکو ملی ہے نپکے

تمہاری تعلیم کے مصالح جو چاہیں سائیں اتنے شوخی
مری نظر میں تو حسن یہ ہے کہ چشم خوباں سے شرم ٹپکے

ہوا ہے خوں آرزو کا اکثر یہ ہے بہارِ کلام اکبر
سخن کو رنگین کر دیا ہے دل و جگر نے تڑپ تڑپ کے

جو میرے دل کا ابھار دیکھا جو رنگ اسکا تو اُن کو بھایا
تو پوچھا یہ پھل کہاں سے پایا کہا یہ میں نے کہ ہر کو جپ کے

انھیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات انکی
انھیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات انکی

فقط مرا ہاتھ چل رہا ہے انھیں کا مطلب نکل رہا ہے
انھیں کا مضموں انھیں کا کاغذ قلم انھیں کا دوات انکی

یہی خصائل یہی طبیعت رہی تو قسمت یہی رہیگی
زمانہ بدلے گا بھی تو پھر کیا ہماری حالت یہی رہیگی

یہی سیہ کاریاں اگر ہیں تو نورِ صبحِ امید کیسا | یہی ہے زلفِ بتاں کا سودا تو میری شامت یہی رہیگی
عمل جب اپنے نہیں ہیں اچھے تو ذکرِ عصیانِ غیر کیسا | عدو کی قسمت بگڑ بھی جائے تو اپنی قسمت یہی رہیگی
ہزار سائنس تنگ لائے ہزار قانون ہم بنائیں | خدا کی قدرت یہی رہیگی ہماری حیرت یہی رہیگی

تاکیدِ عبادت پہ یہ اب کہتے ہیں لڑکے | پیری میں بھی اکبر کی ظرافت نہیں جاتی

لحد کی تیرگی سے حق بجانب دل کی وحشت ہے | یہی وہ شب ہے جس کی صبح بھی صبحِ قیامت ہے
معیت بہرِ مومن پرتوِ عرفاں ہے اے اکبر | ظہورِ داغِ دل دیباچۂ صبحِ سعادت ہے

امنگیں ہیں مرے دل میں جنون و عشق و وحشت کی | پھر اس میں بحث کیا افتاد ہی تو ہے طبیعت کی
ہوائے نفس نے محروم رکھا اوجِ عرفاں سے | بتوں کے زیرِ پا دیکھی بلندی اپنی ہمت کی

ٹھیک ہے مصرعہ کا مضموں قافیہ گو سخت ہے | اہلِ دل نالاں ہوں جس سے وہ بڑا کمبخت ہے

جو مضطرب ہے اُس کو ادھر التفات ہے | آخر خدا کے نام میں کوئی تو بات ہے

وعظ واعظ صرف استحقاقِ جنت ہی میں ہے | فیصلہ جینے کے حق کا دستِ فطرت ہی میں ہے
لیڈر و بیکار میں بھی یوں تو ہے اک حظِ نفس | زیست کا اصلی مزا لیکن محبت ہی میں ہے

کیا خبر تھی کہ گناہوں سے ہے عزت میری | قابلِ دید ہے توبہ پہ ندامت میری
میں عیادت کا تقاضا نہیں کرتا اُن سے | اتنا ہی کہتا ہوں اچھی نہیں حالت میری
قامتِ یار پہ حاوی جو ہوئی زلفِ دراز | بل کی لیتی ہے کہ دیکھو یہ قیامت میری
کس کو امید ہے اس کی کہ یہ اچھا ہو گا | کون اس وقت میں کرتا ہے عیادت میری

دیدۂ تحقیق سے دنیا کی حالت دیکھئے | نفس کی سیرِ لذت اور آخر نجاست دیکھئے
دولت و عزت سے بیگانہ نہیں حالت مری | یہ مصیبت میری دولت صبر ہے عزت مری

جمالِ معنی حجاب میں ہے جہاں صورت کا سامنا ہے | نگاہ جویائے امرِ حق کو یہاں مصیبت کا سامنا ہے

عذاب کی یہ زیادتی ہے کہ اس میں منظور ہے کمی کچھ
جحیم میں جو جگہ ملی ہے وہاں سے جنت کا سامنا ہے

نفسِ نابینا حریص و طالبِ لذات ہے
عقل کی خدمت فقط ترتیبِ محسوسات ہے
ان مشاغل میں تو اے اکبر نہیں کچھ اوجِ دل
روح کی طاقت جو غالب ہو تو ہاں اک بات ہے

آئے وہ خنجر بکف میں ڈر کے مارے مر گیا
اُن کی ورزش رہ گئی میری شہادت رہ گئی
باغباں خاموش گل پژمردہ اور گلشن اُداس
جب ہوا بدلی تو ساری زیب و زینت رہ گئی

حضرت کی معاشرت بہت اچھی ہے
مشہور ہیں انتظامِ راحت کے لئے
اپنے مذہب میں کیوں بلاتے ہیں مجھے
جنت کے لئے کہ لطفِ صحبت کے لئے

اس عہد میں شاعر کے لئے قوت نہیں ہے
اس باغ میں طوطی کے لئے توت نہیں ہے
نیچر میں جوانی کو تو موجود ہی پایا
سائنس سے سنتے تھے کہیں بعث نہیں ہے
لفظوں ہی کے چکر میں ہیں اب فعل و فعلن
چرخا ہی چلا کرتا ہے اور سوت نہیں ہے
نیچری کا مبلغ ہے بہت معتبر اکبر
تم دیکھتے ہو پھل ہیں کوئی حجت نہیں ہے

مرزا ہوں یا خان صاحب دونوں کی محبت ہم کو ہے
وہ نام کے ہیں یہ کام کے ہیں دونوں کی ضرورت ہم کو ہے

مذہب کے واسطے نہ شرافت کے واسطے
ہے اب تو جنگ حکم و تجارت کے واسطے
لے ہی گئے گھسیٹ کے مجھ کو "پریڈ" پر
تیار ہو رہا تھا میں جنت کے واسطے

جوشِ جنوں میں بھی عملِ ذہن چست ہے
احساس میں ہے فرق تعقل درست ہے

ہو رہا ہے ہر طرف قانونِ فطرت کا نفاذ
انقلابِ عالمِ فانی خدا کے ہات ہے
جو ہوا وہ کیوں ہوا اس کی تو توجیہیں بہت
چاہتا جو ہوں وہ کیونکر ہو یہ مشکل بات ہے
کام لیتا رہ امیدوں سے دعا کر صبر کر
امتحانِ زندگانی موردِ آفات ہے

مایوس ہوں باغِ عالم میں امید سے یاری چھوٹ گئی
جس پیڑ کو سینچا سوکھ گیا جس شاخ کو باندھا ٹوٹ گئی

ہماری خاطر ہو جمع کیونکر کہ یاس رہ رہ کے ٹوٹتی ہے
الم کا اک سلسلہ ہے قائم امید بندھ بندھ کے ٹوٹتی ہے
اگرچہ عزت کا بھی ہوں طالب مذاقِ رندی ہے مجھ پہ غالب
جو شیخ چھوٹیں تو چھوٹ جائیں شراب کب مجھ سے چھوٹتی ہے
دم سحر جوش شوقِ دل سے ضرور ہے انبساط باطن
کلی بھی گل کی چٹک رہی ہے کرن بھی سورج کی پھوٹتی ہے

÷

تقلیل غذا میں ہو سپرمنٹ یہی ہے
کہ ضبط ہوس "سلف گورنمنٹ" یہی ہے

÷

یہ بات تو کھری ہے ہرگز نہیں ہے کھوٹی
عربی میں نظم ملت "بی اے" میں صرف روٹی
لیکن جناب لیڈر سن کر یہ شعر بولے
بندھوائیں گے یہ حضرت اس قوم کو لنگوٹی
اس بات کو خدا ہی بس خوب جانتا ہے
کس کی نظر ہے غائر کس کی نظر ہے موٹی

÷

مذاقِ بادہ کشی تھا خلاف حکمِ خدا
بحمدہٖ کہ بہت کچھ جڑ اس کی ٹوٹ گئی
عجیب نسخۂ عرفاں دیا تصوف نے
کہ نشہ تیز ہوا اور شراب چھوٹ گئی

÷

دریا میں تو صاحب اگن بوٹ میں ہارے
میدان الکشن میں گئے ووٹ میں ہارے

÷

تہذیب دم بخود ہے طمع کی گھسیٹ سے
حضرت بھی کام لینے لگے مار پیٹ سے
ممنون تو میں ہوں ترا اے سایۂ شجر
سر پر مگر عذاب ہے چڑیوں کی بیٹ سے
عزت کی تو شناخت نہیں ہے مگر مجھے
لذت ضرور ملتی ہے کونسل کی سیٹ سے

÷

جب غم ہوا چڑھا لیں دو بوتلیں اکٹھی
ملا کی دوڑ مسجد اکبر کی دوڑ بھٹی

÷

اصل اللہ سے لگاوٹ ہے
ورنہ مذہب میں سب بناوٹ ہے

÷

مجھے یہ انقلاب دہر کب خطرے کا باعث ہے
مری طبع رواں اک ماہیِ بحر حوادث ہے

÷

میں کیا کہوں شکایت کل کیا تھی آج کیا ہے
جینا ہی رنج وہ ہے اس کا علاج کیا ہے
قوت نہیں ہے جسم میں کیوں چاہتا ہے زینت
جب تخت ہی نہیں ہے پھر فکر تاج کیا ہے

÷

مجھے حیات کی اب احتیاج ہی کیا ہے
مگر مروں نہ تو اس کا علاج ہی کیا ہے

ستا تھا کل کہ ترقی ظہور پائے گی کل — مگر جو غور سے دیکھا تو آج ہی کیا ہے

مقابل ترے پیچ سب ہیچ ہے — مگر تو ہی خود پیچ در پیچ ہے

مذہب کی پناہ آخر کو ملی اور کفر کی زد سے بچ نکلے — ہر دم ہے یہی اب اپنی دعا اللہ کا ہونا بچ نکلے

اس کی حرکت ہے کلیدِ مغربی پر منحصر — دل یہ سینے میں ہے یا پاکٹ کے اندر واچ ہے

نجد کے نغمے کہاں ان ٹھمریوں کے سامنے — دیس کو جس نے بھلایا یہ وہی کمتاج ہے

توم رومی بن گئے میں بھی خوب ہی تنتا ہوں اب — آئرش کوئی کوئی انگلش ہے کوئی اسکاچ ہے

دنیا یونہی ناشادیوں میں شاد رہے گی — برباد کئے جائے گی آباد رہے گی

گلچیں کا ستم بھول بھی جاؤں کبھی شاید — صیاد کی بیداد مگر یاد رہے گی

نالے ستم افزا ہیں تو روکوں گا زباں کو — دل ہی میں نہاں اب مری فریاد رہے گی

اگرچہ مضمونِ زندگی میں الم کی تمہید بھی بڑی ہے — خدا کے فضل و کرم سے لیکن مجھے تو امید بھی بڑی ہے

طلب کی منزل میں رنج و راحت رہا ہے اعتدال قائم — بہت ہے رمضان کی جو سختی تو سستر عید بھی بڑی ہے

منہ اپنا غفلت سے موڑ اکبر نماز ہرگز نہ چھوڑ اکبر — بہت فوائد ہیں اس کے مد اور اسکی تاکید بھی بڑی ہے

بتوں کی بات سے دل مائلِ فریاد ہوتا ہے — مگر کہنا ہی پڑتا ہے بجا ارشاد ہوتا ہے

مرے صیاد کی تعلیم کی ہے دھوم گلشن میں — یہاں جو آج پھنستا ہے وہ کل صیاد ہوتا ہے

جب حکم ہی ہے کوششِ بے سود کیجئے — کوئے بتاں میں خوب اچھل کود کیجئے

سینے میں دل آگاہ جو ہو کچھ غم نہ کرو ناشاد سہی — بیدار تو ہے مشغول تو ہے نغمہ نہ سہی فریاد سہی

ہر چند بگولا مضطر ہے اک جوش تو اسکے اندر ہے — اک وجد تو ہے اک رقص تو ہے بیچین سہی برباد سہی

وہ خوش کہ کروں گا ذبح اسے یا قید قفس میں رکھونگا — میں خوش کہ یہ طالب تو ہے مرا صیاد سہی جلاد سہی

جمعیتِ خاطر ہو نہ سکی اسبابِ الم موجود رہے — کرتے ہیں مگر ہم شکرِ خدا حاسد نہ ہوئے محسود رہے

کارِ دنیا سے ہماری دل کشی مفقود ہے — جدّت اس شے میں کہاں سے آئے جو محدود ہے

رہا نہ خانۂ ہستی میں دل کو لطف کوئی — بس اب تو محو یہ حسرت ہی کے سودے میں ہے
نہ میں کسی پہ ہوں نازاں نہ مجھ پہ کوئی — کسی کی گود میں ہوں اور نہ کوئی گود میں ہے

دل نواز و حق نما ان کا ہر اک ارشاد ہے — دیدۂ صاحب نظر میں صوفیوں پر صاد ہے

عشق کو کیوں بے خودی مقصود ہے (جواب) حسن بے حد ہے خودی محدود ہے
منکشف ہو جائیں اسرارِ خودی — بے خودی کا بھی یہی مقصود ہے
شرمِ آدم ہے اطاعت نفس کی — وہ ملائک کا اگر مسجود ہے

سنتا ہوں مجھے رخصتِ فریاد ملے گی — منظور تماشا ہی ہے یا داد ملے گی
مل جائے نظر اُن کی۔ دعا مانگ رہے تھے — معلوم نہیں تھا ستم ایجاد ملے گی

ذرّہ ذرّہ اپنی حد بندی میں مست و شاد ہے — تفرقے کے جوش پر ہر سو مبارکباد ہے
حافظے کے فیض سے روکا ہے بابِ اتحاد — شکوہ انگیز اک نہ اک قصّہ ہر اک کو یاد ہے
واعظ توحید پر دیتے ہیں فتوائے جنوں — خود پرستی کا سبق ہے کافرِ اُستاد ہے

میں تو ہمدرد ہوں بس اُن کی گرفتاری کا — قیدِ ہستی سے جو مشتاق ہیں آزادی کے
ڈھونڈھنا چاہئے تھا اکبر بے کس کو وہاں — ایک ویرانہ بھی ہے متّصل آبادی کے

نیک ہو منزل تو اکبر راہِ بد کیوں مانگئے — دوست سے ملنے کو دشمن سے مدد کیوں مانگئے

حرصِ دنیا ظلمتِ دل کی مؤید ہی رہی . — پھر بھی یہ پیرانِ نابالغ کی مرشد ہی رہی

تو رہے جب تو یہ مشکل ہے تردد نہ رہے — یہ تو اس وقت نہ رہ جائے کہ تو خود نہ رہے
چھاؤنی میں ہیں صاحب تو وہیں لیڈر بھی — یعنی کیوں ساتھ سلیمان کے ہُدہُد نہ رہے

پہچان بندگی کی ہے یہی اک خوفِ خدا کی زد میں رہے — اندیشہ بہت گستاخ نہ ہو اور وہم ادب کی حد میں رہے

آگیا ہوں تنگ سیر چمن سے طبیب اور بید سے دیکھئے کب ہو رہائی زندگی کی قید سے

سب کو ہے تسلیم کہ معبود وہی ہے کم ہیں جو سمجھتے ہیں کہ مقصود وہی ہے
آنکھوں میں اتر آتے ہیں موہوم کے نقشے دل میں یہ سمائی ہے کہ موجود وہی ہے
اللہ ہی کی موج سے پہنچے گا ترا دل سرچشمۂ فیض و کرم و جود وہی ہے

گذر کی جب نہ ہو صورت گذر جانا ہی بہتر ہے ہوئی جب زندگی دشوار مرجانا ہی بہتر ہے
رہ اصلاح میں گو تیز گامی خوب ہے لیکن قدم کو لغزشیں جب ہوں ٹھہر جانا ہی بہتر ہے
مواقع دیکھ کر اظہارِ مردی چاہئے اے دل ڈرائیں کھیل میں بچے تو ڈر جانا ہی بہتر ہے
بٹھایا ہے بتوں نے بزم میں جب اپنا ہی سکہ جو ہیں اللہ والے ان کو اٹھ جانا ہی بہتر ہے
بلاتا ہے مجھے بت خانے سے شیخِ حرم اکبر نہ جانا گو کہ جائز ہے مگر جانا ہی بہتر ہے

رزق ما یحتاج مل ہی جائے گا خواہشوں میں مختصر ہو جائیے
فقر سے شیطاں ڈراتا ہے اگر حسبنا اللہ سے نڈر ہو جائیے

خیر خواہی کرکے سر ہو جائیے ورنہ مفقود الخبر ہو جائیے

کیا پوچھتے ہو طوقِ غلامی کو۔ کدھر ہے اپنا ہی تعلق ہے یہ اور اپنا ہی گھر ہے
پیدا ہے غلامی زن و فرزند کے دم سے پروانہ ہو ان کی تو پھر آزاد بشر ہے
یعنی وہ چلا چاہیں گے دنیا کے مطابق عزت نہ محلے میں گھٹے اس کا خطر ہے
تم دل کو لئے پھرتے ہو وہ نفس کے حامی رسموں سے غرض دین کی عزت کو ضرر ہے
ایسے بھی ہیں طینت ہی ہیں جنکی ہے غلامی پابندیٔ دنیا کا رگ دل میں اثر ہے
خالق پہ بھروسا ہو تو عزت نہیں گھٹتی افسوس کہ انسان بہت پست نظر ہے
محنت کا دیانت کا قناعت کا شجر ہو جس رنگ کا پھل آئے وہ عزت کا ثمر ہے

تم سے اُستادوں میں میری شاعری بیکار ہے ساتھ سارنگی کا بلبل کے لئے دشوار ہے

جنھیں ہے شرک سے نفرت خدا کو ایک کہتے ہیں یہ ان میں کیوں ابھی تک جنگ اور تکرار باقی ہے
سبب اس کا تو ہے ظاہر خدا لیکن خودی دل میں تمامِ سنگ ٹوٹے ہیں بُتِ پندار باقی ہے

ہمارا مشرقی دل نزع میں ہے وقت آخر ہے نہیں مغرب کو غم. اس کی نظر میں مرگ کافر ہے
غرور اتنا نہ کر قوت پر اپنی اے بُتِ ترسا ہمارے ہوش غائب ہیں مگر اللہ حاضر ہے
بہ دل حاضر ہوئی ہے قوم بزمِ عشقِ دنیا میں بس اک میری طبیعت ہے کہ ابتک غیر حاضر ہے

ہیں صائم انھیں ہے طاعتِ دشوار کیا کم ہے نہ ہوں صائم تو اُن پر معذرت کا بار کیا کم ہے

رہتے ہیں اس خیال میں ہم اپنے گھر پڑے کیوں لوگ چاہتے ہیں کہ ہم پر نظر پڑے

مشتاق حق کے واسطے نعمت کا ڈھیر ہے بس زندگی حجاب ہے مرنے کی دیر ہے

جب دین نہ ہو اصلاحِ بشر دنیا میں پھر آخر کون کرے غفلت کے سوا اس محفل میں مہمان کی خاطر کون کرے
اک علم تو ہے بت بننے کا اک علم ہے حق پر مٹنے کا اس علم کی سب دیتے ہیں سند اُس علم میں ماہر کون کرے
غوطے تو لگائے زمزم میں اور غرق ہیں حبِّ دنیا میں پانی نے بدن کو پاک کیا اب جان کو طاہر کون کرے
مذہب کی ہے دھوم اور ساتھ اسکے اعمال نہیں اخلاق نہیں چپ چپ کی صدا ہے چار طرف اس حال کو ظاہر کون کرے
جب علما ہی عاشقِ دنیا ہوں پھر کون بتائے راہِ خدا جب خضر اقامت پر ہوں خدا تائیدِ مسافر کون کرے
سودا ہی ہے زمزمۂ طبعِ بشر فطرت ہی میں ہیں اسبابِ جنوں اکبر کو بھی ہوش آجائے تو پھر اس کام کو آخر کون کرے

عشق کہتا ہے بیانِ حال کی پروا نہ کر تیرے دل کی خود بخود اُن کو خبر ہو جائیگی
مجھ کو اک حیرت ہے اپنے شوق کی امید پر کیا نگاہِ قہر الفت کی نظر ہو جائے گی
میں نے پوچھا ہے تمھیں مجھ سے محبت یا نہیں ہنس کے فرمایا نہیں ابتک مگر ہو جائے گی
میں شبِ فرقت میں تڑپوں اور وہ سوئیں چین سے کس طرح مانوں محبت بے اثر ہو جائے گی

قالب میں جان آئی تو کیا آئی سفر کرنے لگی ؎ ہر سانس مجھ کو موت سے نزدیک تر کرنے لگی

عجب پیچیدگی ہے صورت و معنی کی دنیا میں ؎ جو نافع ہے وہ باطن ہے جو دلکش ہے وہ ظاہر ہے

خالی حرم کو شیخ ہی تنہا نہ کر گئے ؎ حیرت میں بُت بھی ہیں کہ برہمن کدھر گئے

سودائے مغربی سے ہیں سب کے حواس گم ؎ ایسی یہ تپ چڑھی ہے کہ چہرے اُتر گئے

آیا وطن میں پھر کے مگر اس کی کیا خوشی ؎ جن جن کو پوچھتا ہوں یہ سنتا ہوں مر گئے

ہم کی تھی ہیں نے راہ مصیبت یہی تھی سخت ؎ اس پر ہوا یہ قہر تم ایسے خضر ملے

کس سے میں پوچھتا گل و بلبل کی سرگذشت ؎ دو چار برگِ خشک، تو دو چار پر ملے

باتیں بھی مجھ سے کیں مری خاطر بھی کی بہت ؎ لیکن مجال کیا جو نظر سے نظر ملے

ٹیمز کے ساحل پہ جا کر دیکھتے قسمت کی فال ؎ گومتی پر شیعہ و سنی نے کیوں تکرار کی

سر سے سودائے حرم نکلے خدا سے دل ہو سرد ؎ دیر میں پھر کیا کمی ہے گرمیٔ بازار کی

تہذیب نو جسے تم کہتے ہو اس سے اکبرؔ ؎ دنیا بگڑ رہی ہے اب یا سنور رہی ہے

نقشوں کو تم نہ جانچو خلقت سے مل کے دیکھو ؎ کیا ہو رہا ہے آخر کیسی گذر رہی ہے

دل میں خوشی بہت ہے یا رنج اور تردد ؎ کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

زندگی بے لطف ہے دشوار ہے ؎ سانس لینا اب مجھے بیگار ہے

امید ٹوٹی ہوئی ہے میری جو دل مرا تھا وہ مر چکا ہے ؎ جو زندگانی کو تلخ کر دے وہ وقت مجھ پر گذر چکا ہے

اگرچہ سینے میں سانس بھی ہے نہیں طبیعت میں جان باقی ؎ اجل کو ہے دیر اک نظر کی فلک تو کام اپنا کر چکا ہے

غریب خانے کی یہ اُداسی یہ نادرستی نہیں قدیمی ؎ چہل پہل بھی کبھی یہاں تھی کبھی یہ گھر بھی سنور چکا ہے

یہ سینہ جس میں یہ داغ ہیں اب مسرتوں کا کبھی تھا مخزن ؎ وہ دل جو ارمان سے بھرا تھا خوشی سے دم میں ٹھہر چکا ہے

غریب اکبرؔ کے گرد کیوں ہیں خیال واعظ سے کوئی کہہ دے ؎ اسے ڈراتے ہو موت سے کیا وہ زندگی ہی سے ڈر چکا ہے

عشق ہی میں اس کے حسنِ پاک کا اظہار ہے
اشتیاقِ دید کی تکمیل ہی دیدار ہے

ہر تعلق سے جدا کر کے تو اپنے دل کو دیکھ
دل وہ ہے جو بے ہمہ ہونے پہ بھی خود دار ہے

* * *

ہجر میں اُس گل کے مجھ پر سانس لینا بار ہے
زندگی ظالم مگر اب تک گلے کا ہار ہے

واد دے رفتار کی سستی پہ کیا ہے معترض
آبلہ ہے پانوں میں اور آبلے میں خار ہے

دعوتِ دیوانگی دیتا ہے نورِ آفتاب
یہ شعاع اے دل گریبانِ سحر کا تار ہے

* * *

نفس تو کہتا ہی ہے ہر دم یہ کرنا چاہیئے
کیوں کوئی پوچھے کہ کیونکر جی کے مرنا چاہیئے

نفس کی خواہش کے آگے عقل کی سنتا ہے کون
میں کہوں کس سے کہ اس غفلت سے ڈرنا چاہیئے

* * *

ہماں بہ کز حدیثِ دی و فردا بے خبر باشی
بہ ذوقِ لم یزل امروز سر تا پا نظر باشی

بکش دامانِ شب، خیز و شمعِ دل فروزاں کن
چرا افتادہ در بندِ گریبانِ سحر باشی

* * *

تجھے اے امیدِ فردا دل و جاں سے پیار کرتے
مگر اپنی زندگی کا نہیں اعتبار کرتے

بتوں کی خود نمائی مری غفلتوں سے قائم
میں اگر نظر نہ کرتا تو وہ کیوں سنگار کرتے

لیا ہم نے بوسۂ رخ تو نہ بدگماں ہوئے جاں
کوئی پھول دیکھ لیتے تو اسے بھی پیار کرتے

ترے ہاتھوں کی یہ زینت تجھے شاخِ گل سے افزوں
ہمیں دسترس جو ہوتا تو گلے کا ہار کرتے

* * *

جنائیں بھی ہیں فریب بھی ہیں نمود بھی ہے سنگار بھی ہے
پھر اس پہ دعویِ حق پرستی اور اُس پہ یاں اعتبار بھی ہے

* * *

پھیلائیے نہ پانوں کو زنجیر کے لئے
دنیا سے ہاتھ اٹھا لیے تکبیر کے لئے

* * *

دل مرا اور خواہشیں ان کی یہ کیا اندھیر ہے
سحر ہے یا ظلم ہے یا کچھ سمجھ کا پھیر ہے

لوگ کہتے ہیں یہاں اکبر کبھی آباد تھا
شاید ایسا ہی ہو اب تو خاک کا اک ڈھیر ہے

* * *

جانبر نہ ہو سکا گو فرقت کی شب سحر کی
تھوڑی نہیں تھی اکبر تکلیف رات بھر کی

* * *

ہوا گر سینے میں ناسور ہوا جاتا ہے
غم سے دل خون تھا اب نور ہوا جاتا ہے

دیکھ ہی لوگے زمانے میں قیامت برپا
نالۂ خستہ دلاں صور ہوا جاتا ہے

چشمِ بتاں نے نفس کی خواہش ابھار دی
دنیا ہماری دشمنِ دیں نے سنوار دی

لذت خدا کے نام میں کچھ کم نہ تھی مگر
پیشِ شکم زبان نے ہمت ہی ہار دی

بندوق کا نہیں ہے جو لیسنس غم نہیں
میں نے تو اس خیال ہی کو گولی مار دی

جس طرف دیکھو خیالِ تیزیٔ رفتار ہے
منزلِ مقصود کیا ہو یہ سمجھ دشوار ہے

قرارِ دل کو نہیں حسنِ انتشار تو ہے
وصالِ یار نہیں ہے خیالِ یار تو ہے

اتنا جیے کہ جاننے والے گذر گئے
پرساں رہا نہ کوئی تو چپ چاپ مر گئے

تم دیکھتے ہو اکبر دنیا کا رخ کدھر ہے
یہ وقت الاماں ہے یہ وقت الحذر ہے

حیرت سے دیکھتا ہوں ہر صاحبِ خرد کو
اس کی زباں کدھر ہے اور اس کا دل کدھر ہے

کیا ہو رہا ہے دل میں اثر کچھ نہ پوچھئے
کس پر پڑی ہے میری نظر کچھ نہ پوچھئے

کیا کر رہی ہے کبر شکن قدرتِ خدا
ہے پوچھنے کی بات مگر کچھ نہ پوچھئے

جینے والوں ہی کے ہیں ہنگامے
خلق انھیں پر نگاہ کرتی ہے

مست دنیا میں ہیں یہ کیا جانیں
مرنے والوں پہ کیا گذرتی ہے

خدا کے گھر سے اب آئی کی جو خبر آئے
بتوں کے پاؤں پہ ہم کو تو سر نظر آئے

جو کیوں شوقِ آزادی کا جب زنجیر ایسی تھی
دل ایسا کیوں ملا ہم کو کہ جب تقدیر ایسی تھی

خرد کی ناتوانی ہے نظر کی نامجبوری ہے
ہوا جو کچھ ضروری تھا جو کچھ ہوگا ضروری ہے

حادثے اپنے طریقوں سے گذرتے ہی رہے
کیوں ہوا ایسا یہ ہم تحقیق کرتے ہی رہے

صفحۂ ہستی پر آخر کس قلم کی ہے کشش
نقش مٹتے ہی رہے لیکن ابھرتے ہی رہے

انتظارِ آخرِ اجل سے کر گیا یاں ہم کنار
چشم بد دور آپ اپنے گھر سنورتے ہی رہے

پھر دیکھتا نہیں میں دل زار کے لئے ۔۔۔ جو کچھ یہ ہو رہا ہے سب اخبار کے لئے

یاد حق دل سے دور کر نہ سکے ۔۔۔ مجھ سے یہ بت غرور کر نہ سکے
مجھ کو رنج شکست شیشۂ دل ۔۔۔ ان کو غصہ کہ چور کر نہ سکے
مجھ کو تو بس میں کر لیا بیشک ۔۔۔ حق کو راضی حضور کر نہ سکے

دنیا سے قطع خوب اگر خوش نہ رکھ سکے ۔۔۔ آنکھوں کو بند کر جو نظر خوش نہ رکھ سکے
دنیا کی لذتیں جو ملی تھیں وہ ہو چکیں ۔۔۔ خوش کر لیا تھا دل کو مگر خوش نہ رکھ سکے

جسم بے سر ہے اب ہماری قوم ۔۔۔ خوار و زار و خراب و ابتر ہے
ہنس کے کہنے لگے جناب مذاق ۔۔۔ بس یہ کہئے ہر ایک خود سر ہے

جو مسرت تیری محتاج نگاہ غیر ہے ۔۔۔ اس مسرت میں نہ خوبی ہے نہ کوئی خیر ہے
(سقراط)

جس کے دل میں شان باری کا تصور گھر کرے ۔۔۔ اس کو کیا پروا کہ کوئی بت مرا آنزکرے

خدا کے باب میں یہ غور کیا ہے ۔۔۔ خدا کیا ہے خدا ہے اور کیا ہے
بڑھاتے کیوں ہو تم لفظوں کو آگے ۔۔۔ بساطِ ذہن پر یہ جور کیا ہے

اس باغ میں یہ نگاہ اکبر ۔۔۔ دل کو بے حد ابھارتی ہے
ہے کس کے فراق میں پپیہا ۔۔۔ کوئل کس کو پکارتی ہے

کہا صیاد نے بلبل سے کیا تو نے نہیں دیکھا ۔۔۔ کہ تیرے آشیاں سے یہ قفس آراستہ تر ہے
کہا اُس نے اسے تسلیم کرتی ہے نظر میری ۔۔۔ نشاطِ طبع کی ہلک مگر بیکاری پر ہے

دیر کے عیش میں تکلیف مع الغیر تو ہے ۔۔۔ کعبہ میں کچھ نہ سہی خاتمہ بالخیر تو ہے

جو پوچھا دل سے اس جینے کا کیا مقصود آخر ہے ۔۔۔ شکم بولا کہ اس کی بحث کیا خادم تو حاضر ہے
شکم کی پیٹھ ٹھونکی نفس امارہ نے خوش ہو کر ۔۔۔ صدائے باطنی اٹھی کہ یہ کمبخت کافر ہے

رشتۂ توحید سے لپٹا نہیں تارِ نظر — الجھنیں کیں خوب پیدا سبحہ و زنار نے
چل گئی موسیٰ کی لاٹھی رہ گیا جادو کا کھیل — ساحروں کے سانپ کو مارا خدا کی مار نے
ریل کعبے تک اگر بن بھی گئی تو ناز کیا — عرشِ باری تک نہیں پائی رسائی تار نے
دیدنی تھا ہجر کی شب وہ ہجومِ انتظار — اور دیکھا ہی نہیں کچھ دیدۂ بیدار نے
باپ ماں سے شیخ سے اللہ سے کیا ان کو کام — ڈاکٹر جنوا گئے تعلیم دی سرکار نے

جب آنکھ کو کھلنے میں ہو جھپک جب منہ میں زباں جنبش سے ڈرے
اس قید میں کیونکر جینا ہو اللہ ہی اپنا فضل کرے
کیا ناز ہو ایسی ساعت پر افسوس ہے ایسی حالت پر
یا جھوٹ کہے یا کچھ نہ کہے یا کفر کرے یا کچھ نہ کرے
قاتل کو بھروسا قوت کا اور ہم کو خدا کی رحمت کا
ہونا تھا جو کچھ وہ ہو ہی لیا وہ بھی نہ رکا ہم بھی نہ ڈرے

دل کی بیتابی ہے ثابت آنکھ کے اظہار سے — بجلیاں پیدا ہوئیں ہیں آنسوؤں کے تار سے
جب طبیعت خوش نہیں تو کیا کرے اچھا مکاں — دل بہل سکتا نہیں اپنا در و دیوار سے

چشمِ بینا تو نے پائی ہے تو یہ دنیائے دوں — اک نہ اک دن تیری نظروں سے اتر ہی جائے گی

کس قدر دلکش نگاہِ ساقیٔ مخمور ہے — صبر بھی بیتاب ہے تقویٰ بھی اب معذور ہے
خانۂ ہستی کی ترکیبوں میں کیا دخلِ خرد — حکم ہے تقدیر کا تدبیر اک مزدور ہے
میں جسے سمجھا ہوں ہیں وہ نفس کی بیہودہ ہشیں — میں حقیقت میں جو ہے مجھ سے نہایت دور ہے
امتحانوں سے ہوئی طے بحثِ جبر و اختیار — فعل جب ہو جائے مختاری ہیں تب مجبور ہے
آپ سے مل کر میں کیوں نقصان اٹھاؤں اے جناب — آپ کو جب صرف اپنا فائدہ منظور ہے

ڈارون صاحب یہ اچھا مسئلہ سمجھا گئے ۔ دعوئ مخدومیت میں مست ہر لنگور ہے

تدبیرِ بشر خوب اُلٹ پھیر کرے گی ۔ رفتارِ فنا سب کو مگر زیر کرے گی

زندگی سے میرا بھائی سیر ہے ۔ پھر بھی خوراک اسکی ڈھائی سیر ہے

حق پرستی کا نشاں اب قبر ہے یا منبر ہے ۔ اور جو کچھ ہے عقیدوں پر فقط اک جبر ہے

اب شیخ ہند برہمنوں کے گلے لگے ۔ تسبیح بن کے آئے تھے زنار ہو گئے
اس منزلِ فنا میں جو رکھی بنا تو کیا ۔ دیوار اُٹھا کے نقش بہ دیوار ہو گئے

نہ چھوڑ دل کو کسی دل شکن اثر کے لئے ۔ ہے مبتدا یہ خبر دوسری خبر کے لئے

جنونِ عشق سے انسان کی طینت سنورتی ہے ۔ یہی مستی وہ ہے جو عقل کو ہشیار کرتی ہے
یہ سچ ہے بے خبر ہے نفسِ دنیا ضعفِ دنیا سے ۔ کہ یہ ماتم میں ہے مصروف اور وہ چین کرتی ہے
بیاں اپنے اثر میں حس کی قوت لا نہیں سکتا ۔ زبانیں کہہ نہیں سکتیں دلوں پر جو گذرتی ہے
وہ ایذائیں مجھے مایوسیوں نے دی ہیں اے اکبر ۔ کہ امیدِ تبسم رکھتے ہوئے بھی دل میں ڈرتی ہے
سخن سنجی کا کیا کہنا مگر یہ یاد رکھ اکبر ۔ جو سچی بات ہوتی ہے وہی دل میں اترتی ہے

نہ سہی حسنِ عمل خوبئ گفتار سہی ۔ ہے تو اکبر میں بھی اک بات گنہگار سہی
دل جو تسبیح میں مصروف ہو حاصل ہے مراد ۔ قشقہ بالائے جبیں دوش پہ زنار سہی

خالق ہی سے ملی ہے فطرت کی جو لڑی ہے ۔ بینا وہی ہے جس کی اس پر نظر پڑی ہے

ذرہ ہائے خاک کس ترکیب سے جکڑے گئے ۔ جینے مرنے کے تماشے کے لئے پکڑے گئے
بے اطاعت ناتواں کا کام چل سکتا نہیں ۔ جھک گئے تو رہ گئے قائم اگر اکڑے گئے

ہم اس زمانے میں رہتے ہیں اپنے گھر میں پڑے ۔ ہوا ہی بدلی ہوئی ہے فلک سے کون لڑے
خدا ہی ہم کو اُٹھائے گا جب تو اٹھیں گے ۔ ابھی تو چپ ہیں کوئی لاکھ اعتراض جڑے

اگر اُٹھے تو علم اپنا گاڑ لیں گے کہیں ــــ جو اُٹھ گئے تو ہے قصہ ہی ختم خود ہی گڑے

عرفاں ضو فگن ہے شریعت کی آڑ سے ــــ آتش فشاں زمین دبی ہے پہاڑ سے

خدا کی مار کا کرتا نہیں میں کچھ مذکور ــــ طبیعت اور ہی پہلو پہ جا کے لڑتی ہے
نہ رہ سکے گی لطافت جو زن ہے بے پردہ ــــ سبب یہ ہے کہ نگاہوں کی مار پڑتی ہے

عقل کو فرداودی کے غم میں ساز و سوز ہے ــــ عشق ہی اچھا کہ مستِ جلوۂ امروز ہے
پھیر ہی لی ہے جمالِ "لم یزل" سے اُس نے آنکھ ــــ ورنہ ہر تہِ نظر انساں کو عشق آموز ہے
زیست میں ہر دم ہے محتاج فنا ہر جزوِ حیات ــــ زندہ دل وہ ہے جسے ہر سانس عجز آموز ہے

بدلی ہوئی رت محسوس ہوئی بھونرے کی آواز سنی ــــ فطرت کی بستی یہ ٹھمری بیساختہ و بے ساز سنی

دل نہ مایوسی پہ مائل ہے نہ محو ناز ہے ــــ منزلِ ہستی میں ہر انجام اک آغاز ہے

حرج کیا ہم بھی جو چشمِ سرگیں پہ پس لئے ــــ یہ بلائیں اس تماشا گاہ میں تھیں کس لئے
سجدۂ دیر و حرم سے معرفت کس کو نصیب ــــ سنگِ در آیا نظر خلقت نے ماتھے گھس لئے

ڈیڑھ سو محراب مسجد میں فداد شوار ہیں ــــ سایۂ ہوٹل میں بسئے یا فقط دس لیجئے
حضرتِ اکبر سے کہہ دو قافلہ تیار ہے ــــ اک رزولیوشن کا ٹھو آپ بھی کس لیجئے

اب کیا میں طلبِ دنیا کی کروں کیوں زحمت اُٹھاؤں اس کے لئے
دل کہتا ہے اور سچ کہتا ہے کے دن کے لئے اور کس کے لئے
جو تم کو مبارک شوق نمود افسردہ پڑا رہنے دو مجھے
کافی ہے یہاں یہ داغ جگر تم شمع بنو مجلس کے لئے
یہ گوش و زباں و چشم میں غوغائے جہاں سے فارغ ہیں
کرتا ہوں دعائیں گل کے لئے سوسن کے لئے نرگس کے لئے

روح کا ہے امتحاں اور زندگی کا کورس ہے
ہے مبارک وہ سمجھ قرآن جس کا سورس ہے

کیا وہ درست ہو مری نظموں کے فورس سے
فرصت کہاں ہے قوم کو کالج کے کورس سے

استخوانِ مغربی کا شکر کرنا ہے بجا
باہمی عف عف یہ لیکن قابلِ افسوس ہے

بسٹ ہی تو رہ گیا تیرا ذرا آئینہ دیکھ
شاہدِ مغرب سے کیا اُنکو کنار و بوس ہے

بنگلۂ جانان سو ادو کوس ہے
چل نہیں سکتے بڑا افسوس ہے

فسادِ نیت میں جب نہیں ہے تو پھر مجھے خطرہ کیوں کہیں ہے
بہت مکلف ہیں یہ اسلئے کہ اس سے بچئے اور اس سے بچئے

برے ہی ہو جو جنہیں ہم پہ خیال اُسکا نہ آئے کیوں کر
شعور ہو کس طرح معطل کہاں یہ ممکن کہ جس سے بچئے

وہ اکے ماننے سے بدگمان ہیں خبر نہیں کیا اثر کہاں ہیں
سمجھ میں آتا نہیں کچھ اکبرؔ کہ کس سے اب ملئے کس سے بچئے

شامت آئی ہے یہ مسلّم ہے
بحث اتنی ہی رہ گئی کس کی

میری جانب اشارہ غالب ہے
یعنی اکثر یہ کہتے ہیں اس کی

خیر جو کچھ خدا کی مرضی ہو
کھل ہی جائیگا آئی ہے جس کی

اس قدر تو مجھے بھی کھٹکا ہے
بڑھ گئی ہے بہت مری وہسکی

اکبرؔ کو کیا اُبھار دل مایوس ہی نہیں ہے
ایسا پٹا کہ پٹنا محسوس ہی نہیں ہے

ارتقائے سَتے کی برکت دیکھئے
تاجراب اہلِ قلم ہیں بانس کے

عقل نے اچھی کہی کل لالہ مجلس رائے سے
جھک کے چلنا چاہیئے ہم سب کو وائسرائے سے

شعر کیسا ہی ہو لیکن قافیئے اس کے ہیں خوب
کون ایسا ہے کہ جو ہو مختلف اس رائے سے

پوچھیئے کیا ہو کہ تو پیرو ہے یا ہرنبس ہے
بندہ جو کچھ ہو بہر حالت بلا لیسنس ہے

یاس اُس سے ہو گئی امید تھی جس بات کی
جی رہا ہوں شکر ہے لیکن خوشی کس بات کی

سیٹھ جی کو فکر تھی ایک اک کے دس دس کیجئے
موت آپہونچی کہ حضرت جان واپس کیجئے

ماتم شام اودھ میں میں تو اب مصروف ہوں
آپ ہی نظارۂ صبح بنارس کیجئے

افواہ ہے کہ اکبرؔ بیہوش ہو گیا ہے
یہ تو غلط ہے لیکن خاموش ہو گیا ہے

فلسفہ اُن کا انھیں کی چال کا ہمدوش ہے
ان میں دولت خیز ہے اور ہم میں ہر بے نوش ہے

بزم ہستی میں محبت کے ترانوں کو نہ چھیڑ
یہ وہ شے ہے جسے ہر ساز سے اک سلوش ہے

خود گوارا نہیں فریاد کا یہ جوش مجھے
کر بھی چکتی اجل اگر کہیں خاموش مجھے
عقل کچھ کر نہ سکی قدر شناسیٔ جنوں
بزم ہستی میں مبارک نہ ہوا ہوش مجھے
حالتِ قابلِ فریاد کے سب ہیں شاہد
اس سے کیا ہوتا ہے کر دیجئے خاموش مجھے
تابِ نظارۂ گلزار میں کیسا لاؤں گا
رُت بدلتا ہی کئے دیتا ہے بیہوش مجھے
بت پرستی میں بھی پردے کا ہوں حامی اکبرؔ
بخش ہی دیگا خداوند خطاپوش مجھے

سبحہ صندل کا ہے مگر افسوس
دب گئی بو "فرنچ" پالش سے

مقابل غیر مذہب کے تو مذہب جوش رکھتا ہے
عموماً ورنہ اپنے آپ کو بے ہوش رکھتا ہے
رہِ حق کے جو سالک ہیں وہ مستغنی ہیں اے اکبرؔ
کہ ان کو ساقیٔ توحید ساغر نوش رکھتا ہے

دلِ سوزاں کو اک نعمت سمجھ یہ گرم جوشی ہے
امیدِ آخرت میں مست رہ یہ بادہ نوشی ہے

ان بتوں کے باب میں اتنی ہی میری عرض ہے
کفر ہے ان کی پرستش پیار کرنا فرض ہے

اب تو ہے یہ سوچ کیا میں کیا بساطِ زندگی
ہو چکا دو دن کا وہ دورِ نشاطِ زندگی
دیکھئے انجام کیا ہو۔ ڈر رہا ہوں دیکھ کر
لذتِ دنیا سے اتنا اختلاطِ زندگی
یہ بھی فانی وہ بھی فانی دونوں ہیں بے اعتبار
انقباضِ موت ہو یا انبساطِ زندگی

یوں تو ہیں جتنے شگوفے سب کو فکرِ باغ ہے
یہ مگر سچ ہے کہ لالہ ہی کے دل میں داغ ہے

خود یوں میں قافئے ہیں زمانا ردیف ہے
یہ نظم کائنات بھی کتنی لطیف ہے

سخن میں یوں تو بہت موقعِ تکلف ہے — خودی خدا سے جھکے بس یہی تصوف ہے
کوئی عظیم نتیجہ ضرور ہے ملحوظ ، — نظامِ جسمِ بشر میں بڑا تکلف ہے
خدا کا شکر نہ ہو آخرت کا ذوق نہ ہو — اسی کا نام ہے دنیا تو لائقِ تف ہے
بسانِ تیغ کبھی سرخرو یہ ہو نہ سکی — عجب نہیں کہ اسی سے تفنگ پر تف ہے

حسیں جیسے ہو تم یوں ہی جو خوش اخلاق ہو جاتے — زمانہ مدح کرتا شہرۂ آفاق ہو جاتے
حواس و ہوش رخصت ہو چکے دم بھی نکل جاتا — تو فطرت کے جو قرضے ہیں وہ سب بیباق ہو جاتے

بے مثل فائدہ ہمیں دل کے سبق سے ہے — خلوت میں انجمن کا مزا یاد حق سے ہے

خلق مجھ سے طالبِ پابندیٔ اخلاق ہے — میری یہ حالت کہ مجھ پر تھینک یو بھی شاق ہے
دل کے ٹکڑے کر دیے غم نے جگر خوں ہو گیا — ہوش کا تو یہ ستم دیکھو کہ ابتک چاق ہے

یار کا حسن سب پہ فائق ہے — واقعی دیکھنے کے لائق ہے
ان مصائب سے کام لے اکبر — غم بڑا مدرکِ حقائق ہے

دوسروں پر نکتہ چینی کا تجھے کیوں شوق ہے — اپنی اپنی خو ہے اکبر اپنا اپنا ذوق ہے

صوفیٔ باصفا کا بھی اچھا مذاق ہے — اس فلسفے میں ہوش کا آنا فراق ہے

فقط سڑکوں سے تسکینِ نگاہِ چشمِ شرقی ہے — اندھیرا ہے گھروں میں راستوں میں لمپ ترقی ہے

ہر کس و ناکس سے دنیا میں تملق کیجئے — یا جہاں تک ہو سکے ترکِ تعلق کیجئے

عشق کے معنے کے عالم تھے مگر عاشق نہ تھے — صورتِ عذرا سے واقف تھے مگر وامق نہ تھے

پھنسا ہوں زندگی میں سانس رو کے رک نہیں سکتی — مگر دنیا کی خاطر میری گردن جھک نہیں سکتی

تیری باتیں یہ تحقیق کی سالک ہی نہیں — میں نہ مانوں گا کہ میرا کوئی مالک ہی نہیں
لطف جب تھا کہ مُنی اور رشی رہتے تھے — ہر دوار اب وہ نہیں اور وہ سوالک ہی نہیں

شکر ہے سنّی و شیعہ کا ارادہ نیک ہے — طرز طاعت دو سہی ترکیب کا لج ایک ہے
ہیں گو یہ فرق ظاہر ہو کہ حلوا یا پلاؤ — خوان مغرب پر مگر دونوں کے آگے کیک ہے

اکہ مجبور نہیں بت کو اگر تکتی ہے — ہو خدا پر جو نظر بند بھی ہو سکتی ہے

یہ لفظ تو ہیں برائے معنی مگر نہایت ہی سست و ناقص — زبان پیچھے ہی رہ گئی ہے نگاہ دل دور تک گئی ہے

فی اگرچہ بیٹھنے کو اک پلنگ ہے — انگڑائیوں کو عرصۂ دنیا بھی تنگ ہے

قوم ضعیف تنگ ہے چندوں کی مانگ سے — کالج کے چیونٹے پلٹے ہیں ٹیٹری کی ٹانگ سے
عالم ہیں چپ جو مستند و باوقار ہیں — گونجا ہوا پریس ہے دفاتی کے سانگ سے

یہ دنیا اپنے سازوں میں اک دن بھی خوش آہنگ نہ تھی — وہ کون زمانہ گزرا ہے جب حرص نہ تھی جب جنگ نہ تھی
ہاں لعنت کے ہنسے لڑتے ہیں دولت کیلئے دنیا کے لئے — جو حق کی طرف سے مصلح ہیں ہیں تیغ بکف عقبیٰ کے لئے

(معقول)
واعظ کا جو اشارہ ہے وہ "ریزنیبل" ہے — (موافق موسم)
رندوں کی یہ مستی بھی مگر "سیزنیبل" ہے

کوسی ہوائے شوق نے کی لیلیٰ نہ نکلی محمل سے — مجنوں نے تو اڑائی خاک بہت لیلیٰ نے نہ جھانکا محمل سے
دنیا کے تغیر کا نہیں حس شیدائے جمال باری کو — پروانے کو مطلب شمع سے ہے کیا کام ہے رنگ محفل سے
احساس ہی اپنا کا نہ ہوا فریاد و فغاں میں کیا کرتا — جس وقت تہِ خنجر تھا گلا آنکھ اپنی ملی تھی قاتل سے

جلوہ گر ہے حسن بت وقت اضطراب دل کا ہے — المدد اے ذوقِ عرفاں سامنا مشکل کا ہے
تیرے مجنوں کے بیاباں کا ہے عالم دوسرا — جو بگولا ہے وہ اک ناقہ کسی محمل کا ہے
ذرہ ذرہ ہے طریق عشق حق میں دلنواز — ہر قدم پر سالکِ رہ کو گماں منزل کا ہے
بحر ہستی خود حدوں سے اپنی ہے ناآشنا — اک تلاطم ہے بپا کس کو پتہ ساحل کا ہے
یہ نظر کی ناتوانی یہ بتوں کی زینتیں — کیا کہوں اکبر بس اب اللہ مالک دل کا ہے

کیا شان ترے جمال میں ہے — ہر وقت زمانہ حال میں ہے

پھنستی ہے اگر تو صرف مچھلی — کینے کو تو جل بھی جال میں ہے
نیٹو کی گذر ہے دال ہی پر — کالا اس طرح دال میں ہے

نہیں حب اپنی ملت کا اصول مستقل کوئی — کرے کیا رکھ کے سینے میں وہ فلاندیش دل کوئی

ہم پہ الزام کے دھبے جو ہیں دھل جائیں گے — حسبنا اللہ کے معنی کبھی کھل جائیں گے

کیا تصور ہے کہ دل جس سے دہل جاتا ہے — دم نکلتے ہی وہ قانون بدل جاتا ہے
وہی فطرت کہ جو تھی حفظ بدن پر مامور — اسی فطرت سے بدن خاک میں گل جاتا ہے

قیوم و حی کا ہے تصور معین روح — فانی کا شوق فتنۂ ہستی کا جال ہے

مضموں ملا جو موج میں نقشِ بر آب کا — بیخود ہوئے حباب بھی ٹوپی اچھال کے
اے شمع بافروغ ہے راہِ فنا میں تو — سالک بہت ہی کم ہیں تری چال ڈھال کے

بزمِ ہستی ہے طلسمِ بے مثالِ زندگی — خاک ہے پروانۂ شمع جمالِ زندگی
جسم بن کر جان سے لپٹی ہوئی آخر فنا — خاک تھی پروانۂ شمع جمالِ زندگی
ہے یہی دستور لیکن کس قدر افسوسناک — زندگی ہی کو سمجھ لینا مآلِ زندگی
عشقِ حسن آخرت میں چاہیئے مستیٔ روح — موت سے آساں نہیں اکبر وصالِ زندگی
ہے دلیل نور باطن حب دنیا کا زوال — موت کا مشتاق ہوتا ہے کمالِ زندگی
خوبیٔ معنی کا ہے فطرت میں اکبر اعتبار — حسن صورت میں نہیں جاہ و جلالِ زندگی

الحذر اس درد سے جو مشتعل ہو کر رہے — الاماں اس یاد سے جو زخم دل ہو کر رہے
بزم ہستی میں رہا اکبر تو کیا اس کی خوشی — حکم جب یہ ہے کہ بے حد مضمحل ہو کر رہے

بجائے مرحبا و آفریں فریاد اٹھی دل سے — مجھے شرمندگی ہے قوتِ بازوئے قاتل سے
سکوت اولیٰ ہے کیا حاصل بیانِ حالتِ دل سے — تعجب خیز باتیں ہیں یقیں آئے گا مشکل سے

جنون پردہ درہے شایقِ رسوائیِ مجنوں
عجب کیا ہے کہ اب لیلیٰ کو بھی وحشت ہو محمل سے

ضرورت کم ہے راہِ عشق میں خضرِ ہدایت کی
بہ قدرِ شوقِ سالک خود کشش ہوتی ہے محمل سے

بصیرت نے قیامت کی ہے ان بدمست پائی پر
مصیبت میں پھنسا ہوں امتیازِ حق و باطل سے

جھکا سکتا ہوں میں سر کو زباں کو روک سکتا ہوں
جواب اس کا مگر کیا ہے کہ تو کافر نہیں دل سے

جنوں ہنگامۂ بے مدعا میں مست رہتا ہے
مبارک سعی ہے اسکی کہ مستغنی ہے حاصل سے

بیانِ مدعا سے روک لیتا ہوں زباں اپنی
تمنا سے ہے مجبوری کہ وہ گستاخ ہے دل سے

تدبیرِ بشر پیشِ قضا چل نہیں سکتی
میں دیکھ چکا ہوں شدنی ٹل نہیں سکتی

ارمان کوئی اب مرے دل میں نہیں آتا
ٹوٹی ہوئی جو شاخ ہے وہ پھل نہیں سکتی

مرجائیں مگر رکھیں گے ثابت قدم اپنا
ہے مردمیں جو دال کبھی گل نہیں سکتی

لاکھ آرائش کرے کوئی مگر اے جانِ جاں
جس کی زینت آپ ہیں رونق اسی محفل کی ہے

کھیل جینے کا کھیل ہی لیں گے
جو گذرتی ہے جھیل ہی لیں گے

معاذ اللہ کیا بیدادیِ تقدیرِ بسمل ہے
تڑپنا سامنے قاتل کے گستاخی میں داخل ہے

وہی قانونِ فطرت ہے جسے تقدیر کہتے ہیں
جسے قسمت سمجھتے ہیں وہ تدبیروں کا حاصل ہے

نفس میں اُلجھا ہے تو اکبر ابھی دل دور ہے
راہ کے یہ خوشنما منظر ہیں منزل دور ہے

جہاں میں عقل کی حسرت نکل نہیں سکتی
خدائی ذہن کے سانچے میں ڈھل نہیں سکتی

جینے میں یہ غفلت فطرت نے کیوں طبعِ بشر میں داخل کی
مرنے کی مصیبت جانوں پر کیوں قدرتِ حق نے نازل کی
کیوں طولِ امل میں اُلجھایا انسان نے اپنے دامن کو
کیوں زلفِ ہوس کے پھندے میں پھنستی ہے طبیعت غافل کی

کیوں ہجر کے صدمے ہوتے ہیں کیوں مردوں پہ زندے روتے ہیں
کیوں جنگ میں جانیں جاتی ہیں کیوں بڑھتی ہے ہمت قاتل کی
منطق کا یہ دعویٰ ایک طرف طاقت کی یہ شوخی ایک طرف
کیا فرق ہے خیر و شر میں یہاں کیا جانچ ہے حق و باطل کی

کہاں ثبات کا اس کو خیال ہوتا ہے ۔۔۔ زمانہ ماضی ہی ہونے کو حال ہوتا ہے
فروغ بدر نہ باقی رہا نہ بت کا شباب ۔۔۔ زوال ہی کے لئے ہر کمال ہوتا ہے
میں چاہتا ہوں کہ بس ایک ہی خیال رہے ۔۔۔ مگر خیال سے پیدا خیال ہوتا ہے
بہت پسند ہے مجھ کو خموشی و عزلت ۔۔۔ دل اپنا ہوتا ہے اپنا خیال ہوتا ہے
وہ توڑتے ہیں تو کلیاں شگفتہ ہوتی ہیں ۔۔۔ وہ روندتے ہیں تو سبزہ نہال ہوتا ہے
سوسائٹی سے الگ ہو تو زندگی دشوار ۔۔۔ اگر ملو تو نتیجہ ملال ہوتا ہے
پسند چشم کا ہرگز کچھ اعتبار نہیں ۔۔۔ بس اک کرشمۂ وہم و خیال ہوتا ہے
اگرچہ آہ سے تکلیف دل کو ہو لیکن ۔۔۔ ہوائے تنفس میں کچھ اعتدال ہوتا ہے
نگاہ لطف بتاں مطمئن نہیں کرتی ۔۔۔ فریب ہی کا مجھے احتمال ہوتا ہے
خدا کا شوق ہو جس کو میں اسکا شایق ہوں ۔۔۔ خدا کا یوں تو ہر اک کو خیال ہوتا ہے
اگرچہ ریش منڈانے سے ہے صفائی رخ ۔۔۔ گناہگار مگر بال بال ہوتا ہے

خودی کے اظہار میں دوئی ہے دوئی کو وحدت سے کیا تعلق ۔۔۔ فراق اپنا کرے گوارا جو کوئی اسکا وصال چاہے

ابتدا گرمی کی ہے اپریل سے ۔۔۔ اب میں گھبرانے لگا کھپریل سے

حضور سے سبب افسردگی کا کیا میں کہوں ۔۔۔ نشاط طبع غلامی کے ساتھ مشکل ہے

کتمان راز عشق مرے آب و گل میں ہے ۔۔۔ خاموش ہے زبان جو کچھ ہے وہ دل میں ہے

افعیٔ زلفِ مس کا تو سودا بُرا نہیں ۔۔۔ پیچیدگی جو کچھ ہے فقط اس کے بل میں ہے

صبر رہ جاتا ہے اور عشق کی چل جاتی ہے ۔۔۔ ضبط کرتا ہوں مگر آہ نکل جاتی ہے

کچھ توجہ نہ سہی عشق کی امیدوں کا ۔۔۔ دل تو بڑھتا ہے طبیعت تو بہل جاتی ہے

شمع کے بزم میں جلنے کا جو کچھ ہو انجام ۔۔۔ مگر اس عزم سے سانچے میں تو ڈھل جاتی ہے

وعدۂ بوسہ ابرو کا نہ کر غیر سے ذکر ۔۔۔ دل لگی میں کبھی تلوار بھی چل جاتی ہے

طبیعت تیری انجینر کے آگے کیوں بدلتی ہے ۔۔۔ یہ تیری سانس چلتی ہے تو کیا انجن سے چلتی ہے

کبھی سائنس کے ان دیوتاؤں سے ذرا پوچھو ۔۔۔ یہ مشتِ خاک کیونکر جان کے سانچے میں ڈھلتی ہے

وہی بیخِ شجر تحریک موسم بھی وہی لیکن ۔۔۔ کوئی ڈالی تو رہ جاتی ہے کوئی شاخ پھلتی ہے

نہ اس میں دخل دولت کو نہ منطق کو نہ طاقت کو ۔۔۔ دلی حالت خدا ہی کی عنایت سے سنبھلتی ہے

اکبر شگفتگی سے بے گانہ ہو گیا ہے ۔۔۔ پھر کیا اُسے چمن کی کوئی ہوا کھلائے

دین کا ادعا ہے خلق میں سہل ۔۔۔ حق ہو راضی یہ بات مشکل ہے

آمنو میں تو سب کے آگئے ہیں ۔۔۔ عملوا الصالحات مشکل ہے

چشمِ ظاہر جسے نہ دیکھ سکے ۔۔۔ اس طرف التفات مشکل ہے

وصل ہو یا فراق ہو اکبر ۔۔۔ جاگنا ساری رات مشکل ہے

اسٹیشنِ فنا کی بھی کیا خوب ریل ہے ۔۔۔ اس راہ میں ہر ایک پسنجر کا میل ہے

غفلت نے کر دیا جنھیں آزاد وہ ہنسیں ۔۔۔ میری نگاہ میں تو یہ دنیا ہی جیل ہے

عیشِ دنیا میں بہت ہے کہ مصیبت ہے بہت ۔۔۔ اُس سے پوچھو جو کوئی پیر کہن سال ملے

امیدِ راحت اس دنیا میں تصویر خیالی ہے ۔۔۔ کہاں ہے جامِ عیش ایسا کہ جو تلخی سے خالی ہے

کارِ دنیا میں بھی یادِ مرگ غالب دل پہ ہے ۔۔۔ راہ ہے زیرِ قدم لیکن نظر منزل پہ ہے

غنچہ کھل جائے تو پھر زینتِ محفل نہ سہی — خود شگفتہ رہے گلدستے میں داخل نہ سہی
زاہدِ خشک کی صحبت سے میں گھبراتا ہوں — سوزِ دل جب نہیں پھر کچھ نہیں جاہل نہ سہی
چشمِ کم سے یہ بت اکبر کو جو دیکھیں دیکھیں — ہے وہ مقبولِ حرم دیر کے قابل نہ سہی

دل وہ ہے جو بلغِ ایماں کی ہوا سے بھول جائے — آخرت کی یاد میں دنیا کو بالکل بھول جائے
پیارے ہیں تو ذکرِ مکتب و مسجد فضول — کہہ دو لڑکے سے خریدے بیڈ اور اسکول جائے
پالسی کے باغ میں جھولے امیدوں کے بہت — جس کا جی چاہے وہ برسوں بے تکلف جھول جائے

ذہن عالی اور ہے جمعیتِ دل اور ہے — علمِ منزل اور ہے اور قربِ منزل اور ہے

مصرعہ بہت بلیغ یہ اُن کی غزل میں ہے — شیخی تو مسئلوں میں ہے جنت عمل میں ہے

بلا زینت بھی رنگیں دل کو راحت مل ہی جاتی ہے — کلی بیرونِ گلشن ہو تو وہ بھی کھل ہی جاتی ہے
بھروسا انتظامِ عافیت کا کیا ہے دنیا میں — کہ ہر بنیاد آخر اک دن ہل ہی جاتی ہے

تازگی رنگِ گلِ پژمردہ میں ممکن نہیں — کیا چلے بادِ صبا کی لطفِ شبنم کیا کرے
تھیوسوفسٹ پر کیا میں نے جو اظہارِ ملال — سُن کے صاحب نے کہا سچ ہے مگر ہم کیا کرے
انکشافِ رازِ ہستی عقل کی حد میں نہیں — فلسفی یاں کیا کرے اور سارا عالم کیا کرے
اکبر ظاہر حرص غالب ذکرِ حق دیوانگی — اس جگہ کوئی سرِ تسلیم کو خم کیا کرے
چاہتا ہوں صرف اک بوسہ دہانِ تنگ کا — خواہشیں اس سے زیادہ اب کوئی کم کیا کرے

خبر کب ہے عشقِ گیسو میں دلِ ناکام کی — دیکھتے ہو ہند میں حالت جو ہے اسلام کی
دیکھ کر تیری اُداسی ہائے اے شمعِ سحر — محو دل سے ہو گئی رونق چراغِ شام کی
واقعاتِ دہر سے دل بستگی کم کیجئے — پھر شکایت کم رہے گی گردشِ ایام کی

حضرتِ اکبر مرے کس کام کے — ہیں تو مسلمان مگر نام کے

لے گئی ایمان تیری چشمِ مست — اہلِ نظر رہ گئے دل تھام کے

خالق سے دل لگانا اسلام ہے تو یہ ہے — ہر کام میں توکّل بس کام ہے تو یہ ہے
کرتا ہوں اللہ اللہ اور دل میں ہوں سمجھتا — کام آئے مرتے دم بھی وہ نام ہے تو یہ ہے
تکلیف صبر سہئے آرام ہے تو یہ ہے — ناکردنی سے بچئے بس کام ہے تو یہ ہے

اس قدر گستاخ دل سے شدّتِ غم ہو گئی — آپ اپنے ساتھ ہمدردی مری کم ہو گئی
وہ طبیعت وہ امیدیں وہ مشاغل وہ نشاط — اب کہاں وہ بات تھی اک بزم برہم ہو گئی
دل تو پہلے ہی سمجھتا تھا کہ کچھ سمجھا نہیں — اب زباں بھی قائلِ واللہ اعلم ہو گئی
شاہدِ بزمِ ازل کے فیض کا کیا پوچھنا — خاک نے اتنی ترقی کی کہ آدم ہو گئی
ہو مسلمانوں کو شاید اب بھی عقبیٰ کا خیال — آخرت پر لیکن اب دنیا مقدّم ہو گئی

خدا کہاں ہے جواب اس کا ہر مقام میں ہے — نہ سمجھے کوئی تو کہدو کہ اپنے نام میں ہے
بغیر موت و مصیبت کے چل نہیں سکتا — عجیب راز یہ دنیا کے انتظام میں ہے

آنکھ محروم سہی لب پہ ترا نام تو ہے — تیری ہستی کا یقیں قاطعِ اوہام تو ہے
کہتی تھی سبز پری ہو کے سبھا سے خارج — راجہ اندر نہ سہی جلوۂ گلفام تو ہے
برہمن دل میں اگر رام سے کہتا ہے کہ آ — بات یہ خوب ہے اک صورتِ آرام تو ہے

ہمیں تو خامشی میں اپنے دل سے کام لینا ہے — زباں وہ بزم میں کھولیں جنھیں انعام لینا ہے
نہایت خوشنما کھولی ہیں راہیں آپ نے لیکن — وہ رکھیں پاؤں جنکو اپنے سر الزام لینا ہے

سنورتے تھے کہ اک عالم کی آنکھیں ہمکو دیکھیں گی — خبر کیا تھی ہماری مجلسِ ماتم کو دیکھیں گی

عالمِ معنی میں ہیں اتنا ہی ہم میں زور ہے — ہاتھ میں رعشہ ہے اب لیکن قلم میں زور ہے

سچی خوشی جہاں میں ہو بھی اگر تو کم ہے — بس غفلتیں ہیں طاری ورنہ نہیں تو غم ہے

میرا مسلک کچھ جدا ہے شیخ کے اسلام سے
یاں خدا سے کام ہے اس کو خدا کے نام سے

یاں نگاہِ خاص سے ہوتا ہے دل کو انبساط
اس کو راحت ملتی ہے فطرت کے فیضِ عام سے

عشوۂ ساقی کا یاں طالب ہوں میں بہرِ سرور
اخذ کر لیتا ہے وہ مستی کو دورِ جام سے

ہے کفیلِ کار میرا یاں جنونِ صلح خیز
واسطہ رہتا ہے اس کو عقلِ جنگ انجام سے

مست رکھتے ہیں اُسے جھونکے ہوائے باغ کے
کام املی سے نہ اکبر کو نہ مطلب آم سے

اگرچہ تکلیف نزع میں ہے سکونِ خاطر بھی کم نہیں ہے
کسی سے ملنے کی ہیں امیدیں کسی سے چھٹنے کا غم نہیں ہے

چشم و دل میں عکسِ دنیا کا ہجومِ عام ہے
مشتبہ ہنگامۂ ادراک کا انجام ہے

چشمِ ابراہیم و دیدِ انجم و شمس و قمر
اس کو کہتے ہیں نظر اور عقل کا یہ کام ہے

اتنے ساتھی اُٹھ گئے اس بزمِ غم انجام سے
دل کو شرم آنے لگی اب خواہشِ آرام سے

کہاں مولوں سے شریعت کا کام چلتا ہے
فقط زباں سے بزرگوں کا نام چلتا ہے

ہوئی طریقِ بزرگاں کی پیروی مفقود
بس اُن کے نام پہ لٹھ صبح و شام چلتا ہے

فلسفہ غم کا جسے معلوم ہے
ہو مبارک وہ اگر مغموم ہے

کر دیا اس کو بصیرت نے خموش
اب تو اکبر کی نظر کی دھوم ہے

مسلّم پر عمل کرنے سے غافل نفسِ اثم ہے
جدھر دیکھو وہی بحثیں ہیں جن میں لانسلّم ہے

کھلایا شیخ کو اس شوخ کے شیریں تکلم نے
مٹایا زہد کی خشکی کو اک موجِ تبسم نے

تصوف ہی باں کے دل میں حق کا نام لایا ہے
یہی مسلک ہے جس میں فلسفہ اسلام لایا ہے

حضرتِ اکبر کا ان روزوں بڑا ہی نام ہے
"پولو پونی" پر حدی خوانی انھیں کا کام ہے

نہ مدحِ بت سے نہ آرائشِ کلام سے ہے
مری زبان کی عزت خدا کے نام سے ہے

یہ معذرت تو ملاقاتیوں سے آپ کریں
مجھے تو کام فقط آپ کے سلام سے ہے

کیا پوچھتے ہو دل کو مرے کیا مقام ہے ۔۔۔ فطرت کے کارخانے میں غم کا گدام ہے

باغباں ہی کے یہ طالب ہیں ثمر اے غافل ۔۔۔ پختگی کی نہیں امید کچھ ان خاموں سے

الم ضعیف ہو لذت اگر عدم ہو جائے ۔۔۔ خوشی کو منھ نہ لگاؤ تو غم بھی کم ہو جائے

کیوں یہ کہہ ہے ہو ہر اک میں وہ اکبر جو ہم میں ہے ۔۔۔ تم کو کیا معلوم اکبر کون کس عالم میں ہے

ہمیں حکیں ہیں ابھریں عبث درپے ہوا س غم کے ۔۔۔ کرو حمدِ خدا سمجھو خدا چھکا تو ہم جسم کے

میں مستِ بادۂ عبرت ہوا ہوں اس تصور سے ۔۔۔ کہ دفتر بھی اب اک جا نہیں ہیں ساغرِ جم کے

ساری دنیا آپ کی حامی سہی ۔۔۔ ہر قدم پر مجھ کو ناکامی سہی

نیک نام اسلام میں رکھے خدا ۔۔۔ کفر کے حلقے میں بدنامی سہی

چھوٹے ہی دنیا میں ہوتے ہیں زیادہ کم بڑے ۔۔۔ سب مگر لڑتے ہیں اس پر تم بڑے یا ہم بڑے

صدیوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رہی ۔۔۔ لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

زور آزمائیاں ہوئیں سائنس کی بھی خوب ۔۔۔ طاقت بڑھی کسی کی کسی میں نہیں رہی

دنیا کبھی نہ صلح پہ مائل ہوئی مگر ۔۔۔ باہم ہمیشہ برسرِ پیکار کیں رہی

پایا اگر فروغ تو صرف اُن نفوس نے ۔۔۔ جن کی کہ خضرِ راہ فقط شمعِ دیں رہی

اللہ ہی کی یاد بہر حال خلق میں ۔۔۔ وجہِ سکونِ خاطرِ اندوگیں رہی

جس نے دل کو دے لیا ہے دل لگی کیو اسطے ۔۔۔ کیا تعجب ہے کہ تفریحاً ہماری جان لے

وہی الم وہی سوزِ جگر فغاں بھی وہی ۔۔۔ وہی زمین کا چلن دورِ آسماں بھی وہی

بھرا ہوا ہے مضامینِ غم سے مکتبِ دہر ۔۔۔ فلک کا کورس وہی میرا امتحاں بھی وہی

میں صاف گو وہ ستم گر خدا ہی خیر کرے ۔۔۔ مری زباں بھی وہی اور وہ بدگماں بھی وہی

نہ اُن سے میری صفائی نہ اُن سے میرا بگاڑ ۔۔۔ کدورتیں بھی وہی اور چنیں چناں بھی وہی

حرم نظر میں ہے قسمت ہے دیر سے اٹھی — خدا کا گھر بھی وہی بت کی شوخیاں بھی وہی
مذاقِ بزمِ احبا جو کچھ ہو اسے اکبر — مری زباں بھی وہی اور مرا بیاں بھی وہی

ہے منع ملاقات مری ہم نفسوں سے — فریاد کا موقع نہیں فریاد رسوں سے
تعداد وہی انگلیوں کی گو ہے بدستور — بیگانگی ساعد و بازو ہے وسوں سے
ہے حکم کہ جس پالسیوں کے ہو مطابق — اب کام بدن کو نہ رگوں سے نہ نسوں سے
چوری نہ کبھی کی ہے نہ کرنے کا ارادہ — پھر بھی یہ ضرورت ہے کہ بھاگوں عسسوں سے

خموش شمع صفت کیوں نہ ہو زباں میری — کہ خود ہی بزم میں روشن ہے داستاں میری
اگرچہ عقل سے کرتا ہوں میں حفاظتِ جاں — مگر نہ عقل مرے بس کی ہے نہ جاں میری

اگرچہ قدرت ہے بولنے کی مگر فسردہ دلِ حزیں ہے — عجیب حالت ہوئی ہے پیدا زبان باقی ہے منہ نہیں ہے
جہان فانی کی آنی وقعت تمھارے ہی فلسفے میں ہو گی — مرا عقیدہ تو یہ نہیں ہے کہ جو خدائی میں ہے یہیں ہے
نہیں ہے قومی چمن میں قائم جہاں ضرورت وہیں شگفتہ — دل اگ نکا گملے کا پھول ہے اب کبھی کہیں ہے کبھی کہیں ہے
بہت نہ رونے سے یہ نہ سمجھو کہ کم ہے جوشِ سرشک دل میں — یہ آنسوؤں کی کمی نہیں ہے رعایتِ ظرفِ آستیں ہے

مبارک ان کو جو حالاتِ طبقاتِ زمیں سمجھے — پہونچ وہ بھی گئے زیرِ زمیں جو کچھ نہیں سمجھے

بزمِ خراب میں بھی جو حزیں تھے حزیں رہے — دل اُس کا اس کے ساتھ ہے کوئی کہیں رہے
رکھیں نہ ہم سے دوست امیدِ نشاطِ طبع ، — گو انجمن وہی ہے ہم اب وہ نہیں رہے
پیدا زیادہ سب سے دلیلیں ہمیں نے کیں — اور شبے میں بھی سب سے زیادہ ہمیں رہے
کرتے تمام عمر چناں اور چنیں رہے — آخر میں کی نظر تو جہاں تھے وہیں رہے

یہ سانس نہیں ہے سینے میں اک پھانس بشر کی جان میں ہے
درد اُس کا مگر محسوس نہیں غفلت کا خمیر انسان میں ہے

دنیا کی امید اور اُس کے مزے دنیا کی چمک دنیا کی صدا
کب ہم کو سمجھنے دیتی ہے کس درجہ کمی ایمان میں ہے

جو ہجر کے معنی سمجھے ہیں ہے موت وصال ان کے حق میں
لیکن یہ سمجھ ہر اک کی نہیں یہ بات فقط عرفان میں ہے

فروغ دل اب نہیں ہے باقی وہ سوز و ساز اس میں اب کہاں ہے
یہ آہ و فریاد ہے جو لب پر بجھی ہوئی شمع کا دُھواں ہے

دل شکستہ میں ایمان رہ سکے تو رہے — اُجاڑ گھر میں یہ مہمان رہ سکے تو رہے
دل ضعیف کو چارہ نہیں ہے کفر سے اب — اگر زبان مسلمان رہ سکے تو رہے

ہمہ تن درد کا مضمون ہوا جاتا ہے — حالت ایسی ہے کہ دل خون ہوا جاتا ہے
اتفاق امر مصیبت کو میں سمجھا تھا مگر — اب وہ میرے لئے قانون ہوا جاتا ہے

رگ جاں پر ہے جب مضراب ہجراں میں کیا ہو گی — جہاں یہ سوز ہے اس ساز سے تسکین کیا ہو گی
کہاں اور کس طرف قائم کرو گے یادگار ان کی — دم آخر یہ ذکر ان سے کرو۔ یاسین کیا ہو گی
بتانِ دیر میں پرسش مری ہو یا نہ ہو اکبرؔ — جو ہو اعزاز کیا ہو گا۔ نہ ہو توہین کیا ہو گی

رندی میں ذرا خوف بتوں کا نہ کریں گے — ڈرنا کبھی ہو گا تو خدا ہی سے ڈریں گے
اس حُسن کے عاشق کو فنا ہو نہیں سکتی — جو آپ پہ مرتے ہیں وہ ہر گز نہ مریں گے

جائے تیری ہی محبّت میں مجھے وہ جان دے — عیش و کلفت میں رہے محفوظ وہ ایمان دے
منتشر رہتا ہے مکروہات دنیا سے بہت — اس دلِ مضطر کو یا اللہ اطمینان دے

خوب ہے مرگ و فنا سے جو مٹے میری خودی — اور اُسے وصلِ حق پر توِ عرفاں کر دے
گل کو کیوں اس کا الم ہو گا کہ وہ گل نہ رہا — ارتقا اُس کو اگر عارضِ جاناں کر دے

آپ کے لطف سے اللہ بچائے دل کو — ہم تو سمجھے ہیں بلا آپ کے احسان کو بھی

اللہ تو بے شبہ وہیں ہے کہ جہاں تھا — مسلم سے تو پوچھو وہ یہیں تھا کہ جہاں ہے

بحث کی خو اور ہے اور عشق یزداں اور ہے — رنگ مذہب اور ہے اور نور ایماں اور ہے

مہ وخورسے سواان کا رخِ گلفام روشن ہے — یہی جلوے وہ ہیں جن سے خدا کا نام روشن ہے

مرے دل پر ہے شمع صبح کی افسردگی چھائی — ترا رخ زلف میں مثلِ چراغِ شام روشن ہے

جو میری ہستی تھی مٹ چکی ہے نہ عقل میری نہ جان میری — ارادہ اُن کا دماغ میرا خیال اُنکا زبان میری

پیٹنا اچھا ہے سازِ سعی کا اس بزم میں — آدمی کو زندگی میں اک نہ اک دھن چاہیئے

ہو دسمبر میں مبارک یہ اچھل کود آپ کو — خون مجھ میں بھی ہے لیکن مجھ کو پھاگن چاہیئے

ہے تحتِ فلک میں جو زمیں ہے — دنیا ابھی جگہ نہیں ہے

شک اس میں نہیں کہ ہے وہی وہ — ہم میں لیکن ہمیں ہمیں ہے

کان میں بات بزرگوں کی سماتی ہی نہیں — ناک میں دم ہے جوانی کے خریداروں سے

ہو گئے شکم کے مطالب کے ترجماں — افسوس ہے کہ دل کے زباں اب نہیں رہے

سامنا ہو قیامت کا مجھے جینے میں ہے — کچھ نہ پوچھو کس قدر بیچین دل سینے میں ہے

کیا ثباتِ عمر بس اک جنبشِ فطرت کی دیر — زندگی کیا ہے فقط اک عکس آئینے میں ہے

اجل آپہونچی قبل اس کے کہ سمجھیں رازِ ہستی کا — بگاڑا موت نے ورنہ نہیں سمجھے بنے کیوں تھے

برسیر ہیں شیخ ہیں مسجد اُجاڑ۔ ایوان خالی ہے — کتب خانہ بھرا جاتا ہے اور میدان خالی ہے

یہ کچھ چاہیں سنائیں اور بتائیں وہ مرے دل میں — کہ ان روز وں ہے میری آنکھ بند اور کان خالی ہے

زبان و لفظ کا جلوہ فقط حدِ بیاں تک ہے — تسلسل موجِ معنی کا خدا جانے کہاں تک ہے

خدا کی راہ میں بے شرط کرتے تھے سفر پہلے — مگر اب پوچھتے ہیں ریلوے اس میں کہاں تک ہے

تمہارے مذہبی دعوے جو کچھ ہوں میں یہ دیکھوں گا
عقیدوں کا اثر فکرِ معیشت پر کہاں تک ہے

میں اپنے دل کی قیمت عرض کر ہی دونگا بالآخر
مگر ارشاد تو ہو آپ کی نیت کہاں تک ہے

خدا ہی کی ہدایت کرتی ہے نورِ یقیں پیدا
دلیلوں کی رسائی تو فقط وہم و گماں تک ہے

ہو ملت کے لیڈر سے وہ مذہب سے نہ ہو غافل
کہ قومی زندگی کچھ ہے تو بس اس نیم جاں تک ہے

ترقی خواہ دل کو آہ سوزاں چاہیئے اکبر
یہی شعلہ ہے جس کی بلندی آسماں تک ہے

جنوں کا ادعا حدِ تکلف میں نہ کر اکبر
گریباں چاک ہے تیرا اگر دیکھوں کہاں تک ہے

معنی کی گرہ کہاں کھلی ہے
الفاظ ہی کی دکان کھلی ہے

ہر واہ کی تہ میں ہے نہاں آہ
دم بند ہے اور زباں کھلی ہے

نظر نثارِ نقوشِ ظاہر ہے ہوش دنیا کا پاسباں ہے
جو یہ نگاہیں ہیں ایسا دل ہے تو آخرت کا پتہ کہاں ہے

اس بزم میں کیا آثار ملے ہنگامِ سحر سامانوں کے
اک داغ تھا شمع مردہ کا کچھ پر تھے پڑے پروانوں کے

ہستی کی یہ لہریں دم بھر میں نکلیں ان کا نہ اثر
گردابِ فنا میں غرق ہیں سب دریا ہیں رواں افسانوں کے

دل لذتِ نفس کا گرویدہ دنیا کی حقیقت پوشیدہ
اندھے ہیں قریبِ امیدوں کے طوفاں ہیں بپا ارمانوں کے

ہر گام پہ ہیں قبروں کے نشاں ہر سمت ہے اک عبرت کا سماں
اجڑا ہے محل آبادی کا آباد ہیں گھر ویرانوں کے

دولت میں جو شورِ عصیاں ہے بہتر ہے کہ قانع انساں ہو
غالب جو نہ ہوں شیطانوں پر تابع تو نہ ہوں شیطانوں کے

یہ مدعیِ اسلام تو ہیں ساتھی ہیں مگر بیگانوں کے
تقویٰ کی وہ بو ہے ان میں جو ہے رنگ نہیں ایمانوں کے

تھی عقل زباں پر لے اکبر اور عشق پہ رکھی ہم نے نظر
ممتاز رہے ہشیاروں میں سر خیل رہے دیوانوں کے

یوسف کو نہ سمجھے کہ حسیں بھی ہیں جواں بھی
شاید نرے لیڈر تھے زلیخا کے میاں بھی

ہمارا دل ہے عمارت کے ولولوں کے لئے
زمانہ کہتا ہے یہ سب ہیں زلزلوں کیلئے

ہنسنا بھی یہاں ہے رونا بھی دلکش بھی ہے دنیا فانی بھی

جینا بھی ہے اور آبادی بھی مرنا بھی ہے اور ویرانی بھی
اللہ ہی ہے ان لڑکیوں کا ثرفر بھی بنیں حد میں بھی رہیں
ہے کورس بھی ان کا اسکیمی اور پاس شدہ اُستانی بھی

جو انقلاب گذشتہ ہے اک کہانی ہے — جو انقلاب کہ درپیش ہے وہ فانی ہے
الجھ کے دامِ حوادث میں آخرت کو نہ بھول — جو خوش نصیب ہے اس نے یہ بات مانی ہے

ہادی کے کبھی پیرو نہ ہوئے ہاں اسکے لئے لٹھ تان سکے — مذہب نے ہمیں پہچان لیا ہم اُسکو نہیں پہچان سکے

کرے گا قدر جو دنیا میں اپنے آنے کی — اُسی کی جان کو لذت ملے گی جانے کی
نہ پوچھو بیٹھا ہوں کیوں ہاتھ پر میں ہاتھ دھرے — اٹھوں گا نبض ذرا دیکھ لوں زمانے کی
مزا بھی آتا ہے دنیا سے دل لگانے میں — سزا بھی ملتی ہے دنیا سے دل لگانے کی
گہر جو دل میں نہاں ہیں خدا ہی دے تو ملیں — اُسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی
یہ شرط ہے کہ کرو اتباعِ حکمِ رقیب — غضب یہ ہے کہ ضرورت ہے دل لگانے کی
خیالِ وسعتِ تحقیق تا کجا اکبر — کہ ہر نگاہ ہے محتاج اک فسانے کی

تم ایک رہ نہ سکے تو خوشی سے یوں بنے — یہاں تو کچھ نہ بنے۔ بے وقوف کون بنے

ایسا جو ہو تو شاید یہ دل رہے ٹھکانے — دنیا کو میں نہ جانوں دنیا مجھے نہ جانے

دیکھ ہی لیں گے نتیجہ کفر کا یہ خام طبع — تیری رونق اک دن اے ایمان ہو ہی جائے گی

کھانے سے اگر جینا ہوتا مرتے نہ کبھی کھانے والے — کھانا بھی خدا کے حکم سے ہے جینا بھی خدا کے حکم سے ہے
ایمان سے الفت رکھتا ہوں شیطان کو دشمن جانتا ہوں — الفت بھی خدا کے حکم سے ہے کینا بھی خدا کے حکم سے ہے
رہتا ہوں میں مستِ عہدِ ازل اک شیشۂ دل ہے زیرِ بغل — مستی بھی خدا کے حکم سے ہے پینا بھی خدا کے حکم سے ہے

ہر چند با اثر ہے تدبیر باغباں بھی — لیکن بہار بھی ہے اک چیز اور خزاں بھی

دورانِ سر کی اپنے میں کیا کروں شکایت
گردش میں ہے زمیں بھی چکر میں آسماں بھی

تمناؤں کی حالت کچھ نہ پوچھو دل کے بجھنے پر
اندھیرے میں نہیں معلوم پروانوں پہ کیا گذری

صدی ہے چودھویں اور انقلابوں کی نہیں کچھ حد
خدا ہی کو ہے علم اس کا مسلمانوں پہ کیا گذری

تجھے کو بھلا کے آپ فقط ہیں کو دیکھئے
ہم کا زمانہ اب نہ رہا میں کو دیکھئے

عیش فردا کی امیدیں دایہ ہیں
طفل طبعوں کو کھلانے کے لئے

جان اُڑی جاتی ہے حس موجود ہے دل خون ہے
نزع طاری ہوش حاضر یہ عجب مضمون ہے

عبادت ترک ہے اور بے طرف تعرے ہیں تو مو کے
تماشے مشرقی تبلون ہیں ہیں مغرب کے جادو کے

چل بسے اسباب غفلت چشم عبرت رو چکی
میری ہستی تھی ہی کیا اور تھی جو کچھ وہ ہو چکی
خواب آور ہو نہیں سکتا بیانِ عاشقاں
ہے اگر افسانہ گو مجنوں تو لیلیٰ سو چکی
خوانِ الوانِ فلک سے کم کر اک براب اُمید
صبر کر نانِ جویں پر تیری باری ہو چکی

شگفتہ کس قدر بیلا ہے کتنی مست جوہی ہے
ترا ہی رنگ ہے گلشن میں خوشبوؤں میں توہی ہے
خدا کے شوق کا جن پر اثر ہو دینی وہ ہیں
خدا کے نام کی ہم میں تو خالی گفتگو ہی ہے
دل اپنا دوست ہو کر جب دھوکھا تا ہے غلط راہیں
تو اُن کی آنکھ کو میں کیا کہوں وہ تو عدو ہی ہے

اکبر تم اگر شرک خفی پر بھی ہنسو گے
سب تم سے الگ ہونگے مصیبت میں پھنسو گے

ہوا اِس غرق حیرت کو مجالِ گفتگو کیا ہے
میں کب کہتا ہوں میں وہ ہوں یہی کہتا ہے تو کیا ہے

کوئی ہنس رہا ہے کوئی رو رہا ہے
کوئی پا رہا ہے کوئی کھو رہا ہے
کوئی تاک میں ہے کسی کو ہے غفلت
کوئی جاگتا ہے کوئی سو رہا ہے
کہیں ناامیدی نے بجلی گرائی
کوئی بیج امید کے بو رہا ہے
اسی سوچ میں میں تو رہتا ہوں اکبر
یہ کیا ہو رہا ہے یہ کیوں ہو رہا ہے

دل تو ہے پاس مرے عقل پہ قابو نہ سہی — شہرتِ قیس تو حاصل ہے ارسطو نہ سہی

اللہ کی تلاش جو ہو کھو بھی جائیے — جو کہہ رہے ہیں آپ یہی ہو بھی جائیے
بیداریٔ حواس ہے ظلمت کدے میں بار — افسانہ سن لیا ہے تو اب سو بھی جائیے

اے چرخ مجھے دیر سے اکراہ کہاں ہے — لیکن بُتِ خود بیں کی طرف راہ کہاں ہے
اسلام کے دعوے سے میں باز آتا ہوں صاحب — یہ کون بتائے تمھیں اللہ کہاں ہے
سروس میں ہیں داخل نہیں۔ ہوں قوم کا خادم — چندوں کی فقط آس ہے تنخواہ کہاں ہے

فسانے رہ گئے وہ ہیں نہ ان کا جاہ باقی ہے — وہی دنیائے فانی ہے وہی اللہ باقی ہے
مجھے دشوار ہے ان غافلوں کا ہم نوا ہونا — مرے سینے میں جب تک ہے دلِ آگاہ باقی ہے

وہ قبلہ رو ہیں جنھیں رو براہ ہونا ہے — بھٹک گئے ہیں وہ جن کو تباہ ہونا ہے
جو آج ساکت و خائف ہیں ساتھ طاعت کے — انھیں کو حشر میں سب پر گواہ ہونا ہے

خرد نے ذہن کی حالت تباہ پائی ہے — خدا کے نام میں دل نے پناہ پائی ہے
رہا نہ ہوش میں تقویٰ جدھر اٹھیں آنکھیں — بُتِ حسیں نے غضب کی نگاہ پائی ہے
یہ عشق ہی ہے کہ منزل ہے جس کی الا اللہ — خرد نے صرف رہ لا الہ پائی ہے

دخط الحاد کہو واہ نہیں ہے نہ سہی — تم سلامت رہو اللہ نہیں ہے نہ سہی
شبِ غفلت میں نہ ہو روزِ ازل کا پرتو — لمپ بجلی کا تو ہے ماہ نہیں ہے نہ سہی
ہے گدام آپ کا مسجد کی ضرورت کیا ہے — پیٹ تو ہے دلِ آگاہ نہیں ہے نہ سہی
ہے برس پانے قلم کے لئے موجود ے دوست — سر کو سجدے سے اگر راہ نہیں ہے نہ سہی

جس کے سینے میں دلِ آگاہ ہے — اس کے لب پر اللہ ہی اللہ ہے
منزلِ قومی سے آتی ہے صدا — جو نہیں ہے قبلہ رو گمراہ ہے

سار ی دنیا کو جو چھوڑے بہر حق — سار ی دنیا میں اُسی کی واہ ہے
لا الٰہ آسان ہے سائنس میں — فلسفے میں مشکل الّا اللہ ہے
قبر پر کر اک تعمق کی نظر — بحرِ ہستی کی یہیں پر تھاہ ہے
دورِ قرآن و تجارت ہو چکا — اب زمینداری ہے یا تنخواہ ہے

حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی — اب ہے شمعِ انجمن پہلے چراغِ خانہ تھی

قدمِ شوق بڑھے راہ ملے یا نہ ملے — ماسوا ترک کر اللہ ملے یا نہ ملے

بلائے جب شعلۂ تحیر تو ذہن ڈھونڈے پناہ کس کی — یہ کس کے معنے ہوئے ہیں ثابت یہ صورتیں ہیں گواہ کس کی
یہ شیم لیلیٰ کہاں سے آئی یہ قلب مجنوں کہاں سے اُبھرا — جو باخبر ہیں انھیں خبر ہے نگاہ کس کی ہے آہ کس کی
جمالِ فطرت کے لاکھ پرتو قبول پرتو کی لاکھ شکلیں — طریقِ عرفاں میں کیا بتاؤں یہ راہ کس کی وہ راہ کس کی
یہ کس کے عشووں کا سامنا ہے کہ لذتِ ہوش ہوگئی گم — خودی سے کچھ ہو چلا ہوں غافل بڑی ہے مجھ پر نگاہ کس کی

قدم رکھتا ہے وہ اس میں جسے جو راہ ملتی ہے — صداقت ہو تو ہر سوداد خاطر خواہ ملتی ہے

اب زباں ساکت ہے خوفِ سامعِ بدخواہ سے — دل یہ کہتا ہے ملے گی چپ کی داد اللہ سے

اب کہاں وہ راحت دلخواہ اُٹھتے بیٹھتے — کرلیا کرتے ہیں یا اللہ اٹھتے بیٹھتے

ابتدا میں غفلتوں پہ واہ ہے — انتہا میں اللہ ہی اللہ ہے

محوِ کار اس بزم میں ہر شمع ہر پروانہ ہے — حسرت اس پر ہے جو صرفِ قصہ و افسانہ ہے

ہیں ست اُس مئے میں جو ہم نے چکھ لیا ہے — صرّاف کی نظر نے ہم کو پرکھ لیا ہے
اغیار کے عمل کو ہوں گے کچھ اور میداں — ہم کو تو اب فلک نے کالج پہ رکھ لیا ہے

دل میں تو ضعفِ عقیدت کو کبھی راہ نہ دے — کوئی کچھ دے نہیں سکتا اگر اللہ نہ دے

شاعر جو ملازم ہو اکبر دو قافیتیں اس کا ہے لقب — پوچھو گے یہ کیوں توضیح سنو تنخواہ بھی ہے اور واہ بھی ہے

میں تو کہتا ہوں کہ یار واللہ ہی اللہ ہے
منکروں کو اس صدا سے صدمۂ جانکاہ ہے

وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم بھی تو ہیں اللہ کے سوا
ماسوا کی فکر سے پھر کیوں تجھے اکراہ ہے

بات ثانی میں نے یہ کہہ کر کہ وقتِ احتیاج
میرا مسلک بھی وہی ہے جو تمہاری راہ ہے

نہیں وقوعِ حوادث میں کچھ یہاں غلطی
یہ بات یونہی ہے جو تیرے دل میں ہو کہہ لے

ہزار بار جو وقتِ گذشتہ پھر آئے
ہزار بار وہی ہو جو ہو چکا پہلے

خدا کی یاد ہے طاقت ہماری
مصلّے ہے ہمارا تختِ شاہی

ہماری فوج ہے اخلاقِ حسنہ
ہمارا حصن ہے ترکِ مناہی

بلند اپنی نظر ہے فضلِ حق سے
کرے گی کیا کسی کی کم نگاہی

اس کا بیسجنا ہے اور اس کے ہیں بھپارے
یورپ نے ایشیا کو انجن پہ رکھ لیا ہے

اس خوانِ مغربی سے بچتا ہے کون لیکن
حضرت نگل رہے ہیں بندے نے چکھ لیا ہے

ہے ہوائے چمن و ہر انھیں کے رُخ پر
ان کے کھلنے کے یہ دن ہیں مرے مرجھانے کے

آپ کے عارض کے آگے کیا جچے گا اس کا رنگ
گل جو گلشن میں سنورتا ہے سنورنے دیجئے

ہو چکا بسمل۔ کہاں تک آفریں ہر وار پر
واہ کی طاقت نہیں اب مجھ کو مرنے دیجئے

جی رہا ہوں میں فقط اب انتظارِ مرگ میں
سانس لینا رہ گیا ہے جان دینے کے لئے

عبث اظہارِ خودی میں ہے یہ مستی میری
وقت کے ساتھ اڑی جاتی ہے ہستی میری

خس و خاشاک بھی ہو جاتے ہیں شعلے سے بلند
سوزِ باطن کے نہ ہونے سے ہے پستی میری

حریفوں کے لئے ہنگامۂ مشقِ قوافی ہے
یہاں انشائے دل کو آہ کا مصرع بھی کافی ہے

کہا جب میں نے ہوں بیمار تیری چشمِ فتاں کا
بُتِ طنّاز نے ہنس کر کہا اللہ شافی ہے

ان آنکھوں نے بہت نیرنگیاں فطرت کی دیکھی ہیں
مرے دل نے بہاریں عالمِ حیرت کی دیکھی ہیں

خود ناتوان و مضطر اوروں کے رنگ پھیکے ۔۔۔ کر رکھیں کیا کسی کو کیا ہو رہیں کسی کے

غم و شادی کی نیرنگی دلیلِ خود پرستی ہے ۔۔۔ وہی دل خوب ہے جس کو فقط ہستی کی مستی ہے

وجد میں آئے حیرتوں میں رہے ۔۔۔ عجز کے ساتھ لب کشائی کی
بندگی کا صلا ملے نہ ملے ۔۔۔ داد دے دی مگر خدائی کی

ہر قدم کہتا ہے تو آیا ہے جانے کے لئے ۔۔۔ منزل ہستی نہیں ہے دل لگانے کے لئے
کیا مجھے خوش آئے یہ حیرت سرائے بے ثبات ۔۔۔ ہوش اُڑنے کے لئے ہے جان جلنے کے لئے
دل نے دیکھا ہے بساطِ قوّت ادراک کو ۔۔۔ کیا بڑھے اس بزم میں آنکھیں اُٹھانے کے لئے
خوب امیدیں بندھیں لیکن ہوئیں حرماں نصیب ۔۔۔ بدلیاں اٹھیں مگر بجلی گرانے کے لئے
سانس کی ترکیب پر مٹی کو پیار آ ہی گیا ۔۔۔ خود ہوئی قید اس کو سینے سے لگانے کے لئے
جب کہا میں نے بھلا دو غیر کو ہنس کر کہا ۔۔۔ یاد پھر مجھ کو دلانا بھول جانے کے لئے
دیدہ بازی وہ کہاں آنکھیں ہاگزتی ہیں بند ۔۔۔ جان ہی باقی نہیں اب دل لگانے کے لئے
مجھ کو خوش آئی ہے مستی شیخ جی کو فربہی ۔۔۔ میں ہوں پینے کے لئے اور وہ ہیں کھانے کے لئے
اللہ اللہ کے سوا آخر رہا کچھ بھی نہ یاد ۔۔۔ جو کیا تھا یاد سب تھا بھول جانے کے لئے
سُر کہاں کے ساز کیسا کیسی بزم سامعیں ۔۔۔ جوشِ دل کافی ہے اکبرؔ تان اُڑانے کے لئے
انتساب ایسے کمالوں کا شکم سے چاہیئے ۔۔۔ جن کو تم حاصل کرو روٹی کمانے کے لئے

ٹپکتے ہیں وہ مضمونِ جنوں نامیرے خامے سے ۔۔۔ کہ اکثر ہوش ہو جاتا ہے باہر اپنے جامے سے

نہ تعلق ہے کسی سے نہ شناسائی ہے ۔۔۔ انجمن میں ہوں مگر عالم تنہائی ہے
حسنِ بُت یہ ہے تو اب یاد خدا کی نہیں خیر ۔۔۔ یہ ادا ہے تو نمازوں کی قضا آئی ہے
محوِ حیرت وہ ہے اس پر ہے خموشی کی بہار ۔۔۔ آنکھ نرگس کی ہے سوسن نے زباں پائی ہے

طلب عشق کا اک جوش ہے فطرت سے عیاں — جس طرف دیکھئے طوفان خود آرائی ہے
عشوہ دہرے ہیں مست بدن میں جانیں — کم ہیں جو سوچ رہی ہیں کہ قضا لائی ہے

یہ مصیبت ناتوان دل نے کبھی دیکھی نہ تھی — پہلے بھی تکلیف اس کو تھی مگر ایسی نہ تھی
بے حواسی ہیں نہیں کچھ سمجھا نہیں اے ہم نشیں — کیا دلِ پُرغم مرا اثر پا تھا یہ بجلی نہ تھی
فلسفی کی بات بھی میں نے سنی واعظ کی بھی — جانب حق رہ نما وہ بھی نہ تھی یہ بھی نہ تھی

مری دنیا جو تھی وہ ہوچکی کل اک کہانی تھی — کوئی کہتا ہے فانی ہے میں کہتا ہوں کہ فانی تھی

عدو کی کید ہو حامی تو بے کسی اوسلے — جو وصل ذوق شکن ہو فراق ہی اوسلے
رقیب سرٹیفکٹ دیں تو عشق ہو تسلیم — یہی ہے عشق تو اب ترک عاشقی اوسلے
خدا ہی سے ہو امید اور وہ بھی عقبیٰ میں — یہی ہے خوب مناسب یہی۔ یہی اوسلے
قظام مدعیِ رہبری کو دیکھ اکبر — مری نظر میں تو یہ تیری ابتری اوسلے

مذہب کے یہ مباحث نکلے ہیں ہسٹری سے — ان کو ہے کیا تعلق وحدت کی مسٹری سے

رہ مقصود میں ہم بھی کبھی انجن چلاتے تھے — مگر پتھر کے کولوں کے عوض بُت جھونکے جاتے تھے

البتہ خلوص دل سے حاضرہ۔ تری خدمت — کسی دن مستحق الطاف سلطانی کی ٹھہرے گی
ذرا سیر بہارِ عالمِ فانی کی ٹھہرے گی — نشاط افزا ہے منزل کچھ نقشے پانی کی ٹھہرے گی

حجاب تمکنت کو دور کرنا ہے زبیدہ سے — سوا اس کے جو باتیں ہیں فقط اک پردہ پوشی ہے

اب میری زندگی میں نہیں نور انبساط — یہ شمع جل رہی ہے مگر ہے بجھی ہوئی
جس پر پڑے گی سخت مصیبت زمانے میں — جو کچھ کہے گا ہوگی ہماری کہی ہوئی
سب کو فنا خدا کو بقا بات حق یہ ہے — میں کیا کہوں گا ہے یہ خدا کی کہی ہوئی
مرنے میں اس خیال سے تسکین ہے بہت — لی میری جاں اسی نے کہ تھی جس کی دی ہوئی

میری نگاہ شوق پڑی خوش ہوئے یہ بت ۔۔۔ اک چیز مفت مل گئی ان کو بڑی ہوئی

مٹ گئے ہیں مگر اک نقش ابھی باقی ہے ۔۔۔ آنکھ مایوس ہے شوریدہ سری باقی ہے
آنکھ سے نور گیا دل سے گیا صبر و قرار ۔۔۔ جان بھی جسم سے رخصت ہو یہی باقی ہے
ان مصائب میں بھی مایوس نہیں ہوں اکبرؔ ۔۔۔ قید ہستی سے رہائی کی خوشی باقی ہے

فغان و آہ کی لذت جو دل ہلے تو ملے ۔۔۔ نشانِ نکہتِ گل جب کلی کھلے تو ملے
وہ باغ حسن ہیں لیکن ہے بند غنچۂ لب ۔۔۔ مزا چمن کا اگر یہ کلی کھلے تو ملے
ہوئی جو صلح تو اب احتیاط یہ کیسی ۔۔۔ تکلفات کو تہ کیجئے ملے تو ملے
میں شکوہ کرتا تھا سو جہ سے نہ ملتے تھے ۔۔۔ جو ترک کر دئے میں نے وہ سب گلے تو ملے
ابھار رہا ہے تو زخموں کو اپنے اے اکبرؔ ۔۔۔ پر اُس کا لطف کوئی زخم اگر چھلے تو ملے

زبانیں بحث میں اُلجھی ہیں حیرت دل پہ چھائی ہے ۔۔۔ حدیثوں میں مذاہب ہیں حوادث میں خدائی ہے

شکل اطمینان کم اس عالمِ فانی میں ہے ۔۔۔ کامیابی بھی جہاں ہے اک پریشانی میں ہے
دولتِ دنیا کی کیا لذت ہے اہل جور کو ۔۔۔ ساری قوت صرف جب اسکی نگہبانی میں ہے
حضرت اکبرؔ کو مشکل ہے بیان حالِ دل ۔۔۔ گو یہ سنتا ہوں کمال اُن کو سخن دانی میں ہے

ہند میں تو مذہبی حالت ہے اب ناگفتہ بہ ۔۔۔ مولوی کی مولوی سے روبکاری ہو گئی
اک ڈنر میں کھا گیا اتنا کہ نکلی تن سے جان ۔۔۔ خدمت قومی میں بارے جاں نثاری ہو گئی
اپنے میلانِ طبیعت پر جو کی میں نے نظر ۔۔۔ آپ ہی اپنی مجھے بے اعتباری ہو گئی
نجد میں بھی مغربی تعلیم جاری ہو گئی ۔۔۔ لیلیٰ و مجنوں میں آخر فوجداری ہو گئی
سازِ عیش مغربی کی دل نوازی کچھ نہ پوچھ ۔۔۔ میں نے جس مس کو یہاں چھیڑا ستاری ہو گئی

اس انجمن میں آکر راحت نصیب کس کو ۔۔۔ پروانہ بھی جلے گا اور شمع بھی جلے گی

دنیا اُبھارتی ہے آج اپنے عاشقوں کو ‏ مرجائیں گے تو ان کا کل نام بھی نہ لے گی
دنیا کی آرزو سے خالق بچائے دل کو ‏ پیدا ہوئی تو پی کر خون جگر پلے گی
عبرت زدہ جو دل ہو ارمان اس میں کیسے ‏ بجلی گری ہو جس پر وہ شاخ کیا پھلے گی
جنت بنا سکے گا ہرگز کوئی نہ اس کو ‏ دنیا یونہی چلے ہے اکبؔر یونہی چلے گی

بس عشق و وفا ہی کی مرے دل میں ٹھنی ہے ‏ ناصح کی میں سنتا نہیں ہو جو شدنی ہے
پردے نے میاں ہم کو بنا رکھا ہے اب تک ‏ بگڑی ہوئی حالت ہے مگر بات بنی ہے

ہے زندگی اُسی کی مخبر جہان فانی ‏ جس نے فنا کو سمجھا مرنے کی قدر جانی
طوفان جوش دل کی آنسو میں اک جھلک ہے ‏ موتی میں کیا دھرا ہے بس ایک بوند پانی
ہستی آخرت سے امید ہے بہت کچھ ‏ بہتر کشد ز اوّل نقاش نقش ثانی
رکھی رہی نصیحت نافذ ہوئی مشیّت ‏ کس نے سنی کسی کی اور کس نے کس کی مانی

جہاں تک اپنے لئے ہو وہ میں کی مستی ہے ‏ جو کچھ خدا کے لئے ہوں وہ اصل ہستی ہے
نہیں ہے نشۂ وحدت میں خوف زلف بتاں ‏ جو ہوش میں ہیں یہ ظالم انھیں کو ڈستی ہے
نہ بھول شہر خموشاں کا نقشہ اے کالج ‏ خیال رکھ کہ یہی ہسٹری کی بستی ہے
بتوں کو مجھ سے توقع ہے مدح کی اکبؔر ‏ یہ سن لیا ہے کہ اردو زبان سستی ہے

نہایت فکر گو مذہب کو ہے خوش انتظامی کی ‏ نہیں ہے موت کو پروا کچھ اپنی نیک نامی کی
طلب تحسین کی کیوں تجھ کو ہے بزم حریفاں سے ‏ سرور طبع خود ہے داد تیری خوش کلامی کی
تمھارا انتظام دل اگر روشن نہیں اکبؔر ‏ تو بتیوں کو نہ چمکائیں گی ترکیبیں نظامی کی

اللہ اللہ کتنی نازک وہ رنگیلی ہو گئی ‏ نام ہی ہے سے کاسن کر نیلی پیلی ہو گئی
سایۂ مغرب میں شوق دل نے پھیلائے تو پاؤں ‏ چار ہی دن میں مگر پتلون ڈھیلی ہو گئی

جماعت منتشر ہو فطرتی مجلس تو باقی ہے — زبانیں بند کر دو دل کے اندر حس تو باقی ہے
اسی کا رنگ حسرت دیکھ کر بہلائیں گے دل کو — چمن سے گل اگر رخصت ہوا نرگس تو باقی ہے
یہ مصرعہ قافیہ ہی کے لئے ہے خوب اے اکبر — جو اُجڑا لکھنؤ کچھ غم نہیں پیرس تو باقی ہے

ملا نا خاک میں فطرت جب اپنی دل لگی سمجھے — تعجب ہے کہ تو اس زندگی کو زندگی سمجھے

یہ عجیب عمل ہے عجب اثر یہ عجیب نقش ابھر گئے — جو پچے بہت تو بچے ذرا جو کھری کھی تو دھرے گئے
تری بزم اکبر خوش بیاں ہے محل فرحت دوستاں — جو ملول آئے وہ خوش گئے جو فسردہ آئے ابھرے گئے

قومی ترقیوں کی زمانے میں دھوم ہے — مردانے سے زیادہ زنانے میں دھوم ہے

تیزیاں کرتے ہیں قانون بدلنے والے — زحمتیں سہتے ہیں قانون پہ چلنے والے

ادھر فریاد بلبل ہے کہ یہ سب رنگ فانی ہیں — ادھر رونا ہے شبنم کا کہ گل کی یہ ہنسی کیسی
کبھی خوان فلک سے کوئی نعمت میں نے چکھی تھی — مگر یہ بھی نہیں یاد اب کہ لذت اسکی تھی کیسی
تماشائے جہاں اے بیخبر تجھ کو مبارک ہو — یہاں دل داغ حسرت سے بھرا ہے دل لگی کیسی
جہاں گھر تھا وہاں قبریں جہاں دل تھا وہاں شعلے — یہ ماتم خیز منظر سامنے ہے خوش دلی کیسی
گل مضموں سے اکبر رنگِ خونِ دل ٹپکتا ہے — تری حالت یہ کیا ہے یہ غزل تو نے کہی کیسی

نہ سہی لطف مجسم گھی ہی سہی — شیخ صاحب مہنت جی ہی سہی
زندگی کو ضرور ہے اک شغل — خیر بالفعل لیڈری ہی سہی

دین آخرت کا واعظ دنیا ہوس کی بانی — جھگڑے میں پڑ گئی ہے انساں کی زندگانی
الفاظ سے نہیں ہے تسکین اس کے دل کو — اکبر پہ رحم فرما اے خالقِ معانی

قصیدے سے نہ چلتا ہے نہ یہ ذوہے سے چلتا ہے — سمجھ لو خوب کار سلطنت لوہے سے چلتا ہے

کبر بھی شرک ہی کی مستی ہے — خود پرستی بھی بت پرستی ہے

بھنڈا سے دوں گا یہ خوشی سیدھا جو گروجی مانگیں گے — ہاں کام ذرا ٹیڑھا ہوگا بسکٹ کو جو سوجی مانگیں گے

مشتاق نہیں ہیں زندگی کے — مرنا ہے تو کیا کریں گے جی کے
پائی نہ کسی میں بو وفا کی — چاہا تھا کہ ہو رہیں کسی کے
توحید کا مسئلہ ہے اصلی — باقی ہیں شگوفے مسٹری کے
رندی کس کام کی یہ اکبر — ملتے نہیں جب کسی سے پی کے

گل ہوا چاہتی ہے شمع حیات — اب خدا ہی سے لو لگائی ہے

تعارف باہمی مخلوق کا تاریک و ناقص ہے — خدا ہی کو ہے پوری آگہی ہر اپنے بندے سے

صرف اللہ ہی کی یاد میں مستی اچھی — خود پرستی سے مگر گور پرستی اچھی

دامنِ گل پھیل کر اس باغ سے کیا لے گئے — ہو گئے نظرِ خزاں اور داغ حسرت دے گئے
مردوں پر روتے نہیں روتے ہیں اپنے حال پر — "رہ گیوں" پر ہے مصیبت جو گئے اچھے گئے

صورتِ فانی سے آخر کیوں نہ پہچانے گئے — مجھ کو حیرت ہے کہ یہ بت کیوں خدا مانے گئے
بزم دنیا میں فقط صورت پرستی رہ گئی — وہ جمالِ شاہد معنے کے دیوانے گئے
اک زمانے میں یہ خواہش تھی کہ جانیں ہم کو لوگ — اب یہ رونا ہے کہ ہم کیوں اس قدر جانے گئے
بوئے چپراسی جو میں پہونچا بامید سلام — پھانکیے خاک آپ بھی صاحب ہوا کھانے گئے
مجھ میں اظہارِ محبت اُن میں اظہار کمال — میں وہاں رونے گیا اور وہ کہیں گانے گئے

کامیابی ہو گئی تو بے وقوفی پر بھی ناز — اور جو ناکامی ہوئی تو عقل بھی شرمندہ ہے

شیخ صاحب آپ کو شیریں مقالی چاہیے — وعظ اُلفت چاہیئے اور خوش خیالی چاہیئے
طعن میں غمزے ہیں نخوت میں نہیں ہے بہتری — مدعیٔ نورِ حق کا ظرف عالی چاہیئے

تنہائی میں دل گھبراتا ہے صحبت میں لڑائی ہوتی ہے — دنیا کی روش کم ہی کسی بھی ہو کچھ اس میں بُرائی ہوتی ہے

پرستش اُس بُتِ عیار کی کس کو خوش آتی ہے　　کوئی کیا شوق سے کرتا ہے مجبوری کراتی ہے

ہمارے ذہن کو اس مصرعِ اکبرؔ پہ مستی ہے　　خوش اخلاقی عبادت ہے خوشامد بت پرستی ہے

چپکا کھڑا ہوں اپنی تباہی کے سامنے　　کہنا جو ہے کہوں کا خدا ہی کے سامنے
ہوں ہر نفس میں اپنے خدا ہی کے سامنے　　کیسی دلیل دل کی گواہی کے سامنے

میں کسی بات کا نہیں خوگر　　صرف عادت ہے سانس لینے کی

اُن کو بسکٹ کے لئے سوجی کی تھیلی مل گئی　　کیمپ میں غل مچ گیا مجنوں کو لیلیٰ مل گئی

پڑے ہیں بسترِ غم پر نہ دانا ہے نہ پانی ہے　　نظر تک اُٹھ نہیں سکتی یہ زورِ ناتوانی ہے
چمن کا رنگ جوشِ موسمِ گل میں معاذ اللہ　　خدا حافظ نگاہوں کا حسینوں کی جوانی ہے

قدر دانِ طرز و وضعِ عہدِ شاہی کون ہے　　لاکھ تھے اَب آپ کو اب پوچھتا ہی کون ہے
اب میں چندے میں بہ غرقی بھی کروں گا نذرِ قوم　　سترِ کیسا میری جانب دیکھتا ہی کون ہے
لیڈروں کی دھوم ہے اور فالور کوئی نہیں　　سب تو جنرل ہیں یہاں آخر سپاہی کون ہے

ان سے بوسا مانگتا ہوں اُن سے ووٹ　　بت بھی مجھ سے تنگ ہیں اور شیخ بھی

تھے معزز شخص لیکن اُن کی لائف کیا لکھوں　　گفتنی درجِ گزٹ باقی جو ہے ناگفتنی

نفس سے بچنے کی انساں چارہ جوئی کیا کرے　　فطرتی رہبر یہی ہے اس کو کوئی کیا کرے

کاہلی کرنے کی فرصت مل ہی جاتی ہے مجھے　　رشک آتا ہے عدیم الفرصتی پر وقت کی

گو دونے ملایا خاک میں بھی او غم نے بھی گھیرا غفلت کو　　بایں ہمہ کشر ان اجالا کچھ روز تنے اور خوش بھی لہے
صیاد ہنر دکھلائے اگر تعلیم سے سب کچھ ممکن ہے　　بلبل کیلئے کیا مشکل ہے اُلّو بھی بنے اور خوش بھی رہے

تکلم سے حضرتِ انساں نجات پا نہ سکے　　اب اپنے پیٹ میں ہیں پہلے ماں کے پیٹ میں تھے
عالمِ وحدت میں کثرت رنگ دکھلانے لگی　　ہوش کے ٹکڑوں سے ہیں ہیں کی صدا آنے لگی

حضرتِ اکبر نے فرمایا یہ خوب — داد کے قابل ہے یہ فرزانگی
عذر ہم کو کچھ غلامی میں نہیں — ہے فقط تکلیف وہ بیگانگی

٭

موج ہے دل میں مرے قافیہ پیمائی کی — جائے گنگا پہ کہا کرتا ہوں جے مائی کی

٭

آنکھیں ساقی کی تھیں رسیلی — اب تک میں بچا تھا آج پی لی
پھاڑے مغرب نقابِ نسواں — مشرق نے تو آنکھ اپنی سی لی

٭

بولی فطرت دل و زباں دیکھو — یہ ہمارا ہے وہ تمھاری ہے
ذمہ داریٔ بیش خلق اس پر — اس کا شاہد جنابِ باری ہے

٭

اب ہے ساون کا سماں اور یہ جولائی ہے — یہ ہوا خوب کہ بیلے کی بھی بُولائی ہے

٭

قوتِ ایماں سے کہدو سب کو سمجھاتی رہے — نیکیاں کثرت سے ہوں مغلوبیت جاتی رہے

٭

ہم سے چھین کر ہوگئی بزم ترقی کے سپرد — سچ کہا مرزا نے اب اُردو بھی کورٹ ہوگئی

٭

خوشامد ہے بیجا دنائت ہے چغلی — دل و دیں کی بیشک تباہی یہی ہے
فسادات کے تم نہ حامی ہو ہرگز — گورمنٹ کی خیر خواہی یہی ہے

٭

بہتر سمجھے ہو تم جو خاموشی کو — یہ کبھی نہ کہو کہ خامشی بہتر ہے

٭

غفلتوں کا خوب دیکھا ہے تماشا دہر میں — مدتیں گذری ہیں مجھ کو ہوش میں آئے ہوئے
خانۂ دل کو مرے توڑا تو کیا ایسی نمود — چشم بد دور آپ تو ہیں مسجدیں ڈھائے ہوئے
سیٹھ صاحب کے یہاں شادی ہے رندوں کو نوید — اچھے اچھے طائفے ہیں شہر میں آئے ہوئے
بائی جی نے سچ کہا لاؤ کوئی تازہ غزل — گیت کیا گاؤں گراموں فون میں گئے ہوئے
ہوچکی دو دن کی شادابی اُڑا رنگِ بہار — پھول ہیں سوکھے ہوئے غنچے ہیں مرجھائے ہوئے

٭

شیروں نے شتربن کے اٹھایا ہے اُنکا بار — بکری بنے ہوئے ہیں طرف دار گائے کے

فاتح کے سامنے نہیں رہتے تعصبات — آخر مطیع ہوتے ہیں سب اُس کی رائے کے

اچھے وہی جو شوق الٰہی میں محو ہیں — تم کر ہی کیا رہے ہو بجز ہائے ہائے کے

ہمیں خدا کے لئے ہیں بیشک خدا ہمارے لئے نہیں ہے — قضا پہ راضی ہوں اور حسینی ہم فریبی جیسے بنے نہیں ہے

یہ طبع اکبر یہ رنگ اکبر یہ اس کی باتیں یہ اس کے نغمے — ادب کے قابل نہ تھا اُس کی مستی شراب اگر وہ پئے نہیں ہے

اک مرض بن کر مسلط ہے بلائے زندگی — درد جی سے ہوتی رہتی ہے دوائے زندگی

دنیا کا ذرا یہ رنگ تو دیکھ ایک کو کھائے جاتا ہے — بن بن کے بگڑتا جاتا ہے اور بات بنائے جاتا ہے

انسان کی غفلت کم نہ ہوئی قانون فنا کی عبرت سے — ہر گام پہ کٹتے پانوں بھی ہیں اور سر بھی اٹھائے جاتا ہے

اس کو خبر اُس کی ہے اُس کو ہے نہ کچھ پروا اُس کی — روتا ہے رلائے جاتا ہے ہنستا ہے ہنسائے جاتا ہے

کچھ سوچ نہیں کچھ ہوش نہیں فتنوں کے سوا کچھ جوش نہیں — وہ لوٹ کے بھاگا جاتا ہے یہ آگ لگائے جاتا ہے

بہارِ بے بقا پر ناز کیسا اور خوشی کیسی — بجا ہے حیرتِ نرگس کہ گل کی یہ ہنسی کیسی

خلاف بیخودی کیوں ہے یہ وعظِ حضرت واعظ — خودی ہی کو نہیں سمجھا ابھی تک بیخودی کیسی

نہ پوچھا قیس سے لیلیٰ نے کچھ مجھ کو بھی پوچھا تھا — جو آیا واں سے بس اتنا ہی پوچھا اس سے تھی کیسی

خدا کے ساتھ ہونے کا یقیں مشکل سے آتا ہے — وگرنہ جب خدا ہی ساتھ ہو پھر بیکسی کیسی

جب "خوب کیا" کا کوئی موقع نہ نکالا — پھر کیا جو ہوئی دھوم فقط "خوب کہی" کی

قرآں پڑھ کے میری تو قائم ہوئی یہ رائے — صرف دعا رہو نہ اہا ہا نہ ہائے ہائے

گردن کشی کریں گے عرب میں اب اونٹ بھی — اب تک تو ہند ہی میں بھڑکتی تھی مجھ سے گائے

اے فلک انگلش و جرمن ہوں مبارک تجھ کو — ہم کو تو اردو و ہندی میں بسر کرنا ہے

مذہب یا ہوا نہ ہو فکر معاش سے — اندازۂ ترقی ملت اسی میں ہے

جو حرا کے جاننے والے تھے صوفی ہو گئے — داستانِ بدر والے شیعہ سنی ہو گئے

تیران شرق کا اُنھیں منظور ہے شکار — بھینسے بندھے ہوئے ہیں ترقی کے شوق کے

مسٹر نقلی کو عقبیٰ میں سزا کیسی ملی — شرح اس کی نامناسب ہے ملی جیسی ملی

اس نے بھی لیکن ادب سے کر دیا یہ التماس — چارہ کیا تھا اے خدا۔ تعلیم ہی ایسی ملی

قطعات

ابتدائے عالم ہستی میں میں بیہوش تھا
ہوش جب آیا تو دل میں غفلتوں کا جوش تھا
پھر مصائب اور فنا کے تجربے پیہم ہوئے
بعدازاں جب تک جیا مغموم تھا خاموش تھا

اک تجربے گراں ہے حوادث کا سلسلہ
اُلجھا جو ذہن اس میں وہ دیوانہ ہوگیا
اُٹھے مورخین زمانے میں گم ہوئے
افسانہ گو جو تھا وہ خود افسانہ ہوگیا

فنا کے سامنے ہم کیا ہماری ہستی کیا
برائے نام مگر اک نشان پا ہی لیا
ہوا جو ہم نفس قطرہ بن گئی دم بھر
حباب نے بھی خودی کا مزا اُٹھا ہی لیا

ہوئی تدبیر کفر آمیز سے بد تر مری حالت
بجا ہے مجھ کو اس تاریک باطن کا گلا کرنا
پریشانی کو افزوں کر دیا زلفوں کو سلجھا کر
بلا کو سخت تر کرنا ہے اصلاحِ بلا کرنا

شوق اگر یہ ہے کہ ہوتی رہے صحت پیدا
بے تکلف نہ کیا کیجئے رغبت پیدا
گھر میں احساس ضرورت ہو تو بازار کو جا
ورنہ بازار میں تو جا کے ضرورت پیدا

پیٹ سے دل نے کہا درجہ ہمارا ہے بڑا
ساغر جمشید ہم ہیں تو ہے بننے کا گھڑا
پیٹ بولا اصطلاحیں تیری سب منسوخ ہیں
ہم ہیں اب غربی گدام اور تو ہے مشرقی جھوپڑا

تمکین اک نشان ہے عصمت کی آن کا
پردا نہیں اک ظہور ہے عورت کی شان کا
پردا تو ان کا حق ہے نہیں اُن پہ جبر کچھ،
آیا ہے اُن پہ وقت یہ سخت امتحان کا

شوخیٔ مغربی کے خریدار ہیں بہت
گاہک مگر خدا ہے حیا کی دُکان کا
یہ کہتے نہیں ہم کہ گردوں نے ہم کو
مسلماں ہونے کا شائق نہیں رکھا

مگر یہ کہ اوضاع دنیا نے ہم کو ⁂ مسلمان رہنے کے لائق نہ رکھا

انتظامی بات ہے یہ موتی آئی ہے یونہیں ⁂ اس کا کیا شکوہ کہ اُن کو ہم پہ غالب کر دیا

ہاں یہ ہے افسوس ہم سے چھن گیا صبر و قرار ⁂ طالب حق کو فلک نے اُن کا طالب کر دیا

کہا بقراط سے دنیا میں کیوں آیا تو اے دانا ⁂ کہا اُس نے کہ میں لایا گیا مجھ کو پڑا آنا

کہا کیونکر بسر کی عمر بولا ساتھ حیرت کے ⁂ کہا کیا جانا بولا کچھ نہیں جانا یہی جانا

مرگ ہاشم ۱۳ ۱۹ء

اک زمانہ تھا کہ مجھ کو اپنے دل پر ناز تھا ⁂ ہر مصیبت میں وہ میرا مونس و دمساز تھا

بزم ہستی میں کدورت سے رہا کرتا تھا پاک ⁂ گو حوادث کے لئے اک فرش پا انداز تھا

میرے ہر اندیشۂ مضطر کا تھا وہ غمگسار ⁂ ہر نفس میرے لئے وہ گوش بر آواز تھا

انقلابِ دہر سے بے اعتنائی تھی اُسے ⁂ اُس میں حیرت آفرینی تھی تو یہ طنّاز تھا

پیش آیا ناگہاں وہ اک فراقِ روح سوز ⁂ برق بیتابی بنا جو صبر میں ممتاز تھا

اب وہی آرام جاں اک زخم پہلو ہو گیا ⁂ کیا یہی وہ دل ہے اکبرؔ مجھ کو جس پر ناز تھا

ہاں وہی دل ہے کہے گا تجھ سے اک دن ناز سے ⁂ تیرا صدمہ خوبیٔ انجام کا آغاز تھا

فریاد مجنونانہ

جس سے میری زندگی تھی مر گیا کیوں مر سکا ⁂ چرخ نے یارب ستم مجھ پر کیا کیوں کر سکا

واقعات جانگزا کا کیوں ہوا ایسا وقوع ⁂ کیوں نہ میری آہ سے قانون فطرت ڈر سکا

بھلا سائنس کیا سمجھے نزاکت شوق عاشق کی ⁂ کہاں قوتوں سے وہ نکلا جو میرے دل میں ارماں تھا

لیا فوٹو نے زندہ عکس لیکن چشم بیجاں میں
ہماری آنکھ میں گو حس تھا لیکن عکس بیجاں تھا

کریں کوشش مگر اوقت میری رائے میں اکبر
مناسب مشغلہ ہے صبر و یکسوئی و تقوی کا

صبح کو کہتا ہوں دیکھوں کس طرح کٹتا ہے دن
شام اُسے ایسا بھلا دیتی ہے گویا کچھ نہ تھا
عمر یوں ہی کٹ گئی آخر ہوا معلوم یہ
عرصۂ ہستی بجز امروز و فردا کچھ نہ تھا

اکبر کی خرافات سے ناخوش ہوئے ایسے
نامہ ہے نہ پیغام نہ حصہ ہے نہ بخرا
مانا کہ حسینوں کے لئے ناز ہے لازم
لیکن کوئی پوچھے تو کہ پاگل سے بھی نخرا

کالج میں ہو چکا جب امتحاں ہمارا
سیکھا زباں نے کہنا ہندوستاں ہمارا
رتبے کو کم سمجھ کر اکبر یہ بول اُٹھے
ہندوستان کیسا سارا جہاں ہمارا
لیکن یہ سب غلط ہے کہنا یہی ہے لازم
جو کچھ ہے سب خدا کا وہم و گماں ہمارا

کل واقعاتِ دہر کہاں ہسٹری میں ہیں
فوٹو ہے صرف سطحِ پیشِ نگاہ کا
وہ بھی فقط خیال مصنف بقیدِ خود
کیا بن سکے چراغ صداقت کی راہ کا

اس طرف تو نے ہسٹری رٹ لی
اُس طرف جا کے فلسفہ پھانکا
لیکن اکبرؔ خیال عقبیٰ سے
نار و جنت کو بھی کبھی جھانکا

غرور توڑ کے منطق کو سُست کر دے گا
زمانہ آپ ہی اُس کو درست کر دے گا
بلا پہ صبر کرو تم خدا خدا میں رہو
خدا ہی صبر کی ہمت کو چست کر دے گا

صد حیف کہ ماہِ رمضاں ختم ہوا آج
پھر رات کو عالم ہے وہی بے خبری کا
اٹھتے تھے سحر کھانے کو اور جلتی تھیں شمعیں
افسوس گیا نور چراغِ سحری کا

میری طرف سے سارا جہاں بدگماں ہے اب
آزادیٔ کلام وہ مجھ میں کہاں ہے اب
رکھتی ہیں پھونک پھونک کے باتیں مری قدم
تیغ زباں نہیں ہے عصائے زباں ہے اب

کتابوں ہی میں رہ جائے گی ساری تین پانچ انکی
طریقے اس کے لیکن اور ہیں کہنے کی کیا حاجت
بتوں نے سچ کہا اس شت میں رخصت ہے یہ شیخی
عقیدوں کی دوا کالج تعصب کی دوا حاجت

طرح مغرب کو دیکھ کر جو کہے
باہمیں طرح ہا بباید ساخت
کہدے قرآن سے بھی وہ یہ بات
باہمیں شرح ہا بباید ساخت

در دیر پرمیں نے کی ڈنڈوت
بھری تھی مرے دل میں ٹھاکر کی ہیت
کیا شور چیلوں نے یہ ہر طرف
مہاراج کی جے گروجی کی جیت

کرلی ہے خوب میں نے نئی روشنی کی جانچ
مجھ سے بہت نہ کیجئے اب آپ تین پانچ
ان لیڈروں کی شعلہ زبانی سے کیا ہوا
ہانڈی تو سرد رہ گئی مذہب پہ آئی آنچ

میں نے کہا یہ اپنے خیالِ خضر سے آج
بتلاؤ اس روش سے ترقی کی کیا امید
ہر گام پر جو طاعتِ حق سے الگ پڑا
ہوتے رہو گے مرکز قومی سے تم بعید
ہاں انتشار جس کی تکمیل ہوگی جب
ہو جاؤگے بتانِ کلیسا کے تم مرید
شاید کہ مدعا بھی تمہارا ہے بس یہی
ہر چند ابھی ہے درس کے پردے میں ناپدید
حیرت سے مجھ کو دیکھ کے اُس خضر نے پڑھا
حافظ کا اک یہ شعر جو معنی کو تھا مفید
سر ازل کہ عارف سالک بہ کس نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

انور سے کہا میں نے کہ خاموش ہو کیوں تم
تقریر نہ تحریر نہ غصہ نہ خوشامد
بابو کے نہ دمساز نہ یاروں کے ہم آواز
ماہی میں نہ ممتاز نہ اشتر میں سر آمد
کہنے لگے کیا آپ کو معلوم نہیں ہے
کاں راکہ خبر شد خبرش باز نیامد

اگر ہیں بھی باقی کچھ اب دردمند
تو بس پھینکتے ہیں وہ لفظی کمند
بہ یک لکچر آواز مہترا بلند
بہ یک بزم مقدار چندہ دوچند

کہاں اب وہ دل اور طبع بلند — جنھیں کہہ گئے سعدیٔ ارجمند
بیک نعرہ کوہ زجا برکنند — بہ یک نالہ ملکے بہم برزنند

اصلی غم و شادی کا نہیں قوم میں اب حس — چشمِ عقلا سے یہ بصیرت ہوئی مفقود
پابند ہیں اُس کے رزولیوشن جو ہوا پاس — ہنسنے پہ بھی تیار ہیں رونے کو بھی موجود

بہ جنبش بو و رنگ بے ثباتی — بہار آورد گلہا را خزاں بُرد
بہ عبرت زندگانی کرد اکبرؔ — براں زاد و براں بود و براں مُرد

خزاں سے جنگ کروں یہ نہیں مجھے سودا — ملول میں بھی ہوں لیکن ہے انتظارِ بہار
نفیس تخم بنا رکھو اپنے عزموں کو — اور اُس کے بعد رہو تم امیدوارِ بہار

جینے والوں کی ترنگیں ہیں فقط پیشِ نظر — مرنے والوں کے مصائب کی بہت کم ہے خبر
یہی باعث ہے کہ غفلت میں پھنسی ہے دنیا — لبِ خنداں کی ہے کثرت عوض دیدۂ تر

میں کیا کروں گا عزیزو یہ پارٹی لے کر — مزا تو جب ہے کہ آئے وہ پارٹی لے کر
خموش ہو گیا بت کی طرح میں کونسل میں — برہمن اُٹھے جو اپنی مجارٹی لے کر

ملا سکتے دین گے مذاہب کبھی نہ ایسے سر — کہ ہر طرف یہ سنو "یا اخی بیا و بخور"
مخالفت سے نہ باز آئے گی دنی دُنیا — فقط یہ زور سے دیتی ہے یاد رکھ یہ گُر
اُنھیں کی بھینس ہے بھائی کہ جنکی لاٹھی ہے — اُنھیں کا گانوں ہے اکبرؔ جو ین سکیں ٹھاکر
نجات کے لئے کافی ہے سینۂ صافی — پیادہ پائی پہ خوش رہ "اے الابل انتظر"
مگر زمانے کی رونق ہے طفل طبعوں سے — اندھیری رات ہے اور پھلجھڑی کی ہے پھر پھر
اگرچہ نام خدا و رسول لیتے ہیں — دراصل جزوِ شکم ہے یہ مذہبی عنصر

طبیع کا شغل ہو جو پولٹیکل — تو نہیں ختم وہ فسانہ ہنوز

فتنہ انگیز اختلاف میں ہے — اُس کے خرمن کا دانہ دانہ ہنوز
وہی اب تک ہے طاقتوں میں نفاق — وہی انداز حاسدانہ ہنوز
وہی سامان خانہ جنگی کے — وہی طرز معاندانہ ہنوز
ہے کھلا حرص جنگ دنیا میں — نار و آہن کا کارخانہ ہنوز
خود فراموش خود فروش وہی — وہی سودائے تاجرانہ ہنوز
وہی لیسنس کی طلب گاری — وہی انکار کا بہانہ ہنوز
ہاں جو عرفان کھول دے درِ دل — ہے نظر میں وہی زمانہ ہنوز
وہی شوق اور وہی اثر موجود — وہی تیر اور وہی نشانہ ہنوز
دل حق بیں کو سلطنت کا سرور — وہی تسکین عابدانہ ہنوز
چشم مشتاق کا عروج وہی — اور وہی جوش عارفانہ ہنوز
وہی عہد الست پیشِ نظر — مستیٔ بادہ شبانہ ہنوز
ہست مجلس براں قرار کہ بود — ہست مطرب بر آں ترانہ ہنوز

پُر دل ایسے ہیں کہ ہے جن میں مضامین کا جوش — کچھ دعائیں ہیں دکھاتی ہیں جو تحسین کا جوش
ذوق طاعت کا مگر دل میں نہیں ہے پیدا — نہ زبانوں پہ دعائیں ہیں نہ آمین کا جوش

لغزشیں مذظرافت میں جو کچھ آئیں نظر — دوستوں سے التجا یہ ہے کریں اُس کو معاف
سرد موسم تھا ہوائیں چل رہی تھیں برف بار — شاہد معنی نے اوڑھا ہے ظرافت کا لحاف

نیت ہو اگرچہ خیر و ایماں کی طرف — آنکھیں نہ اُٹھاؤ بزم عصیاں کی طرف
مانا کہ پڑھو گے واں بہو نجکر لاحول — جانا ہی ضرور کیا ہے شیطاں کی طرف

بے گزٹ ہو کے جو رہیے تو محلّے میں حقیر — باگزٹ ہو کے جو چلیے تو فرشتوں میں خفیف

کیسے چکر میں بزرگوں کو پھنسا رکھا ہے ۔۔۔ حضرتِ پیرِ فلک بھی ہیں عجب ذات شریف

قرآن رہے پیشِ نظر یہ ہے شریعت ۔۔۔ اللہ رہے پیشِ نظر یہ ہے تصوّف
مقصود تو واحد ہے اگر غور سے دیکھو ۔۔۔ عامل نہ رہے اُس کے ۔اسی کا ہے تاسف

اکبر سے میں نے پوچھا اے واعظِ طریقت ۔۔۔ دنیا سے دوں سے رکھوں میں کس قدر تعلّق
اُس نے دیا بلاغت سے یہ جواب مجھ کو ۔۔۔ انگریز کو ہے نیٹو سے جس قدر تعلّق

ترقی خواہ ہے تو صحن مسجد چھوڑ اسے اکبر ۔۔۔ کہا اُس نے ترقی ہے تو خود پہنچے گی مسجد تک
تو دنہ نام ادھر ننانوے کا پھیر اُدھر یعنی ۔۔۔ انھیں سو تک پہنچنا ہے مجھے اللہ واحد تک

گو کہ دونوں ہی نظر آتے ہیں نیک ۔۔۔ ایک ظاہر ایک ہیں باطن کی ٹیک
میں نے پوچھا ایک اور اک کے ہوئے ۔۔۔ دے جواب اسکا تمھاری طبع نیک
بے تکلف کہہ دیا ملا نے دو ۔۔۔ حضرت صوفی یہ بولے پھر بھی ایک

سامان عیش کچھ نہ رہا اُڑ رہی ہے خاک ۔۔۔ اس غم میں اپنی جان مگر کیوں کروں ہلاک
میں نے تو جل کے کہدیا اس سال جون میں ۔۔۔ ٹٹی اگر نہیں نہ ہو خس کم جہان پاک

کہتے ہیں ہندو مسلم یہ دونوں ملکے ہم ۔۔۔ سر پہ انگریزی ہے اس سے ہوئی حالت اہم
ہے آہم سے جدا لیکن محافظ اور معین ۔۔۔ اس کے سائے میں رہیں کہ ہم شامل ہوں بہم
دوست کیونکر ہوں نہوں جب ہم خیال و ہم مذاق ۔۔۔ لیکن اس کا یہ اثر کیوں ہو کہ ہوں دشمن بہم
اپنا اپنا وقت ہے موقع ہے اور میلان طبع ۔۔۔ آپ اپنے شغل میں رہیئے اور اپنی دھُن میں ہم

بندوں کے فہم و زور کی اک حد ہے وہ بھی ہیچ ۔۔۔ کرتا ہے خود وہ اپنی خدائی کا انتظام
ان ممبروں میں کوئی کدورت نہ ہو بہم ۔۔۔ آپس میں بھی کریں یہ صفائی کا انتظام

خبر کیا انقلابِ دہر کی ان نوجوانوں کو ۔۔۔ نئی حالت نئی آنکھیں نئے ان کے ترانے ہیں

بڑی عمر بس ہیں جنکی اُن سے سنئے حال دنیا کا — نگاہوں میں زمانے میں نہ ہالوں پر فسانے ہیں

گرفتہ صبر قناعت ہی ہیں اب محظوظ ہوں — شہد سے محروم ہوں تو زہر سے محفوظ ہوں

حریفوں کی نظر میں رنگ پھیکا ہو مرا — نرگس مستانۂ ساقی کا میں ملحوظ ہوں

پاس کالج کے جو ہیں ووٹ طلب کرتے ہیں — پاس مسجد کے جو ہیں طاعتِ رب کرتے ہیں

عشوہ ہائے عجمی کے وہ ہوئے ہیں کشتہ — یہ رُخ سادگی طرزِ عرب کرتے ہیں

ان کو ہے لیمنڈ و وسکی کی ضرورت اور یہ — رفع پانی سے فقط خشکی لب کرتے ہیں

پھیلتے وہ ہیں کہ اغیار سے جوڑیں رشتہ — یہ ہیں سمٹے ہوئے اور حفظ نسب کرتے ہیں

وقت کو دیکھ کے اب آپ ہی انصاف کریں — وہ ستم کرتے ہیں یا آپ غضب کرتے ہیں

تعلیم یافتہ ہوں اور نیک بخت بھی ہوں — تم سے رہیں ملائم شیطاں پہ سخت بھی ہوں

قرآن ہی کرے گا اُن بی بیوں کو پیدا — پاکیزہ تخم جب ہوں عمدہ درخت بھی ہوں

جرچ نے پیش کمیشن کہہ دیا اظہار میں — قوم کالج میں ہیں اور اس کی زندگی اخبار میں

شوہر افسردہ پڑے ہیں اور مرید آوارہ ہیں — بی بیاں اسکول میں ہیں شیخ جی دربار میں

ہر خاک کے پتلے کو اُبھار ہے فلک نے — یکتائی کے اظہار میں مست اہل نہیں ہیں

ہر اک کو یہ دعویٰ ہے کہ ہم بھی ہیں کوئی چیز — اور ہم کو ہے یہ ناز کہ ہم کچھ بھی نہیں ہیں

مرے عمل سے نہ شیخ خوش ہیں نہ بھائی خوش ہیں نہ باپ خوش ہیں

مگر میں سمجھا ہوں اس کو اچھا دلیل یہ ہے کہ آپ خوش ہیں

جو دیکھا سائنس کا یہ چکر دھرم پکارا کہ اے برادر

ہمارے دورے میں پُن گُن تھے تمہارے دورے میں پاپ خوش ہیں

حاکم دل بن گئی ہیں یہ عنبر والیاں — میں لگاؤں گا گل داغ جگر کی ڈالیاں

ضبط کے جامے کے بخئے ٹوٹتے ہیں دوستو — ہائے یہ بیلیں کشیدے اور ایسی جالیاں
مستقبل پری ماضی مگر یہ حال ہیں — دی ٔ فردا کیا کروں پاؤں جو یہ خوش حالیاں
آسماں سے کیا غرض جب ہے زمیں پر یہ چمک — ماہ و انجم سے ہیں بڑھ کر نکلے بُندے بالیاں
فول وہ کہتی ہیں مجھ کو میں انھیں سمجھا ہوں پھول — ہیں گلِ نگیں سے بہتر اُن گلوں کی گالیاں

یہ سمجھ میں نہیں آتا یہ طلسم ہستی — اُس کی قدرت کے کرشمے بھی عجب ہوتے ہیں
جان جب خاک میں پڑتی ہے تو ہوتی ہے خوشی — خاک جب خاک میں ملتی ہے تو سب روتے ہیں

مجھ کو حیرت ہے کہ ہیں یہ کس گرو کی چیلیاں — حشر برپا کر رہی ہیں مغربی البیلیاں
لطف آزادی کی دل میں بڑھ گئی ہے چاشنی — اب تو شیشے میں اترنے کی نہیں یہ جیلیاں
اپنے ہاتھوں اپنے سانچے کا کریں گی بندوبست — یہ نہیں وہ گڑ کہ تم اُن کی بناؤ بھیلیاں

پھر غرض اور ہے احباب اس شک میں رہیں — بس یہ ہے شوق کہ پبلک کی جھکا جھک میں رہیں
نہیں منظور نمازوں میں گذاریں راتیں — ہاں کمیٹی ہو تو اُلجھے ہوئے بک بک میں رہیں
لقمۂ مرغِ سحر سے نہیں انجن کو غرض — پیٹ انگاروں سے بھر دیجئے بھک بھک میں رہیں

پایا جب کمپ کے چکر میں انھیں سب کا شریک — رشک جلتا رہا اس پر کہ بڑے عالم ہیں
صبر و آزادی و طاعت کے مزے لو اکبر — اُن کی راہوں پہ انھیں چھوڑ دو جو حاکم ہیں

ہم کو نئی روش کے خلقے جکڑ رہے ہیں — باتیں تو بن رہی ہیں اور گھر بگڑ رہے ہیں
ذاتی ترقیاں ہیں قومی ہے یا تنزل — گرہیں یہ کھل رہی ہیں یا پیچ پڑ رہے ہیں
ٹانکے وہ لگ رہے ہیں جو کروٹوں میں ٹوٹیں — بخئے جو فطرتی تھے وہ اب اُدھڑ رہے ہیں
سطحِ زمیں سے پوچھو کیا مل رہا ہے اُس کو — نظروں میں پھلجھڑی سے گو پھول جھڑ رہے ہیں
چلتی تو ہیں زبانیں اور بھرتے ہیں شکم بھی — لیکن امید کیا ہو جب دل اُجڑ رہے ہیں

یہ زیورِ معانی کس کی کریں گے زینت
لفظوں کے یہ نگینے کیوں آپ جڑ رہے ہیں

ترقی کی نئی راہیں جو زیرِ آسماں نکلیں
میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیبیاں نکلیں
مصیبت میں بھی اب یادِ خدا آتی نہیں اُن کو
دعا مُنھ سے نہ نکلی پاکٹوں سے عرضیاں نکلیں

سکھلاتے ہیں جو اغیار اسی کے دل سے شیدا ہیں
نہ جانا یہ کہ ہم کیا ہیں یہی سمجھے کہ وہ کیا ہیں
خرابی بے اصولی۔ تفرقہ۔ اس کا نتیجہ ہے
تماشائی ہیں وہ۔ اُن کے لئے ہم اک تماشا ہیں

ہماری حالت کو کچھ نہ پوچھو۔
فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن فعول فعلن
پچھاڑیں کھاتے ہیں لوٹتے ہیں کرتے ہیں شیخ جی کا دامن
مگر مشینیں جو چل رہی ہیں انھیں میں اُلجھے گھسٹ رہے ہیں

وہ فقط وضع کے کشتہ ہیں نہیں قید کچھ اور
بھینس کو گون پہنا دیجئے عاشق ہو جائیں

طعنے سنتے ہیں مگر شعر کہے جاتے ہیں
داد کے شوق میں بیداد سہے جاتے ہیں
رزولیوشن ہی کے تختے کا سہارا ہے فقط
بحرِ تدبیر ترقی میں بہے جاتے ہیں
ملک الموت نے نوٹس نہ دیا تھا افسوس
اس کمیٹی کے بہت کام رہے جاتے ہیں
آپ فرماتے ہیں ہو لہر ترقی کی تو آ
موجیں کہتی ہیں کہ یہ خود ہی بہے جاتے ہیں

گرجا میں لاٹ صاحب مسجد میں شیخ صاحب
بدھو فلاسفی کے کمرے میں سڑ رہے ہیں
خاک اُڑ رہی ہے گھر میں ڈیوڑھی میں غل مچا ہے
مذہب کے ہیں مخالف بھائی سے لڑ رہے ہیں

تعلیم لڑکیوں کی ضروری تو ہے مگر
خاتونِ خانہ ہوں وہ سبھا کی پری نہ ہوں
ذی علم و متقی ہوں جو ہوں اُن کے منتظم
اُستاد اچھے ہوں مگر اُستاد جی نہ ہوں

یہ لیڈر خود ہی مضطر ہیں مگر عشوے دکھاتے ہیں
جو شخصی زندگی ہے اُس کو یہ قومی بتلاتے ہیں
بجز الفاظ کے حاوی نہیں کلی پہ کام اُن کے
یہ خود جزئی ہیں لیکن گیت کلی کا سناتے ہیں

اللہ نے کہا ہے تم زیرِ امتحاں ہو
ہم جانتے ہیں بس ہم دنیا کے ممتحن ہیں

خود نفس کے ہیں تابع تقویٰ سے بے تعلق — اوروں پہ نکتہ چینی میں غرق رات دن ہیں

خانہ جنگی ہی میں حضرت مرد ہیں — عیب جوئی کے ہنر میں فرد ہیں
اپنوں ہی کے واسطے ہیں شعلہ خو — سامنے غیروں کے بالکل سرد ہیں

ادھر جوانوں کو ہے یہ سودا کہ سیر بازار انھیں کرائیں — اُدھر خواتین خلوت آرا ہنوز مست اپنی نخچ میں ہیں
یہ قید حرم کہاں تک حجاب کے دن نقاب کب تک — کہ گبر و ترسا کی لیڈیاں بھی شریک واعظ کی فخچ میں ہیں

سوئے مسجد اس نئی تہذیب کی راہ اب کہاں — تھینک یو میں صرف ہیں الحمد للہ اب کہاں
ہم غریبوں ہی کو لازم ہے توجہ اس طرف — التفات صاحبان شوکت و جاہ اب کہاں
بزم آخر میں مراقب ہیں جو تھے درویش دوست — شوق ہے دربار کا وہ ذوق درگاہ اب کہاں

مرے نزدیک تو بے اصل یہ اشکال ظاہر ہیں — جو اچھے ہیں وہ مومن ہیں بُرے جو ہیں وہ کافر ہیں
وہی ہیں پاک طینت لو لگی ہے جنکی خالق سے — نہیں ہے شرک کی جن میں نجاست بس وہ طاہر ہیں

اللہ کو جگہ دے تو اپنے دل میں اکبر — اللہ خود ہی دے گا تجھ کو جگہ دلوں میں
اللہ ہی کو سمجھو مقصود علم و دانش — اللہ ہی کو چاہو مستی کی منزلوں میں
خوف و رجا سے دیکھو ہر دم اسی کی جانب — فطرت کے منظروں میں طاعت کے سلسلوں میں
کرتے ہو ساتھ ادب کے جب ذکر تم خدا کا — ہوتے ہیں خوش ملائک بھی اپنی محفلوں میں
جو دین کے ہیں عالم راہِ خدا کے ہادی — تم سمجھو خود کو ناقص بس وہ ہیں کاملوں میں
مسلم شریک ملت ہو بھی جو لغزشوں میں — کم وقت اپنا کاٹو طعنوں میں اور گلوں میں
شامل تمھاری صف میں طاقت ہے وہ تمھاری — کافی ہے یہ نہیں ہے وہ حق کے معطلوں میں
رحماء بینہم پر رکھو نظر ہمیشہ — ہر چند یہ طریقہ ہے سخت مشکلوں میں
ہنگامہ جو ہے شوقِ اعزاز و فکر روزی — کوشش کرو مگر تم شامل ہو عاقلوں میں

اک بات ہم نے کہدی ورنہ یہ وقت وہ ہے
تم بھی ہو زخموں میں ہم بھی ہیں بسملوں میں

اک طرف تمکین ہے اور بیقراری اک طرف
انتظام طبع انساں ہے خدا کے ہاتھ میں
ہے وہی نیلا ہیں مٹی بگولے میں جو ہے
نیو کے نیچے میں وہ ہے یہ ہوا کے ہاتھ میں

بیجا ہو اعتراض تو اس پر بھی ہیں خموش
گو دل ہی دل ہیں غصے سے بھنتے بھی خوب ہیں
کہتے ہیں خوب حضرتِ اکبر شک اس میں کیا
لیکن میں دیکھتا ہوں کہ سنتے بھی خوب ہیں

آدم چھٹے بہشت سے گیہوں کے واسطے
مسجد سے ہم نکل گئے بسکٹ کی چاٹ میں
صاحب سلامت اب بھی مری شیخ جی سے ہے
لیکن چھٹے چھ ماہ ہے دہی راہ ہاٹ میں

خانقاہوں کے کھلیں در کس طرح
ہیں کواڑ اب تنگ اپنی چول میں
حکم گردوں ہے کہ حلقے چھوڑ دو
یا پرس میں جاؤ یا اسکول میں

گردوں نے ہم کو اس کا لقمہ بنا دیا ہے
تہذیب مغربی کے معدے میں ہم پڑے ہیں
شخصیتیں جو اکثر تم دیکھتے ہو باقی
کیلوس ہو رہا ہے لقمے بڑے بڑے ہیں
اللہ نے جو چاہا ہم ہضم ہی نہ ہوں گے
توحید اور قناعت کے پاسباں کھڑے ہیں
البتہ اُن کی نسبت کچھ رائے میں نہ دوں گا
جو اس سے خون ملنے کی آس پر اڑے ہیں

مناسب ہے نئی تعلیم نسواں
یہی راہ آپ اب بے رد و کد لیں
سمجھ لیں لاکھ باتوں کی یہ اک بات
میاں بدلے تو بی بی کیوں نہ بدلیں

اگر غصہ نہیں فطرت پہ کچھ حیرت نہیں
خانہ جنگی کے سوا اب اور کچھ رغبت نہیں
قوت انشا کو آخر صرف کرنا ہے ضرور
کیا کریں زور قلم ہے اور کچھ طاقت نہیں

سنیں تو آپ قناعت کے غل مچانے کو
وہ کہہ رہی ہے نہ چھوڑو غریب خانے کو
تمہاری حرص بدل کر تمہیں کریگی ہلاک
ہمارا صبر بدل دے گا اس زمانے کو

دنیا کو نہ کاغذِ خبر میں دیکھو — اپنے فرزا میں اپنے گھر میں دیکھو
الفاظ کی شوکت و نزاکت پہ نہ جاؤ — قائل کو قول کے اثر میں دیکھو

اپنی محنت کو اپنا آنر سمجھو — اپنے پاؤں کو اپنا موٹر سمجھو
صحت اچھی تو ہر جگہ ہے آرام — اپنے ہی بدن کو اپنا تم گھر سمجھو
اے بی بیو شرم ہی کو تم سمجھو حُسن — اور اپنے ہنر کو اپنا زیور سمجھو
بی بی میں جو طرز مغربی ہو تو کہو — احسان ہے یہ جو مجھ کو شوہر سمجھو
دست اندازیٔ پولس کی ہو جس میں ادا — ہرگز نہ اُسے کلام اکبرؔ سمجھو

کون کہتا ہے کہ تعلیم زناں خوب نہیں — ایک ہی بات فقط کہنا ہے یاں حکمت کو
دوئے شوہر و اطفال کی خاطر تعلیم — قوم کے واسطے تعلیم نہ دو عورت کو

سب سعی میں مصروف ہیں حاصل کی نہ پوچھو — مغرب کے خضر ساتھ ہیں منزل کی نہ پوچھو
ہے بحرِ مباحث میں رواں کشتیٔ امید — لہروں کی لپک دیکھو ساحل کی نہ پوچھو

منزلِ گور تک پہنچنا ہے — خواہ چھکڑا ہو خواہ موٹر ہو

زمیں سے فیض نامحدود کا کیونکر تحمّل ہو — ترقی دنیوی یہ ہے کہ اوروں کو تنزل ہو
یہی بنیاد ہے دنیا میں جو رِ ظلم و غفلت کی — تو اس سے محترز رہنے میں کیوں تجھکو تامل ہو
طلبِ دنیا کی کراتی کہ طاعت ہو سکے رب کی — مصیبت ہے یہ شرط اس میں کہ شوکت ہو تجمّل ہو
حکومت کی طلب کا بھی یہی مقصود ہے اصلی — کہ روحانی طریقوں سے خلائق کو توسل ہو
ترقی ہے جو روحانی وہی ممدوح ہے اکبرؔ — کہ ہو ہر خرد کو آسودگی کو شرکت کل ہو

وزن نامحدود میزاں نظر میں خوب ہے — نام کی خاطر ترشکر تولہ ماشا کیوں بنو
دین حق ہے آنکھ زینت ہے تماشائے جہاں — تم تماشائی رہو اکبرؔ تماشا کیوں بنو

خواہ صاحب کو تم سلام کرو　　خواہ مندر میں رام رام کرو
بھائی جی کا فقط یہ مطلب ہے　　جس میں روپیہ ملے وہ کام کرو

پڑھ دیا اکبرِ مغموم نے یہ شعر بلیغ　　جب کہا اس سے کہ اس بزم میں کچھ تم بھی کہو
جین کے ساتھ ہم اس وقت بھی رہ سکتے ہیں　　شرط یہ ہے کہ فقط پیٹ ہو اور آنکھ نہ ہو

اک دل لگی ہے وقت گذرنے کے واسطے　　دیکھو تو ممبروں کے ذرا ایر پھیر کو
ایسی کمیٹیوں سے ہے پھل کا امیدوار　　اکبر درخت سمجھا ہے پتوں کے ڈھیر کو

مذہب کی لیپ پوت سے بنتی نہیں ہے عقل　　بس عشق ہی مٹاتا ہے اُس کی کُدورت کو
دین خدا کے نور کا جلوہ نصیب ہو　　دل کی نگاہ پائے جو وحدت کے بھید کو

رنگ زمانہ طرز طبائع کا بھی ہے پاس　　تقوے کا گو خیال بہت ہے جناب کو
مرعوب ہو گئے ہیں ولایت سے شیخ جی　　اب صرف منع کرتے ہیں دیسی شراب کو

اس کو سنتا ہوں اُس پہ جھکتا ہوں　　کوئی دعوے ہو یا کوئی درگاہ
ایک اور اک دو مگر زباں پہ ہے　　دل میں ہے لا اِلٰہ اِلّا اللہ

لباس و اتحاد و دین و غیرت ایک لقمے ہیں　　نئی تہذیب کا یہ پیٹ ہے یارب کہ مٹکا ہے

بڑھے اُس جا جہاں تاثیر ملت جا نہیں سکتی　　بسے اس جا کہ آواز اذاں بھی آ نہیں سکتی
تمھیں کو ناز ہو لے نوجوانو اس طریقے پر　　مری اُمید تو نغمہ خوشی کا گا نہیں سکتی

انسان کا علم کال سابق میں تھا نہ اب ہے　　لیکن نئی طرح کا اک تجربہ رہا ہے
مرزا غریب چپ ہیں ان کی کتاب روی　　بدھو اکڑ رہے ہیں صاحب نے یہ کہا ہے

محو اضافہ وہ بتِ کھیوٹ پرست ہے　　کہتا ہے آخرت کا یہی بندوبست ہے
اپنے عیوب پر تو ذرا بھی نظر نہیں　　اوروں پہ اعتراض میں ہر وقت مست ہے

نئی تہذیب کی عورت ہیں کہاں دین کی قید — بے حجابی جو ہو اس میں تو قباحت کیا ہے
نورِ اسلام نے سمجھا تھا مناسب پردہ — شمعِ خاموش کو فانوس کی حاجت کیا ہے

جناب ہی کو مناسب ہے یہ سول لائن — نیاز مند کو تو شہر ہی میں راحت ہے
زمانہ ہے کہ وہ دشمن ہے صاف گوئی کا — زباں ہے کہ نہیں مانتی مصیبت ہے

مرغی نے کہا خوب کسی کمپ میں لٹ گئے — انڈا وہی اچھا ہے کہ بچا جسے کھٹ کے
دیوارِ شکستہ نے ترقی کی دعا کی — گردوں کی عنایت سے سڑک بنگئی کٹ کے

کیوں اپنے سر پہ زحمتِ بے سود لیجئے — کونسل کے بدلے گھر میں اُپل کو دیجئے
کاپی کے گھر میں بیٹھئے اور گائیے بھجن — کاشی سے جل پراگ سے امرود لیجئے
ہو وضع اپنے دیس کی مال اپنے دیس کا — بہتر ہے راہِ منزلِ بہبود لیجئے

ہوائے کوچۂ مشرق کی موجیں یاد ہیں ہم کو — وہی تھی منزلِ راحت وہی رفتار اچھی تھی
نئی محفل کی نکٹائی تو گویا طوقِ گردن ہے — وہی بت خانہ بہتر تھا وہی زنار اچھی تھی

شوخی یہ لیڈروں کی یہ ملت کی ابتری — تاریک شب میں کشمکشِ برق و ابر ہے
محفوظ مثلِ انجمِ تاباں ہیں وہ بزرگ — ذوقِ صلوٰۃ جن کو ہے اور تابِ صبر ہے

ہرچند کہ ہے مِس کا لونڈر بھی بہت خوب — بیگم کا مگر عطرِ حنا اور ہی کچھ ہے
سائے کی بھی سن سن ہوس انگیز ہے لیکن — اُس شوخ کے گھونگھرو کی صدا اور ہی کچھ ہے

ان عزیزوں کا عمل اکبرؔ محلِ غور ہے — کہہ رہے ہیں کچھ اور ہیں اور ہو رہا کچھ اور ہے
افضل حالت پہ ہے اُن کا مدارِ زندگی — مذہبی ترکیب باقی ہے نہ سوشل طور ہے
قیمت کوثر سے بڑھکے دیتے ہیں ٹھرے کے دام — بے حسی کا میکدہ ہے غفلتوں کا دور ہے

دل اس کے ساتھ ہے کہ خدا جس کے ساتھ ہے — لیکن خبر نہیں کہ خدا کس کے ساتھ ہے

البتہ پیشِ چشم ہے قانون عافیت — جو نیک اور شریف ہے وہ اُس کے ساتھ ہے

* * *

بِل کا آٹا ہے نل کا پانی ہے — آب و دانے کی حکمرانی ہے
اک ادا سے کہا مسوں نے کم آن — تیز کی مجھ میں اب روانی ہے

* * *

مشرق میں ولادت پر راضی نہ تھے یہ بندے — چاراہی مگر کیا تھا فطرت جو یہاں جَن دے
جب چاند کی چالاکی گھٹ بڑھ میں نظر آئی — تقدیر نے چمکایا سورج نے دیئے چندے
جو حس کے مناسب تھا گردوں نے کیا پیدا — یاروں کے لئے عہدے چڑیوں کے لئے پھندے
خم ہو کے ہلال آیا گردوں نے کہا حضرت — ہو جائیے گا فربہ چکر تو لگیں چندے

* * *

میزان نظر میں اپنی قوت تو لے — خالی الفاظ کی دُکاں کیوں کھولے
اللہ کو مان لے دلیلیں کیسی، — اکبر سے کہو کہ خود تو ثابت ہو لے

* * *

حکومت انکی اسی کی مرضی اسی کے سب کام اور دھندے — کہاں کے انگلش کہاں کے نیٹو خدا کی دنیا خدا کے بندے

* * *

عجیب معنیٔ نازک ہیں اس مقولے میں — نظر وسیع جو ہو بندگی میں شاہی ہے
خدا کے ساتھ نہیں ہو تو کچھ نہیں ہو تم — خدا کے ساتھ اگر ہو تو پھر خدا ہی ہے

* * *

واقف ہوں اِن بتوں کے مکر و فریب سے میں — سب ہیں یہ دل کے پتھر اور آنکھ کے رسیلے

* * *

یہ سڑک کس سمت میں آخر نکالی جائے گی — آنے والی نسل کس سانچے میں ڈھالی جائے گی
نفس کی جو ہیں ترنگیں اُن میں ہے گو ایک جوش — تا کجا لیکن یہ موجِ خوش مقالی جائے گی
بھاڑ کر دامن الگ ہو جائیں خاصانِ طریق — ورنہ یہ توفیق بھی دل سے اُٹھالی جائے گی
خود پرستوں کو مبارک ہو یہ ایوان رفیع — دل شکستوں میں کوئی مسجد بنالی جائے گی
اِن ستونوں سے نہ سنبھلے گی تری سقفِ حرم — خطِ ترسا پر اگر بنیاد ڈالی جائے گی

* * *

میری نسبت جو ہوا ارشاد وہ میں نے سُنا — یہ تو کہئے اپنی نسبت آپ کی کیا رائے ہے

اے شوق وضع مغربی درما فگندی ابتری　　ہر چند شفقت میکنم لیکن توزاں بالاتری
شیخم شہید جلوہ ہا افتادہ در کمپ شما　　باشد کہ از بہر خدا سوئے شہیداں بنگری
سحرِ نگاہت ناز من مرکوز طبعت راز من　　ہر نغمہ ات بر ساز من حقا عجائب دلبری
تو سینہ گشتی دل شدم تیچر شدی پیوپل شدم　　تا کس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری
ہر چند با تو بستہ ام از طعن اکبر خستہ ام　　للہ لطفے خاص کن پیدا بحق نیچری
آں راکہ تاجر دیدہ تازی از دلبشنیدہ　　شد نوکری فق پدر اردو زبان مادری
اے بانوِ خلوت نشیں تا کے بہ قید آں وایں　　از پردہ بیروں آ ببیں ناز زنان لشکری

اعزاز بڑھ گیا ہے آرام گھٹ گیا ہے　　خدمت میں ہے وہ لیبری اور ناچنے کو ریڈی
تعلیم کی خرابی سے ہو گئی بالآخر　　شوہر پرست بی بی پبلک پسند لیڈی

آپ اکبر لاکھ مشق خوش کلامی کیجئے　　کتنا ہی اظہار اعزاز دوامی کیجئے
دوستی کی آپ سے فرصت نہیں اس شوخ کو　　یا کھسکئے سامنے سے یا غلامی کیجئے

کہاں ہم ہیں جماعت اور طاعت　　شکستہ ہو گئے سابق کے رشتے
نہیں ہے کچھ شکایت لیڈروں کی　　کہ جیسی روح ہے ویسے فرشتے

[illegible]

کل برگد تھا جن کا براتی　　اُن کی قبر پر پھول نہ پاتی
عبرت ہے یہ دوہا گاتی　　ستر پوت بہتر ناتی

ہندو کے اتفاق کو گنگا ہی گائے ہے　　مرزا کے اتفاق کو مجلس کی ہائے ہے
البتہ شیخ جی کا کوئی مرکز اب نہیں　　ہر پیر ہر جواں کی جداگانہ رائے ہے

لات و عزیٰ سے چھٹے تو زید و خالد میں پھنسے　　فائدہ کیا خلق کو پہونچا در اسلام سے
انتظام دہر کہتا ہے کہ یہ اک بھید ہے　　کام رکھ تو اپنے دل میں بس خدا کے نام سے

تصویر اصل سے نہیں رکھتی مطابقت — تصویر اُدھر کھنچی اور اِدھر ہم بدل گئے
تصویر بین کی فانی و ماضی پہ ہے نگاہ — ذرات جسم حال کے سانچے میں ڈھل گئے

جو پوچھا مجھ سے دورِ چرخ نے کیا تو مسلماں ہے — میں گھبرایا کہ اس دریافت میں کیا رمز پنہاں ہے
کروں اقرار تو شاید یہ بے مہری کرے مجھ سے — اگر انکار کرتا ہوں تو خوفِ قہر یزداں ہے
بالآخر کہہ دیا میں نے کہ گو مسلم تو ہے بندہ — ولیکن مولوی ہرگز نہیں ہے خانساماں ہے

سکّہ بیٹھا رہا تھا قرآن جب عرب پر — اُس وقت پڑ رہی تھی بنیاد سلطنت کی
اِس وقت میں ہو موزوں کیا مذہبی ترانہ — جب پاؤں شیخ کا ہے اور لے ہے اُنگی گت کی

میرے فراغ دل پہ تعجب نہ کیجئے — پھیلے نہ پاؤں ہیں نہ ذرا اپنا ہاتھ ہے
کیا آپ نے ہنوز کسی سے سُنا نہیں — جس نے کیا ہے صبر خدا اس کے ساتھ ہے

وجد میں لائے گا یہ مضمون اہل ذوق کو — دھوم تھی روزِ ازل اُس سیدِ ذیجاہ کی
جب رُکے آثار فطرت کہہ کے حرفِ لا اِلٰہ — نورِ احمد سے اُٹھی آوازِ الا اللہ کی

عشاق کو بھی مالِ تجارت سمجھ لیا — اس قسمر کو ملاحظہ للہ کیجئے
بھرتے ہیں میری آہ کو فونوگراف میں — کہتے ہیں فیس لیجئے اور آہ کیجئے

ہستی ہے خوب اکبرؔ ناخوب یہ خودی ہے — دونوں میں فرق کرنا عرفان بس یہی ہے
نفی خودی ہیں لیکن ہستی کا حس ہو جس کو — کتنی قوی بظاہر یہ بحث فلسفی ہے
کیونکر جہانِ صورت اس مسئلے کو سمجھے — یہ عالمِ معانی بالائے زندگی ہے
ہوش و حواس گم ہیں لیکن زبان عارف — توحید کا مزاان لفظوں میں لے رہی ہے

یہی بحثیں ہیں سب میں وہ کیسے ہیں وہ کیسے تھے — یہی سنتے ہوئے گذری دہالیے میں وہ ایسے تھے
عمل اوروں ہی کے دیکھا کئے یہ نیک و بد ہیں — ترقی خود نہ کی کچھ رہ گئے ویسے کہ جیسے تھے

پاسِ انفاس ہو اگر ملحوظ — ہر نفس راہ کامرانی ہے
سانس لینے کا در نہ کیا حاصل — صرف اک شغل زندگانی ہے

عاشقی اُن کی نہیں ہے عقل سے بالکل جدا — اہلِ دل وہ بھی ہیں لیکن دل بدن کے ساتھ ہے
وہ نہیں ہیں میرے چاکِ جیب و داماں میں شریک — ہے جنوں اُن کو بھی لیکن پیرہن کے ساتھ ہے
آہوئے رعنائے دشت ہو کے وہ قائل نہیں — آنکھ اُن کی آہوئے دشتِ ختن کے ساتھ ہے
مجھ کو اُلجھانے کو کافی ہو گئی سنبل کی شان — جوشِ سودا اُن کا زلفِ پُر شکن کے ساتھ ہے
یہ نہیں تو کچھ نہیں باتیں ہی باتیں ہیں فقط — ہر زباں اپنے جُدا طرزِ سخن کے ساتھ ہے

جس نے یہ بات کسی اور طرح جانی ہے — اس کے نزدیک یہ بے مثل ہے لاثانی ہے
جس نے اشعار ہی میں رنگ تصوف دیکھا — وہ بھی کہدیگا یہ اک رندئی روحانی ہے

بس اتنی بات ہے سامع میں ہو مذاق سخن — مجال کیا کہ مرے شعر پر اچھل نہ پڑے
اب اپنے وعظ میں دنیا سے دل کسی کا نہ پھیر — قلی گدام کی بھرتی میں تاقلل نہ پڑے

خوب اک ناصح مشفق نے یہ ارشاد کیا — بزم میں اس نے تعلّی جو کل اکبر کی سُنی
نہ تری فوج نہ شاگرد نہ پیرو نہ مُرید — نہ تو ارجن ہے نہ سقراط۔ رشی ہے نہ مُنی
کس نگیں پر ہیں ترے نقش کے آثار عیاں — نوٹ بک تیری شکستہ تری پنسل ہے گھُنی
فکر سے ذکر سے عبرت سے تجھے کام نہیں — واہ وا کے لئے لفظوں کی دُکاں تو نے چُنی
طبع میں تیری وہی خامئی حرص دنیا — آتشِ خوف خدا سے نہ جلی ہے نہ بھُنی
خود پرستی ہے بہت خلق کی خدمت کم ہے — دل دہی کم ہے تو ہے دل شکنی چار گُنی
تکیہ برجائے بزرگاں نتواں زد بگزاف — مگر اسبابِ بزرگی ہمہ آمادہ کُنی

کتنا ہی ذوقِ سخن سازِ سخن ٹھیک کرے — کتنی ہی کوئی کسی امر کی تحریک کرے

میں تو کہتا ہوں یہی اور کہوں گا بھی یہی ‌‌ ‌ بات وہ خوب جو اللہ سے نزدیک کرے

کب کہتا ہوں میں شیخ معزز نہ رہیں گے ‌ ‌ ‌ البتہ یہ ہے خوف کہ مرکز نہ رہیں گے

سچ کہتا تھا سمار کسی وقت میں اکبؔر ‌ ‌ ‌ اُٹھا دو فنڈ اب یہ مرے گز نہ رہیں گے

مادہ سب میں ہو یہ اک خیالِ خام ہے ‌ ‌ ‌ اک مذاق طبع ہے جس کا تصوف نام ہے

وہ تو ہے معذور جس کے دل میں اس کا ذوق ہو ‌ ‌ ‌ اس سے خالی جس کا دل ہو اُس پہ کیا الزام ہے

تعلیوں کو طبیعت ریجکٹ کرتی ہے ‌ ‌ ‌ جو دل شکستہ ہیں اُن کو سلکٹ کرتی ہے

ملا ہوں خاک میں خود اس سبب سے میری نظر ‌ ‌ ‌ گرا کے قصر بگولے ارکٹ کرتی ہے

محنت کی فکر اِدھر ہے تردد ہے کام کا ‌ ‌ ‌ دل میں اُدھر ترنگ بھی ہے خود سری بھی ہے

صنعت بھی محو سعی ہے فطرت بھی مستِ ناز ‌ ‌ ‌ باغ جہاں میں بیل بھی ہے تیتری بھی ہے

کہاں اردو وہندی میں زرِ نقد ‌ ‌ ‌ وہی اچھا ہے جو گِنتا منی ہے

مرے نزدیک تو بے سود یہ بحث ‌ ‌ ‌ میاں ہمدم وہ جیتا منی ہے

حامی ہیں تصوف کا دل وجاں سے ہوں لیکن ‌ ‌ ‌ ارواح پرستی کو تصوف نہیں کہتے

دنیا کی مجھے فکر ہے غم اس کا نہیں ہے ‌ ‌ ‌ سُن لو کہ تردد کو تاسف نہیں کہتے

پاکیزہ ہوا ڈھونڈھتا ہوں سانس کی خاطر ‌ ‌ ‌ اس شوق صفائی کو تکلف نہیں کہتے

پارک میں زردے کے مالی سے گل بے بو لیا ‌ ‌ ‌ مال ضایع کرنے کا تم کو ہے مالیخولیا

شیخ کے دامن کو اکبؔر نے دیا بوسہ جو کل ‌ ‌ ‌ ہم نے برکت کے لئے اک مِس کا سایہ چھو لیا

قوم پر ممبری کا فیر ہوا ‌ ‌ ‌ کل جو اپنا تھا آج غیر ہوا

شیخ جی مر گئے کمیٹی میں ‌ ‌ ‌ غُل مچا خاتمہ بخیر ہوا

اک پیر نے تہذیب سے لڑکے کو اُبھارا ‌ ‌ ‌ اک پیر نے تعلیم سے لڑکی کو سنوارا

پتلون میں وہ تن گیا یہ سلٹے میں پھیلی — پاجامہ غرض یہ ہے کہ دونوں نے اُتارا
پھر جوڑ تو اُن میں کے ہوئے بال میں تھاں — باقی جو تھا گھر اُنکا تھا افلاس کا مارا
ہر اوہ بنا کیپ میں یہ بن گئیں آیا — بی بی نہ رہیں جب تو میاں پن بھی سدھارا
دونوں جو کبھی ملتے ہیں گاتے ہیں یہ مصرعہ — آغاز ہے بد تر ہے سر انجام ہمارا

اگرچہ ہے ذوق تمکنت کا لحاظ رکھتا ہوں سلطنت کا
خدا نے قائم کئے ہیں درجے خیال ہے حدِ منزلت کا
زبان کھولوں تو سوچ لونگا کہ دل کہاں تک ہے اس کا ساتھی
قدم بڑھاوں تو دیکھ لوں گا جو منتہا ہے مری سکت کا
میں کب ہوں نغمات دل سے غافل نہیں ہوں سازوں پہ پھر بھی مائل
بُرا جو کھنچ جائے گا کوئی سُر تو لطف جاتا رہے گا گت کا
وہ قوم کی شرط ہی نہیں ہے زباں کہیں ہے مکاں کہیں ہے
ستون ہی جب نہیں میسر تو کیا دکھاؤں میں ٹھاٹھ چھت کا
سنوائے خود آپ ہی نے پتلے اور اُن میں کنجی لگائی غربی
لگے وہ جب ناچنے اچھلنے کسی کو پھینکا کسی کو پٹکا،

(ایک صاحب نے فرمایش کی تھی مگر بعد ملاحظہ خاموش رہے)

کیوں نہ اپنے دل کو ہو اُن سے ملاپ — لاٹ صاحب ہیں ہمارے مائی باپ
اُن کے حق میں بھی دعا کرتے ہیں ہم — مندروں میں جب کبھی کرتے ہیں جاپ
ان کی بڑھتی سب مناتے ہیں یہاں — خواہ وہ ہوں خواہ ہم ہوں خواہ آپ
ہر طرف ساماں ہیں آرام کے — کھل گئی ہے ہر طرف ہر شے کی شاپ

ہو گئے روشن حدودِ آسماں　　علم چمکا ہو گئی تاروں کی ناپ

ساری دھرتی دب گئی سائنس سے　　لگ گئے پاپ گیا دنیا سے پاپ

حضرتِ واعظ ہیں راضی رقص پر　　دیر کیا ہے اب پڑے طبلے پہ تھاپ

ہمبرلنگم صفِ مسجد مرا درکار نیست　　جان بیمار ہو چکا ہے حاجتِ غم خوار نیست

ہمنشینِ من اگر شاعر نباشد گو مباش　　با گزٹ کار ست مارا منقبت درکار نیست

عجب بے تمیزی ہے اس دور کی　　زمانے کو دیکھ اور شیو شیو پکار

پپیہے سے کہتے ہیں اب پی کو چھوڑ　　ضرورت ترقی کی ہے کیو پکار

اونٹ نے برگد میں کل گردن اٹھائی تھی ذرا　　ہو چکی تھی اسکو کمسریٹ میں اک مدت دراز

وہ یہ سمجھا تھا مسلم ہیں ہماری نیکیاں　　خوش دلی سے آپ فرمائیں گے اسکو سرفراز

منزلِ مقصود اُس کی سجدگاہ خلق تھی　　وہ تو تھا ایک بارکش اور سالکِ راہِ حجاز

آپ نے ناحق سزاوار سزا سمجھا اُسے　　آپ اُسے گردن کشی سمجھے جو تھا اک پاک ناز

یا الٰہی ہم غریبوں کا کہاں ہو اب نباہ　　بدگماں اُشتر سے جب ہیں حضرت انجمن نواز

یورپ کو پالسی میں عجلت کی کیا ضرورت　　ہے ملتوی قیامت تقسیم ایشیا تک

یکے ذی علم در اسکول روزے　　فتاد از جانبِ پبلک بدستم

بدو گفتم کہ کفری یا ملائی　　کہ پیشِ اعتقاداتِ تو پستم

بگفتا مسلم مقبول بودم　　و لے یک عمر با ملحد نشستم

جمالِ نیچری در من اثر کرد　　دگرنہ من ہماں تخم کہ ہستم

نئے بزرگوں کو میں نے جانچا بنا ہی پایا بس اُنکا سانچا　　اگرچہ شیریں نفس بہت ہیں مگر سراپا وہ کیک ہی ہیں

تو تلاوت میں ہے مصروف تو پھر کیا یہ خیال　　کیوں ہے تجھ سے بت سرکش کو تباین بیحد

کیا نہیں تو نے سنا قولِ بزرگاں اے دوست　　دیو بگریزد ازاں قوم کہ قرآن خواند

رباعیات

کیا فرض ہے یہ کہ ہم ڈھٹائی سے رہیں
لازم کیا ہے۔ بلند ادائی سے رہیں
کافی ہے خدا کی یاد اک گوشے میں
روٹی مل جائے اور صفائی سے رہیں

اُس بت نے کہا کہ تو ہے بے علم و خرد
کھول آنکھ زمانے کے موافق ہو جا
آخر میں کھُلا کہ اُس کا مطلب یہ تھا
اللہ کو چھوڑ مجھ پہ عاشق ہو جا

آمادہ حریف ہیں ستانے کے لئے
اور دکھ میں شریک ہونے والا نہ رہا
زندہ ہوں تو مجھ پہ ہنسنے والے ہیں بہت
مرجاؤں تو کوئی رونے والا نہ رہا

عالم نے یہاں قبول ورد کو جانا
دیکھا دنیا کو نیک و بد کو جانا
عاقل وہ ہے کہ جس نے ہنگامِ عمل
اپنی قوت کو اپنی حد کو جانا

اکبرؔ اس باب میں نہ کر فکر بہت
منطق کے گھر میں کچھ نہیں اس کا علاج
مذہب کے قبول میں زیادہ ہیں دخیل
سوشل اثرات اور اُفتادِ مزاج

مذموم ہے رمز و طعنہ و کبر و حسد
رکھو یہ روش کرے جو اللہ مدد
ہم رنگ سے ارتباط با صدق و صفا
بے میل سے احتراز بے کینہ و کد

آز کے لئے زبان درازی ہے بُری
روٹی نہ ملے تو غل مچانا جائز
اس وقت میں ہے یہی نصیحت اچھی
اس ساز پہ ہے یہی ترانا جائز

سمجھیں نہ حضور تھرڈ والوں کو حقیر
انجن تو وہی ہے جس کی ہم سب کو ہے آس
اسٹیشن گور تک ہے یہ فسٹ و سکنڈ
بعد اِس کے موافقِ عمل ہوگا کلاس

دنیا کی ہوس دھرم کا لیتی ہے جو رنگ
دقّت ہوتی ہے جاتری ہوتے ہیں تنگ

گنگاجی کا بہاؤ تو یکساں ہے — آفت ہے مگر پراگ والوں کی یہ جنگ

مذہب کا معاشرت سے ہے ربط کمال — دونوں جو ہوں مختلف تو آرام محال
پہلے یہ مسئلہ سمجھ لیں احباب — بعد اس کے رفاہ کا کریں دل میں خیال

انداز سلف کو یک قلم بھولی قوم — ہے سالک راہِ غیر معمولی قوم
جمعیت دین و دل سے کچھ کام نہیں — قومی اسکول ہے اور اسکولی قوم

میں ہوں یا آپ جناب برہم — دنیا کی روش سے سب ہیں درہم برہم
بے تاب ہے زخم ہائے دل سے مشرق — یارب تری رحمتیں بنیں اب مرہم

قرآن وحدیث میں ہے ڈوبا واعظ — چسپاں ہو مگر یہ اُس کا مضمون کہاں
گھر پہلے بنا کے خانہ داری سکھلا — ملت ہی نہیں ہے جب تو قانون کہاں

میں کب کہتا ہوں وہ مسلمان نہیں — سب ہیں چکے ہوئے ہیں لاثانی ہیں
میں تو اتنا ہی کر رہا تھا دریافت — قومی ہیں کہ مذہبی کہ روحانی ہیں

فطری خوبی ہے مبتلا فالج میں — بلبل داخل ہے میوزیکل کالج میں
داخل ہیں نوائے ساز کی کس کو خبر ہے — رعشہ ہر سُر کو ہے مگر خارج ہیں

پابند اگرچہ اپنی خواہش کے رہو — لائل سبجکٹ تم برٹش کے رہو
قانون سے فائدہ اُٹھانا ہے اگر — حامی نہ کسی خراب سازش کے رہو

ہے ان کی جبیں اور بتوں کی درگاہ — ہیں شرک خفی میں مبتلا شام و پگاہ
کس کو یہ خیال ہے کہ مومن کے لئے — قرآن میں ہے اشدّ حبًّا للّٰہ

منکر کے خیال میں پریشانی ہے — اُس کا منشا فقط ہوس رانی ہے
دنیا فانی ہے وہ بھی ہے اس کا مقر — لیکن نہ سمجھ سکا کہ کیوں فانی ہے

روشن سینے میں شمعِ ایماں کردے — دل تیری طرف رہے وہ ساماں کردے
دنیا سے ہو بیخبر ترے شوق میں روح — یارب اکبرؔ پہ زیست آساں کردے

اک روز بھی تارکِ تگ و دو نہ ہوئے — فارغ از بحثِ گندم و جَو نہ ہوئے
جمعیت دل کہاں حریصوں کو نصیب — ننانوے ہی رہے کبھی سَو نہ ہوئے

ہر اک سے سُنا نیا فسانا ہم نے — دیکھا دنیا میں اک زمانا ہم نے
اول یہ تھا کہ واقفیت پہ تھا ناز — آخر یہ کھُلا کہ کچھ نہ جانا ہم نے

ظاہر تری رحمتِ نہفتہ ہوجائے — بیدار ہمارا بختِ خفتہ ہوجائے
کمھلایا ہوا ہے دل ہمارا یارب — بھیج ایسی ہوا کہ وہ شگفتہ ہوجائے

ہر ساعت رخت بستہ دنیا میں رہے — مغموم و ملول و خستہ دنیا میں رہے
عاشورہ ہے ہر روز پس از قتلِ حسین — مومن اب دل شکستہ دنیا میں رہے

دیکھا قدرت کا کارخانا ہم نے — علمی طاقت کو پست جانا ہم نے
ازبسکہ ضرور تھا کوئی طرزِ عمل — نبیوں نے جو کچھ کہا وہ مانا ہم نے

جب نورِ یقیں نہیں بصیرت کیسی — طاقت ہی نہیں دلوں میں ہمت کیسی
اسلام نئی روش میں کیا ہو یک رُخ — مسجد ہی نہیں تو پھر جماعت کیسی

مثنویات

دُور کوہِ لبِ ساحل سے جو گذری اک موج — کوہ سے اُس سے کہا تو نے تہ دیکھا مد و جزر
مجھ سے مل کر تجھے جانا تھا برائے دم چند — بولی سالک کبھی کرتے نہیں ساکن کو پسند
ہیں بڑے آپ مگر اپنی جگہ سے ہیں اٹل — اپنی رفتار میں کیا فائدہ ڈالوں میں خلل
ہنس کے اس بحث پہ بولا کسی جانب سے حباب — پوچھئے موج سے ہے بھی اُسے رک جانے کی تاب
اپنے بس ہی میں نہیں ہے یہ تعلّی کیسی — اضطراری ہے روش شانِ ارادی کیسی
بہہ گئی موج یہ کہہ کر کہ میں مغرور نہیں — تجھ میں اے کوہ مگر روشنیٔ طور نہیں
بلبلا ٹوٹ گیا کوہ بھی خاموش رہا — وہی حیرت رہی دریا کا وہی جوش رہا

آزادی کا شور مبارک — یہ تقلیدی زور مبارک
میرا تو ہے اور ہی منظر — میں تو یہ کہتا ہوں اکبر
عارف کو بیہوشی زیبا — عاقل کو خاموشی زیبا

میں بھی گریجویٹ ہوں تو بھی گریجویٹ — علمی مباحثے ہوں ذرا پاس آکے لیٹ
دونوں نے پاس کرلئے ہیں سخت امتحاں — ممکن نہیں کہ اب ہو کوئی ہم سے بدگماں
بولی یہ سچ ہے علم بڑھا جہل گھٹ گیا — لیکن یہ کیا خبر ہے کہ شیطان ہٹ گیا

کہتے تھے سابق میں سب اوپر خدا نیچے حضور — اس مقولے کو مگر بدلیں گے اب اہلِ شعور
زیرِ پا ہے ریلوے اور سر پہ ہے انجن کی بھاپ — اب یہ کہنا چاہیئے نیچے بھی آپ اوپر بھی آپ

مشرقی کو ہے ذوقِ روحانی — مغربی میں ہے میلِ جسمانی
کہا منصور نے خدا ہوں میں — ڈارون بولے بوزنا ہوں میں

ہنس کے کہنے لگے مرے اک دوست ۔۔۔ فکر ہر کس بقدرِ ہمت اوست

ووٹ بازی

جب اک بھائی تھے اس منصب پہ ممتاز ۔۔۔ تو پھر کیوں آپ نے کی جست و پرواز
کہنے لگے کہ رہنے دیجئے پسند ۔۔۔ مرا کیا بس مریداں مے پرانند

درخت جڑ پہ ہے قائم تو استوار بھی ہے ۔۔۔ کبھی خزاں ہے اور اس پر کبھی بہار بھی ہے
خلاف اس کے کرے گی خرد جو بے صبری ۔۔۔ نہیں اُٹھانے کا نیچر حکومتِ جبری
جو کوئی چاہے کہ قائم کرے نئی بنیاد ۔۔۔ تو برگ و بار ندارد درخت بھی برباد
بنائے عظمتِ قومی ہے فطرتی اے یار ۔۔۔ اسی بنا سے ہے وابستہ ہر خزاں و بہار
خیال و عزتِ ملت کا جس پہ ہے غالب ۔۔۔ طریقِ راحتِ ذاتی کا وہ نہیں طالب
طریقِ حکمت و تزئین ہر ایک رنگ میں ہے ۔۔۔ نہ سمجھو یہ کہ فقط مغربی ہی ڈھنگ میں ہے
نگاہِ غور کرو سوئے ٹرکی و ایران ۔۔۔ نئی بنا پہ حریفوں نے کر دیا ویران
تمھارے دل میں یہ کیا وہم کیا گماں آئے ۔۔۔ تمھارے جسم میں کیوں دوسرے کی جان آئے
جو تو نے بھائیوں کا اپنے ساتھ چھوڑ دیا ۔۔۔ تو دستگیر نے تیرا بھی ہاتھ چھوڑ دیا
جو بات ٹھیک ہے کہتا ہوں میں اُسے کھل کر ۔۔۔ کہ سلطنت نہ سہی تم رہو تو مل جل کر

بجھا رہے تھے مجھ کو مکٹ کی وہ گردشیں ۔۔۔ خود کر رہے تھے تاک کی ٹٹی سے سازشیں
نقشے میں دیکھتا تھا وہ پیتے تھے جام مے ۔۔۔ میں نے کہا حضور یہ مضموں عجیب ہے
ہیں خود تو مست بادۂ عشرت کے خم سے آپ ۔۔۔ الجھا رہے ہیں مجھ کو ستاروں کی دُم سے آپ
بولے کہ ان میں ہے کوئی اور شعر بھی ۔۔۔ میں نے کہا یہ بات مرے ذہن میں بھی تھی
اللہ رے ارتقائے سگانِ درِ حضور ۔۔۔ کل تو ستم ہوئے تھے ہوئے آج تم سے آپ

ہنس کر دیا انھوں نے اکٹ بحث کا ورق — گانے لگے وہ گیت میں پڑھنے لگا سبق

خامشی سے نہ تعلق ہے نہ تمکین کا ذوق — اب حسینوں میں بھی پاتا ہوں میں اسپیچ کا شوق
شان سابق سے یہ مایوس ہوئے جاتے ہیں — بُت جو تھے دیر میں ناقوس ہوئے جاتے ہیں

جب نکیرین آئے مری قبر میں بہر سوال — میں نے یہ چاہا کہ لکھواؤں انھیں سب اپنا حال
ہاتھ پاکٹ میں جو ڈالا مجھ کو حیرت ہو گئی — یعنی تھی جو نوٹ بک وہ اس سفر میں کھو گئی
کہہ دیا میں کہ میں اب ہر طرح معذور ہوں — رہ گئی دنیا میں میری نوٹ بک مجبور ہوں

منشی کہ کلرک یا زمیندار — لازم ہے کلکٹری کا دیدار
ہنگامہ یہ ووٹ کا فقط ہے — مطلوب ہر اک سے دستخط ہے
ہر سمت مچی ہوئی ہے ہل چل — ہر در پہ یہ شور ہے کہ چل چل
ٹم ٹم ہو کہ گاڑیاں کہ موٹر — جس پر دیکھو لدے ہیں ووٹر
شاہی وہ ہے یا پیمبری ہے — آخر کیا شے یہ ممبری ہے
نیٹو ہے نمود ہی کا محتاج — کونسل تو ہے انکی ہی جن کا ہے راج
کہتے جاتے ہیں یا الٰہی — سوشل حالت کی ہے تباہی
ہم لوگ جو اس میں پھنس رہے ہیں — اغیار بھی دل میں ہنس رہے ہیں
در اصل نہ دین ہے نہ دنیا — پنجرے میں پھدک رہی ہے مینا
اسکیم کا جھولنا وہ جھولیں — لیکن یہ کیوں اپنی راہ بھولیں

قوم کے دل میں کھوٹ ہے پیدا — اچھے اچھے ہیں ووٹ کے شیدا
کیوں نہیں پڑتا عقل کا سایہ — اس کو سمجھیں فرض کفایہ
بھائی بھائی میں ہاتھا پائی — سلف گورمنٹ آگے آئی

پاؤں کا ہوش اب ہے نہ سر کی — ووٹ کی دُھن میں بن گئے پھر کی

ہا دن تو ہے ہوس کا وستہ ہے پالسی کا — لیکن ادھر تصور جیسا نا نہیں کسی کا

ہے کوفت لیکن اس پر مسرور ہو رہے ہیں — ہر سو اچھل رہے ہیں اور چور ہو رہے ہیں

اس قبلہ رد جماعت کا انتشار دیکھو — اس باغ میں خزاں کی اکبر بہار دیکھو

لکھے گا کلک حسرت دنیا کی ہسٹری میں — اندھیر ہو رہا ہے بجلی کی روشنی میں

یہیں کے پیدا یہیں کی رنگت یہیں کی بولی یہیں کا کھانا
تو پھر تفاوت ہو کیوں سروں میں ہر اک کو بہتر ہے دیس گانا

ہے فرنگی بسوا ان کی سیوا ہر ایک پر آپ فرض کر دیں
جو خاص مطلب ہوں اپنے اپنے الگ جا کے عرض کر دیں

جو باہمی بحث ہو تو باہم ہم اس پہ قال اقول کر لیں
جو فیصلہ ہو قبول کر لیں جو خار بھی ہو تو پھول کر لیں

برادرانہ محبتیں ہوں۔ جیئیں مزے سے خوشی منائیں
نہیں ہے اس میل کا یہ مطلب کہ ہم گورمنٹ کو ستائیں

نیچر کو ہوئی خواہش زن کی اور نفس نے چاہا رشک پری
شیطان نے دی ترغیب کہ ہاں لذت تو ملے زانی ہی سہی

نیچر کی طلب بالکل ہے بجا اور نفس کی خواہش بھی ہے روا
شیطان کا ساتھ البتہ بُرا اور خوفِ خدا ہے اس کی دوا

ہم نیچر کی تو حد میں تقوے ہے اور نفس پہ کچھ الزام نہیں
ہاں ساتھ اگر شیطان کا ہو تو نیک ترا انجام نہیں

درحقیقت نفس کی چالاکیاں ہیں گھاتیں ہیں — جو دیکھئے تو دکھاوے کی سب یہ باتیں ہیں
نہ قوم کی تخصیص الغت نہ قوم کا ہے وجود — فقط یہ پولٹکل انجزات کا ہے صعود
تمہارے سامنے کچھ مغربی ضوابط ہیں — یہ اسم و فعل نہیں ہے فقط روابط ہیں
نہ قوم ساتھ تمہارے نہ تم ہو قوم کے ساتھ — تمہارا پیٹ تمہارا منہ اور تمہارا ہاتھ
خداپرست کے تیور ہی اور ہوتے ہیں — خطا معاف وہ جو ہم ہی اور ہوتے ہیں

کسی درجے میں دنیا کے اگر کوئی معزز ہے — سمجھتا ہے کہ یہ اعزاز ہی بس میرا مرکز ہے
مگر ایسا سمجھنا ہے سراسر اُس کی نادانی — وہ عزت اک تماشا ہے وہ حالت اسکی ہے فانی
پناہِ نفس بیشک ہے مگر مرکز نہیں دل کا — اسی پر مطمئن رہنا نہیں ہے کام عاقل کا
وہ کہتا ہے کہ دل کیا چیز ہے بس نفس کی خواہش — وہ کہتا ہے کہ باطن کیا فقط اعضا کی ہے سازش
مگر یہ اس کی نادانی ہے کم فہمی کی ہیں باتیں — یہ بے عقلی کے دن ہیں اور یہ غفلت کی ہیں راتیں
بشر اک نوبت ہستی میں جب مایوس ہوتا ہے — حقیقت اپنی تب کھلتی ہے دل محسوس ہوتا ہے
اگر یاد خدا مرکز ہے تسکیں اُس کو ہوتی ہے — وگرنہ بیکسی میں جان اندر تن کے روتی ہے

ایمان دل ہے تمہ قائم جو رہا پیدا ہوئی آخر شکل کوئی — بالکل ہی سکون آئین جو نہ ہو پھر دائرہ تحقیق کہاں
ہر بات پہ جس نے شکر ہی کیا وہ صرف پریشان باطن تھا — پرکار سے نقش ہیں وقت بنا اک جذب اسکا ساکن تھا

مخلوق ہی کا محو یہ ہے رب کا ذکر کیا — مطلب ہی کا غلام ہے مذہب کا ذکر کیا
غیرت ہی جب نہیں ہے تو ایمان ہو چکا — انسان ہی نہیں ہے مسلمان ہو چکا

خس کی یہ معذرت ہے موجوں کے ساتھ ہم ہیں — موجیں یہ کہہ رہی ہیں قدرت کے ہاتھ ہم ہیں
دریا رواں ہیں ہر سو چشمے اُبل رہے ہیں — جس راہ لگ گئے ہیں اس راہ چل رہے ہیں

غم سے عبرت کا نور حاصل ہے — غم نہایت مجلّیِ دل ہے

غم سے مطلب وہ غم جو داغ بنے — نہ وہ جور ستم کا چراغ بنے

مذہب ہے امر قومی سمجھو نہ فعل ذاتی — معذور سب ہیں اس میں گنگو ہوں یا وفاتی
شیعہ ہوں خواہ سنی لالہ ہوں یا برہمن — مذہب کو مورثوں سے سب پاتے ہیں عموماً
پولیٹیکل ضرورت بیشک تھی اس کی اول — اب اس طرف توجہ لازم ہے صرف سوشل
اچھا بُرا نہ کہہ دو تم مذہبی بنا پر — اخلاق اس کے دیکھو اصلی تو ہے یہ جوہر
تعلیم ہے جو عمدہ صحبت اگر ہے اچھی — پاؤ گے اس کو اچھا طینت اگر ہے اچھی
ناری ہے یا کہ ناجی اس کا بیاں نہیں ہے — سوشل طریق یہ ہے اور وہ تو راز دیں ہے

جناب فاطمہؓ کے مرتبے کا کیا کہنا — ہمیشہ چاہیئے ان پر درود خواں رہنا
جناب حیدر کرار کی وہ ہیں بی بی — حسنؓ حسینؓ کی ماں ہیں رسولؐ کی بیٹی

ذرّے ہیں چند جن کو صنعت اُبھارتی ہے — اک خاکِ عبرت آ گئیں لیکن پکارتی ہے
اس انجمن میں ہم بھی اک رات جل چکے ہیں — تم شمع بن رہے ہو اور ہم پگھل چکے ہیں

ہر طرح راحت تھی مجھ کو دانت سے — قافیہ اُن کا ملا تھا آنت سے
صحت اب بگڑی تو ان میں درد ہے — اس طرف دیکھو تو معدہ سرد ہے
خواب راحت کس کو کھانا کون کھائے — رات بھر کراہ رہا ہوں ہائے ہائے
درد کے آگے رہا منجن بھی گرد — مصطگی بھی رہ گئی بار دے زرد

یوں تو دونوں ہی ہیں مصروف عبادت میں مگر — ایک نکتہ ہے نظر چاہیئے جس پر اکبر
اہل ظاہر تو فقط حکم خدا پاتے ہیں — اہل باطن تپش دل کی دوا پاتے ہیں

بے حد اس بات سے ہوں جلتا — مجھ سے مرا دل نہیں بہلتا
ہے شوق سوسائٹی میں مستی — کیا خاک ہے یہ خدا پرستی

عزلت سے پناہ چاہتا ہوں　　گپ شپ ہی کی راہ چاہتا ہوں
اللہ کے واسطے جو ملتے　　بے شبہ گلِ مُراد کھِلتے

کہاں کا گیان اور دھیان کیسا خدا کہاں کا کہاں کے وشنو
عمل کے بدلے اسی کا غل ہے ہیں دیشنو بہیں وبشنو
صدائے فونوگراف بشنو ببیں تماشائے لمپ برقی
زسینۂ دل مجو تجلّی خموش کن شمع ہائے شرقی

رہنما باطن کا ہو کوئی خضر یہ خوب ہے　　اِس خضر پر سب سے لڑنا یہ مگر معیوب ہے
اپنے اپنے خضر سے ہر ایک رکھے دل کو شاد　　نام ہے اللہ واحد کا برائے اتحاد

اک اُٹھا کشور کشائی کے لئے　　اک اُٹھا حق کی صفائی کے لئے
جنگ میں دنیا رہی القصہ غرق　　ہاں سکندر اور موسیٰ کا ہے فرق

حافظِ شیراز کا کیا پوچھنا تھے خوش بیاں　　ان کا یہ مطلع ہے اب تک انجمن میں بر زباں
دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیر ما　　چیست یاران طریقت بعد ازیں تدبیر ما
حضرتِ اکبر بھی لیکن اس زمانے میں ہیں فرد　　اُن کا یہ مطلع کوئی پڑھتا تھا کل با آہ سرد
دوش از صحن حرم آمد بہ کالج قوم ما　　دیدنی گردیدہ است اکنوں صلوٰۃ صوم ما

ایک ہی موج قضا میں غفلتیں بہ جائیں گی　　سرکشوں کی گردنیں اپنی جگہ رہ جائیں گی
ساقیٔ بزم فنا کا لب پہ کپ آنے تو دو　　کبر کی اُڑ جائے گی قلعی وہ تپ آنے تو دو

بدن طاہر ہو اور توحید دل میں　　تو ہم اچھے ہیں اپنے آب و گل میں
شگفتہ رکھے گی ہم کو طہارت　　جھکا ہی دے گی دل طاعت پہ وحدت

اُس کا گھوڑا جس کی کاٹھی　　بھینس اُسی کی جس کی لاٹھی

زور بٹھادے تھانے تھانے — دنیا دیکھے دنیا مانے
تجھ کو تو ہے خالی چھپنا — اس سے اچھا ہر کو جپنا

غلط بالکل یہ دعویٰ ہے خدا کو جان سکتے ہیں — مگر یہ صاف ظاہر ہے خدا کو مان سکتے ہیں
تعجب کیا اُسے محدود ہستی نے نہیں جانا — تعجب ہے اگر محتاج ہستی نے نہیں مانا

دسمبر میں وہ دوڑے بے تحاشا — لگا ہونے ترقی کا تماشا
زبان گنجینۂ لفظی میں لکھ لٹ — چلی اسپیچ کے میدان میں بک ٹٹ
ہوئی جب جنوری رو کڑ کی طالب — رپٹ لکھوا گیا قومی محاسب
مفاعیلن مفاعیلن فعولن — مفاعیلن مفاعیلن فعولن

قوتِ طبع اگر صرف کرو اے اکبر — تو فقط دشمنِ توحید پہ لازم ہے نظر
کیوں پئے طعن کسی مسلم بدنام کو ڈھونڈھ — بحث کرنا ہے تو بیگانۂ اسلام کو ڈھونڈ جا
باہمی کشمکش وطعن کا ہنگام نہیں — کید اغیار سے مسلم کو جب آرام نہیں

اتحاد مذہبی اہل جہاں میں ہے محال — بہر اصلاح انتظار اس کا ہے اک وہم و خیال
اختلاف باہمی سے چاہیے قطع نظر — ورنہ دخلِ غیر سے ہرگز نہ پاؤ گے مفر
لعن و طعن آپس میں سمجھو عقل مردی کے خلاف — عادتیں ہیں مسٹری ہے سب کو تم رکھو معاف
ہاں عمل اس پر کرو جس کو کہ خود سمجھو صحیح — محترز اُس سے رہو جس کو غلط سمجھو صریح
زور سے دبتی ہے دنیا یہ نہیں تو کچھ نہیں — حکم سے چلتا ہے کہنا یہ نہیں تو کچھ نہیں

ہو جاؤ کھڑے کہیں جو قوم ہو — بیٹھے جو رہیں افلا تلوموا
آں را کہ قیام یا قعود است — بگذار کہ مائل سجود است

یہ عزم ترا سعی سے دمساز ہو کیوں کر — اسباب نہ ہوں جمع تو آغاز ہو کیونکر

اسباب کرے جمع خدا ہی کا ہے یہ کام
طالب ہو خدا ہی سے دعا ہی کا ہے یہ کام

بے طاعت ونیکی نہیں تاثیر دعا کچھ
آنے کی نہیں کام فقط حرص وہوا کچھ

منظور اگر کبر و تفاخر کا سبق ہے
تخصیص تری کیا ہے حریفوں کو بھی حق ہے

یہ کشمکشِ فطرت دنیا ہے مسلسل
اک آج اگر صاحب طاقت ہے تو اک کل

نیکی کی طرف رخ ہو یہی ناموری ہے
کھوٹے کو جدا کر دے وہی بات کھری ہے

ہیں جو کمزور وہ قاضی سے مدد مانگتے ہیں
اور جو ہیں کور وہ ماضی سے مدد مانگتے ہیں

دنیا کو فقط ارض وسما کافی ہے
یہی نظارہ پئے یادِ خدا کافی ہے

یاد رکھو کہ یہ ہے ملتِ ابراہیمی
اتنا ہی کہہ دیا آواز ہے بہتر دھیمی

آغاز یہ تھا کہ دل بڑھا تھا
جو بت تھا نگاہ پر چڑھا تھا

انجام یہ ہے کہ مر رہے ہیں
اللہ اللہ کر رہے ہیں

راویوں کا اور شاعر کا بتاؤں تم سے فرق
آسمانِ مطلب ومعنی پہ دونوں ہی ہیں برق

وہ سنایا کرتے ہیں تم کو کہ کس نے کیا کہا
یہ یہ کہتا ہے کہ مجھ سے میرے حس نے کیا کہا

اگرچہ لوگوں نے لکھا ہے حال بعد وفات
مگر کوئی بھی نہیں کہہ سکا یقینی بات

جو ٹھیک بات ہے وہ ہم کو ہو گئی معلوم
ہمارے شعر کی دنیا میں مچ گئی ہے دھوم

بتائیں آپ سے مرنے کے بعد کیا ہوگا
پلاؤ کھائیں گے احباب فاتحہ ہوگا

میسر جب آجائے خوانِ نعیم
تو لازم ہے شکر خدائے کریم

بہت ہے یہ بیجا کہ کھا کر پلاؤ
کہو تم تنجن بھی کچھ ہو تو لاؤ

سلف کی بھی تھی ایک پولیٹیکل مد
مگر اس وقت کی تھی مختصر حد

بہت کم تھے رسائی کے دلائل
الگ تھے اپنی قوت میں قبائل

تو اپنے وقت کا جغرافیہ دیکھ ۔۔۔ یہ مضموں اور اپنا قافیہ دیکھ

ترجمے والے کرتے ہیں محنت ۔۔۔ پا لیتے ہیں اپنی اُجرت
سینے ہو جاتے ہیں خالی ۔۔۔ بھرتی جاتی ہے المساری
دل کا کورس تو ٹھہرا غربی ۔۔۔ لب پر اُردو ہو یا عربی

اُدھر برگد کا مُلّا ہے ادھر مندر کا صوفی ہے ۔۔۔ نہ اُس میں بیوقوفی ہے نہ اِس میں بیوقوفی ہے
اُدھر وہ بھی اُٹھائے نازِ ستانِ حکومت کا ۔۔۔ ادھر یہ بھی بنا ہے رازِ پیرانِ طریقت کا
فلک گھومے گا ان پر جب کبھی میدان مردی کا ۔۔۔ تو قصہ ختم ہوگا ذہن کی آوارہ گردی کا

اک مصیبت میں ہے سادھو ہے کوئی یا سیٹھ ہے ۔۔۔ ہے تو یہ ساون مگر حکمِ خدا سے جیٹھ ہے
سچ تو ہے گردوں کو راہِ مہربانی کیوں ملے ۔۔۔ آگ جب یورپ میں برسے ہم کو پانی کیوں ملے
یا الٰہی جلد ہو باران رحمت کا نزول ۔۔۔ یہ دعا لازم ہے سب کو چھوڑ کر کارِ فضول

مذہب کے باب میں کوئی کس کو بدل سکے ۔۔۔ یہ تو وہ کر سکے کہ جو حس کو بدل سکے
حس امر فطری ہے خدا ہی کی شان ہے ۔۔۔ منطق سے پہلے عادت و حس کی اٹھان ہے
میلان طبع ہوتا ہے قائم شروع میں ۔۔۔ پھر اس کے آگے رہتی ہے منطق رکوع میں
اس کے خلاف کچھ جو کہیں ہو وہ شاذ ہے ۔۔۔ یا جبر یا وہ مصلحتوں کا نفاذ ہے

انفلوئنزا چڑھا چوگان بازی اب کہاں ۔۔۔ اسپتالی ہو رہے ہیں اسپ تازی اب کہاں
چارے کی قلت ہوئی تو بیل بھی مرنے لگے ۔۔۔ انفلوئنزا ہوا کر نیل بھی مرنے لگے
آدمی بھی تنگ ہیں اور جانور بھی زیر ہیں ۔۔۔ عقل کی سڑکوں پہ بھی بیماریوں کے ڈھیر ہیں
کیا کھلے گیہوں کی منڈی کیا دکانِ جج لگے ۔۔۔ موت کے دھڑکوں میں بہتر ہے خدا سے لو لگے
ہم میں ٹیڑھا بن جو آجائے تو وہ سیدھا کرے ۔۔۔ دیوتا بگڑیں تو پھر سرکار اس کو کیا کرے

سب کو لازم ہے دعا مانگیں خدا سے رات دن ۔ حد زیادہ کی نہیں لیکن کم از کم سات دن

ہو اگر اکبرؔ تمھیں شوقِ صراط مستقیم ۔ دیکھ لو قرآن میں من یعتصم باللہ کو

یاد آرہی ہے مجھ کو موسیٰ کی گفتگو اب ۔ ہوں محو استعینو باللہ واصبرو ۔ اب

طاعتِ باری سے دل کو شاد رکھ ۔ اِنّ وعد اللہ حقٌ یاد رکھ

مہاراجہ کشن پرشاد رئیس دکن بالقابہ

رحلت فرزند سے ہیں راجہ صاحب دردمند ۔ شاد کا دل اس مصیبت سے بہت ناشاد ہے

اکبرؔ خونیں جگر اس غم میں ہے خود مبتلا ۔ اس کے لب پر بھی فغان و آہ ہے فریاد ہے

حرفِ تسکین و تسلی کیا زباں پر لائے وہ ۔ شاد خود صوفی ہیں ان کو درس حکمت یاد ہے

رحمتِ حق پر نظر ہے اور یہی ہے التماس ۔ منزل ہستی کی یہ اک فطرتی اُفتاد ہے

لطف اشفاق خدا کی گود میں بیٹا ہے وہ ۔ جنت الفردوس اس کے دم سے اب آباد ہے

اس تصور میں رہے مہراج کی طبع بلند ۔ یعنی اب عثمان پر شاد آسماں پر شاد ہے

لفظوں میں اجتماع نہ معنی میں نور ہے ۔ ویران آج کوچۂ بین السطور ہے

شبلی کا خامہ صفحہ ہستی سے اٹھ گیا ۔ اب تدآہ د لوحِ دلِ ناصبور ہے

مشتاق ترا اکبرؔ رنجور بہت ہے ۔ افسوس یہی ہے کہ دکن دور بہت ہے

شبلی ہی اُٹھ گئے تو میں اب جاؤں کس کے پاس ۔ شعر و سخن کی بزم نظر آتی ہے اُداس

ڈھونڈھا جو دل نے مادۂ سال انتقال ۔ پھرنے لگا نگاہ میں یارِ سخن شناس

ہجری ۱۳ ۳ ۲

سر علی محمد صاحب راجہ محمود آباد

ہیں حضرت ساحر آج اک حسن کمال — ہے مخزن حکمت وخرد اُن کا خیال
اشعار اکبر کے کیوں نہ ہوں یاد اُن کو — راجہ کے گھر میں موتیوں کا کیا کال

سید فضل الحسن حسرت موہانی

تھا دلِ حسرت بھرا ارمان میں — ہم نے لکھ بھیجا انھیں موہان میں
بھائی صاحب رکھ دو تم اپنا قلم — ہاتھ میں لو اب تجارت کا علم
ہو چکی غیروں سے خویشی کی بہار — بس دکھاؤ اب سودیشی کی بہار
کام کو اٹھو چڑھاؤ آستیں — لَا یُضِیعُ اللہُ اَجرَ المُحسِنِین

اقبال

حضرت اقبال میں جو خوبیاں پیدا ہوئیں — قوم کی نظریں جو اُن کے طرز کی شیدا ہوئیں
یہ حق آگاہی یہ خوش گوئی یہ ذوق معرفت — یہ طریق راستی خودداری بے تمکنت
اس کے شاہد ہیں کہ ان کے والدین ابرار تھے — باخدا تھے اہل دل تھے صاحب اسرار تھے
جلوہ گر ان میں انھیں کا ہے یہ فیض تربیت — ہے ثمر اس باغ کا یہ طبع عالی منزلت
مادر مخدومۂ اقبال جنت کو گئیں — چشم تر ہے آنسوؤں سے قلب سے اندوہگیں
روکنا مشکل ہے آہ و زاری و فریاد کو — نعمت عظمیٰ ہے ماں کی زندگی اولاد کو
اکبر اس غم میں شریک حضرت اقبال ہے — سال رحلت کا بیان منظور اُسے فی الحال ہے

واقعی مخدومۂ ملت تھیں وہ نیکو صفات — رحلتِ مخدومہ سے پیدا ہے تاریخِ وفات

فخرِ ملت تھے مہدی اللہ مرحوم یہ کیوں نہ غم انکا ہو ہر اک کو — سالِ رحلت کا مادہ اکبر: مومن پاک بینظیر لکھو

صدمۂ فرقت میں کر کے مبتلا — آج ہاشم عازمِ جنت ہوا

قوتِ بازوئے عشرت چل بسی — اور مرا نورِ نظر رخصت ہوا

چوک کی مسجد الہ آباد میں ممتاز ہے — شہر میں سارے مسلمانوں کو اس پر ناز ہے

وسعت و رفعت میں تھی محسوس لیکن کچھ کمی — تنگ ہوتی تھی جگہ جب ہوں زیادہ آدمی

دین میں راسخ ہیں عبدالکافی نیکو صفات — ان کی باتوں میں اثر ان کے ارادوں میں ثبات

کی انھیں نے سعی دل سے اور لگائی حق سے لو — ہو گئی آخر خدا کے فضل سے تعمیر نو

ہو گئی کافی جگہ اسلام کے اقبال سے — کہہ رہی ہے مسجد اپنی زبانِ حال سے

مسجدِ کافی کی شانِ آسمانی دیکھئے — خاکساروں کی بلندی کی نشانی دیکھئے

مرثیہ ہاشم مرحوم

۵ جون ۱۹۱۳ء

آغوش سے سدھارا مجھ سے یہ کہنے والا — ابا سنائیے تو کیا آپ نے کہا ہے

اشعارِ حسرت آگیں کہنے کی تاب کس کو — اب ہر نظر ہے نوحہ ہر سانس مرثیا ہے

آگرہ میں مقدمہ ہوا تھا

(ایک میم نے شوہر کو زہر دیا ایک صاحب نے اپنی میم کو قتل کیا)

حالِ مسز کلاک و مسٹر فلم کھلا — تھا کل بیان پیشِ عدالت کھلم کھلا

ان کو کھلا یا قتل اور ان کو پلایا زہر — تہذیبِ مغربی کی یہ تکمیل اور یہ قہر

بر ہے یہ اعتراض ہو اور زہر ہو دوا — بالیگی تو یہ طعن ہو اور یہ ستم روا

لاکھوں مقدمات ہوئے بعض کھُل گئے — گذرا زمانہ یاو کے دامن سے وصل گئے

فتنے کا ہے قصور نہ مفتون کا قصور — سب کچھ ہے یہ خرابیٔ قانون کا قصور

پردہ نہیں طلاق میں آسانیاں نہیں — جائز کہیں تعدد ازواج یاں نہیں

فطرت کا اقتضا جو ہے کس طرح وہ رُکے — پھر کیوں گناہ جرم کی جانب نہ دل جھکے

آسان ہو طلاق تو دل شاد کیجئے — بے قتل غیر اپنا گھر آباد کیجئے

پردہ جو ہو تو ایسے مواقع بھی کم میں — کیوں بزم مے میں شوخ نگاہیں بہم میں

قانون میں روا ہو اگر دوسرا نکاح — پھر کیوں یہ قتل زوجۂ اولیٰ کا ہو مباح

جب پردہ و طلاق و تعدد روا نہیں — پھر بد معاشیوں کے سوا کچھ دوا نہیں

جانیں ہزاروں جاتی ہیں بچے بلکتے ہیں — مستان مے جگہ سے بھلا کب سرکتے ہیں

مغرب کا دل جو خواہر مشرق کے ساتھ ہے — یہ بھی گھروں میں ان کے لئے ملتی ہاتھ ہے

الغرض یہی ہے حالت قانون مغربی — آزادیوں کی قید میں رُوح ان کی ہے پھنسی

بس ظاہری نمود چمک اور ادا میں ہے — دل کی خبر نہیں ہے کہ وہ کس ہوا میں ہے

لکچر ہے اس طرف تو ادھر بہشتی بھی ہے — اس سمت ناچ ہے تو اُدھر خودکشی بھی ہے

تعلیم عورتوں کی ضروری ہے لاکلام — لیکن جو یہ اثر ہے تو بس دور سے سلام

ہم کو کمال شوق سے تعلیم دیجئے — لیکن کچھ اپنے گھر کی بھی اصلاح کیجئے

ہم فائدہ اٹھائیں گے مغرب کے راج سے — لیکن پناہ مانگیں گے ایسے رواج سے

(حسب فرمایش محمد عبد الرشید صاحب آرزو سوداگر دہلی)

دماغ کے لئے خوشبو کا کھیل اچھا ہے — ہوا بھی مست ہوئی ہے کہ تیل اچھلا ہے

امام آرزو کی یہ ترکیب دیکھئے — نیٹو کو رنگ روپ میں مسٹر بنا دیا

تاثیر میں مفید بنولے کا تیل تھا — خوشبو میں بھی اب اس کو لونڈر بنا دیا

(وکیل پنجاب)

الف دین نے خوب لکھی کتاب — کہ ب دین نے پائی راہ صواب

بست روزہ پسر سیّد عشرت حسین سلمہ جس کی تاریخ ولادت (سیدظفر امام) تھی

نظر امید کی اک غنچۂ دلکش کو تکتی تھی — فلک نے ناشگفتہ اس کو لیکن کر دیا رخصت

سمجھ میں کچھ نہیں آتا طلسم اس باغ ہستی کا — بہ صد حسرت کہی تاریخ رمز گلشن فطرت ۱۳۳۶ھ

(حسب فرمائش پنڈت مدن موہن صاحب مالوی)

محرم اور دسہرہ ساتھ ہو گا — نباہ اس کا ہمارے ہاتھ ہو گا

خدا ہی کی طرف سے ہے یہ سنجوگ — تو کیوں رکھیں نہ باہم صلح ہم لوگ

مالوی کا مال کچھ اور مولوی کا مول کچھ — کہتے ہیں بازار میں اکبو سے تو بھی بول کچھ

بولا وہ دنیا کا سودا تو فقط اک کھیل ہے — عمدگی ہے مال میں اور مول میں جیب میل ہے

مرے عزیز ہیں شیعہ میں کس طرح یہ کہوں — کہ میں ہوں خوش جو ہوئی اُن کی درسگاہ جدا

دلی دعا ہے مگر یہ کہ رُکن قوم رہیں — گریجویٹ وہ ہوں سب کے ساتھ خواہ جدا

بنائے کالج شیعہ الگ ہوئی بھی تو کیا — وہی ہے منزلِ مقصود گو ہے راہ جدا

برائے دولت و آز ہے ایک ہی مرکز — نہیں ہے اب بھی طریق حصول جاہ جدا

یہ دونوں سایۂ الطاف مغربی میں ہیں — نہیں ہیں فضل الٰہی سے بادشاہ جدا

جو نسخہ تھا رزدلیوشن کا ہے ادھر بھی وہی — نہ کوئی حصن جدا ہے نہ ہے سپاہ جدا

یہ دونوں اب بھی بدستور پیر بھائی ہیں — نہیں ہے حرج جو ہو جائے خانقاہ جدا

ٹرین ایک ہے پھر کیا جو دو ٹکٹ گھر ہوں — کہ اپنا بیگ سنبھالیں ملے پناہ جدا

وہ شیخ کی تھی ترقی یہ مجتہد کا عروج — نئے طریق کے ہیں خوب دو گواہ جُدا
شب وصال کے نغمے الگ چھیڑے دو سمت — جنھیں ہے ہجر وہ کریں گے اپنی آہ جُدا
عجب نہیں جو بلندی و اتحاد بڑھے — دکھائے رنگ جو دنیا کا اشتباہ جُدا
ہزاروں دور ہوں۔ لیتے جو ہیں وہ اپنے ہیں — کسی کی آنکھ سے ہوتی نہیں نگاہ جُدا
گمن ہیں تجربہ و انجنیئر رہے ذاکر — وہ کر ہی لیں گے کسی طور سے نباہ جدا
ثواب نیک خیالی بھی پائے گا اکبر — سوسائٹی میں بزرگوں کی واہ واہ جُدا

حسن نظامی کو میں نے دیکھا شریف خصلت فقیر طینت — عمل ہے اپنی ہی عنصروں میں اگرچہ دہلی کی ہے ذہانت
عیاں اندیشہ ہائے مضطر اِدھر اُدھر گو کبھی مڑی بھی — وہ دست دل ہے کہ جس سے چھوٹی کبھی نہ حبل المتین وحدت
ضمیر میں اُن کے ہے تصوف معاشرت میں ہیں بے تکلف — فروغ جو کچھ بھی پیش آئیں اصول میں اُن کے ہے قناعت

(وفات دختر جناب منشی افتخار حسین صاحب کاکوروی ڈپٹی کلکٹر لکھنؤ)

چل بسی وہ دختر گل پیرہن — ہوگیا ویراں ہمارا باغ آہ
سال رحلت کیا کہوں اے افتخار — دیکھتے ہی ہیں جگر میں داغ آہ

فغاں کہ سوخت زغم جان افتخار حسین — دلش فسردہ شد از جور عالمِ فانی
شمیم فاطمہ دخت عزیز و نور نظر — نہال نو رس و زیبا بباغ امکانی
جمالِ صورت و معنی خمیر ہستی او — بہ خلق نجم سعادت بخلق لاثانی
فغاں کہ دست اجل پنجہ زد بدامنِ او — کشید رخت اقامت زعالمِ فانی
بہار گلشنِ ہستی ہنوز نادیدہ — پرید طائر روحش بحکم یزدانی
فراق لخت جگر راز والدین بپرس — چہ برقہا کہ بیفگند سوز پنہانی
ہزار شعلۂ حسرت کہ سرزد از دلہا — ہزار اشک مصیبت کہ کرد طغیانی

چو فکر سال وفاتش نمودم از سر آہ — شمیم خلد شدہ گفت فضل رحمانی
۱۳۲۲

تھا قول حمید اترے تھے جب تخت شاہی سے — جو پیش آیا ہے پیش آیا ہے تقدیر الٰہی سے
زار روس اُترے تخت سے اُن کا یہ شکوا تھا — انھیں نے دی دغا ہم کو ہمیں جن پر بھروسا تھا
انھیں توں نے کھینچا عبرت و حسرت کا نقشا بھی — انھیں سے ہے عیاں طرز خیالِ دین و دنیا بھی

خدا کے بندۂ صالح نقی محمد خاں — سپہر علم و خرد کے ہیں اختر تاباں
کتاب ان کی یہ ہے ہادیٔ طریق صواب — ملا ہے ہم کو یہ گنج جواہر خوش آب
جو غنچہ قلب کا تاریخ کی طلب میں کھلا — کلید خلق و سعادت میں سال طبع ملا
۱۳۲۶

نور باطن بڑھ گیا اعجوبۂ اسرار سے — دل نے پائی تقویت اس روح کے غمخوار سے
پردۂ غفلت اُٹھا دیتے ہیں وہ مضموں یہ ہیں — پھیر دیتے ہیں طبیعت دہر کے بازار سے
ہیں مصنف اس زمانے کے بڑے عالی خیال — واقعی یہ ہے کہ ہیں وہ فرقۂ ابرار سے
بند ہے اس وقت چشم عبرت عرفاں تمام — ہاں لیا ہے کام انھوں نے دیدۂ بیدار سے
ہے بجا اعجوبۂ اسرار کے نسبت یہ قول — دولت ایماں بڑھی تصنیف گوہر بار سے

(حسب فرمائش سید منظور حسن صاحب اختر زیدی مصنف قصیدہ ہدیہ حیدری)

کس قدر پر نور ہے یہ نظم مدح بو تراب — یہ بلاغت حیرت افزا یہ فصاحت لاجواب
اس قصیدے سے ہوئے روشن زمین و آسماں — اوج معنی پر دلِ اختر سے نکلا آفتاب

جناب سید مہدی حسن خجستہ صفات — بلند مرتبہ ذی علم مصدر حسنات
سدھارے دار فنا سے وہ سوئے خلد بریں — سنہ وفات کا خواہاں ہوا جو قلب حزیں
پڑھا یہ ہاتف غیبی نے مصرعۂ جید — مقیم خلد بریں مہدیِ حسن سید
۱۳۲۷ھ

[1] ڈپٹی کمشنر جبل پور۔

ماجد کو آپ مجیس بیگانہ طریقت | دل میں مرے تو ہے اک امید کا قصیدہ
ہیں خانبادہ مصداق اس شعر با اثر کے | ارشاد کر گیا ہے اک مرد برگزیدہ
من پاک باز عشقم ذوق فنا چشیدہ | آہوئے دشت ہویم از ما سوا رسیدہ

(مسٹر رن سابق چیف سکریٹری گورنمنٹ یو۔پی حال کمشنر بنارس۔ فارسی اردو میں بہت قابل مصنف کے بڑے قدر شناس۔ کلام عارفانہ حکیمانہ کے شیدا)

شاعروں میں جب آیا میرا ٹرن | پڑھ دیا میں نے پیش حضرت برن
اردو و فارسی میں آپ ہیں برق | آپ ہی سے ہے نور مطلع شرق
صاحب فیض و لطف و حلم ہیں آپ | عزت افزائے اہل علم ہیں آپ
حق تعالیٰ کو مانتے ہیں آپ | قدر طاعت کی جانتے ہیں آپ
فخر و ناز آپ کے لئے ہے مباح | اک زمانہ ہے آپ کا مداح
آپ سے ملک کے دل کو راحت ہے | ایسا حاکم خدا کی رحمت ہے
آپ کا دل ہے مخزن ہمہ اوست | جو ملا آپ سے بنا وہ دوست
ہے بلند آپ کے کرم کا علم | ہیں مرید آپ کے سب اہل قلم
ساز بزم آپ کا رہے برتر | ہو مبارک ترانۂ اکبر

(عطائے شمشیر بہ شیخ شاہد حسین صاحب رئیس اودھ بہ صلۂ خدمات ایام جنگ)

مرے شاہد کو یہ تلوار مبارک ہووے | حسن کو ابروئے خمدار مبارک ہووے

بمقام جونپور بنگلہ سید عشرت حسین سلمہٗ

فضل ہو اللہ کا ہوں جمع سلے سالیاں | وہ اچھالیں ہال پہ چمکائیں اپنی بالیاں
لمپ کی ہو جگمگاہٹ اور بجے فونوگرام | عشرتی جھوما کریں بجے بجائیں تالیاں

گھر رہے آباد سمدھی اور سمدھن خوش رہیں — ڈومنی انعام پائے گائے پیاری گالیاں
گرد بنگلے کے رہے سرسبز ہر شاخ درخت — نہر کے پانی سے لہراتی رہیں سب نالیاں
ڈھیر ہو پھولوں کا گلدستے بنائے باغباں — پیڑ پھل دیتے رہیں مالی لگا ئیں ڈالیاں
سونے چاندی کی ہیں موجیں دُلہن کے ہاتھ سے — لیں بلائیں اور دعائیں دیں انھیں گھر والیاں
غل مچائیں کھیل میں بچے رہے بنگلے میں دھوم — میہمانوں کیلئے پکوان کی ہوں تھالیاں
جھانک کر دیکھیں تو جج صاحب کا دل بھی ہو نہال — کمرے کی دیوار میں دو اک بنی ہوں جالیاں

محمد موسیٰ صاحب برادر خرد شمس العلما، مولوی امجد علی صاحب ام اے

بھیجی ہے جو تم نے مجھ کو لیچی — شربت کی نظر ہے اس سے نیچی
منھ میں رکھ کر جو میں نے چوسا — بولی یہ زبان واہ موسیٰ

ترجیع بند وغیرہ

ذکرِ رسولِ پاک ہے فخرِ زبانِ انس و جن   روح کو اس سے ہے سرور قلب ہے اس سے مطمئن
ولولۂ دلِ جوان قوتِ خاطرِ مُسن   سنئے اگر بہ گوشِ ہوش وردِ ملک ہے رات دن
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

خضرِ رکوع ہے یہی شوق سجود اسی سے ہے   حالتِ ذوق و وجد کا دل میں ورود اسی سے ہے
دینِ خدائے پاک کی شان و نمود اسی سے ہے   منبعِ خیر ہے یہی ہمت جود اسی سے ہے
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

ہے یہ وہ نام خاک کو پاک کرے نکھار کر   ہے یہ وہ نام خار کو پھول کرے سنوار کر
ہے یہ وہ نام ارض کو کردے سما ابھار کر   اکبرؔ اسی کا درد تو صدق سے بیشمار کر
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

شافعِ عاصیاں ہیں وہ تائبوں کے کفیل ہیں   فیض رسانِ خلق ہیں حامیٔ بے عدیل ہیں
شکل میں وہ جمیل ہیں شان میں وہ خلیل ہیں   منظرِ نورِ حق ہیں وہ مہبطِ جبرئیل ہیں
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

سینۂ بت ہے اُن سے شق کفر کے دل میں تیر ہیں   حکم خدا کے ہیں مطیع دین کے دستگیر ہیں
راحتِ جان و روح ہیں روشنیٔ ضمیر ہیں   خلق ہے ان سے مستفید ہادیٔ بے نظیر ہیں
صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

حالتِ ملک و قوم پر ہوں شب و روز بیقرار   دین سے دل کو پھیر دیں ایسے سبب ہیں بیشمار
مرکزِ طبع کیا بنے جس سے ہو کم یہ انتشار۔   آئی صدا فلک سے یہ پڑھ تو اسی کو بار بار

صَلِّ علیٰ محمدٍ صَلِّ علیٰ محمدٍ

رہنے دے آسمان اگر تجھ سے ہے بر سر جفا　　ہو نہ ملول تجھ سے ہے دولت جاہ اگر خفا
مسلک مستند یہ ہے چھوڑ نہ تو رہ صفا　　نسخۂ حفظ دیں یہ ہے ہے یہی ٹھیک فلسفا

صَلِّ علیٰ محمدٍ صَلِّ علیٰ محمدٍ

گرانیِ مراحل کبھی ایسی تو نہ تھی　　تندیِ موجِ لبِ ساحل کبھی ایسی تو نہ تھی
بدگمانی تری قاتل کبھی ایسی تو نہ تھی　　بات کرنی مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی

جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

کرتی ہے خلق کو لیلائے لبرٹی مفتوں　　ہند کے دل کو لبھا لیتا ہے بل کا یہ فسوں
لاجپت بھی ہوئے شائد کہ اسیر و محزوں　　پائے کو باں کوئی زنداں میں نیا ہے مجنوں

آتی آواز سلاسل کبھی ایسی تو نہ تھی

پیشتر اس سے طبائع کے نہ تھے یہ پہلو　　کہیں اشنان کی تھی لہر کہیں موجِ وضو
اے مس سیمتن و ماہ جبین و گل رُو　　تری آنکھوں نے خدا جانے کیا کیا جادو

کہ طبیعت مری مائل کبھی ایسی تو نہ تھی

تعلیم نسواں ایک پنڈت صاحب کی فرمائش سے

تعلیم عورتوں کو بھی دینی ضرور ہے　　لڑکی جو بے پڑھی ہو تو وہ بے شعور ہے
حسنِ معاشرت میں سراسر فتور ہے　　اور اس میں والدین کا بیشک قصور ہے
اُن پر یہ فرض ہے کہ کریں کوئی بندوبست　　چھوڑیں نہ لڑکیوں کو جہالت میں شادوست
لیکن ضرور ہے کہ مناسب ہو تربیت　　جس سے برادری میں بڑھے قدر و منزلت
آزادیاں مزاج میں آئیں نہ تمکنت　　ہو وہ طریق جس میں ہو نیکی و مصلحت

ہر چند ہو علوم ضروری کی عالمہ
مذہب کے جو اصول ہوں اس کو بتائے جائیں
اوہام جو غلط ہوں وہ دل سے مٹائے جائیں
عصیاں سے محترز ہو خدا سے ڈرا کرے
تعلیم خوب ہو تو نہ آئے گی دام میں
خیرات ہی سے ہو گی غرض خاص و عام میں
اچھا بُرا جو کچھ ہے خدا ہی کے ہاتھ ہے
تعلیم ہے حساب کی بھی واجبات سے
یہ کیا زیادہ گن نہ سکے پانچ سات سے
گھر کا حساب سیکھ لے خود آپ جوڑنا
کھانا پکانا جب نہیں آیا تو کیا حرا
لندن کے بھی رسالوں میں میں نے یہی پڑھا
وقت آپڑے تو گاڑھے گزی میں بھی عذر کیا
سینا پرونا عورتوں کا خاص ہے ہنر
عورت کے دل میں شوق ہے اس بات کا اگر
کسب معاش کو بھی یہ فن ہے کبھی مفید
سب سے زیادہ فکر ہے صحت کی لازمی
کھانے بھی بے ضرر ہوں صفا ہو لباس بھی
تعلیم کی طرف ابھی اور اک قدم بڑھیں

شوہر کی ہو مُرید تو بچّوں کی خادمہ
باقاعدہ طریق پرستش سکھائے جائیں
سکّے خدا کے نام کے دل میں بٹھائے جائیں
اور حُسنِ عاقبت کی ہمیشہ دعا کرے
خالق پہ لو لگائے گی وہ اپنے کام میں
اس کو سکھایا جائے یہ واضح کلام میں
نیکی اگر کرے گی تو قطرت بھی ساتھ ہے
دیوار پر نشان تو ہیں واہیات سے
لازم ہے کام لے وہ قلم اور دوات سے
اچھا نہیں ہے غیر پہ یہ کام چھوڑنا
جوہر ہے عورتوں کے لئے یہ بہت بڑا
مطبخ سے رکھنا چاہیئے لیڈی کو سلسلا
گھر کے لئے طعام پزی میں بھی عذر کیا
درزی کی چوریوں سے حفاظت پہ ہو نظر
کپڑوں سے بچے جاتے ہیں گل کی طرح سنور
اک شغل بھی ہے دل کے بہلنے کی بھی اُمید
صحت نہیں درست تو بے کار زندگی
آفت ہے ہو جو گھر کی صفائی میں کچھ کمی
صحت کے حفظ کے جو قواعد ہیں وہ پڑھیں

پبلک میں کیا ضرور کہ جا کر تنی رہو　　تقلیدِ مغربی پہ عبث کیوں ٹھنی رہو
واللہ نے وطن دیا ہے تو دل سے غنی رہو　　پڑھ لکھ کے اپنے گھر ہی میں دیوی بنی رہو
مشرق کی چال ڈھال کا معمول اور ہے　　مغرب کے ناز و رقص کا اسکول اور ہے
دنیا میں لذتیں ہیں نمائش ہے شان ہے　　ان کی طلب میں حرص میں سارا جہان ہے
اکبر سے یہ سنو کہ جو اس کا بیان ہے　　دنیا کی زندگی فقط اک امتحان ہے
حد سے جو بڑھ گیا تو ہے اس کا عمل خراب　　آج اُس کا خوشنما ہے مگر ہوگا کل خراب

نعت

مدیحِ سرورِ کونین میں خامہ اُٹھاتا ہوں　　خیالِ کفر کی ظلمت پہ اک بجلی گراتا ہوں
شبِ اوہام ہے شمعِ یقیں محفل میں لاتا ہوں　　چراغِ طورِ ایمن کوہِ معنی پر جلاتا ہوں

الٰہی شوخیِ برقِ تجلیٰ دہ زبانم را
قبولِ خاطرِ موسیٰ نگاہاں کن بیانم را

محمد پیشوا اور رہنمائے خلق و عالم ہیں　　معزز ہیں مقدس ہیں معظم ہیں مکرّم ہیں
فروغِ محفلِ ہستی ہیں نورِ عرشِ اعظم ہیں　　حبیبِ حق ممدوحِ ملک ہیں فخرِ آدم ہیں

انھیں کے رنگ سے رنگِ گلِ ہستی کی زینت ہے
انھیں کی بو سے عطر آگیں بنی آدم کی طینت ہے

انھیں کے دل کو آگاہی ہوئی تھی رازِ فطرت پر　　انھیں کی طبع کو وجد آگیا تھا سازِ فطرت پر
وہی چشمِ خدا بیں محو تھی اندازِ فطرت پر　　انھیں کا ناز غالب آگیا تھا نازِ فطرت پر

وقائع اُن کے عزم و فکر کے سانچے میں ڈھلتے تھے
ذرائع غیب سے تکمیلِ مقصد کو نکلتے تھے

وہ نظریں ساقیٔ میخانۂ یزداں پرستی تھیں — وہ آنکھیں مظہرِ انوار رازِ بزمِ ہستی تھیں

انھیں سے بدلیاں خالق کی رحمت کی برستی تھیں — اسی محفل کی بخشیں خلد کے پھولوں پہ بستی تھیں

اسی سرکار نے رتبہ بڑھایا طبعِ انساں کا

اسی دربار نے خلعت پنھایا نورِ ایماں کا

نہ سمجھا پھر سر اک نے آب و سنگ و نار کو حاکم — طبائع ہو گئے تحقیقِ موجودات کے عازم

جو تھے صناع تاثیرِ عناصر کے ہوئے عالم — پرستارانِ عنصر نے عناصر کو کیا خادم

ہوئی توحید بالا جڑ کٹی عنصر پرستی کی — پڑی بنیاد اسی ارشاد سے علمی ترقی کی

غلط سمجھا گیا دعوئے بتوں کی فاعلیت کا — یقیں پیدا ہوا حکمِ خدا کی کاملیت کا

بڑھا نورِ بصر گذرا زمانہ جاہلیت کا — بجا ڈنکا زمانے میں بشر کی قابلیت کا

اشارہ عقل کی جانب کلامِ حق میں واضح ہے — یہی قرآں درِ گنجینۂ فطرت کا فاتح ہے

معانی ان کے روشن تھے اندھیرے میں اجالے میں — سماجاتا تھا خوف ان سے تعرض کرنے والے میں

وہ یوں اصحاب میں تھے جس طرح ہو چاند ہالے میں — مصنف سیل کو لکھنا پڑا اپنے رسالے میں

محمد کی وہ نظریں تھیں کہ دل میں راہ کرتی تھیں — زباں میں وہ فصاحت تھی کہ قومیں واہ کرتی تھیں

قدم ان کے لئے تھے بہرِ حلِ مشکل مسائل نے — ہدایت ان سے حاصل کی جہاں میں طبعِ مائل نے

جوابوں میں تشفی پائی ان سے طبعِ سائل نے — نہایت ہی فصاحت سے لکھا ہے کارلائل نے

جو طاقت رات کو دن اور دن کو رات کرتی تھی — وہ طاقت یعنی یہ فطرت خود ان سے بات کرتی تھی

معاشر دیکھ کر شان ان کی اُن کو شاہ کہتا تھا — مسافر راہ پا کر اُن کو خضرِ راہ کہتا تھا

مخاطب معترف ہوتا تھا حق آگاہ کہتا تھا — مخالف کو حسد تھا پھر بھی دل میں واہ کہتا تھا

دلِ کافر میں بھی قدر ان کی تھی ان کا ادب کچھ تھا — زہے شانِ نبوت کچھ نہیں تھا اور سب کچھ تھا

جواہر خانہ اُس چشم کرم سے سینہ بنتا تھا
حقایق کا خرد کا علم کا گنجینہ بنتا تھا

لطافت سے صفا سے نور سے آئینہ بنتا تھا
علوی فکر سے عرش بریں کا زینہ بنتا تھا

مرید اُن کے نہ تھے مشتاق دنیا کی تگ و دو کے
قدم افلاک پر پڑتے تھے اس ہادی کے پیرو کے

قلوب اُن کی نظر کے رعب ہوش افزا سے ہلتے تھے
چمن اُن کے سخن کے فیض سے ہمتاسے کھلتے تھے

ہجوم خلق تھا راہ طلب میں شانے چھلتے تھے
بشر کی کیا حقیقت ہے فرشتے جھک کے ملتے تھے

فلک تھا دم بخود باد مخالف چل نہ سکتی تھی
خدا کی بات تھی ٹالے کسی کے ٹل نہ سکتی تھی

خلقت کی مصلحت سے بہم کچھ یہ پیار ہے
ورنہ ہر ایک اپنی طرف بیقرار ہے

جو ذرہ ہے یہاں اُسے اک انتشار ہے
مرجع تمام خلق کا پروردگار ہے

ہر آن میں ہے شان خدائے قدیر کی
ہر سمت اک صدا ہے اِلَیکَ المَصِیرُ کی

اب تو یاری کا اسی پر رہ گیا ہے انحصار
جس کا تو حاسد ہے اس کا جو ہو حاسد۔ تیرا یار

واسطے اللہ کے ہو دوستی وہ اب کہاں

جنگ جبتک تھی تو سب۔ نام تھا اللہ کا
اب تو ہر اک ہے مجاور اک جدا درگاہ کا

واسطے اللہ کے ہو دوستی وہ اب کہاں

ہاں تجارت اور پالیٹکس ہیں دیکھیں جو سود
چندروزہ متفق ہوں ورنہ اے شیخ و ہنود

واسطے اللہ کے ہو دوستی وہ اب کہاں

متفرقات

الا یا ایھا الساقی بکن تصنیف نادلہا — دروغ آساں نمود اول و لے افتاد مشکلہا

جن لوگوں کا قومی کوئی مرکز نہیں ہوتا — ان میں کا کوئی فرد معزز نہیں ہوتا

سند کیسی جمال ان میں اگر ہے ہوگا خود ظاہر — کوئی سارٹیفکٹ سے خوبصورت ہو نہیں سکتا

آپ کی کارروائی پہ میں کیا دوں الزام — کر ہی کیا سکتے ہیں اب آپ حماقت کے سوا

جس سے ملتی تھی انہیں دل میں بزرگوں کے جگہ — وہ ادب لڑکوں کے دل سے آج کل جاتا رہا

حال دل خوب کہا ہے یہ زباں کا دعوے — دل سے پوچھو تو وہ کہتا ہے کہ کچھ بھی نہ کہا

شیخ نالاں ہیں کہ برگڈ کو برتنا ہی پڑا — اس پرانے سوت کو بھی مل میں کتنا ہی پڑا

جو اصل و نقل سے واقف ہے اس نے دل کو ہے روکا — مبارک ہو تمہیں کو جاٹنا لنڈو کے فوٹو کا

پڑے ممبری جو اُبلے سمجھ اس کو خون اچھا — یہ بجا ہے قول شاعر کہ گزنڈ جنون اچھا

مسلمانوں کا وہ آئین طبع مستقل بدلا — چھٹی عربی گیا قرآں زباں بدلی تو دل بدلا

ہوٹل میں برہمن نے اگر بھوگ لگایا — سمجھو کہ دھرم کو یہ بڑا روگ لگایا

مُرغی کے کھانے پر لو کا لقا تو وہ جھنجلائے تھے — اور آج جناب واعظ نے چورن سے فقط افطار کیا

کیونکر خدا کے عرش کے قائل ہوں یہ عزیز — جغرافئے میں عرش کا نقشہ نہیں ملا

فرقت نے کہا کہ جا گئے آپ — کھٹمل نے کہا کہ بھا گئے آپ

تھی امیہ سے تھے تنگ قبل ازیں سادات — ستانے آئے ہیں اب شیخ کو نئی کالج

الفاظ ثقیلہ کو مغرب نے کیا خارج — اب دُم کی جگہ ملت نمدے کی جگہ کالج

کہہ میں کہتا ہوں الگ ہو سارا قصہ چھوڑ کر — کر طلب دنیا مگر صاحب کا حصہ چھوڑ کر

ظلم ہے ان کو اگر داد نہ دوں میں لیکن — اپنے مداح کا مداح نہ ہونا بہتر

ہم وُنر خواہی و ہم آروغ صاف — ایں خیال است و محال است و گزاف

کیا پوچھتے ہو اکبرِ شوریدہ سر کا حال — خفیہ پولیس سے پوچھ رہا ہے کمر کا حال

تذکرے اُن کی خوش اخلاقی کے بہت سنتا ہوں — جتنے راوی ہیں وہ سب ہیں اربابِ نشاط

عدو کے شست سے بچتے نہیں ہیں — یہ کالے ہیں مگر کوّے نہیں ہیں

تھیٹر والیاں دنیا میں ہر سو عیش کرتی ہیں — جہاں رقصاں ہوئیں دل لیتی ہیں بل کیش کرتی ہیں

سائنس کا مطلب ہے کہ نیچر کو نچوڑیں — اُس بُت کی یہ خواہش ہے کہ اکبر کو نچوڑیں

دیکھئے رہتا ہے کب تک ملتوی یہ قصدِ حج — گھر کی جانب سے تو اطمینان ہونے کا نہیں

مصلحِ قوم ہوں اُمّت کے نگہبان بنیں — پہلے للہ مگر خود تو مسلمان بنیں

دفعِ دل سے اثر یاس کیا کرتے ہیں — رزولیوسن ہی بس پاس کیا کرتے ہیں

گوشۂ مسجد میں کارِ شیخ اب بنتا نہیں — پیٹ گو تسکین پا جائے مگر تنتا نہیں

خدا کی راہ میں اب ریل چل گئی اکبر — جو جان دینا ہو انجن سے کٹ مرو اک دن

مسلماں تو وہ ہے جو ہے مسلماں علم باری میں — کروروں یوں تو ہیں لکھے ہوئے مردم شماری میں

گرو جی دیکھ کر ہم کو لہو کے گھونٹ پیتے ہیں — جو سچ پوچھو تو ہم بھگوان کی کرپا سے جیتے ہیں

وصل کا اس بت خود بیں سے کوئی ہنٹ کہاں — صرف بوسے میں بھلا سلف گورنمنٹ کہاں

صداقت کے نشاں اس مصرعۂ اکبر میں ملتے ہیں — کلیس سائنس سے چلتی ہیں دل مذہب سے ملتے ہیں

خدا کی راہ میں پہلے بسر کرتے تھے سختی سے — محل میں بیٹھ کر اب عشق قومی میں تڑپتے ہیں

زمیں اچھی شعاعِ مہر کا جس پر اثر ہو پہلے — وہی دل خوب ہیں جو گرمیِ عرفاں سے تپتے ہیں

ملکی خیال حب ہے تو ہو ساز ملک بھی — بیلا لیا ہے اُس نے تو ہم بین کیوں نہ لیں

رسما تو ایک بوسہ ہے کافی دمِ وداع — لیکن مزا جو آئے تو دو تین کیوں نہ لیں

(مصرعِ طرح یہ تمھاری بی نے دل لیا تو سسر دیں کیوں نہ لیں)

لطف ہے واعظ کو اکبر قوم خود مختار میں — وقت کیوں کھوتا ہے اپنا کمپ کے بازار میں

ہمارے کل خیالوں کو وہ مستحسن سمجھتے ہیں — بجز اس کے کہ ہم شیطان کو دشمن سمجھتے ہیں

ہم اُردو کو عربی کیوں نہ کریں اُردو کو وہ بھاشا کیوں نہ کریں

جھگڑے کے لئے اخباروں میں مضمون تراشا کیوں نہ کریں

آپس میں عداوت کچھ بھی نہیں لیکن اک اکھاڑا قائم ہے

جب اس سے فلک کا دل بہلے ہم لوگ تماشا کیوں نہ کریں

میر علی مراد ہیں یا سکھ ندھان ہیں — لیکن معائنے کو وہی نادان ہیں

ہم ریش دکھاتے ہیں کہ اسلام کو دیکھو — مس زلف دکھاتی ہے کہ اس لام کو دیکھو

یہ خوب مصرع اکبر ہے اس کو شوق سے گاؤ — جو تم کو منہ نہ لگائے تم اس سے دل نہ لگاؤ

محوِ پرواز ہیں گلشن میں جو تھے زمزمہ سنج — فیضِ صیاد نے بخشی یہ ترقی ان کو

پرہیز ہے تمام صحت کو بھگوان کی ہر دم جاپ کرو — اسکول کمیٹی میں ہے پھنسنا تم اپنی ترقی آپ کرو

ہجر کی شب یوں ہی کاٹو بھائیو — ان کا فوٹو لے کے چاٹو بھائیو

انگلش ہے یہی ہم کہتے ہیں انصاف کرو نعمت چکھو — جب تم کو خدا خوش رکھتا ہے تم خلقِ خدا کو خوش رکھو

عقلِ دنیاوی بڑھانے کی نہ تم کوشش کرو — عقلِ دنیاوی سے بچنے کے یہ دن ہیں چپ رہو

قوم کے غم میں ڈنر کھاتے ہیں حکام کے ساتھ — رنج لیڈر کو بہت ہے مگر آرام کے ساتھ

جو چاہتے ہیں کٹے عمر اعتدال کے ساتھ — بٹھا رہے ہیں وہ بسکٹ کا جوڑ دال کے ساتھ

وہی صاحبِ عمل ہیں شرح دیں جن کا وظیفہ ہے — یہ صلح کل فقیری فقرہ یا شاہی لطیفہ ہے

سمجھتے تھے جو اِن کو اُن کی گردن تم نے کل ماری ✦ بجھ لو آج بیکار ان کتابوں کی یہ الماری

کچھ اس کا غم نہیں آفت میں ہو کہ مل میں رہے ✦ شکم کے ساتھ نہ پھیلے حدود دل میں رہے

شیطان نے ترکیب تنزل یہ نکالی ✦ ان لوگوں کو تم شوق ترقی کا دلا دو

عزیز لڑتے ہیں آپس میں یہ ستم کیا ہے ✦ خدا کی مار سے ووٹوں کی مار کم کیا ہے

ماہ جون میں یاد قانون کیجئے ✦ اور گوارا ختنہ تون کیجئے

فرنگی سے کہا پنشن بھی لے کر یہیں رہیئے ✦ کہا جینے کو آئے ہیں یہاں مرنے نہیں آئے

کافی ہیں امیروں کو تو اٹین گورنمنٹ ✦ مذہب کی ضرورت تو غریبوں کے لئے ہے

کالج سے جنھیں امیدیں ہیں مذہب کو بھلا کیا مانیں گے

مغرب کو تو پہچانا ہی نہیں قبلے کو وہ کیا پہچانیں گے

تم بن گئے ہو صاحب مرزا غریب ٹھہرے ✦ پھر ان کو کیا تم اُن کے گھر کے قریب ٹھہرے

میم نے شیخ کو ڈانٹا تو پکارے وہ غریب ✦ دیکھئے توپ نے لاٹھی کو دبا رکھا ہے

تمھارے حسن میں سائنس کا بھی دل الجھتا ہے ✦ کمر کو دیکھ کر وہ خط اقلیدس سمجھتا ہے

نہایت قابلیت سے مجھے ثابت کیا مردہ ✦ مناسب داد دینا ہے مجھے یارب کہ رونا ہے

خدا کی مناسب ہے کہ جینا اپنا ثابت کر ✦ خوشامد یا شکایت دونوں ہی میں وقت کھونا ہے

نزول وحی مغرب نوجوانوں پر ہے اے اکبر ✦ زبانیں کالجوں کی کھل گئیں اب آپ چپ رہیئے

مذہب سوسائٹی ہے اور دین آخرت ہے ✦ پولیٹیکل جو پوچھو طاقت ہے اور سکت ہے

قائل تقدیر یہ تھے قائل تدبیر وہ ✦ یہ قضا سے اور وہ اپنی حماقت سے مرے

دو حرف میں ہیں دفتر تجھ کو اگر نظر ہے ✦ مذہب مُرید کن ہے سائنس "میں اگر" ہے

کرتا ہوں ہر اینٹ پر نوحے رکا رہتا ہے کام ✦ تنگ ہے وہ شوخ مجھ تاریخ داں مزدور سے

بھائیو گیہوں کا آٹا ڈھائی آنہ سیر ہے
پھر عجب کیا ابن آدم زندگی سے سیر ہے

جو چاہتا ہے زمیں کو کہ لالہ زار کرے،
برائے سعی وہ موسم کا انتظار کرے

بھائی عربی دوست ہند و بادشاہ انگریز ہے
آپ کی فکرِ ترقی انتشار انگیز ہے

دل میں اب نورِ خدا کے دن گئے
ہڈیوں میں فاسفورس دیکھئے

یہ ینگ پارٹی کی بنا کس غرض سے ہے
واللہ یہ علاج تو بدتر مرض سے ہے

ان میں موجِ مغربی مجھ میں ہوائے شرق ہے
حضرت گزٹ میں غرق ہیں بندہ غزل میں غرق ہے

اب تو پنڈت جی کا ہائی مارک ہے
دل ہی پے کرما نہیں ہے پارک ہے

بدن کو کچھ سمجھ سکتے ہو نشتر اور شعاعوں سے
مگر آساں نہیں تشریح استعداد روحانی

رکن محفل وہ ہوئے رنگ بدل دینے سے
بات میری بھی بنی رہ گئی چل دینے سے

بہ قولِ اہلِ مغرب یہ زمانہ ہے ترقی کا
مجھے بھی شک نہیں اس میں کہ غفلت کی جوانی ہے

اس بُت کے لب و رُخ کا لیا بوسہ بیں از عقد
مجھ شاعرِ مشرق کا ہنی مون یہی ہے

تجربہ خود ہی بنا دیتا ہے مرشد اکبر
سچ کہا آپ نے پیری میں مریدی کیسی

نہ پوچھو ہم سے اکبر حالتِ سائنس و مذہب کو
وہاں ابجد پہ ہنگامہ ہے یاں ضعف پہ بیہوشی

ہر شخص میں جوشِ خودسری ہے
سو تشل حالت کی ابتری ہے

عجب حالت ہے شیخ ہند کی اطفال کی نسبت
جوانی بھی یہیں گذری بچپن بھی بُت پرستی سے

جب غور کیا تو مجھ پہ یہ بات کھلی
وقت میں وہ ہیں کہ جو نہ صاحب نہ قلی

کالج و اسکول کی بجتی ہے ہر سو تومڑی
چار دونی آٹھ ہیں اور فاکس معنی لومڑی

پہلے ہوتا تھا وصال اور اب ہے مرگ نیچری
عُرس کا اب اس لئے ہے نام اپنی ورسری

دلیری سکھاتے ہیں ہم کو یہ کہہ کر
جہنم سے ڈرنا بڑی بزدلی ہے

مری کھیتی تو اک مدت ہوئی اُجڑی پہ چک لی ہے — میں کیوں پوچھوں جگہ ٹھاکر کی جمنا ہے کہ ہگلی ہے

نظر میں تیرگی ہے اور رگوں میں ناتوانی ہے — ضرورت کیا ہے پردے کی جہاں بیبے کا پانی ہے

ہمارے مصلح اگر یہی ہیں ایم اے بی ہیں مگر مزاج لیلیٰ — یہ شور دے رہے ہیں حضرت کہ ہیجد قیس کو بریلی

ملاّ تو زیادہ مشرقی ہے شیخ صاحب سے — کہ وہ موٹر پہ چڑھتے ہیں یہ موٹر سے بھڑکتا ہے

صبا نے جارج کو مژدہ یہی سنایا ہے — محافظِ حرم اب آپ کی رعایا ہے

نہیں ملنے کی اب فطرت سے ان کے ترانے کی — ہدایت مرشدوں نے کی ہے ان کو گپ اڑانے کی

شناپ میں سب جمع ہیں مجھ سے نہ بی پی کیجئے — آپ اس بوتل کو میرے گھر پہ وی پی کیجئے

ماسٹر کی بحث اگر مانیں نتیجہ ہے یہی — اب ہیں اچھے جانور پہلے بُرے انسان تھے

بڑھا دیا ہر اک کو مغرب نے پاس کر کے — سیّد بھی کورے کھسکے برسوں مساس کر کے

جمال صورت و معنی میں بحث و رد و کد کیسی — گل و بلبل کے حق میں کیا شہادت اور سند کیسی

نہ دعوے کی ضرورت ہے نہ کوئی روک سکتا ہے — کسی میں فطرتی جوہر جو ہو وہ خود چمکتا ہے

اتحاد مذہبی کا شوق گو ہے نیچرل — اس زمانے میں مگر کچھ اور ہے طرزِ عمل

پہلے سنتے تھے صدائیں مرد میدان کون ہے — اب تو یہ سرگوشیاں ہیں میری گوئیاں کون ہے

وہی ہنسلائے وہی رُلائے وہی جگائے وہی سُلائے

وہی بگاڑے وہی سنوارے وہی نکالے وہی بُلائے

اسی سے خوش رہ اسی کا غم کر اسی کو دیکھ اور اسی میں گم ہو

دعا اُسی سے ثنا اُسی کی جو گرِ تو چپ ہو سنبھل جو تُم ہو

جہان فانی کے کل کوائف اسی کی قدرت کے ہیں لطائف

اسی کی رحمت پہ کوئی غافل اسی کی عظمت سے کوئی خائف

دلوں کا مالک نظر کا حاکم سمجھ کا صانع خرد کا بانی
جمال اُسی کا جلال اُسی کا اُسی کو زیبا ہے لن ترانی

خواہشیں کھو دیتی ہیں صبر و شکیب　　خواہشوں میں ہوتے ہیں اکثر فریب
ہمنشیں کے نفس کے شیطان کے　　خودغرض احباب کے سلطان کے
پہلے آپ اصلاحِ خواہش کیجئے　　بعدازاں دنیا سے سازش کیجئے

ضرورت نے کیا قائم جو پاس اور فیل کا پھندا　　تو مشتِ استخواں نے مشتِ پر کو کردیا چندا
ہمائے اوجِ عزت کا مگر حق اپنو غالب ہے　　شرف اس کا ہے محفوظ غیرت اس کی طالب ہے

اُس چیز کا کیا کہنا اکبر تھا جس نے دلوں کو نیک کیا
لاکھوں ہی طبائع کو کھینچا ہموار کیا اور ایک کیا
جو قوم کو ابتر کرتے ہیں اب اُن اثروں پر رونا ہے
معلوم نہیں کیا مطلب ہے معلوم نہیں کیا ہونا ہے
تعلیم جنھوں نے پائی ہے وہ بد تو نہیں ہیں بیحس ہیں،
دعوے جو ہیں رسم و مذہب کے سب اُن کے یہاں سے ڈسمس ہیں
کیوں دولت و قوت کی ہے کمی اس کے تو سبب پیچیدہ ہیں
کچھ اس کو سمجھ سکتے ہیں وہی بوڑھے جو زمانہ دیدہ ہیں
لیکن یہ جو سوشل آفت ہے طوفان بپا ہے فتنوں کا،
بے مہری ملت کی یہ ہوا ایک قہر ہے جس کا ہر جھونکا
اس کا جو سبب ہے سُن لو اُسے سب پردہ عیاں ہے ظاہر ہے
الفاظ صریح و واضح ہیں یہ مطلع اکبر حاضر ہے

تعلیم جو دی جاتی ہے ہمیں وہ کیا ہے فقط بازاری ہے
جو عقل سکھائی جاتی ہے وہ کیا ہے فقط سرکاری ہے

گئے برہمن کے پاس لیکر جو اپنے جھگڑے کو شیعہ سنّی
بگڑ کے بولا کہ جاؤ بھاگو ملکش تم بھی ملکش وہ بھی
بڑھی جو تکرار تو وہ لے کر انھیں فرنگی کے پاس پہونچا
وہ بولا بس دور ہو یہاں سے کہ تم بھی نیٹو ہو وہ بھی نیٹو
فلک نے آخر ہر اک کی سن کر کہا کہ تم سب ہو مست غفلت
سمجھ لو اس کو کہ تم بھی فانی ہو وہ بھی فانی ہے یہ بھی فانی

بگڈ کے مولوی کو کیا پوچھتے ہو کیا ہے
مغرب کی پالسی کا عربی میں ترجمہ ہے

نہ تیر افگنی ہے نہ اب حکم رانی
نہ وہ وضع ملت نہ قرآن خوانی
نہ باہم ادب ہے نہ وہ مہربانی
یہی کہتی پھرتی ہے لڑکے کی نانی
ہر اک شاخ میں پاس یہ لے لیا ہے
مرا لال کالج کا کاکا توا ہے

پسنجر کی آمد رہی در کنار
ہوا ڈاک گاڑی میں بھی انتشار
جو لی ریل والوں نے راہ فرار
ٹریفک کا ہے بند سب کاروبار
کئی دن سے سونی ہے ای آئی آر
یہ سچ کہہ گیا شاعر نامدار
بیک گردش چشم نیلوفری
نہ انجن بماند نہ انجینری

اٹھ گیا پردہ تو اکبر کا بڑھا کون سا حق
بے پکارے جو مرے گھر میں چلا آتا ہے
بے حجابی مرے ہمسائے کی خاطر سے نہیں
صرف حکام سے ملنے میں مزا آتا ہے

قدر دانوں کی طبیعت کا عجب رنگ ہے آج
بلبلوں کو ہے یہ حسرت کہ وہ اُلّو نہ ہوئے

اک غزل میں اتفاقاً میرا اک مصرعہ یہ تھا — دیدۂ عبرت سے رنگ دیر فانی دیکھئے
کوئی بول اٹھا زوالِ حسن بت مقصود ہے — اس سخن میں بدشگونی کی نشانی دیکھئے
عارفانہ شاعری بھی آج کل دشوار ہے — بزم دنیا میں یہ زورِ بدگمانی دیکھئے

کہنا ہے مجھ کو جو کچھ سنئے گا اس صدی میں — پوچھا کہ اس صدی میں کیوں چپ ہو گئے جی میں
بولے کہ یہ صدی ہے اس بحث اور بیاں میں — کہنا ہے جو کہیں ہم وہ کون سی زباں میں
سن کر یہ بات ان سے ہر اک کو آیا چکر — ایک صاحب بصیرت چلتے ہوئے یہ کہہ کر
پیر فلک نہ کیوں کر اب وا بحث کھولے — جیتے رہیں گرو جی زندہ رہیں یہ بھولے

پہلے کام اپنا پالیسی کرتی ہے — ہمدردی طبع بے حسی کرتی ہے
تنگی ہوتی ہے جب بہت خلقت پر — فطرت خود اُٹھ کے ثالثی کرتی ہے

زبانِ سنسکرت اس وقت پنڈت جی سے کہتی ہے — کہ اچھا ہے مری الفت تمھارے دل میں رہتی ہے
میں خوش ہوں گی بلا شک تم اگر مجھ کو جلاؤ گے — مگر وسکی پلاؤ گے کہ گنگا جل پلاؤ گے
جیوں گی میں کہ پھر تم کو ملاؤں دیوتاؤں سے — بھڑاؤ گے مجھی کو یا کہ دنیا کی بلاؤں سے
اگر شوق عبادت ہے تو میں موجود ہوں اب بھی — اگر دنیا کا سودا ہے تو کب میں اس سے راضی تھی

پیدا جو ہوئے یہ غل مچانے والے — دل ان کا نہیں ہیں ہم بڑھانے والے
لیکن یہ ادب کریں گے یہ عرض کہ ہیں — اس فن کے حضور ہی سکھانے والے

فکر ساری کی ہے نہ کنگن کی — اب تو دھن ہے انھیں فرنگن کی

فنا کے دور میں عبرت کو بھی قیام نہیں — نشان ہی نہ رہے جب تو یاد کیا آئے

دلی خواہش تو ہے بیشک کہ ایک آدھ ایک دو کہئے — مگر کہنے کو ہوں موجود سب کچھ آپ جو کہئے
بیانِ مغربی کی مدح و ذم کی بحث نازک ہے — سکوت اس وقت اولیٰ ہے نہ یس کہئے نہ نو کہئے

ؤذ جدید روشنی کے شعلوں کی ہے یہ — پردے کی احتیاج ہے کیا اس بناؤ پر
جب شمع ہو تو اس کی حفاظت ضرور ہے — فانوس کوئی رکھ نہیں سکتا الاؤ پر

نام میرا دفترِ اعزاز سے خارج ہے اب — پارک کی زینت میں میری قبر بھی حارج ہے اب

یہ دال لبِ گنگ کبھی گل نہیں سکتی — کلو کے پٹاخے سے بلا ٹل نہیں سکتی
امی سے کہا میں نے مجھے تو نے ڈسا کیوں — بولا کہ بلا لاٹھی کے تو بن میں بسا کیوں
بانوں میں تو مندی ہے لگی شوقِ ڈزکی — حیران ہوں اکبر نے کمر کو یہ کسا کیوں

پیٹ مصروف ہے کلرکی میں، — دل ہے ایران اور ٹرکی میں

بعض مُسلم تو ایسے ہیں موجود — منہ جو تجسیمِ بقر سے موڑتے ہیں
فوجی گورے مگر رکیں کیوں کر — جان بُل کب گئو کو چھوڑتے ہیں

نہ وہ جان کے ہیں نہ ہیں تن کے دشمن — فقط ہیں ہمارے میاں پن کے دشمن
جو ہوں دوست اپنے کہاں وہ میسّر — غنیمت ہیں اس وقت دشمن کے دشمن

قناعت نہیں ہے تو ایمان رخصت — عبادت نہیں تو مسلمان رخصت

یہ آپ کا فرمانا ہے بجا قرآن بھی ہے اللہ بھی ہے — مشکل تو یہ ہے لیکن کہ ادھر آنر بھی ہے اور تنخواہ بھی ہے

ہر طرف برپا ہے طوفانِ عناد و اختلاف — برہمن اور شیخ سوشل ساز و ساماں کیا کریں
پالسی غرب پہ مشرق پہ تعصب ہے سوار — اس کو ہندو کیا کریں اس کو مسلماں کیا کریں

تقلیدِ حریف میں جو پہونچے نقصان — افسوس اس کا ہو کیوں دلِ ملت میں
مسجد کی مصیبتوں میں دیتے امداد — ہوٹل میں ٹہو تو شیخ جی کیوں دوڑیں

کانٹے بونے لگے اب شکسپیر پڑھ کے عزیز — گل کھلائیں گے کہاں تک یہ گلستاں والے

سگِ بدنہاد و نشۂ مے رفل بدست و غرور در سر — کدھر ہوا ہے یہ عزمِ قاتل خدا کرے خیر جان اکبر

ہو گیا ہے الہلال آما جگاہِ تیر غرب — اِس نئے دورِ فلک کی چاند ماری کیجئے

کھینچو نہ کمانوں کو نہ تلوار نکالو — جب توپ مقابل ہے تو اخبار نکالو

ضبطی پرچۂ توحید ہوئی قیر یہ ہے — قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ضبط نہیں خیر یہ ہے
نورِ ایماں کی ضرورت نہیں سمجھا سا ئنس — وجہ خاموشئ شمع حرم و دیر یہ ہے
مغربی پارک میں چکر کے سوا کچھ بھی نہیں — دل رنگیں کی ہوا کھاؤ بڑی سیر یہ ہے

قید ہر کروٹ پہ ہر بوسے پہ اک مضمون ہے — عشق مس کیا ہے نرا قانون ہی قانون ہے
گو نئی نظریں مبارکباد دیں اس لطف پر — میں تو کہتا ہوں کہ شامت اُس کی جو مفتون ہے

صاف کہتا ہوں میں خوش یا ہوں ناخوش مولوی — آسماں اب چاہتا ہے مولوی کش مولوی

بابو صاحب کا یہ ہے شکوۂ افلاس بجا — سچ تو کہتے ہیں کہ مچھلی نہ سہی بھات تو ہو

چاہو بھلا جو اس کا ہرگز نہ تم سکھاؤ — بحثِ حقوقِ انساں نیٹو آئٹ انڈ یا کو

حج کو کیونکر جائے کارِ خانگی کو چھوڑ کر — اتنی کثرت ہو جو جوہوں کی تو بلی کیا کرے

بھلا کیا پوچھنا ہے شانِ اکبر کا زمانے میں — کہ وہ نیٹو بھی ہے ہندوستانی بھی مسلماں بھی

شیخ جی کے دونوں بیٹے باہنر پیدا ہوئے — ایک ہیں خفیہ پولیس میں ایک پھانسی پا گئے

قوت زیرِ حراست سے نہیں پیدا شکوہ — جب لیا لیسنس وہ رعبِ رقل جاتا رہا

باوجود اس بیکسی کے بدگمانی اس قدر — میں نے کی اللہ سے فریاد آڑے آیا دین
ڈائری میں ہو گیا تھا اختلاف اندراج — لڑ گئے خفیہ پولس سے کل کراماً کاتبین

سول سرجن تو ساڑھے سات سے پہلے نہیں اُٹھتے — ولیکن اب کے مرغے کی سحر خیزی نہیں جاتی

اے ذہنِ عرب گوش مکن صلح عجم را — ایں نغمہ نشید است دگر صوت و نغم را

ضمیمہ

در بحرِ زندگی دلم آہے کشید و رفت　　برقے بگویش کہ در ابرے چکید و رفت
داغِ دل است رنگِ فنا اندریں چمن　　سبزہ دمید و مُردُ گلِ تر رسید و رفت

اس وعدہ خلافی پہ کرو غور کسی دن　　ہر روز یہ کہہ دیتے ہو اب اور کسی دن
ہر لذتِ دُنیا پہ وہ جھک پڑتے ہیں فی الفور　　آفت میں پھنسائے گی یہ فی الفور کسی دن

خیالِ حالتِ قومی سے دل کو پست کرتا ہوں　　مگر جب اپنا بنگلہ دیکھتا ہوں جست کرتا ہوں

مورخ اور صوفی میں یہی ہے فرق اے اکبؔر　　کہ وہ مصروفِ ماضی ہے اور اس کو حال آتا ہے

ڈاڑھی خدا کا نور ہے بیشک مگر جناب　　فیشن کے انتظام صفائی کو کیا کروں

نکال دیں تو درِ فیضِ عام چھٹتا ہے　　جو مُنہ لگائیں تو ان کا گدام لُٹتا ہے
سکھائیں کیوں نہ یہ خفتر و فتار رعایا کو　　کہ حرص بڑھتی ہے اس سے تمدن ہی گھٹتا ہے
کریں یہ خاک نشینوں کی طبع کو ہموار　　کہ جس طریق سے کنکر سڑک پہ کٹتا ہے

نہ کٹ لٹ ہیں نہ یاں کانٹا چھُری ہے　　مگر گھی ہے تو کھچڑی کیا بُری ہے
کہاں مسجد میں وہ اگلے سے مُسلم　　خدا کے نام کی خانہ پُری ہے
ترقی پا کے وہ برگڈ میں پہو نچے　　کسی کو کیا کہ جب تنہا خوری ہے
یہ لیڈر گا رہا ہے حمد کے گیت　　مگر آواز بالکل بے سُری ہے

عقد سے کیا ہوں خوش کہتی ہے بیوی ان کی　　بے نماز آئے تو کب ہاتھ لگانے دونگی
میں مسلمان کی لڑکی ہوں مسلمان ہوں خود　　سامنے بھی انھیں واللہ نہ آنے دونگی
ساس کہتی ہیں کہ پڑھواؤں گی سمجھا کے نماز　　ایسے مسٹر کو بھلا ہاتھ سے جانے دونگی

دشمن دیں کی تھی جس میں گتا تھا اک دہاتی
بسکٹ سے ہے ملائم پوری ہو یا چپاتی

شانِ نماز اکبر شاہانہ ہو چلی ہے
مسجد الگ بنائیں اپنی میاں وفاتی

جو ایر شپ پر چڑھے تو ایسے کہ بس ہمیں ہیں خدا نہیں ہے
جو ایر شپ سے گرے تو ایسے کہ لاش کا بھی پتا نہیں ہے

حیات دنیا کو آیتوں میں خدا نے لہو لعب بتایا
کسی کو ہو کچھ تامل اس میں ہمیں تو شبہہ ذرا نہیں ہے

گیس اُڑانے کو اک وادی عمل تو ہے
ہمارے واسطے اک ناز کا محل تو ہے

الٰہی رکھ تو سلامت ہمارے لیڈر کو
کہ بزم قوم میں اس سے چہل پہل تو ہے

چلا ہی لیں گے کسی کھیت میں بہ حکم حضور
خدا کے فضل سے محفوظ اپنا ہل تو ہے

اُسے اقرار اغوا ہے یہ اغوا کو چھپاتے ہیں
علیہ اللعن ہے شیطان لیکن ان سے اچھا ہے

بت مبہم تمہارا مصرعِ ثانی ہے اے اکبر
اشارہ ہے کہ ہر شیطان آخر کن سے اچھا ہے

جو سچی بات ہے کہہ دو نگاہ خوف و خطر اس کو
نہیں رکنے کا میں ہرگز بری تو کے کہ بن تو کے

انار آتے تو کابل کے تو پڑتے سب کے حصے میں
امیر آئے تو ہم کو کیا مزے ہیں لارڈ منٹو کے

شاہی و حکومت کی ہے اصلی یہی بیوٹی
ہر طور سے انسان سمجھ لے اُسے ڈیوٹی

حاکم میں اگر ناز ہے اور عیش پرستی
حاکم میں اگر بادۂ نخوت کی ہے مستی

کتنا ہی زبردست و بلند اس کا ہو پایہ
ہرگز نہ کہیں گے اُسے اللہ کا سایہ

حاکم کو ضروری ہے مذاہب کی اعانت
اللہ کی ہو جس سے پرستش بہ فراغت

بایں ہمہ کرتا ہے مجھے صاف یہی عرض
حاکم کی اطاعت ہے بہر حال تمھیں فرض

دنیا دینی ہے پئے تیاری عقبےٰ
بیجا ہے حکومت کا جو ہر اک کو ہو سودا

یہ ملک نہ فطرت کا ہے شیدا نہ خدا کا　　دادا کا کہیں بت ہے کہیں رسم کا خا کا
جو شرک میں ڈوبا ہے نہ پھولا نہ پھلے گا　　غیروں ہی کی امداد سے کام اس کا چلے گا

مجھ میں اب زور ناتوانی ہے بہت　　بایں ہمہ اُن کو بد گمانی ہے بہت
خاموش رہو تو سانس لینے دیں گے　　اتنی بھی یہ اُن کی مہربانی ہے بہت

میر منشی رضا حسین خاں صاحب نے سلسلۂ مراسلت میں مجھ کو یہ شعر لکھ بھیجا تھا،

چشمے داریم و عالمے در نظرم　　دیگر چہ معلم و کتابم باید

میری طبیعت میں اس شعر نے ایسا ہیجان پیدا کیا کہ اشعار ذیل موزوں ہو گئے،

اے آنکہ فسانہ گوئی از دیر و حرم　　ایں دفتر تست باعث دردسرم
بگذار مرا بہ حالم از راہ کرم　　چشمے داریم و عالمے در نظرم
دیگر چہ معلم و کتابم باید

جامے زمئے طہور دارم در دست　　جانم بہ سرودِ عاشقی بیخود و مست
نے طالب نغمہ ام نہ من بادہ پرست　　تارِ نفس است دیلدے از عہد الست
دیگر چہ مغنی و شرابم باید

یہ کہتے تھے اک لالۂ با وقار　　کہ عربی حروف اب تو ہم پر ہیں بار
رُکی ہے اُنھیں سے ہماری نمود　　یہ کھسکیں تو ثابت ہوا اپنا وجود
کہاں کا حرام اور کہاں کا حلال　　ہٹے مائے حُطی رہیں رام لال

رقبہ تمھارے گانوں کا میلوں ہوا تو کیا　　رقبہ تمھارے دل کا تو دو انچ بھی نہیں

بوئے وفا نہیں ہے مسوں کے اُصول میں　　بس رنگ دیکھ لیجیئے گملے کے پھول میں

روتا تھا میں اس غم میں کہ حالت تو ہے ایسی　　اور اس کا کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے

ہوا اس کا بھلا جس نے کہا دل کو قوی رکھ — جو تجھ پہ گذرتی ہے خدا دیکھ رہا ہے

بھائی صاحب تو یہاں فکرِ مساوات میں ہیں — شیخ صاحب کو سنا ہے کہ حوالات میں ہیں
قوم کے حق میں تو انجمن کے سوا کچھ بھی نہیں — صرف آنر کے مزے اُن کی ملاقات میں ہیں
سر بسجدہ ہے کوئی اور کوئی تیغ بہ کف — اک ہمیں اس رزولیوشن کی خرافات میں ہیں
ہوش ہیں رہ کے گرد دُور نقائص، اپنے — مغربی لوگ تو مست اپنے کمالات میں ہیں

طالب ہوں میں ترقیِ بابو پسند کا — اخلاق کو اگرچہ ہے خطرہ گزند کا

بابو ہمیں نگل گئے اس عہد میں تو خیر — رہتا پڑا ہے نبیوں کو مچھلی کے پیٹ میں

جس نے کہ یہ کہا ہے واللہ کیا کہا ہے — تعظیم خواہ سب ہیں حاجت روا خدا ہے

مٹنے پر ہے نقش باطل — لا یستعجل لا یستعجل

عالمِ وحدت میں کثرت رنگ دکھلانے لگی — ہوش کے ٹکڑوں سے میں میں کی صدا آنے لگی

بات صاف ہے کہتا ہوں بے دریغ اس کو — نہ مجھ کو کام ہے ٹھکرائی سے نہ شیخی سے
زیادہ زینتِ دنیا بھی ہے فساد انگیز — جنونِ جنگ ہے پیدا اسی ترقی سے

اب حدیثِ لیڈری ہے عمر راوی ہو چکی — آفتِ ارضی کی شدت ہے سماوی ہو چکی
پند ہے کونوا عباد اللہ اخوانا کی خوب — ووٹ بازی پر مگر یہ پند حاوی ہو چکی

خلوتِ ناز میں کیا شان خود آرائی ہے — حسن خود عالمِ حیرت میں تماشائی ہے

میرے اس مصرع پہ سب کی واہ ہے — ہوش میں ہوں زندگی اللہ ہے

جب غم ہوا چڑھا لیں دو بوتلیں اکٹھی — مُلّا کی دوڑ مسجد اکبر کی دوڑ بھٹی،

چلا جاتا تھا اک ننھا سا کیڑا رات کاغذ پر — بلا قصدِ ضرر اس کو ہٹایا میں نے انگلی سے
مگر ایسا وہ نازک تھا کہ فوراً پس گیا بالکل — نہایت ہی خفیف اک داغ کاغذ پر رہا اُس کا

ابھی وہ روشنی میں شمع کی کاغذ پہ پھرتا تھا ابھی یوں مٹ گیا اک جنبش انگشتِ انساں سے
لیا میرے سوا نوٹس ہی کس نے اس کا دنیا میں نہ تھی فطرت کی کیا کاریگری اُس کے بنانے میں
نسب نامہ بھی اس کا عالم ذرات میں ہوگا یہی تھی اس کی ہستی اور اس میں اسکی مستی تھی
نہ ماتم کرنے والا ہے نہ لالف لکھنے والا ہے وہ دھبا درس عبرت دے رہا ہے مجھ کو اے اکبر
معاذ اللہ کیا سمجھا ہے تو نے اپنی قسمت کو تجھے بھی صفحہ روئے زمیں سے ایک دن آخر
مٹا دے گی کوئی تحریک فطرت حکم باری سے عجب حسرت سے ہوں میں دیکھتا اس داغ کاغذ کو
مری نظروں میں تو نقشہ یہ ہے دنیائے فانی کا صریحاً جسم تھا اک جان تھی احساس تھا اس میں
اور اب دھبا سا ہے کیا جانے کوئی کیسا دھبا ہے عجب کیا ہے جو سمجھے کوئی نسل کی لکیر اس کو
معاذ اللہ معاذ اللہ سناٹے کا عالم ہے بہت جی چاہتا ہے روؤں اس ہستی کے دھبے پر
یہ ہیں برسات کے دن تیسری بھادوں گذر رہی ہے میں اپنا غم غلط کرتا ہوں کچھ اشعار لکھنے سے

(اصل کاغذ جس پر دھبا ہے حسن نظامی دہلوی لے گئے اس کا فوٹو انھوں نے چھاپا ہے)

پوچھے کوئی اگر تصنیف کیا کہہ دو اکبر کہ لفظ بے معنے
پوچھے کوئی اگر شریعت کیا کہہ دو اکبر کہ لفظ با معنے
پوچھے کوئی اگر تصوف کیا کہہ دو اکبر کہ معنیٰ بے لفظ

ہمارے شیخ صاحب کا عمل کتنا مناسب ہے اُدھر ہر گند بھی لٹو ہے اِدھر جنت بھی واجب ہے

مطبع کی یاں مدد نہ کتابوں کا زور ہے میخانہ دل ہے اُس کی شرابوں کا زور ہے

فدا ہوں ہادیانِ دین و ملت کے نشانوں پر پرستش میں اگر تقلید ابراہیم کرتا ہوں
فروغِ روئے انسانی بھی ہے اور شمس تاباں بھی مگر میں لا احب الآفلین تعلیم کرتا ہوں
درِ دل اہلِ دل کا جب کھلا ہو جانبِ عرفاں تو بیشک فیض روحانی کو بھی تسلیم کرتا ہوں

اک بحث میں اُلجھ کر دنیا کا کام چھوڑا — چھوڑی سحر نہ اُس نے ہنگام شام چھوڑا
ہر فلسفی نے لیکن عمر اپنی ختم کر دی — جو بحث اُٹھائی اس کو بس ناتمام چھوڑا
اکملت کا اشارہ کافی ہے تجھ کو اکبر — پھر دل کا کیا ہے مرکز جب یہ مقام چھوڑا

عجم کی زینتیں سیکھیں مباہات عرب سیکھیں — زمانے کی ترقی جو سکھائے ان کو سب سیکھیں
مگر اک التماس ان نوجوانوں سے میں کرتا ہوں — خدا کے واسطے اپنے بزرگوں کا ادب سیکھیں

دل کو فطرت سے ہے تعلق — مذہب کا اثر زبان پر ہے
چاہو جو شناخت نیک و بد کی — موقوف یہ امتحان پر ہے

دنیا کی بے وفائی سے اکبر ملول ہے — لیکن زیادہ اس کا تصور فضول ہے
اب تک وہ رو رہا ہے میں سمجھا تھا رو چکا — اتنی سمجھ نہیں کہ مرا وقت ہو چکا

جن میں ہر گام پہ اک دام بلا ہے درپیش — نفس کو تو انھیں باتوں میں مزا آتا ہے
اس کمیٹی میں نہیں روح کی لذت کا خیال — ممبر اُٹھ جاتے ہیں جب ذکر خدا آتا ہے

بہتر سمجھے ہو تم جو خاموشی کو — یہ بھی نہ کہو کہ خامشی بہتر ہے

الف بے تے ہی کو پڑھ کر میں سمجھا — الف اللہ کا اور ما سوا بت

نہ ازل کی رہی یاد اور نہ ابد کی ہے خبر — آفریں تجھ پہ مجھے ہوش میں لانے والے

بے حد وہ خفا ہیں اکبر سے اور اس کی دعا یہ ہے کہ انھیں
اللہ بصیرت ایسی دے اپنی غلطی کو دیکھ سکیں

علم پر گو غرور بیجا ہے — جاہلوں سے اب اجتناب روا

شیخ برگڈ کہتے ہیں مذہب ضروری ہے مگر — فائدہ مذہب کا جو کچھ ہے اسی دنیا میں ہے

وہ خرافات پر ہیں داد طلب — واہ واہ پر عجیب مصیبت ہے

حضرت کی شعر گوئی کچھ مستند نہیں ہے — کہنے کی ایک حد ہے بکنے کی حد نہیں ہے

حقیقی اور مجازی شاعری میں فرق یہ پایا — کہ وہ جامے سے باہر ہے یہ پاجامے سے باہر ہے

کیا خبر خلد سے کیوں حضرت آدم نکلے — ہم تو مصروف ہیں گیہوں کی خریداری میں

لاکھ چھانٹیں وہ مذہبی باتیں — فرق ہے شیخی و کلر کی میں،

لیڈر کو دیکھتا ہوں تصوف پہ معترض — کالج کے کیڑے پڑ گئے دلق فقیر میں

اصطلاح بت بے پیر اُسی پر ہے دُرست — جس کا مرشد نہیں اُستاد نہیں پیر نہیں

تعلیم اُس کی اچھی جو اپنے گھر میں خوش ہو — مذہب اسی کا اچھا جس کو پولس نہ پکڑے

طاعون کی بدولت ان کو بھی ارتقا ہے — جو مارتے تھے مکھی اب مارتے ہیں چوہے

تمھاری شاعری یہ پھل جھڑی ہے یا پٹاخا ہے — یہ حافظ ہی کی محفل ہے جہاں کا سادھا قاہے

تم خدا کو خوش کرو سب کی خوشامد چھوڑ کر، — یا خدا حاکم جو ہوگا خود ہی خوش ہو جائیگا

فرما گئے ہیں یہ خوب بھائی گھورن — دنیا روٹی ہے اور مذہب چورن

نا ملائم کیوں کہو اور کیوں سُنو — بات یہ ہے چُپ کرو یا چپ رہو

بجھی ہوئی باتوں نے پریشان کیا ہے — مشتاق ہوں اُس کا جو سمجھ میں نہیں آتا

قائل ہمہ اوست کا ہے اکبر — محسوس مگر ہمہ نہیں ہے

کرتا ہوں مضمون یہ مغرب سے نقل — بولتا ہے علم اور سنتی ہے عقل

کالج کے مفتیوں سے کل کہہ رہے تھے اکبر — بسکٹ سے باز آنا رُہبانیت نہیں ہے

کہتے ہیں کہ تم قوم سے قم کیوں نہیں کہتے — کہہ دو یہ مناسب ہے تو تم کیوں نہیں کہتے

یہی اُن کے عقائد میں یقیں اس کا نہیں ہوتا — جو کرتے ہیں نہ کرتے یہ اگر اُن کو یقیں ہوتا

فرمان کسے بودہ دُرہا کہ چنیں سفتم — گفتند بگو گفتم۔ گفتند مگو خفتم

سایہ مدّت ہوئی غبارہ بنا — پائچوں میں بھی اب بھری ہے ہوا

جو کہہ رہا ہے خود اس کو نہیں ہے وہ محسوس — غرض کہ داد ہی پالے اثر سے ہو مایوس

رجز تو تونے سنائی رہِ عمل کو بھی دیکھ — پُرانے قصے تو ہیں یاد آج کل کو بھی دیکھ

یاں نہ منطق ہے کتابوں کے نہ پشتارے ہیں — جوش ہے دل میں مضامین کے فوارے ہیں

مغربی تعلیم ہو اور ہوم رولی بات ہو — لطف موسم ہے یہی مینڈک ہو اور برسات ہو

دین پر جب ہم نے دنیا کو مقدم کر دیا — دنیوی درجے کو بھی اللہ نے کم کر دیا

خوب عالم ہے زمانے کو جہاں دخل نہیں — بزم توحید میں یہ گردشِ ایام کہاں

سر جھکا رکھ سر اٹھانے کی جگہ ایدل کہاں — چاندماری ہو رہی ہے بدر کی منزل کہاں

حرج کیا روپیہ جو کا غذ کا چلا — غم نہ کھا روٹی تو گیہوں کی رہی

ہے حوادث کا محبان الٰہی پر بھی نیر — ہاں حساب دوستاں در گور اگر کہئے تو خیر

نبوت کا زمانہ اور تھا اب اور جبر مسٹ ہے — وہاں سینے میں قرآں تھا یہاں سینے میں لیکچر ہے

کیا ترقی کہ بہم جس سے بڑھے بغض و نفاق — فربہی کیا ہے اگر خلط ہے فاسد پیدا

زیادہ بے لطفی ہو چلی تھی اس وقت یہ اشعار معارف نے چھاپے ورنہ نصیحت اور امر بالمعروف ہمیشہ چاہیئے

اس وقت مولویت صوفی سے بھڑ گئی ہے — اغیار کو ہو مژدہ آپس میں چھڑ گئی ہے

ملا کو زعم ہے یہ دانم چرا نہ گویم — صوفی کو یہ کہ دارم پائے چرا نہ پویم

ملا یہ کہہ رہے ہیں میرا رسالہ دیکھو — صوفی کا ہے اشارہ میرا پیالہ دیکھو

ملا پکارتے ہیں منطق کی جنگ اچھی — صوفی کا ہے ترانہ حق کی ترنگ اچھی

ملا یہ کہہ رہے ہیں قرآن ہی سے پڑھیئے — صوفی یہ کہہ رہے ہیں معنی سمجھ کے پڑھیئے

اس جنگ میں ہے بیشک نادانیِ سیاسی — یہ بات ہے یقینی ہرگز نہیں قیاسی
گو قیدِ ظاہری کی پاتے ہیں ان میں قلّت — وہ بھی جماعتیں ہیں وہ بھی ہے نظمِ ملّت
دینی طریق میں تو ہر سمت اب کمی ہے — مجلس میں ہے تزلزل میلوں میں برہمی ہے
گتے ہیں کر رہے ہیں ہم یہ رفارمیشن — دیکھا نہیں تھا لیکن مُردوں پہ آپریشن
بازو قوی جو رکھتے ہوتی اگر حکومت — اس وقت شاید آتی کچھ کام یہ خصومت
تنگیِ رزق نے تو چرخے دیے ہیں کتوا — کیسی دلیلِ شرعی کیسا خرد کا فتوےٰ
ہوتا رہے گا نشتر پہلے جلائیے تو — جانِ حزیں کو اُن کے تن سے ملائیے تو
ہے ہاتھ میں قلم بھی منھ میں زبان بھی ہے — لیکن یہ دیکھئے تو حضرت میں جان بھی ہے
وضعِ کہن کا مٹنا اُس کی یہ رُت نہیں ہے — تیشے سے توڑ دو تم ایسا یہ بُت نہیں ہے
اس وقت کیا تمھاری یہ خوش خیالیاں ہیں — آپس میں گالیاں ہیں غیروں کی تالیاں ہیں
بہتر ہے کام لینا نغمات و موعظت سے — روکو گلے کو لیکن ایسی جبلت پھرت سے
شیعہ ہوں خواہ سُنّی مُلّا ہوں خواہ صوفی — بے سود جنگ باہم ہے سخت بیوقوفی
باتیں نئی کہاں سے لاکر کوئی کہے گا — تم بھی وہی رہو گے وہ بھی وہی رہے گا
دیکھو ذرا تنزّل تو خود ہی زور پر ہے — موقوف کب یہ حالت آپس کے شور پر ہے
وقتِ نزاعِ باہم ہرگز نہیں ہے یارو — اللہ کو پکارو اللہ کو پکارو

وہ خود آرائی کہاں خوشیوں کی تمہید اب کہاں — رسم ادا کر دیتے ہیں مل لیتے ہیں عید اب کہاں

دانے کو ہے حق نشو و نما سے تو نہیں انکار مجھے — لیکن یہ بتاؤ مجھ کو ذرا وہ کھیت میں ہے یا پیٹ میں ہے

چلتی نہیں کچھ اپنی کوئی ہزار چاہے — ہوتا ہے بس وہی جو پروردگار چاہے

بے رونقیِ اکبر میں ہو شریک آکر — جو موسمِ خزاں میں رنگِ بہار چاہے

یہ پرچہ جس میں چند اشعار ہیں ارسال خدمت ہے — ہمارے لختِ دل ہیں آپ کا مال تجارت ہے

کہوں کیا ہستیٔ باری میں شک ہونیکے کیا معنی — یہی سمجھا نہیں میں آجتک ہونے کے کیا معنی

تنہائی میں بھی فکر جماعت کی جی میں ہے — دنیا میں میں نہیں ہوں یہ دنیا مجھی میں ہے

شاگرد ڈاروِن تو خدا ہی سے پھر گئے — اکبر مگر نہیں ہے مداری کے ہاتھ میں

اگرچہ دعویٔ اسلام ہے مگر بالفعل — سوا خدا کے ہمارا کوئی گواہ نہیں

چھوڑنا ممکن ہے اکبر شوخیٔ گفتار کو — ترک حق گوئی ہے مشکل محرم اسرار کو

جوانی نے تو اپنے واسطے ہم کو اُٹھایا تھا — بڑھاپا تو بٹھائے اب خدا کے واسطے ہم کو

تمت بالخیر